DUE DATE

Acc. No. 200636

Late Fine Rs. 1.00 per day for first 15 days.
Rs. 2.00 per day after 15 days of the due date.

تاریخ قوم کمبوہ

(جدید تحقیق کی روشنی میں)

○

مؤلفہ و مرتبہ

چوہدری محمد یوسف حسن

○

ناشر:

حسن سنز پبلی کیشنز۔37۔ای۔ماڈل ٹاؤن لاہور

نام کتاب	ــــــــــــ	تاریخ قوم کمبوہ
مؤلف	ــــــــــــ	چوہدری محمد یوسف حسن
کمپوزنگ	ــــــــــــ	افتخار حسین
سرورق	ــــــــــــ	جناب بشیر موجد
مطبع	ــــــــــــ	لیاقت آصف پرنٹرز۔ ریلی گن روڈ۔ لاہور
بار اول	ــــــــــــ	جولائی 1996ء
تعداد	ــــــــــــ	ایک ہزار
پبلشرز	ــــــــــــ	حسن سنز۔ پبلی کیشنز
	ــــــــــــ	37- ای ماڈل ٹاؤن - لاہور
قیمت	ــــــــــــ	250 روپے

کتاب سٹینڈرڈ بک ہاؤس' 22 اردو بازار لاہور سے بھی مل سکتی ہے۔

ضروری نوٹ : اس کتاب کی جملہ آمدنی قومی موضوعات کی تحقیق اور تالیفات پر صرف کی جائیگی۔

ترتیب مضامین

مضمون	صفحہ

صفحہ	6	مضمون

باب چہارم: فصل سوم

باب پنجم:

صفحہ	مضمون 7

مضمون	صفحہ

فصل دوم

باب نہم : کمبوہوں کا قبول اسلام۔

مضمون	صفحہ

تمت

برادرم چوہدری محمد اسماعیل (مالیر کوٹلہ) کی فرمائش

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

مفہوم = اگر آپ اپنے سینہ کے مندمل داغوں کو از سر نو تازہ کرنا چاہتے ہیں اور ماضی کی بھولی بسری یادیں پھر سے ذہن کی سکرین پر اجاگر کرنے کے خواہشمند ہیں تو کبھی کبھی ان پرانی داستانوں کو پڑھ لیا کیجئے۔

(مؤلف) بایں ہمہ "پیام امروز" فراموش نہ ہونے دیں کہ ؎

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ڈوبے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک

اس لئے

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے

میرے اباجی۔

زمانے کے گرم و سرد چشیدہ میرے اباجی زندگی کی 76 بہاریں اور خزائیں دیکھ چکے ہیں اور میں عمر مستعار کی 36 ویں منزل طے کر رہا ہوں۔ سن شعور کو پہنچنے کے آغاز یعنی کم و بیش بیس پچیس برس سے انہیں کماحقہ' بخوبی جانتا ہوں۔ اپنے ذاتی مشاہدہ کے علاوہ ان کے بچپن' جوانی اور بڑھاپے کے مختلف مدارج و کوائف معتبر راویوں کی زبانی معلوم ہیں جن میں میری والدہ' دادی اماں اور گھر کے دوسرے بزرگ شامل ہیں۔

والد قبلہ بارہ تیرہ برس کی معصوم عمر میں تن تنہا حصول تعلیم کی غرض سے اپنے وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر لاہور آن بسے' یہ عمر تو کھیلنے کودنے کی ہوا کرتی ہے مگر نجانے کتنی بے نام آرزوؤں کو آنسوؤں میں چھپائے یہ معصوم بچہ اجنبی شہر کا ہو رہا۔ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ اور اسلامیہ کالج لاہور سے تکمیل تعلیم تک کا ان کا سفر بلاشبہ کٹھن بھی تھا اور طویل بھی۔

لاہور میں اپنے ابتدائی سال انہوں نے نہایت صبر و عزیمت سے بسر کئے' وہ اس شہر کی ان دیکھی روایتوں کے امین ہیں جو مابعد تاریخ کا حصہ بنیں' انہیں علم و ادب کے میدان میں نامور اساتذہ مثلاً پروفیسر ایم اے غنی' پروفیسر فیاض محمود' پروفیسر حمید احمد خان' مولانا علم الدین سالک وغیرہ ہم کے تلمذ کا شرف حاصل رہا اور علامہ عبداللہ یوسف علی جیسے نابغہ روزگار پرنسپل سے نظم و ضبط کی حکمت سے آگاہی ہوئی۔

وہ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے قیام میں پیش پیش رہے' 1936ء سے 1940ء تک لاہور کے سرفروش نوجوانوں کی واحد منظم مسلم لیگی تنظیم "مسلم کامریڈز لیگ" کے چار سال تک جنرل سیکرٹری رہے۔ اس دوران میں مولانا ظفر علی خاں اور اخبار زمیندار سے قریبی تعلق رہا' اسلامیہ کالج کے خاص خاص طلبہ کے علاوہ مولانا کو مسلم کامریڈز لیگ سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ اسے لاہور میں مسلم لیگ کی زندگی کی علامت سمجھتے تھے' 22 مارچ 1940ء کو قائداعظمؒ نے بذات خود اس کی عمدہ کارگزاری کو سراہا۔ اباجی نے تحریک پاکستان کے ایک گمنام کارکن کی حیثیت سے دیوانہ وار کام کیا سرکاری ملازمت ترک کر کے سٹیٹ مسلم لیگ مالیر کوٹلہ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور 1947ء میں ساڑھے چار لاکھ لٹے پٹے مہاجرین کی دیکھ بھال اور بحالی کے لئے شبانہ روز محنت کی۔ مخصوص سیاسی حالات کے تحت پاکستان آنا پڑا' یہاں اپنی اصول پسندی اور خاص جبلت کے باعث قیمتی موروثی زرعی اراضی کے عوض میں کوئی زمین الاٹ نہ کرائی۔

وہ ایک راست گو' باہمت اور سیلف میڈ انسان ہیں تمام عمر انتہائی ایمانداری اور محنت سے ملازمت

کی' اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کے باوجود کبھی انکساری اور سادگی کا دامن نہ چھوڑا۔ ہمیشہ رزق حلال کمایا اور ہمیں بھی اس کی تلقین کی' ہم آٹھ بہن بھائیوں کو انہوں نے بہترین زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی سعی کی جس میں وہ سرخرو رہے۔

میں نے گزشتہ ربع صدی میں ان کا اپنی قوم سے قلبی تعلق کم ہوتے نہیں دیکھا بلکہ بڑھتا ہی رہا ہے' اسکی بنیاد تعصب یا خاندانی رسم پرستی نہیں بلکہ صلہ رحمی کا حقیقی جذبہ ہے۔ 1975ء میں ایک معروف تجارتی ادارے کے سینئر ایگزیکٹو کی حیثیت سے ریٹائرمنٹ سے لیکر اب تک تحقیق و تالیف کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا' وہ معروف معنوں میں کوئی سکہ بند مؤرخ یا دانشور نہیں مگر تحقیق اور تجزیہ کے قدیم و جدید اسالیب کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ کتاب ہذا کی تالیف کے دوران میں میرے سامنے انہوں نے بلا مبالغہ کئی سو کتب پڑھ ڈالیں' متعدد مضامین اور رسائل و جرائد کھنگال ڈالے' ولایت سے کتب منگوائیں' بھارت یاترا بھی کی' کئی مصنفین اور مؤرخین سے ان کی قلمی دوستی اور علمی چشمک چلتی رہی' بسا اوقات ایک معمولی سے نکتہ پر کئی ہفتے لگا دیتے۔ اس کے باوجود اگر انشراح صدر نہ ہوتا تو از سرنو اس کے حل پر کمربستہ ہو جاتے۔ ہم لوگوں کو مطالعہ اور کتب بینی کا چسکا انہی کا لگایا ہوا ہے' اوائل عمری میں ہی ان کی ذاتی لائبریری کی ایک ہزار سے زائد کتب میں سے شاید ہی کوئی میری دسترس سے محفوظ رہ پائی ہوں۔ مطالعہ کے وہ بچپن سے عادی ہیں' انگریزی زبان و ادب پر دسترس کے علاوہ انہیں علوم شرقیہ پر بھی عبور حاصل ہے' گزشتہ چند سالوں میں ہندی اور گورمکھی میں اپنے علم کا اعادہ کرتے ہوئے نکھار پیدا کیا' اپنی بیماری' ضعف اور نقاہت کے علی الرغم جوانوں سے بڑھ کر کام کیا اور یوں اس کتاب کی تالیف و ترتیب انجام پذیر ہوئی۔

میں نے یہ کتاب پروف ریڈنگ کے دوران میں دو تین مرتبہ پڑھی ہے۔ معلوم نہیں تاریخ کے نقاد اسے کہاں Rate کرتے ہیں اور تبصرہ نگار اس کے بارے میں کیا حتمی رائے قائم کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک سچے' راست گو اور علم دوست شخص کی زندگی بھر کی تحقیق اور تجربہ کی عمیق گہرائی کا نچوڑ ہے۔ یہ کتاب اپنے اسلاف سے ان کی عقیدت اور محبت کا اظہار ہے۔ کبوہ قوم کی معاشرتی زندگی کے مختلف دریچے متعدد زاویوں سے واضح کئے ہیں' حقائق کے متلاشیوں کے لئے زاد راہ اور سنگ میل ہے' جوانوں کے لئے نشان سفر اور آنے والوں کے لئے ستارۂ صبح کی نوید ہے۔ میں ان کی صحت اور طوالت عمر کے لئے دعاگو ہوں قارئین سے بھی دعا کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر تنویر الحسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

37-1936ء کی بات ہے میں اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم تھا۔ میرے تاریخ کے پروفیسر سید عبدالقادر اپنے طلبہ کو اکثر مشورہ دیا کرتے کہ کلاس روم کے لیکچر اور نصابی کتاب پر اکتفا کی بجائے علم میں وسعت نظر پیدا کرنے کے لئے مختلف مورخین کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ چنانچہ جب میرے ہم جولی خالی پیریڈ کالج ہال یا گراؤنڈ میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں ضائع کرتے' میں ایک دو دوستوں کے ہمراہ کالج لائبریری میں جا کر کتب بینی میں مصروف ہو جاتا' یہاں مختلف موضوعات انگریزی ادب' اقتصادیات' تاریخ' سوانح وغیرہ پر انگریز' مسلمان اور ہندو مصنفین کی اعلیٰ معیاری کتب سے استفادہ کا موقعہ ملتا۔

ایک روز وی اے' سمتھ کی تاریخ ہند کا مطالعہ کرتے ہوئے زمانہ قدیم میں کمبوہ قوم کا ذکر پڑھ کر خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ راہوار شوق کو مہمیز ملی اور اسی جذبہ کے تحت' بہت سی کتابیں پڑھ ڈالیں' ان میں سے کمبوہ قوم اور ملک وغیرہ کے متعلق اقتباسات نوٹ کئے۔ یہیں پر منکشف ہوا کہ تقدیم کے لحاظ سے دیگر ہم عصر اقوام کے مقابلہ میں کمبوہ قوم کو خاص اہمیت اور انفرادیت حاصل ہے۔

اتفاق سے 1938ء میں طے شدہ پروگرام کے مطابق گڑھی شاہو میں حاجی چوہدری علی محمد (پوسٹ ماسٹر) کے ہاں محترم بزرگ چوہدری وہاب الدین سے ملاقات ہوئی۔ بحیثیت جنرل سیکرٹری ینگ مین کمبوہ ایسوسی ایشن ان کو نوجوانوں کی سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور جمع کردہ اقتباسات ان کی خدمت میں پیش کئے۔ ان کی مشفقانہ گفتگو اور ہمت افزائی سے بہت متاثر ہوا۔ چوہدری صاحب نے بتایا کہ تاریخ کمبوہاں کا دوسرا ایڈیشن کتابت کے مراحل طے کر چکا ہے اس لئے اس مرحلہ پر کسی ترمیم یا اضافہ کی گنجائش نہیں البتہ آئندہ استفادہ کے لئے انہوں نے اقتباس رکھ لئے۔

1946ء میں محترم ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے منجملہ دیگر قومی امور پر گفتگو کے' یوپی اور پنجاب کے دانشوروں کا بورڈ بنا کر ایک متفقہ اور مستند قومی تاریخ مرتب کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اس سے قبل یوپی میں ایک نمائندہ کمبوہ کانفرنس منعقد ہو چکی

تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کے مطابق میں نے محترم عظمت الٰہی زبیری رجسٹرار علی گڑھ یونیورسٹی سے رابطہ قائم کیا مگر ان کے جواب نے مجھے زبیری حضرات کی طرف سے بالکل مایوس کر دیا۔

پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو میں 1948ء سے 1988ء تک رہین ستم ہائے روزگار رہا۔ 1952ء کے بعد دس گیارہ سال راولپنڈی اور پشاور میں تعیناتی اور اس کے بعد سات آٹھ سال تک کوئی مناسب فورم مہیا نہ ہونے کے باعث برادری کی فلاح اور اصلاح کے کاموں میں کوئی نمایاں حصہ نہ لے سکا۔ اس دوران میں اور اس کے بعد جب بھی موقعہ میسر آیا قومی تاریخ کی ابتدا اور جزئیات کے تجسس سے غافل نہ رہا۔ 1970ء میں انجمن کمبوہاں پاکستان قائم ہوئی۔ انجمن نے چوہدری وہاب الدین مرحوم کے لواحقین سے تاریخ کمبوہاں کا مسودہ حاصل کر کے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ انجمن کو مسودہ سپرد کرتے وقت یہ شرط عاید کی گئی تھی کہ کتاب من و عن شائع کی جائے کوئی ترمیم و تنسیخ' حک و اضافہ نہ کیا جائے۔ مسودہ دیکھا تو اس میں وہی داستان پارینہ دہرائی گئی تھی معلوم ہوا ان کے تمام مسودات اور کتب خانہ امرتسر میں فسادات کی نذر ہو گیا تھا۔ اگرچہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انجمن کے ایک با اختیار عہدہ دار نے مجلس انتظامیہ کی رضامندی اور اجازت کے بغیر کتاب کے آخر میں ایک باب کا (وہ بھی زبان و بیان کی اغلاط سے مملو) اضافہ کر دیا تھا مگر متن جوں کا توں رہا۔

چودہ پندرہ سال بعد یعنی تقریباً 1988ء تک تاریخ کمبوہاں کا تیسرا ایڈیشن بھی دستیاب نہ رہا مجھے بوجوہ اس کتاب کے بعض بنیادی مندرجات سے اتفاق نہ تھا اور میں جدید تحقیقات کی روشنی میں قوم کو اصل حقائق سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ حافظ ابن حزم اندلسی کے نزدیک علم حدیث کے بعد تاریخ کو جملہ علوم پر فوقیت حاصل ہے۔ علم تاریخ کی ماہیت پر زیادہ غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ تاریخ قوموں کے آغاز' عروج و زوال' اور گرنے سنبھلنے کا ہی نام نہیں بلکہ ان کے خصائل و عادات' معاشرت' تمدن' ادب' مذہب وغیرہ اقدار غرض ماضی اور حال کی تمام جزئیات کو کھنگال کر' بلا کم وکاست' قرطاس کی پیشانی پر سجا دینے کا نام تاریخ ہے۔ اس صورت میں مؤرخ کا کام محض وقائع نگاری ہے' ایک سچا اور کھرا مؤرخ اپنا قلم جانبداری سے ناپاک نہیں ہونے

دیتا وہ جذبات پرست کی بجائے حقیقت پرست ہوتا ہے۔ آج تک دنیا کے تمام ممالک اور مختلف اقوام و ملل عالم کی تاریخ پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ برادری کی مستند اور بے لاگ تاریخ پر قلم اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف نظر آیا۔

گو کثرت مطالعہ سے میرے خیالات میں وسعت' پختگی اور خود اعتمادی آ چکی تھی مگر کتاب کی تالیف کے لئے جس فرصت اور یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے افکار معیشت کی وجہ سے عنقا تھی' تصنیف و تالیف کے میدان میں' میں کلیتہً نو وارد نہ تھا کیونکہ گزشتہ چودہ پندرہ سال سے رسالہ نوائے کمبوہ کی ادارت کے علاوہ کبھی کبھار کسی نہ کسی اخبار میں مضمون بھی لکھتا رہا تھا لیکن ایک جامع کتاب وہ بھی قومی تاریخ کی تالیف دوسرا معاملہ تھا۔

اسے سوئے اتفاق کہئے یا حسن اتفاق' میں مارچ 1989ء میں بیمار پڑ گیا۔ ابتدا میں غلط تشخیص نے مرض میں پیچیدگی پیدا کر دی' جسم کے بائیں نچلے نصف حصہ کے فالج' ریڑھ کی ہڈی میں خرابی کے باعث اپریشن اور متعلقہ ناگفتہ بہ تکلیف نے بستر پر لا ڈالا' آٹھ نو ماہ کے بعد قدرے افاقہ ہوا مگر آج تک گھر کی چاردیواری میں مقید ہوں۔ تاہم بیماری کے احساس کو بھلا کر خیالات مجتمع کئے' شکر خدا ' یادداشت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ مختلف لائبریریوں سے جو میٹریل جمع کیا تھا اس کی ترتیب اور تلخیص و تہذیب پر توجہ دی کچھ میٹریل عزیزی فرحت چوہدری نے جمع کیا تھا وہ لیا۔ اس مواد سے متعلقہ کتابوں کے علاوہ حافظ خبیب احمد کی مدد سے لائبریری سے مزید بہت سی کتابیں حاصل کیں' اور اللہ کا نام لیکر قومی تاریخ رقم کرنے کا مصمم عزم کر لیا۔ اب محسوس ہوا کہ اگرچہ ایک تاریخ نویس کا لبادہ تو اوڑھ لیا ہے مگر سوال پیدا ہوا زیر مطالعہ سینکڑوں کتابوں کے ناپیدا کنار سمندر میں غواصی کر کے گوہر مراد حاصل کرنے یعنی متنوع' متضاد اور منتشر بیانات کی جانچ پڑتال اور چھان پھٹک کے لئے کونسا گر استعمال کیا جائے۔ اس میدان کے شہ سوار بخوبی آگاہ ہیں کہ تاریخ کے ہفت قلزم کو جامعیت کے ایک محدود کوزے میں سمیٹ کر پیش کرنا کس قدر دشوار کام ہے بالخصوص قدیم اور جدید مفکرین و محققین کی تحقیقات کی بعض تاویلات پر توازن اور اعتدال برقرار رکھتے ہوئے

جبکہ انگریزی (جس میں جرمن' فرانسیسی وغیرہ کتب کے تراجم بھی شامل ہیں)' فارسی' اردو' ہندی اور گورمکھی کتب متداولہ سے پریشان کن تعارض کا بھی سامنا ہو' زیر ترتیب موضوع پر تلخیص کے ساتھ صحیح نتائج اخذ کرنا کس درجہ دماغی مشقت اور غور و تعمق کا متقاضی ہے اس کار دشوار کی عقدہ کشائی میرے ناتواں ذہن پر آ پڑی تھی۔

کتاب کی ترتیب و تالیف کی نوبت آئی تو دو اہم مسئلے درپیش تھے اول یہ کہ ہمہ گیر مہنگائی کے اس دور میں التزام رکھا جائے کہ کتاب کی ضخامت غیر معمولی نہ ہو اس لئے حتی المقدور ایجاز و اختصار ملحوظ رہے' دوسرا یہ کہ اس کوشش میں کسی ضروری اور اہم واقعہ نیز موافق و مخالف آراء کے اظہار اور ان پر تبصرہ آرائی میں تشنگی کا احساس نہ ہو۔ اس وجہ سے حزم و لحتیاط اختیار کرنا لازم ٹھہرا' لیکن موضوعات کے تنوع اور کثرت اور برادران قوم کے بھرپور تذکرہ کے باعث ضخامت کا بڑھ جانا ناگزیر ہو گیا۔

اندریں حالات صورت یہ بنی کہ اپنی بساط کے مطابق رہوار قلم کو مہمیز دیتا ہوں مگر بسااوقات کشمکش میں مبتلا ہو کر عنان کھینچ لیتا ہوں لیکن ہرچہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم کے مصداق بہت غوروفکر کے بعد چپ و راست کی عمیق گھاٹیوں سے بچتے بچاتے اور تنگ راستوں کے اطراف و جوانب میں واقع خاردار جھاڑیوں سے دامن سمیٹتے' منزل مقصود کی تلاش میں آگے بڑھتا ہوں' دل حوصلہ دلاتا ہے کہ جذبہ صادق ہے' نیت نیک ہے' تو تائید ایزدی سے منزل بھی آسان ہوتی چلی جائیگی' خدا کے فضل و کرم اور قوم کی دعاؤں سے یہی ہوا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

اس حقیقت کا اظہار بے محل نہ ہو گا کہ میں نے قدیم تاریخ کے مواد کے حصول کے لئے زیادہ تر ہندوستانی اور اس کے بعد انگریز اور دیگر مغربی مفکرین اور علمائے تاریخ کی تحقیقات پر انحصار کیا ہے بھارت کے کمبوج دانشوروں بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر جیالال کمبوج' سردار بشن سنگھ' سردار کرپال سنگھ دردی اور ڈاکٹر گوربخش سنگھ جیسے ودوانوں کی کاوشوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ لیکن ایسا کرنا ناگزیر تھا اس لئے کہ عربی تصانیف کے بہت سے تراجم پڑھنے کے باوجود کسی کتاب میں کمبوہ قوم یا قبیلہ کا کوئی ذکر نہیں مل سکا' اسی طرح ایران کے ادب اور تاریخ میں کمبوہ قوم کے متعلق کوئی میٹریل دستیاب نہیں ہوا۔ تاریخ افاغنہ خود تذبذب کا شکار ہے۔ بعض افغان اپنا تعلق اسرائیل

سے ظاہر کرتے ہیں۔ بعض نے قیس عبدالرشید کو اپنا مورث اعلیٰ قرار دیکر عرب سے ناطہ جوڑا ہے' کئی دوسرے اصحاب نے افغانوں کو آریہ نسل ثابت کیا ہے لیکن کمبوہوں کے متعلق یہ سب خاموش ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ یَون' ساکا' کمبوج' درد' پار تھین' ہُن' گوجر' جاٹ وغیرہ اقوام کا بنیادی تعلق ان علاقوں سے رہا ہے جو اب پاکستان یا اس کے شمال مغربی پڑوس میں واقع ہیں۔ ان پر جس قدر تحقیقی کام ہندوستانی یا مغربی محققین نے کیا ہے پاکستانی دانشوروں نے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا' لامحالہ ہمیں ان کی تحقیقات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ بعض وطن دوست حضرات کا یہ کہنا کہ ہمارے ذہنوں پر ہندو دانشوروں' فلسفیوں اور مؤرخین کی عظمت کے نقوش مرتسم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلا جواز اور حقیقت سے بعید ہے۔ اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ گزشتہ پچاس سال میں بیسیوں محققین نے جن میں بھارتی' انگریز' جرمن' امریکی' فرانسیسی وغیرہ شامل ہیں' کمبوہ قوم کے متعلق سو سے زیادہ تحقیقی مقالات اور مضامین لکھے ہیں جو بھارت اور یورپ کے اعلیٰ پایہ کے جرنلز میں شائع ہو چکے ہیں۔ متعدد کتابوں میں بھی کمبوہوں کے متعلق بہت کچھ مواد ملتا ہے۔ اس طرح کمبوہوں کی ابتدا' آبائی وطن کے تعین' نسلی تعلق' نقل مکانی' معاشرت' ثقافت' تہذیب و تمدن' لباس' خوراک' زبان' ادب وغیرہ کے موضوعات پر نئی نئی معلومات منظر عام پر آئی ہیں۔ اس لئے بھی صحیح حالات سے آگاہی اور مزید تحقیق و تجسس کے لئے ہمیں لامحالہ بھارت کی طرف دیکھنا پڑتا ہے اور اسلام کی تعلیم کے عین مطابق اسی پس منظر میں غیر ملکی مصنفوں کے خرمن سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔ ؎

تمتع زہر گوشۂ یافتم _ زہر خرمنے خوشۂ یافتم

بایں ہمہ میری کوشش رہی ہے کہ اعتدال' میانہ روی اور حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اور میری تالیف میں تعلّی' جانبداری اور ذاتی پسند و ناپسند کے عنصر کا کوئی دخل نہ ہو۔ اسی طرح کم اہم اور فروعی بیانات کو ترک کر کے اپنی قوت فیصلہ کو بروئے کار لاتے ہوئے کافی اختصار سے کام لیا ہے تاکہ قاری کو بوریت محسوس نہ ہو اور نفس مضمون بھی متاثر نہ ہو۔

خدائے عزوجل کا بے پایاں کرم اور عظیم احسان ہے کہ اس نے میری علالت کے باوجود مجھ ناچیز' ہیمدان' احقر من عباد العلیم والخبیر کے ہاتھوں یہ کتاب مکمل کرا کے نہ صرف قوم کی خدمت کا موقعہ عطا فرمایا بلکہ اس کے ذریعے قوم کے محققین کے لئے ایک نشان راہ تجویز کر دیا گیا ہے۔ **وما توفیقی الا باللہ۔**

اس ابتدائیہ کو انجام تک پہنچانے سے قبل تین گزارشات ضروری سمجھتا ہوں:

اول یہ کہ بعض احباب میری تحقیقات کا ماحصل ایک دو جملوں میں جاننے کے متمنی ہیں وہ بالخصوص اپنے مورث اعلیٰ کا نام جاننے کے لئے بیتاب ہیں۔ سیدھا سادا سا جواب تو یہ ہے کہ حضرت آدمؑ جملہ بنی نوع انسان کے مورث اعلیٰ ہیں۔

میری رائے میں نسلی اعتبار سے ذیل کا شجرہ حرف آخر ہے۔ دنیا کی چار معروف نسلوں میں آریہ نسل کو منفرد مقام حاصل ہے۔ اس کی شاخیں درج ذیل ہیں:

آریہ

ہندی (برہمن کشتری ویش) — کمبوہ — تاجک — افغانی — ایرانی — جرمن وغیرہ (یورپی اقوام)

دوم: یہ کتاب عوام اور خواص' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے سبھی حضرات کے استفادہ کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے ممکنہ حد تک دقیق اور مغلق زبان اور تراکیب کے استعمال سے اجتناب برتا گیا ہے اگر اصحاب علم کو اکثر جگہ فقروں کی بناوٹ اور اظہار خیال میں ادب کی چاشنی کے برعکس عامیانہ انداز نظر آئے تو درگزر سے کام لیں۔ البتہ منصفانہ تبصرہ اور برمحل تنقید کو اصلاح کے لئے ناگزیر سمجھتا ہوں میں اس کا خیرمقدم کروں گا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ایک مخصوص طبقہ تندوتیز اور دل شکن تنقید سے گریز نہ کرے۔ مجھے ان عزیزوں سے کوئی تعرض نہیں' فقط اس قدر التماس ہے کہ وہ ساطع دلائل اور قاطع براہین کے ساتھ کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب لکھ کر اپنا مؤقف واضح کریں۔ اس سے نہ صرف وہ ایک صحت بخش ماحول کی روایت قائم کر سکیں گے بلکہ قوم کا بھی بھلا ہو گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں نے اس تالیف میں جن بزرگوں اور دوستوں کی

تحقیقات سے اختلاف کیا ہے خواہ وہ یوپی کے ہوں یا پنجاب کے' وہ محض اس بناء پر ہے کہ میری بے لاگ اور منصفانہ تحقیق ان کے نظریات سے متصادم تھی۔ اس اظہار اختلاف سے میرے دل میں ان کے احترام میں شمہ بھر کی واقع نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ میں ان کی اس لئے بھی عزت کرتا ہوں کہ جس قدر مواد ان کو میسر تھا اسے انہوں نے پورے خلوص' نیک نیتی اور قومی جذبہ کے تحت قیمتی وقت اور سرمایہ صرف کر کے قوم تک پہنچایا ہے اور یقیناً پوری قوم ان کی ممنون احسان ہے۔ علم اور تحقیق پر نہ کسی کی اجارۃ داری ہے اور نہ کوئی قدغن قابل قبول ہو سکتی ہے۔

کتاب کی اشاعت کا مرحلہ بڑا صبر آزما تھا۔ کتابت کی ناز برداریوں پر ہی دس گیارہ ماہ صرف ہو گئے۔ میں علالت کی وجہ سے گھر سے باہر جانے سے قاصر تھا۔ کتابت' طباعت اور دیگر تمام مراحل سے عہدہ برآ ہونے میں میرے فرزند ڈاکٹر تنویر الحسن کی مساعی کا بڑا اہم حصہ ہے۔ وہ اپنی گوناگوں بے پناہ مصروفیات کے باوجود حتی المقدور تعاون کرتا رہا۔ بہت سی غیرمرئی رکاوٹیں حائل نہ ہوتیں تو کتاب تقریباً ایک سال قبل زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر پر آ سکتی تھی۔

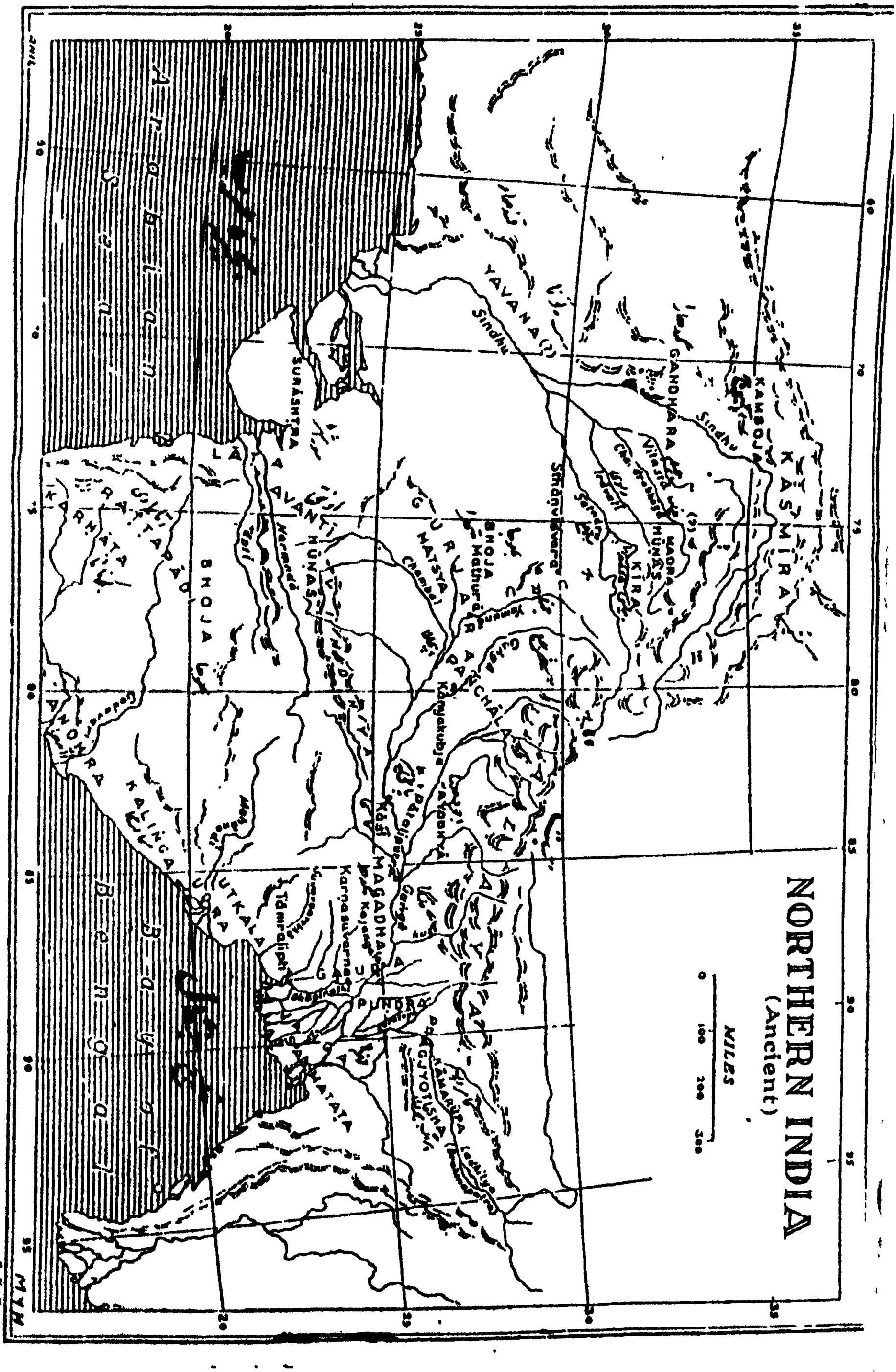
قدر ناشناسی ہو گی اگر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے اس عرصہ میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ فہرست کافی طویل ہے تاہم لیفٹیننٹ جنرل (ر) چوہدری محمود احمد اختر' بریگیڈیر چوہدری الہ دتہ کمبوہ' بریگیڈیر چوہدری محمد عمر' بریگیڈیر (ر) چوہدری مختار الحق' چوہدری محمد صادق (چیئرمین سلور سٹار انشورنس)' چوہدری محمد خورشید (چیئرمین ریشم ٹیکسٹائل ملز)' چوہدری رحمٰن بخش' اعجاز احمد چوہدری (سابق ڈپٹی میئر لاہور) جیسے کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم آتا ہے۔

آخر میں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ قوم میری اس حقیر کاوش کو درجہ مقبولیت سے سرفراز فرمائے اور قوم کا ہر فرد اپنی عظمت پارینہ کے طلسماتی شیش محل کی غلام گردشوں میں محو خرام رہنے کی بجائے اپنے عمل سے صاحب امروز بن کر فردا کا مالک اور ملت کے مقدر کا ستارہ بن کر افق وطن پر جگمگائے۔ (آمین)

(دستخط) محمد یوسف حسن

(چوہدری) محمد یوسف حسن (کمبوہ)

37-ای ماڈل ٹاؤن لاہور


NORTHERN INDIA
(Ancient)
MILES
0 100 200 300
YAVANA (?)
GANDHARA
KAMBOJA
KASMIRA
Sindhu
MADRA
KIRA
HUNAS
SURASHTRA
AVANTI
BHOJA
MATSYA
PANCHALA
AYODHYA
Kasi
MAGADHA
UTKALA
KALINGA
ANDHRA
PUNDRA
KAMARUPA
SAMATATA
Arabian Sea
Bay of Bengal

باب اول

قدیم تاریخ کے ماخذ اور مختلف ادوار

عہد قدیم کے علما کے علاوہ عصر جدید کے بہت سے مفکرین نے تخلیق بنی نوع انسان کے موضوع پر اپنے اپنے انداز میں طبع آزمائیاں کر کے خوب نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ بعض جدید دانشوروں نے کائنات ارضی کی تمام مخلوقات کے تدریجی ارتقا یعنی ذرات سے حجر، حجر سے شجر اور پھر اشجار سے حیوانات کے ذریعے سے انسان کو حیوان کی ارتقائی ہیئت قرار دینے کی کوشش میں تحقیق کے انوکھے باب رقم کئے ہیں مگر دلائل و براہین اور تفکر و تفحص سے یہ دعاوی باطل اور عقل انسانی کی کوتاہ نظری اور کم مائیگی پر ایک طنز کے مترادف ثابت ہوئے ہیں۔ فہم و فراست ان نظریات کو تسلیم کرنے پر مائل نہیں ہوتی اور اب جدید سائنسی تحقیقات نے بھی ڈارون تھیوری اور اس قسم کے دوسرے غیر حقیقی نظریات کو مسترد کر دیا ہے۔

تخلیق آدم کے متعلق قرآن حکیم میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا "میں زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) بنانا چاہتا ہوں (سورہ البقرہ آیت 30) مختلف انداز میں سہی مگر اس بات کو یہود اور نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ انجیل مقدس (بائبل) میں ہے۔ "... اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے ۔ اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا ..." (پیدائش 2 : 5 - 7) ہنود اور پارسیوں کا عقیدہ بھی اس سے چنداں مختلف نہیں صرف نام اور بیان کا فرق ہے البتہ جہاں تک زمان، مکان اور انتشار کا تعلق ہے وسیع اختلاف رائے موجود ہے۔ قرآن حکمت کی کتاب ہے جس میں اشرف المخلوقات یعنی انسان کی ہدایت کے لئے وہ اصول مرتب کئے گئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر آدمی، اللہ کا نائب "انسان ہونے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ قرآن تاریخ، اقتصادیات یا سائنس کی کتاب نہیں جس سے ان علوم کی جزئیات کے لئے رجوع کیا جائے۔ یہ کام حضرت انسان نے اپنے ذمہ لیا۔ چنانچہ حکمائے روم و یونان، علمائے مصر و عرب، دانشوران عجم، ہندوستان کے مہارشیوں اور ودوانوں اور

یورپ کے فلاسفروں اور سائنس دانوں نے اپنی اپنی علمی استعداد کے مطابق اپنے قیاسات یا تحقیقات کو حقیقت کا روپ دے کر دنیا کے سامنے پیش کرنے میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار اور پورا زور قلم صرف کیا ہے۔ان معاملات پر بحث ہماری تاریخ کا موضوع نہیں (1)

اصل موضوع کی طرف رجوع سے قبل ہمارے پیش نظر ذیل کے چار حل طلب مسائل ہیں جن پر اظہار خیال مقدم ہے۔

1- ابتدا میں بنی نوع انسان کی تخلیق کس خطہ ارضی پر ہوئی؟

بعض مفکرین کے بموجب انسانی آبادی کی ابتدا قطب شمالی سے ہوئی جہاں سے وہ سکینڈے نیویا کے ممالک اور روسی ریاستوں کی طرف منتقل ہوتے رہے بعض دوسرے محققین بالخصوص ہندوستانی سکالرز سپت سندھویا وادی سندھ اور پنجاب کو ہی نسلِ انسانی کا اولیں مسکن قرار دیتے ہیں۔ اکثر علمائے اسلام کی رائے ہے کہ حضرت آدمؑ نے پہلا قدم دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ (موجودہ عراق) میں رکھا اور وہاں سے وہ دنیا کے تمام اطراف میں پھیلتے گئے۔

2- انسان کی تخلیق کس زمانے میں یعنی آج سے کتنا عرصہ قبل عمل میں آئی؟

علمائے تاریخ و آثار کے مطابق یہ عرصہ آٹھ دس ہزار سال سے لیکر لاکھوں سال تک محیط ہے لیکن زیادہ اتفاق بیس سے پچیس ہزار سال پر ہے۔

---

(1) ہمیں اس صراحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ ایک غیر مسلم تاریخ نویس نے پیدائش مخلوق کے بارہ میں قصص الانبیا اور غیاث اللغات کے بیانات کو "مذہب اسلام کے عقائد" سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک کے درمیانی عرصہ کے تعین اور کشتی نوح کی بلندی، طول عرض وغیرہ کی تفصیلات کو مسلمانوں کا عقیدہ بتایا ہے حالانکہ ایسی فروعی اور قیاسی باتوں کا اسلام کے عقائد سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ قرآن اور حدیث میں ایسی فروعات کا ذکر ہے نہ اس کی ضرورت تھی۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی تاریخی واقعہ یا شخصیت کا ذکر ہے یا سائنس سے متعلق کسی سلسلہ میں کوئی بات کہی گئی ہے تو وہ انسان کی ہدایت، اس کی تعلیم، تہذیب یا تادیب کے نقطہ نظر سے مذکور ہوئی ہے اور جہاں امثال بیان کی گئی ہیں وہاں انسان کو تفکر کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

3- اقصائے عالم یعنی پانچوں براعظموں کے مختلف ممالک اور دور دراز کے جزائر میں انسان کا پھیلاؤ کس کس دور میں اور کس طرح وقوع پذیر ہوا؟

اس سلسلہ میں مؤرخین کی تحقیق کی رسائی کی حد پانچ چھ ہزار سال سے زیادہ نہیں۔

4- انسان نے ابتدا سے معاش اور معاشرت کی ارتقائی منازل کس طرح طے کیں یعنی برفانی' پتھر اور دھات کے ادوار سے وہ کس طرح گزرا؟

ان Protohistoric اور Pre Historic تہذیبوں پر بھی مؤرخین نے بہت تحقیق کی ہے اس سلسلہ میں مستند تاریخی کتب سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان موضوعات کا ہماری تاریخ سے بالواسطہ صرف اسی قدر تعلق تھا۔ اصل موضوع یہ ہے کہ اقوام عالم میں کمبوہ قوم کا کیا مقام ہے؟ وہ نسل انسانی کی کس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں؟ ان کا آبائی وطن کہاں واقع تھا؟ انہوں نے کب اور کیسے نقل مکانی کی؟ وغیرہ ان موضوعات کے تاریخی ماخذ کیا ہیں اور ان کی اہمیت کیا ہے؟

علمائے تاریخ کے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ پوری دنیا میں آباد بنی آدم ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے نسلی امتیاز پر غوروفکر بے سود ہے۔ بلا شبہ ان علما کے دلائل وقیع اور وزنی ہیں لیکن دوسرے مکتبہ فکر کے علما کا نکتہ نظر بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کی رو سے رنگ روپ' شکل و شباہت' جبڑے' ماتھے' کھوپڑی' ناک' آنکھ وغیرہ کی بناوٹ میں بیّن تفاوت کی بنا پر بنی نوع انسان کو درج ذیل چار بنیادی گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اول - آریہ : جس میں ہندوستان' پاکستان' بنگلہ دیش' ایران' شمال مغربی ایشیا' روس اور تمام یورپی ممالک کی قومیں شامل ہیں۔

دوم - سامی : اس نسل میں اہل عرب' شامی' فلسطینی' یہودی اور مصری اقوام کو شمار کیا گیا ہے۔

سوم - منگول : اس میں تاتار' سنکیانگ' چین' منگولیا' جاپان' کوریا اور ہند چینی کے بعض ممالک کے لوگ۔ شامل ہیں۔

چہارم ۔ حبشی: (نیگرو) اس میں افریقہ کے حبشی اور امریکہ کے ریڈ انڈین شمار کئے جاتے ہیں۔ بعض حکما بالخصوص جدید ہندو مفکرین نے سامیوں کو آریہ نسل کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ لیکن اکثر محققین نے اسے سیاسی نظریہ ہونے کی بنا پر مسترد کر دیا ہے۔

انسانی ارتقا کے ماہرین (Anthropologists) نے ذیل کے چھ بڑے نسلی گروہ بیان کئے ہیں:-

1- حبشی (Negritos) 2- پروٹو آسٹرولائی (قدیم آسٹریلوی باشندے) 3- منگولائی (Mongolods) 4- بحیرہ روم کی اقوام یعنی Mediterraneans 5- براکی سیفل (Brachycephals) 6- نارڈک لیکن مؤرخین اول الذکر چار گروہوں کو ہی تسلیم کرتے ہیں اور اس رائے پر متفق ہیں کہ کمبوہ قوم کا تعلق آریہ نسل سے ہے۔ خان ولی اللہ نے اپنی تصنیف 'Kambohs' میں محدود تناظر میں آریوں کو نسل کی بجائے قوم گردان کر آریوں اور کمبوہوں کو الگ الگ قوم کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کا ذکر باب چہارم (الف) میں ہو گا۔

بعض علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ آریہ بھارت کے ہی قدیم باشندے ہیں لیکن حقائق اس خیال کی کلی تصدیق نہیں کرتے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آریہ مغربی ایشیا یعنی عراق' ایران' شام' ترکی' آذربائی جان وغیرہ سے وقتاً" فوقتاً" (2300 سال قبل مسیح سے لے کر 1500 ق م تک) گروہ در گروہ ہندوستانی علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہے بعض مؤرخین اس عرصہ کو 800 ق م تک تسلیم کرتے ہیں۔

تاریخ کمبوہاں ص 64 اور 67 پر اسی مکتبہء فکر کی تائید کی گئی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق مغربی ایشیا کے آریہ حملہ آوروں نے پاکستان اور شمالی ہند سے مقامی باشندوں کو بیدخل کر کے اپنا قبضہ مستحکم کیا۔ قدیم ہندو لٹریچر میں ان مقامی باشندوں کو غیر مہذب کہا گیا ہے لیکن ہڑپہ اور موہنجوڈارو کے کھنڈرات سے حاصل شدہ شواہد کی بنا پر یہ بات پایہء تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ آریوں کی آمد سے پہلے یعنی آج سے چار پانچ ہزار سال قبل پاکستان کا شمار دنیا کے متمدن ترین ممالک میں ہوتا تھا۔ اور ہڑپہ تہذیب ہر لحاظ سے مصری اور عراقی تہذیب کے ہم پلہ تھی' لوگوں میں شہری زندگی کا شعور عروج

پر تھا' یہاں کے شہر آرکیٹکچر کا عمدہ نمونہ تھے اور ان میں خاص قسم کا طرز تحریر بھی رائج تھا۔ دراوڑ وغیرہ یہاں کے قدیم باشندے تھے۔ آریوں نے یا تو ان کو غلام بنا لیا یا جنوبی ہند کی طرف دھکیل دیا۔

تیسرے نظریہ کے حامی اکثر مؤرخین آریوں کا اصلی وطن وسط ایشیا کو قرار دیتے ہیں جہاں سے وہ اطراف عالم میں پھیل گئے ہمارے نزدیک یہ نظریہ زیادہ قابل اعتماد ہے (مزید حوالہ جات آگے چل کر دیں گے) یہاں ایران کے مشہور پروفیسر آقائے ناصر نجمی کی کتاب "ایران قدیم" مطبوعہ انتشارات جاوزادہ تہران کے ص 13 سے ایک اقتباس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں :

"ایک ہزار اور چند سال قبل مسیح کی بات ہے کہ صحراؤں' جنگلوں' دریائے سیاہ کے دروں' وسط ایشیا اور شمالی ہند سے (ہم ایرانیوں کی بزرگ) آریہ قوم ہمارے آج کے ایران اور افغانستان کی سرزمین پر وارد ہوئی اور یہاں اپنا تمدن' اپنی تہذیب رائج کی جس کو اب تقریباً تین ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔"

اس موضوع پر تفصیلی بحث "کمبوہ قوم کی قومیت" کے زیر عنوان باب چہارم فصل اول میں کی جائیگی۔ فی الوقت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کمبوہ قوم کی اصل' اقوام عالم میں اس کا مقام اور اس کے قدیم وطن کے متعلق ہمیں کن کن ذرائع سے اور کس قدر مواد میسر آ سکتا ہے' اس کی تاریخی اہمیت کیا ہے اور اس کی صداقت پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے جس قدر عربی' فارسی' اردو' انگریزی' ہندی' گورمکھی کتب مطالعہ کی ہیں ان میں سے عربی اور فارسی کتب تواریخ ہمارے لئے قطعاً معاون و مددگار ثابت نہیں ہوئیں۔ ایرانی علما و حکما نے ہمارے نزدیکی ہمسایہ ہونے کے باوجود کہیں بھی کمبوہ قوم یا اس کے قدیم وطن کا اپنی مذہبی' تاریخی یا ادبی کتابوں میں ذکر نہیں کیا۔ ایران کے حوالے سے جو مواد ملتا ہے۔ وہ بھارتی یا یورپین علما کی تصانیف سے ماخوذ ہے۔

ہندوستان (2) سے نسلی تعلق کی بنا پر جب ہم قدیم ہندوستانی ادب پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہندو رشیوں مُنیوں نے اپنی توجہ زمانہ کی ناپائیداری' نفس کشی اور حیات بعد ممات جیسے مسائل پر ہی مرکوز رکھی ہے۔ تاریخی حالات و واقعات پر زیادہ

دھیان نہیں دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو حالات زبانی روایات اور سینہ بہ سینہ علم سے' نسل در نسل چلتے ہوئے میسر آئے ہیں یا معرض تحریر میں لائے گئے ہیں وہ کلیتہ" مذہب' انسان کی روحانی امراض سے نجات (مکتی) یا فلسفہ اخلاق پر مشتمل ہیں اگر کہیں تاریخ نگاری کی کوئی جھلک ملتی بھی ہے تو وہ رزمیہ داستانوں کی زینت ہے جن میں صرف جنگ و جدل' رزم آرائیوں اور رسم زمانہ کے مطابق فتوحات کے مبالغہ آمیز تذکرے ملتے ہیں لیکن ان میں قوموں اور قبیلوں کے نسلی حالات' ملکی نظم و نسق' تمدن و معاشرت اور ان جنگوں کے زمانۂ وقوع سے متعلق کوئی واضح بات موجود نہیں۔ تاہم جس قدر مواد میسر ہے یہ بھی غنیمت ہے اور یہی داستانیں' مذہبی اخلاقیات کی کتابیں ہماری تاریخ کے ماخذ کہی جا سکتی ہیں اور ان میں سے خذما صفا دع ما کدر کے مصداق حشو و زوائد سے پاک' قابل قبول اور معقول انتخاب کی ذمہ داری بحیثیت تاریخ نویس ہم پر عائد ہوتی ہے اس اہم فرض سے عہدہ برآ ہونے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ البتہ عہدوار یا تسلسل قائم رکھتے ہوئے تاریخ لکھنے کا کام ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔

اے ہسٹری آف سنسکرت لٹریچر ص 10 پر اے۔ اے میکڈانل نے بالکل ٹھیک لکھا ہے:

History is the one weak spot in Indian literature. It is, in fact, non-existant.

(تاریخ ہندوستانی ادب کا ایک کمزور پہلو ہے۔ بلکہ حقیقت میں اس کا وجود ہی نہیں۔)

تاریخی معلومات سے بے بہرہ رہنے کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک کمبوج مرکزی بھارت سے بہت دور شمال مغربی حد پر واقع تھا جو ہندوستانی آریہ ملک ہوتے ہوئے بھی وقتاً" فوقتاً" دوسری غیر ہندوستانی قوموں اور ان کی تہذیب' تمدن اور مذہب

---

(2) اس کتاب میں جہاں کہیں (خاص کر پہلے دس گیارہ ابواب میں) لفظ ہندوستان وارد ہوا ہے اس کا اطلاق برصغیر ہند و پاکستان کے ہر دو ممالک پر ہوتا ہے تا آنکہ ان کو ایک دوسرے سے متمیز نہ کر دیا گیا ہو۔

کے زیر اثر آتا رہا ہے۔ ایسے وقتوں میں وسطی بھارت کے دانشوروں کے دلوں میں ان کے لئے عزت و احترام کے جذبات ماند پڑتے گئے اور اول تو اہل کمبوج کے متعلق کچھ لکھا ہی نہیں گیا اور اگر لکھا بھی گیا تو بسا اوقات تعصبات سے مغلوب ہو کر لکھا گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ملک کمبوج میں جمہوریت سے ملتا جلتا نظام رائج تھا جبکہ بھارت میں راجے مہاراجے حکمرانی کرتے تھے' دنیا میں ذرائع آمدورفت بہت کم تھے' صرف تجارتی قافلے کبھی کبھار آتے جاتے رہتے تھے۔ سیاسی اور معاشرتی ہم آہنگی میں یہ تضاد بھی تاریخی مواد کی دستیابی کی راہ میں بڑی رکاوٹ بنا۔

جن ذرائع سے کمبوہ قوم کے حالات پر بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر کچھ روشنی پڑتی ہے ان میں سب سے اہم مستند اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ذریعہ جس میں کسی قسم کے ردوبدل کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی۔ پتھر کی سلوں' پہاڑوں کی چٹانوں اور تانبے کی تختیوں پر کندہ وہ کتبے ہیں جو بعض بادشاہوں نے اپنے اپنے عہد میں نصب کروائے۔ ان میں مہاراجہ اشوک کے کتبے خصوصیت کے حامل ہیں۔ دوسرا ذریعہ سنسکرت' پالی اور مقامی زبانوں میں تحریر کردہ مذہبی اور ادبی کتابیں اور رزمیہ داستانیں ہیں جن سے ہمیں براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی ہر دو طریق سے کچھ نہ کچھ مواد حاصل ہوتا ہے۔ تیسرا ذریعہ غیر ملکی سیاحوں کے سفرنامے اور مؤرخین کی یادداشتیں اور تصانیف ہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ ان تصانیف میں بسا اوقات جانبداری سے یا متعلقہ ملک اور قوم کے حالات اور معاشرت کو اپنے مخصوص نکتہ نظر سے بیان کیا گیا ہوتا ہے۔ تاہم یہ ذریعہ اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ چوتھا ذریعہ وہ روایات ہیں جو سینہ بہ سینہ' نسل در نسل چلی آ رہی ہوتی ہیں۔ تاریخی نقطہ نظر سے ان کی اپنی الگ اہمیت ہوتی ہے۔

پہلے ذریعے یعنی پتھر کی سلوں' لاٹوں اور چٹانوں کے کتبوں اور تانبے کی تختیوں پر کندہ تحریروں کا جائزہ لینے پر اہم انکشاف ہوئے ہیں۔ موریہ خاندان کے مشہور حکمران شہنشاہ اشوک نے اپنی سلطنت کے مختلف مقامات پر اپنی رعایا کو مذہب اور تمدن و معاشرت کے بارے میں تعلیم دینے اور بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے بیشمار کتبے نصب

کروائے۔ ان میں سے نمبر 5 اور 13 کا تعلق کمبوہ قوم اور اس کے پڑوسی ملکوں کے لوگوں سے ہے' کتبہ نمبر 5 میں ملک کمبوج کا یوُن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتبہ پانچ جگہ (1) گرنار (نزد جونا گڑھ) (2) شہباز گڑھی (ضلع مردان) (3) مانسہرہ (4) اور (5) یوپی اور اڑیسہ کے مقامات پر دستیاب ہوا ہے۔ کتبہ نمبر 13 میں گندھارا۔ یون اور کمبوج تینوں ملکوں کا بالترتیب ذکر کیا گیا ہے۔ پاکستانی علاقے میں پائے جانے والے کتبے خروشٹھی زبان میں ہیں جبکہ بھارتی علاقوں میں ملنے والے کتبوں کی زبان براہمی' پالی یا مقامی زبان ہے۔

ان کتبوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کمبوجوں اور یونوں میں وسطی ہند کے آریوں کی طرح چار ذاتیں نہ تھیں بلکہ ایک ہی ذات آریہ تھی یا زیادہ سے زیادہ دو ذاتیں آریہ اور داس ہوتی تھیں۔ اس پر باقی تبصرہ آگے چل کر ہو گا۔ قندھار کے قریب اشوک کا ایک اور کتبہ دستیاب ہوا ہے جو یونانی ارامئی کتبہ یا 'شر- ای- کنا' کے نام سے مشہور ہے۔ علما (3) کا خیال ہے کہ یہ ایسی جگہ پر نصب ہے جہاں ملک کمبوج اور یون کی سرحدیں ملتی ہیں۔ یونانی زبان والا حصہ یونوں کے لئے اور ارامئی زبان والا حصہ کمبوج کے لئے لکھا گیا تھا (اپی گرافیا انڈیکا جلد 33 ص 333 نیز جلد 34 و جلد 19)' ایک اور نہایت اہم کتبہ متھرا سے ملا ہے جس پر شیر کے سر کا نشان ہے اس لئے اسے 'متھرا سنگھ کپال' یا Mathura Lion Capital کا نام دیا گیا ہے اس سے کمبوجوں اور شکوں کے باہمی روابط سے پیدا ہونے والی بعض غلط فہمیوں پر باب ہفتم میں بحث کی جائیگی۔ لیکن کچھ ذکر کشان خاندان کے عہد حکومت کے ساتھ بھی کیا جائیگا۔

ایک اور کتبہ دیناج پور (بنگلہ دیش) میں گوڑدیش کے کمبوہ حکمران سے متعلق ملا ہے۔ اسے دیناج پور کا ستون کا کتبہ کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ دیناج پور کے شاہی باغ میں رکھا ہوا ہے اس کا تفصیلی ذکر "بنگال میں کمبوہوں کی حکومت" کے باب میں ہو گا۔ اس ضمن میں 'اردا' نامی تانبے کی تختی کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ اس سے بھی بہت سے اہم مسائل کے حل میں مدد ملی ہے۔ یہ تختی سنسکرت شلوکوں میں نظم

(3) علما یا حکما سے مراد علم تاریخ و تحقیق کے ماہرین اور دانشور ہیں۔ سنگھ کے معنی ہیں شیر اور کپال کے معنی ہیں چھت

اور نثر دونوں میں لکھی ہوئی ہے۔
ان کے علاوہ بھارت کے دوسرے کئی حصوں سے ایسے ریکارڈ دستیاب ہوئے ہیں جن سے ان مقامات پر کمبوہ راجاؤں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

سکے: یہ بھی تاریخی معلومات بہم پہنچانے میں معاون ثابت ہوا کرتے ہیں' مگر ابتک جو پرانے سکے برآمد ہوئے ہیں بقول پی ایل گپتا (انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی جلد 27 حصہ 3 ص 196) وہ خواہ مختلف حکمرانوں اور ملکوں کے رائج کردہ ہی ہوں ہماری کوئی تاریخی مدد نہیں کرتے کیونکہ ان میں بنے ہوئے سوراخوں پر چار پانچ نشان ہوتے ہیں۔ آج تک محققین ان نشانات سے ملک' راجہ کے نام یا عہد کا تعین نہیں کر سکے اور نہ اس کا امکان ہے۔ اگرچہ جگادھری (ہریانہ) کے نزدیک ایک سکہ ملا ہے جس پر خرد شٹی طرز تحریر میں یہ الفاظ کندہ ہیں "کھرال پترس کم بج رس یگ"۔"گو' کم بج' سے کمبوج مراد لیا جا سکتا ہے مگر اس سے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے" (سوامی اوما نند سرسوتی کی تصنیف "بھارت کے پراچین بھدانک" (قدیم سکے) ص 58)- ہاں البتہ اَشوک (Ashwak) قبیلے کا ایک سکہ ضرور ملا ہے جسے ماہرین آثار قدیمہ نے 'واٹ اُشوک' کا نام دیا ہے اس سکے پر ایک آدمی لمبا چغہ اور پاجامہ پہنے ہوئے پہاڑی پر اُبھرتے ہوئے چاند کو ہاتھ جوڑ کر نمسکار کرتے دکھایا گیا ہے۔ سکندر یونانی کی اُشوکوں سے لڑائی کے تذکرے سے مؤرخین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اُشوک در اصل کمبوج ہی تھے اور یہ کہ موریہ خاندان کی سلطنت ملک کمبوج تک پھیلی ہوئی تھی مگر کمبوج کو مکمل داخلی خود مختاری حاصل تھی۔

بھارتی ادب (لٹریچر): بھارتی ادب کی ٹھوس تاریخی اہمیت کم ہی سہی مگر اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ یہ ادب کمبوہ قوم کے تذکروں سے بھرا پڑا ہے۔
سنسکرت کی بہت سی کتابوں سے محققین نے کمبوہ قوم اور ان کے اصلی وطن سے متعلق قیمتی معلومات حاصل کی ہیں۔ قارئین کے علم کے لئے ہم وضاحت کر دیں کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں وید ان کے لئے الہامی کتب کا درجہ رکھتے ہیں۔ رگ وید

سب سے قدیم اور متبرک سمجھا جاتا ہے باقی تین سام وید' یجروید' اتھرو وید بھی اسی طرح مقدس متصور ہوتے ہیں۔ مذہبی کتابوں میں سرتیوں اور سمرتیوں کے علاوہ پران بھی بہت اہم ہیں۔ پرانوں میں قدیم روایات' حکایات اور احکامات وغیرہ کا ذکر ہے مورخین کے مطابق یہ پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں تحریر کئے گئے تھے۔

ڈاکٹر جیالال کے مطابق سب سے پرانی کتاب جس میں کمبوہ قوم کا ذکر آیا ہے (4) سام وید ہے۔ اس کے باب "ونش برہمن" میں ویدوں کے ایک بہت بڑے عالم' رشی' اوپ منیو (Ope Manyav) کمبوج کے تذکرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ویدک دور میں کمبوجوں کا شمار آریہ برہمنوں میں بھی ہوتا تھا۔ دوسری اہم کتاب یاسک اچاریہ کی 'نروکت' ہے جس میں کمبوجوں کی زبان پر بحث کرتے ہوئے اسے بھارتی آریوں کی زبان سے مختلف بتایا گیا ہے اس بات کی تصدیق گرامر کی مشہور کتاب 'ویاکرن مہابھاشا' مرتبہ پتنجلی سے بھی ہوتی ہے۔ سنسکرت گرامر کی سب سے اہم کتاب پاینی کی 'اش مدھیائی' میں کمبوجوں کے کھشتری ہونے کا ثبوت ملتا ہے بلکہ کلت یاین' نے اپنے 'وار تک' میں لفظ کمبوج اور کھشتری کو ہم معنی قرار دیتے ہوئے 'یون چھتری' کی بجائے 'یون کمبوج' کیرل چھتری کی جگہ کیرل کمبوج وغیرہ لکھنے کو درست قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر جیالال نے بہت سے مصنفین اور ان کی تصانیف کے حوالے سے لکھا ہے کہ پاینی نے "کچھ دیگن" میں' منوجی مہاراج نے "منوسمرتی" میں۔ چندر گپت کے سائنس دان جوتشی وزیر ورا مہر' نے اپنی جوتش کی کتاب "برہت سنگھتا" میں' راج شیکھر کی "کاویا میمانسا" میں' کشمیر کی تاریخ "راج ترنگنی" میں۔ شاعر اعظم بھاس نے اپنے کئی ڈراموں میں' ملک الشعراء کالیداس نے "رگھونش" میں' بان. بھٹ کے "ہرش چرت" میں۔ شاعر وشاکھ دت کے ڈرامہ" "مدرا راکھش" میں (5) کھیم اندر کی مشہور داستان "برہت کتھا منجری" میں (6) غرض اسی طرح اور بہت سی کتابوں میں کمبوہ قوم'

---

(4) رگ وید کے مترجمین کی رُو سے قدیم زمانے میں دریائے راوی کے کنارے ایک خونریز جنگ لڑی گئی تھی جو دس راجاؤں کی جنگ کے نام سے مشہور ہے اس جنگ میں کمبوجوں کو بھی شامل دکھایا گیا ہے اس لحاظ سے رگ وید میں کمبوجوں کا ذکر سام وید کے تذکرہ سے قبل آ چکا تھا۔

ان کی معاشرت، ان کے ملک، وہاں کے خوبصورت برق رفتار گھوڑوں، اونی کمبلوں، قالینوں وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔

رام چندر جی کی کہانی رامائن میں تین جگہ لفظ کمبوج وارد ہوا ہے۔ رامائن کے متعلق ڈاکٹر وی اے سمتھ کا خیال ہے کہ یہ ایک فرضی داستان ہے وہ لکھتے ہیں:

The Poem (the Ramayana) seems to me to be essentially a work of imagination, probably founded on vague traditions of the kingdom of Kosala and its capital Ayodhya."

"میرے خیال میں یہ نظم (رامائن) یقینی طور پر ایک فرضی اور خیالی تخلیق ہے جس کی بنیاد غالباً کوسل کی بادشاہت اور اس کے دارالحکومت اجودھیا کی مبہم روایات پر رکھی گئی تھی۔"

اس کتاب کے اِسی ص 17 پر (رامائن اور مہابھارت) دونوں رزمیہ داستانوں کے متعلق لکھا ہے:

"The view of Jacobi and Macdonell is that the Epics are based on mythology and their heroes and heroins are not historical figures. Rama stands for Indra, the god of rain and thunder who fought against Vritra or Ravana.

یعقوبی اور میکڈانل کی رائے ہے کہ رزمیہ داستانوں کی بنیاد اساطیر (دیومالائی فرضی قصے کہانیوں) پر ہے اور ان کے ہیرو اور ہیروئن تاریخی کردار نہیں ہیں۔ رام چندر سے مراد بارش اور گرج چمک کا دیوتا ہے جس نے ورتر یعنی راون کے خلاف جنگ کی

ڈاکٹر ونٹرنز (Dr. Winternitz) کے مطابق اصل رامائن والمیکی نے تیسری صدی

(5) اس ڈرامہ میں وشاکھ دت نے کمبوج فوج کی مدد سے چندر گپت موریہ کے پاٹلی پتر (بہار) فتح کرنے کے علاوہ شمال مغربی ہندوستان میں کمبوجوں کے سیاسی کردار کو خوبصورت انداز میں اجاگر کیا ہے۔

(6) اس داستان میں راجہ بکرماجیت کے ہمراہ کمبوہ فوج کے حملہ آور ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

قبل مسیح میں قدیم قصے کہانیوں کی بنیاد پر تحریر کی تھی۔ (7) ان خیالات کے باوجود تمام مؤرخین نے ہندوستان کی تاریخ مرتب کرنے میں رامائن اور مہابھارت سے پورا استفادہ کیا ہے اس لئے ہمیں بھی ان سے' خاص کر مہابھارت سے' رجوع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ ان میں کتنا ہی افسانوی انداز کیوں نہ اختیار کیا گیا ہو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ واقعات بیان کرتے ہوئے شہروں' دریاؤں' ملکوں اور قوموں کے نام درست اور حقیقی استعمال ہوئے ہیں۔ اسی بناء پر شخصیات کے نام بھی صحیح قرار دئے جا سکتے ہیں۔ البتہ بعض واقعات کے بیان کرنے میں مبالغہ آرائی بلکہ غلو اس حد تک برتا گیا کہ عقل سلیم ان کو درست تسلیم کرنے پر مائل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک ایسی روش ہے جو ہمیں اسلامی دور میں لکھی گئی بعض غیر مستند کتابوں میں مندرج عجیب و غریب قصوں' خاص کر بعض جرنیلوں اور اولیائے کرام سے منسوب نام نہاد کرامات کے تذکروں میں بھی نظر آتی ہے۔

مہابھارت : کمبوہ قوم کے متعلق سب سے زیادہ ذکر جس کتاب میں ملتا ہے۔ وہ مشہور رزمیہ داستان' مہابھارت ہے۔ تفصیلی ذکر باب ششم میں کیا جائیگا۔ مختصراً اس میں راجہ سود کشن اور راجہ کمٹھ سمیت بہت سے کمبوہ راجاؤں کے کوروؤں اور پانڈوؤں سے باہمی دوستانہ تعلقات' کورو کھشیتر کی جنگ میں بہت بڑی فوج کے ہمراہ شمولیت' میدان کار زار میں ان کی شجاعت اور فوجی مہارت کے قصے' مردوں کی جسمانی وجاہت اور عورتوں کے حسن اور پتی ورتا (شوہر پرست) ہونے کا تذکرہ' ملک کمبوج کی برآمدات' جغرافیائی پوزیشن وغیرہ بہت سے امور کا ذکر ہے۔

ایک عام قاری کو شاید اس بات پر حیرت ہو کہ اسی کتاب میں کمبوجوں کو ملیچھ' ناپاک' بدکردار (Characterless)' عورتوں کے متوالے جیسے خطابات سے بھی نوازا گیا

---

(7) اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ چونکہ رامائن کے واقعات مہا بھارت سے بہت پہلے کے معلوم ہوتے ہیں اس لئے رامائن مہابھارت سے پہلے لکھی گئی ہو گی۔ یعنی یہ بہر صورت 800 ق م سے پہلے کی تحریر ہے۔

ہے۔ پرانے خیالات کے مطابق یہ کتاب 1500 ق م سے لیکر 3000 ق م کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی تھی لیکن جدید یورپین محققین اس کی تاریخ تصنیف 800 ق م سے 500 ق م متعین کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری تیسری صدی عیسوی بلکہ بعض مؤرخین کی رائے کے مطابق بارہویں تیرہویں صدی عیسوی تک اس میں اضافے اور ترامیم ہوتی رہیں۔ چنانچہ جس زمانے میں کمبوہ قوم نے ویدک دھرم ترک کر کے زردشتی مذہب اختیار کیا اور پھر بدھ مت کی شرن میں آئے اور ایک عرصہ تک اسی مذہب سے وابستہ رہے تو برہمنوں کے روایتی تعصب کی ناوک افگنی نے کئی دوسری اقوام کی طرح کمبوہ قوم کے اعلیٰ کردار کا شفاف سینہ بھی چھلنی کر دیا۔ اور ان کو مورد الزام ٹھہرایا گیا۔ (8)

پران: بھارتی علم ادب میں پرانوں کو بھی اہم مقام حاصل ہے۔ علمائے جدید نے ان کے مندرجات اور مضامین پر بہت ریسرچ کی ہے جس سے معلومات کا خاصا ذخیرہ دستیاب ہوا ہے۔ کم و بیش پندرہ سولہ پرانوں میں کمبوجوں کا ذکر سینکڑوں بلکہ ایک سکالر کے اندازے کے مطابق ہزاروں مرتبہ آیا ہے۔ پران ملک کمبوج کے محل وقوع، کمبوجوں کی تہذیب و تمدن، مذہب، معاشرت وغیرہ پر بھی روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں۔ ایک حلیف قبیلے کی خاطر اجودھیا کے راجہ باہو کو تخت سے اتارنے میں کمبوہ فوج کی بہادری اور حکمت عملی مگر بعد میں باہو کے بیٹے سگر کے ہاتھوں شکست کا حال کئی پرانوں مثلاً وایو، برہم، ہری ونش، برہمانڈ، شو، وشنو وغیرہ میں تفصیل سے درج ہے۔ برہمانڈ پران میں کمبوجوں کی راجہ پرسرام سے لڑائی اور بھاگوت پران میں راجہ سود کشن کمبوج کی مہاراجہ یدھشٹر کے یگیہ میں شمولیت اور دیگر بہت سے واقعات

(8) برہمنوں کی نظر کرم صرف کمبوجوں پر ہی نہیں پڑی بلکہ ہر اس قوم کو، جو ان کی بے دام غلامی کے شکنجہ سے ذرا بھی کھسکتی معلوم ہوئی، مورد عتاب بنا ڈالا۔ بغیر کسی تخصیص کے تمام پنجابیوں کو انہوں نے ملیچھ، ناپاک، مردود، دھرم کے دشمن وغیرہ کے غیر مہذب القابات سے نوازتے ہوئے برہمنوں اور دھرم کے خادم لوگوں کو تلقین کی کہ وہ پنجاب سے نقل مکانی کر کے اتر پردیش وغیرہ میں آباد ہو جائیں۔ اس کا کچھ ذکر باب چہارم الف میں کیا جائیگا۔

مذکور ہیں۔ سنسکرت لغت کی کتابوں نام لنگ انوساشن' (جسے عام طور پر ابھرکوش بھی کہتے ہیں" 'ہلہ یدھ کوش' شبدرتن سانوے کوش' وغیرہ میں کمبوج اور کمبوجی لفظوں کے معنی لکھے گئے ہیں جن سے بھارت کو برآمد کی جانے والی اشیاء کا بھی پتہ چلتا ہے (ڈاکٹر جیالال ' پراچین کمبوج' جن اور جن پد)۔

سنسکرت کے علاوہ پالی اور دوسری مقامی زبانوں کے لٹریچر میں بھی لفظ کمبوج بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً انگوتر نکائے' جس میں کمبوجوں کے دوسرے حالات کے علاوہ ان سولہ ملکوں کے نام بھی دیئے گئے ہیں جو بھارت کا حصہ تھے۔ 'کھدک نکائے' جس میں اہم تجارتی شاہراہوں کے مقام اتصال کی وجہ سے کمبوج کی بین الاقوامی مرکزی حیثیت دکھائی گئی ہے۔ اسی طرح' 'سمنگ لی ولاسنی' 'منورتھ پورنی' 'کنال جاتک' 'چمپادت جاتک' 'بھوری دت جاتک' وغیرہ بہت سی کتابوں میں کمبوجوں کا ذکر ملتا ہے (ڈاکٹر جیالال پراچین کمبوج' جن اور جن پد)۔

غیر ملکی سیاح اور مؤرخ: یہ بھی ہماری معلومات کا ماخذ ہیں۔ غیر ملکی سیاح اور مؤرخ بھارت کی شمال مغربی سرحد پر بالکل آخر میں واقع ملک کمبوج یا پڑوسی ملک گندھارا کے راستے سے بھارت میں وارد ہوتے رہے ہیں۔ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے بعض غیر ملکیوں نے کمبوجوں کا بھی ذکر کیا ہے گو یورپی علما نے ان کی تحریروں کو نہایت قابل اعتماد قرار دیا ہے مگر بعض مواقع پر ان لوگوں نے حقائق کے اخفا سے بھی کام لیا ہے اور کہیں کہیں مبالغہ آرائی بھی کی گئی ہے۔ اس کے باوجود ان کی تحریریں معلومات کا منبع ہیں اور بھارتی علما نے ان کی تعریف بھی کی ہے۔ مثلاً آر۔ کے۔ مکرجی اپنی کتاب 'چندرگپت موریہ اور اس کا عہد' ص 3 پر لکھتے ہیں:

"اگرچہ قدیم ہندوستان کی تاریخ اپنے عظیم کارناموں کے باعث بہت شاندار تھی تاہم اگر غیر ملکی ذرائع اس پر خیرہ کن روشنی ڈال کر منظر عام پر نہ لے آتے تو تاریخ ہند کا یہ عہد ایک دھندلا سا باب بنا رہ جاتا۔ بھارت کی تاریخ ان ذرائع کی اس لئے بھی زیر بار احسان ہے کہ ان کی وجہ سے تاریخی واقعات کو سن وار ترتیب دینے میں بہت مدد ملی ہے' کیونکہ بھارتی سنین کا نقطہ آغاز چندرگپت موریہ کی تخت نشینی کی تاریخ سے

ہوتا ہے"۔

روایات : یہ تاریخی معلومات کے حصول کا چوتھا مگر سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ کسی قوم کی روایات اس کی تہذیب' تمدن' معاشرت' صنعت' رسم و رواج وغیرہ تمام امور کا احاطہ کرتی ہیں۔ پران روایات کا منبع ہیں۔ پی ای پرجیٹر نے Ancient Indian Historical Traditions ص 3 پر لکھا ہے "روایت کی صداقت مُسلّم ہوتی ہے جہاں تاریخی کتب کی عدم موجودگی ہماری رہنمائی سے قاصر ہوتی ہے یہ روایت ہی ہے جس کا سہارا لے کر ہم صحیح نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

قدیم بھارتی مذہب پر لکھتے ہوئے مشہور فرانسیسی سکالر لوئی رینو (Renou) نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے "بھارت کے متعلق مطالعہ کرنے میں قدیم اور جدید سبھی طرح کی روایات کو برابر پرکھنا چاہیئے۔ عوامی ادب اور لوک گیتوں کا حوالہ بھی اہم ہوتا ہے۔ تمام باتیں خواہ وہ اپنی جگہ پر معمولی سے معمولی بھی کیوں نہ ہوں کسی سے کم پختہ شہادت نہیں ہیں۔" یہی وجہ ہے کہ اب ہندوستانی تاریخ کے ریسرچ سکالرز روایات کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پُرانوں میں دیومالائی' غیر حقیقی اور خلاف عقل قصوں کی بھرمار ہے۔ ان میں حسب ضرورت تحریف بھی کی جاتی رہی ہے اور ان کے مصنفین کے بعد برہمنوں نے اپنے مذہبی اور جذباتی رجحانات سے ان کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اسی وجہ سے ہم ان کے بیانات کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ تاہم "تا نباشد چیز کے مردم نگویند چیزہا" ان میں درج بعض واقعات بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان میں کمبوہوں کا بکثرت ذکر ملتا ہے۔

پرانوں میں مذکور اہم ترین واقعات میں 'شمشیر الٰہی' کی پیدائش اور سب سے مقتدر ہستیوں کو سپردگی سرفہرست ہے یہ تلوار انصاف اور دھرم کی حفاظت کے لئے برہما نے مہادیو بھگوان کو دی اور پھر وشنو بھگوان سے ہوتی ہوئی چوبیس پشت بعد راجہ کمبوج کو تفویض ہوئی۔ اسی طرح مہارشی وششٹھ کی شبلا نامی گائے کا ایک تمثیلی واقعہ ہے جس سے کمبوہوں کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی تفصیل باب ششم میں بیان کی جائیگی۔

ایک روایت کے مطابق مان دھاتا تاہی' ایک وسیع سلطنت کے مالک' مہاراجہ نے وشنو بھگوان کی زیارت کے لئے یگیہ کیا اور ان کے درشن ہونے پر پندونصائح کی درخواست کی تاکہ گندھار' شک' توخار' کمبوج وغیرہ قبائل دھرم کے کاموں پر توجہ دیں اس موقع پر وشنو بھگوان کا طویل اور مبسوط پند نامہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ قبائل برہمنی دھرم کو زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

غرض اسی طرح کی بے شمار روایات ہیں جن میں کمبوہ قوم کا ذکر ہے اور ان کے اصل آریہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

تاریخ کے ادوار: ان تمام بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کمبوہ قوم کی قدیم تاریخ کا بھارت کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے چنانچہ جس طرح بھارتی تاریخ کے بیشتر واقعات کے زمانوں کا تعین نہیں ہو سکا اسی طرح کمبوہ قوم کی ابتدائی تاریخ کے زمانوں اور ادوار کا تعین نہیں ہو سکتا۔ پروفیسر ویبر (Weber) کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ "بھارتی تاریخ میں کسی بھی واقعہ کا تاریخی تعین یقینی نہیں ہے۔"

تاہم ابتدا سے لیکر 600 قبل مسیح تک کے عہد پر محیط عرصہ کو پہلا دور کہا جا سکتا ہے۔ ایران کے بادشاہوں کے دور سے لیکر مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد تک دوسرا دور اور اسلامی دور کے آغاز سے زمانہ حال تک عرصہ کو تیسرا دور کہہ سکتے ہیں۔ لیکن پہلے دو ادوار کی صحیح حدود متعین کرنا محض قیاس پر مبنی ہے اس لئے قبل از اسلام دور کو ایک ہی جگہ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہمارے قارئین کے لئے یقیناً دلچسپی کا باعث ہو گی کہ پنجاب میں آباد ہماری دوسری بڑی ہم عصر معزز اقوام یعنی جاٹ' راجپوت' گوجر' ارائیں وغیرہ کا اوپر بیان کی گئی کسی کتاب' کتبے' لاٹ یا روایات میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جاٹ' جٹ یا زط اور گرجر یا گوجر قوم کا ذکر چوتھی پانچویں صدی عیسویں کے بعد ہی ملتا ہے۔ راجپوت دسویں صدی عیسوی کے بعد تاریخ کے صفحات کی رونق بنے جبکہ ارائیں قوم کا پتہ اوچ شریف کے حضرت سید جلال الدین منیر شاہ بخاری کے آخری دور یعنی تیرہویں صدی عیسوی کے آخر میں اوچ شریف سے ان کی نقل مکانی کی صورت میں ملتا ہے۔ ان کی تفصیلات اگلے ابواب میں دی جا رہی ہیں۔

باب دوم

کمبوہ قوم کے اصلی آبائی وطن کا محل وقوع

کسی مستند تاریخی ثبوت یا مدلل اور معقول وجہ کے بغیر' محض جذبۂ قوم پرستی کے زیر اثر' بعض جوشیلے دانشور اور قلمکار تاریخ نویس کے رُوپ میں اپنی قوم کو کسی مُورث اعلیٰ سے منسوب کرنے کے لئے تحقیق کے عمیق سمندر میں سطحی غوطہ زنی کر کے بزعم خود گہرہائے آبدار نکال لاتے ہیں لیکن معرفت کی ژرف بیں نگاہیں تاڑ لیتی ہیں کہ ان کی حقیقت خزف ریزوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔ ہمارا مقصد کسی برادری کی تضحیک یا نکتہ چینی نہیں محض ایک اصولی بات کا اظہار ہے کیونکہ بعض برادریوں کی تواریخ سے اسی قسم کے شکوک پیدا ہوئے ہیں۔ ہماری برادری اس سے مستثنیٰ نہیں۔

قوموں کے نام رکھے جانے کی مختلف وجوہات میں سے ایک وجہ اس قوم کا کسی ملک سے منسوب ہونا بھی ہے جو دراصل اس کا آبائی وطن ہوتا ہے اور جسے مادر وطن بھی کہا جاتا ہے جیسے کشمیری' بلوچ' افغان وغیرہ اقوام اپنے ملک کشمیر' بلوچستان' افغانستان سے تعلق کی بناء پر موسوم ہوئیں مگر اسکے برعکس کمبوہ قوم کا آبائی وطن کمبوج' قوم کی وجہ سے مشہور ہوا۔ ایسی صورت میں کمبوہ قوم کے مورث اعلیٰ کی تلاش تضیع اوقات اور بیکار کی بات ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور ایران کے ہخامنشی شہنشاہ کمبوجیا تو غیر کمبوہ ہونے کے باعث خارج از بحث ہیں راجہ سود کشن کمبوج کو بھی بوجوہ (9) مورث اعلیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کمبوہ قوم ایک اہم اور بڑی قوم ہے اگر برادری کا کوئی خاندان اپنے مورث اعلیٰ کی نشاندہی کرے تو وہ قابل تسلیم ہو سکتا ہے مگر سینکڑوں کتابیں کھنگالنے کے باوجود ہمیں کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آئی جسے من حیث القوم

(9) ایک وجہ یہ کہ جس نسبت سے وہ کمبوج کہلاتا تھا اسی تعلق سے ہم کمبوج یا کمبوہ ہیں دوسری بات یہ ہے کہ اس کا باپ راجہ چندر ورما بھی چندر ورما کمبوج کے نام سے مشہور ہے اسے کیوں مورث اعلیٰ نہیں کہا گیا۔

ہم اس اعلیٰ مسند پر بٹھا سکیں۔ تواریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دو کے سوا سبھی مؤرخین کمبوہ قوم کا تعلق ملک کمبوج سے ظاہر کرتے ہیں لیکن ملک کمبوج کو اس قوم کا قدیم اور اصلی وطن تسلیم کرنے کے باوجود اس کی جغرافیائی پوزیشن کے بارے میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر موتی چندر نے اپنے مقالہ مطبوعہ JUPHS جلد سولہ حصہ دوم ص 42 پر لکھا ہے:

... The Kambojas were important people but strange as it may look the indologists are not at all unanimous in the location of the country.

"کمبوج ایک اہم قوم تھے لیکن کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے کہ ماہرین ہندوستانیات ان کے ملک کی جائے وقوع کے معاملہ میں قطعاً متفق الخیال نہیں ہیں"۔ بہر حال ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستانیات کے ماہرین کسی ایک رائے پر متفق ہوں یا نہ ہوں ہمیں ان سب کے خیالات کا تجزیہ اور موازنہ کر کے اپنی عقل سلیم کی رہنمائی اور صحیح قوت فیصلہ سے ایک قابل قبول حتمی نتیجہ اخذ کرنا ہے۔

بعض تاریخ دان زیادہ ردّوکد سے بچتے ہوئے ملک کمبوج کو شمالی ہندوستان کا ملک قرار دیتے ہیں جبکہ شمالی ہندوستان ایک وسیع و عریض علاقہ ہے جو مشرق میں بنگال سے لے کر مغرب میں افغانستان تک اور شمال میں تبت اور نیپال سے لے کر جنوب میں وسطی ہند اور سندھ تک پھیلا ہوا ہے اس لئے یہ ایک مبہم بیان ہے اور ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتا۔ جن محققین نے کسی خاص علاقہ کی نشاندہی کی ہے ذیل میں ان کی آراء کا خلاصہ مع حوالہ بیان کرتے ہوئے حسب موقع محاکمہ پیش کیا جاتا ہے۔

دوارکا اور کمبوج: ڈاکٹر ٹی۔ ڈبلیو۔ رز ڈیوڈز (Rhys Davids) نے بدھسٹ انڈیا ص 17 پر لکھا ہے:

"کمبوج بھارت کے شمال مغرب میں آخری حد پر ایک ملک تھا جس کا دارالحکومت دوارکا تھا"۔ غلطی کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔

ڈاکٹر ایس کے آئنگر نے Ancient India کے ص 7 پر بحث کرتے ہوئے لکھا

"رز ڈیوڈز کی یہ بات تو درست ہے کہ کامبوج کا دارالحکومت دوارکا تھا مگر یہ گجرات کاٹھیاواڑ میں واقع ہے۔"

ڈاکٹر پی این بینرجی نے Public Administration in Ancient India (ص 56) اس توضیح پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہا "ملک کمبوج دراصل سندھ میں واقع تھا جس کی راج دھانی دوارکا تھی۔"

تاریخ کمبوہاں ص 93 پر انہی بیانات کو بنیاد بنا کر دوارکا کو کمبوہ سلطنت کا دارالخلافہ تسلیم کیا گیا ہے۔ (دارالخلافہ مسلمانوں کے امیر یعنی خلیفتہ المسلمین کے صدر مقام کو کہا جاتا ہے)۔ یہ وہی دوارکا ہے جسے ستمبر1965ء کی جنگ میں پاک بحریہ نے تباہ کر دیا تھا۔ ان بیانات کا جائزہ لینے سے منکشف ہوتا ہے کہ پروفیسر ڈیوڈز 'درواز' اور 'دوارکا' کا فرق معلوم نہ کر سکے۔ درواز کاشغر کے مغرب میں ملک کمبوج کا بڑا شہر اور دارالحکومت تھا جبکہ آئنگر اور بینرجی نے محض لفظ دوارکا کو بنیاد بنا کر ملک کی جائے وقوع ہی بدل ڈالی۔

تبت اور کمبوج: بعض مؤرخین اس غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں کہ تبت ہی اصل کمبوج تھا۔ مثال کے طور پر مشہور مؤرخ فوشے نے Iconographie Budd hique ص 134 پر لکھا ہے "نیپالی روایات اور کہانیوں کی رُو سے کمبوج تبت کے کسی حصے میں آباد تھے۔"

ارلی ہسٹری آف انڈیا ص 193 پر وی اے 'سمتھ نے لکھا ہے "ملک کمبوج تبت یا کوہ ہندوکش میں واقع تھا۔" چارلس ایلیٹ اس بیان کی تائید میں لکھتے ہیں "میرا بھی یہی خیال ہے کہ کمبوج تبت کے باشندے تھے" (ہندو ازم اینڈ بدھ ازم جلد سوم ص 6 اور حاشیہ نمبر5 ص 268)

ڈاکٹر دیودت رام کشن بھنڈارکر ایک معروف محقق اور مصنف ہیں۔ ان کی تصنیف 'اشوک' کو معتبر حیثیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ ان کے بے شمار مقالات اور لیکچرز بھارت کے مؤقر رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں۔ انہوں نے سالہا سال تک کمبوہ قوم اور ان کے آبائی وطن پر ریسرچ کی ہے مگر وہ اکثر فلسفیانہ بحثوں میں الجھ کر مسئلہ کی اصل حقیقت سے دور ہی رہے۔ ابتدا میں ان کا خیال تھا کہ ملک کمبوجا کی صحیح

جائے وقوع کا تعین کرنا مشکل کام ہے' بعد میں مختلف اوقات میں انہوں نے مختلف نظریات پیش کئے' فی الحال ہم صرف دو نظریات کا ذکر کرتے ہیں' اول یہ کہ "کمبوہ کوہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں مقیم تھے" کوہ ہمالیہ کی وسعت کے پیش نظر' یہ رائے مبہم ہے۔ دوسرے یہ کہ "وہ تبت کے باشندے تھے۔" یہاں ہم اس دوسرے نظریہ کا تجزیہ کرتے ہیں:

قدیم کتب سے پتہ چلتا ہے کہ شاہراہ قراقرم کی تین شاخیں تھیں۔ ایک براستہ کمبوج اور گندھارا' پنجاب' کامروپ اور بنگال تک جاتی تھی۔ دوسری کمبوج سے سطح مرتفع پامیر کے راستے لداخ' تبت اور نیپال کو جاتی تھی جبکہ تیسری کاشغر اور منگولیا سے ہوتی ہوئی' نا نکنگ پہنچتی تھی۔ اس زمانے میں وسط ایشیا کے لوگ اکثر نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔ جس طرح وہ پاکستان ہندوستان میں آتے رہے اسی طرح یقیناً کچھ کمبوہ قبیلے ملک کمبوج سے آکر تبت میں بھی آباد ہو گئے ہوں گے اور پھر تبت سے آگے بنگال وغیرہ کی طرف چلے گئے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے ہند چینی پہنچ کر کمبوڈیا آباد کرنے والے قبائل بھی تبت ہی کے راستے وہاں پہنچے ہوں ہمیں ملک تبت کی تاریخ پر کوئی کتاب نہیں مل سکی جس سے ہم وہاں کے باشندوں کے حالات سے آگاہی حاصل کر سکتے البتہ اس قدر ضرور ہے کہ شکل و صورت کے لحاظ سے اہل تبت اور کمبوہوں میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے یہ بات مسلّم ہے کہ تبت کمبوہ قوم کا اصلی وطن نہیں جس طرح وہ دیگر ممالک میں جا کر آباد ہوئے اس طرح تبت میں بھی آباد ہونا تعجب خیز نہیں۔ نقشہ کتاب کے آخر میں دیا گیا ہے۔

غزنی اور کمبوج: جیمز پرنسپ JASB جلد ہفتم ص 267 پر لکھتے ہیں "ولفورڈ نے اپنے مقالوں میں ملک کمبوج کو ہمیشہ غزنی کے قریب پہاڑی علاقہ میں بتایا ہے"۔ ولی اللہ خان نے کمبوز' میں کہا ہے۔" گندھارا کی شمال مغربی سمت میں چونکہ کابل ایک الگ ملک کی حیثیت میں موجود تھا اس لئے ملک کمبوج کو اراکوشیا (قندھار و غزنی) کے علاقہ میں ہونا چاہئے۔" ایچ اے روز کے مطابق یو پی کے بعض کمبوہ اپنے آپ کو غزنی کے علاقہ سے منسوب کرتے ہیں' ظاہر ہے ولفورڈ نے اپنے دعوٰی کے ثبوت میں کوئی اشارہ تک نہیں دیا۔ خان ولی اللہ نے بھی اس قدیم زمانے میں کابل کے الگ ملک ہونے کا کوئی

مدلل ثبوت پیش نہیں کیا جبکہ مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ وادئ کابل کا علاقہ ملک کمبوج ہی کا حصہ شمار ہوتا تھا بلکہ کابل کا قدیم نام کوبھا' کوفین' کبلیا وغیرہ بھی کمبوج کی نسبت سے رکھا گیا تھا۔

کمبوڈیا اور کمبوج : آر۔ ڈی۔ بینرجی نے بانگلار اتہاس (تاریخ بنگال) حصہ اول ص 65 پر لکھا ہے :

"میرا خیال ہے ساٹرا کے مشرق میں واقع کمبج یا کمبوڈیا ہی کمبوج قوم کا قدیم رہائشی علاقہ ہے۔" کتب خانہ سرکار پٹیالہ میں موجود نقشہ کرۂ ارضی کے حوالے سے تاریخ شب جانکی میں لکھا ہے "کمبوج اوس ندی کا نام ہے جو ملک چین سے نکل کر سات سو کوس تک بہتی ہوئی داخل سمندر ہوئی۔ ملک برہما اوس ندی کے انواح میں واقع ہے جس کے غرب میں کھاڑی بنگلہ اور مشرق میں' جزیرہ' کمبوج آباد ہے۔ فی زمانہ اس کو کمبوڈیا کہتے ہین یہاں کے باشندے کمبوجی کہلاتے ہیں" یہ بے سروپا بیان کسی رائے زنی کا مستحق نہیں اس لئے کہ کمبوج کسی ندی کا نام ہے نہ کمبوڈیا جزیرہ ہے اور نہ یہاں کے باشندے کمبوجی کہلاتے ہیں۔

ڈاکٹر آر' سی' موجمدار کے مدراس یونیورسٹی کی دعوت پر 1942-43ء میں دیئے گئے چھ لیکچرز "کمبوجا دیسا یا کمبوڈیا میں ایک قدیم ہندو نو آبادی" کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کسی قوم کی نو آبادی اس کا اصل آبائی وطن نہیں ہو سکتی۔ کمپوچیا یا کمبوڈیا (ملاحظہ ہو باب ہفتم) اتنا قدیم ملک نہیں کہ اسے کمبوجوں کا آبائی وطن تسلیم کیا جائے۔ اس لئے اوپر کے دونوں بیانات کی کوئی اہمیت نہیں۔

راجوڑی' پونچھ اور کمبوج : قدیم زمانے میں صوبہ جموں و کشمیر کے اضلاع راجوڑی اور پونچھ کو 'ابھی سار' کہا جاتا تھا۔ ڈاکٹر ڈی' آر۔ بھنڈارکر نے شروع میں اس خیال کو خاصی تقویت دی کہ کمبوج کشمیر کے جنوب اور جنوب مشرقی حصہ ابھی سار سے لیکر کافرستان تک کے علاقہ میں آباد تھے۔ ایک مضمون میں انہوں نے یہ بھی لکھا کہ ممکن ہے وہ سندھ کے شمال مغرب میں جا بسے ہوں۔ مگر یہ محض امکانی نظریہ ہے جس کی صداقت پر شاید ان کو بھی یقین نہ تھا۔ ابھی سار کو ملک کمبوج قرار دینے کی

بنیاد ہیم چند رائے چوہدری نے ارجن، کرن، رگھو اور للتادتیہ کی تسخیر عالم کی دیومالائی کہانیوں پر رکھی ہے، ہمارے خیال میں ان کہانیوں کو حقیقت کی بجائے افسانوی سفرنامے کہنا زیادہ بہتر ہو گا۔ ارجن اور کرن کے دنیا کو فتح کرنے کے قصے مہابھارت میں بیان کئے گئے ہیں۔ کالیداس نے رگھوونش میں رگھو کے متعلق اسی قسم کا دنیا بھر کو مسخر کرنے کا قصہ بیان کیا ہے اور راج ترنگنی میں للتادتیہ کے تسخیر عالم کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے ڈاکٹر بھنڈارکر اور دنیش چندر سرکار نے رائے چوہدری کی تائید و حمایت میں متعدد مضمون لکھے لیکن اس گروپ کے دانشوروں نے اپنے "فاتحین عالم" کے ان راستوں کو اپنا رہنما بنایا جن پر چل کر وہ مبینہ طور پر دنیا کے ممالک میں گئے اس کے برعکس دوسرے عوامل کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ یا یہ کہ ان پر زیادہ توجہ نہیں دی۔

مثال کے طور پر رائے چوہدری نے راجوڑی کے علاقہ کو ملک کمبوج ثابت کرتے ہوا لکھا ہے "راجوڑی وغیرہ کے باشندے شکل و صورت میں بھدّے اور سیدھے سادے ہیں۔ عادات و خصائل کے لحاظ سے اکھڑ، جاہل اور تشدد پسند ہیں۔ بگڑی ہوئی بولی بولتے ہیں۔ ان میں اخلاق کی کمی ہے، ایمانداری برائے نام ہے، وہ لوگ بھارت کے باشندے نہیں" ۔ وغیرہ Political History of Ancient India (10) ، لیکن جس رزمیہ داستان مہابھارت کے ایک قصہ کی بنیاد پر یہ ریمارکس دئے گئے ہیں اسی مہابھارت میں جابجا کمبوجوں کو خوبصورت، مضبوط ڈیل ڈول والے، جری، جوانمرد، فن سپاہ گری کے بیمثال ماہر، علم و دانش کے رسیا وغیرہ بتایا گیا ہے (ملاحظہ ہو درون پرب، ادھیائے 112 شلوک 42 اور دوسرے متعلقہ باب اور شلوک) دوسری بات یہ کہ راجوڑی وغیرہ کا علاقہ ابھی سار کہلاتا تھا کمبوج سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔

---

(10) انہوں نے لکھا ہے "وہ بھارت کے باشندے نہ تھے" پوری دنیا اس بات سے اتفاق کرتی ہے کہ راجوڑی پونچھ جموں اور وادئ کشمیر کبھی بھارت کا حصہ نہ تھے اس علاقے پر بھارت کا موجودہ قبضہ غاصبانہ اور مجرمانہ ہے۔ کاش بھارتی دانشور اپنی بات اپنے ملک کے توسیع پسند انسانیت کش حکمرانوں کو سمجھا سکتے۔

لانگ مین ہسٹری آف انڈیا ص 104 پر مذکورہ صدر نظریہ کی ان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے۔ "ہزارہ اور کشمیر کی پہاڑیوں میں واقع ابھی سار کی بادشاہت غالبًا سلطنت کمبوجا کی ایک شاخ تھی۔"

لیکن ڈاکٹر دنیش چندر سرکار (جو رائے چوہدری کے نظریہ کے پر جوش ترجمان اور اس بحث میں حصہ لینے والے مستقل دانشور تھے) کے خیال میں راجوڑی کے علاوہ اور علاقے بھی ملک کمبوج ہو سکتے تھے۔ مثلاً یہ کہ "کمبوج کوہ ہندو کش یا سطح مرتفع پامیر میں نہ تھا بلکہ یہ ملک میدانی علاقہ میں واقع تھا" دوسرے موقع پر انہوں نے کہا کہ کمبوج دریائے سندھ کے بالائی حصہ میں آباد تھے اور ممکن ہے اس کی حد افغانستان تک چلی گئی ہو۔ ایک اور مضمون میں انہوں نے کمبوج دیس کو قندھار میں بتایا ہے۔

مذکورہ بیانات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ راجوڑی ملک کمبوج نہ تھا البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی وقت کمبوہ حملہ آوروں نے یہاں آکر حکومت کی ہو۔

متفرق بیانات میں ملک کمبوج کی جائے وقوع : ایس ایم علی نے جیاگرافی آف پراناز ص 145 پر لکھا ہے "ملک کمبوج دریائے کنہار کی گھاٹی میں آباد تھا اور اس میں کمبوج لوگ بسے ہوئے تھے۔ قدیم پرانوں میں یہ کہیں نہیں لکھا ہوا کہ کمبوج لوگ سندھ کی گھاٹی کے کسی بھی حصہ میں آباد تھے پرانوں میں صرف 'کاموجا گنا' یعنی کمبوج قبیلہ کا ذکر آیا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کا ملک کام دیش یا کافرستان دریائے کنہار کے شمالی علاقہ کے آس پاس تھا بعد میں وہ لوگ دریائے کنہار تک پہنچ گئے ہوں گے جس کی وجہ سے پرانوں میں ان کا ذکر اس علاقہ میں بیان کیا گیا ہے"۔

ایچ ایم ایلیٹ نے Supplemented Glossary ص 304 پر لکھا ہے کہ:

"میکرنڈل نے سیاح یوان چوانگ کے "کا اوف" (یعنی کوبھا یا کابل یا افغانستان) کو کمبوج ملک تسلیم کیا ہے" اسی بناء پر مسٹر ایلیٹ آگے لکھتے ہیں"

" The Sanskrit name of Kabul is Kamboj and this is so similar to Kamboh that on the authority of their own tradition these people may be safely regarded to have been the ancient inhabitants of Kabul."

(کابل کا سنسکرت نام کمبوج ہے اور یہ لفظ کمبوہ سے اس قدر مماثلت رکھتا ہے کہ

ان کی اپنی روایت کی بنیاد پر ان لوگوں کو بڑے یقین سے کابل کے قدیم باشندے کہا جا سکتا ہے) اس خیال کی تائید لانگ مین ہسٹری آف انڈیا (1940) ص 92 کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اغلب خیال ہے کہ کمبوجا گندھارا کے عین مغرب میں واقع تھا اور اس کی حدود کافرستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جہاں کمبوجی نام کے قبائل اب تک موجود ہیں۔" پشاور گندھارا کا دارالحکومت تھا اور اس کے مغرب میں کابل ہی واقع ہے۔

اسی کتاب کے ص 130 پر مذکور ہے "چندر گپت کی وسیع سلطنت میں زیر تسلط صوبوں کے علاوہ ایسے بھی کئی ملک ہوں گے جن کو فتح کرنے کے بعد جاگیرداری بنیاد پر آزاد رہنے دیا ہو گا۔ کوٹلیہ کی سانگھا کی اصطلاح جس کا اطلاق سوراشٹر' کمبوجا اور پنجاب کے چند قبائل پر ہوتا ہے ایسی ہی خود مختار حکومتیں تھیں۔"

وی رنگا چاریہ نے 'مسلمان انڈیا سے قبل کی تاریخ' کی جلد دوم کے پہلے حصہ کو 'ویدک انڈیا' سے موسوم کیا ہے اس کے ص 185 پر ملک کمبوج کو گندھارا کے شمال اور سوات کے مشرق میں بتایا ہے۔ گندھارا مختلف اوقات میں بہت بڑی سلطنت بھی رہا ہے اور اس کی حدود سکڑتی بھی رہی ہیں۔ اس کا دارالحکومت پشاور بھی رہا ہے اور ٹیکسلا بھی۔ رنگا چاریہ کے بیان کی روشنی میں نقشہ پر نظر دوڑائیں تو کمبوج ضلع مانسہرہ اور ضلع کوہستان میں واقع نظر آئے گا مگر یہ علاقہ اس زمانہ میں اُرشا کہلاتا تھا۔ جو کمبوج سے الگ ایک ملک تھا۔

سر ڈینزل اِبٹسن نے 1881ء کی مردم شماری کے بعد 1883ء میں اور ای' ڈی' میکلیگن نے 1891ء کی مردم شماری کے بعد 1892ء میں مفصل رپورٹیں تحریر کیں جن میں ملک کی ہر قوم' ذات' برادری سے متعلق ان کی تاریخ اور معاشی اور معاشرتی حالات کا بھی تحقیقی طور پر جائزہ لیا گیا۔ ان رپورٹوں کو بعد میں ایچ۔ اے۔ روز نے (A Glossary of the Tribes & Castes) کے نام سے مرتب کیا' اس میں مختلف روایتوں اور محکمہ مال کے اہل کاروں اور معتبر افراد کے بیانات پر ہی زیادہ انحصار کیا گیا ہے کسی تاریخی سند کو بنیاد نہیں بنایا گیا تاہم یہ نہایت اہم دستاویز ہے۔ گلاسری جلد دوم کے ص 442 تا 446 پر کمبوہ قوم کے حالات درج ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے۔

1- کچھ لوگ کہتے ہیں ان کے آباؤاجداد کشمیر سے نقل مکانی کر کے آئے تھے۔

2- بعض لوگ اپنا پرانا وطن موجودہ غزنی یا خلیج کھمبایت کے قریب واقع گڑھ گجنی کو بتاتے ہیں۔

3- کچھ لوگ راجہ سودکھشن کو اپنا مورث اعلیٰ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سود کھشن کی موت کے بعد ان کی قوم نابھہ (یہ شہر مالیر کوٹلہ اور پٹیالہ کے درمیان واقع ہے) کے مقام پر جا بسی۔

4- یوپی کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایران سے تعلق رکھتے ہیں اور 'کے' خاندان کی نسبت سے 'کے انبوہ' (کمبوہوں کا گروہ) کہلائے جو بعد میں کمبوہ بن گیا۔

5- کچھ کمبوہ ایران کے ہخامنشی خاندان کے بادشاہ کامبوجا دوم کو کمبوج قوم کا مورث اعلیٰ مانتے ہیں۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو ان پانچوں روایات یا بیانات میں سے کوئی بھی تاریخی معیار پر پورا نہیں اترتا۔

سطح مرتفع پامیر۔ کوہ ہندوکش اور بدخشاں کا ملک کمبوج سے تعلق :

مؤرخین اور محققین کی ایک بڑی جماعت ان علما پر مشتمل ہے جو مذکورہ بالا خیالات سے اتفاق نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر تری بھون داس ایل شاہ نے Ancient India جلد اول ص 37,38-52 پر لکھا ہے "زمانہ قدیم کی مشہور سولہ سلطنتوں میں سے تین ہر لحاظ سے دوسری تیرہ بادشاہتوں سے عظیم تر تھیں یہ (1) کمبوج راشٹر (2) سندھ اور (3) مگدھ کی سلطنتیں تھیں" کمبوجا موجودہ افغانستان کے شمال کا علاقہ تھا اور ملک کی زبان خروشٹی تھی"۔

" Kamboja was the name given to the region in the north of modern Afghanistan and the language of the country was called Kharoshti."

نندلال دے نے "قدیم اور زمانہ وسطیٰ کے بھارت کی جیاگریفیکل ڈکشنری" ۔ص 87 پر لکھا ہے:" افغانستان یا کم از کم اس کا شمالی حصہ کمبوج دیس تھا۔"

ڈاکٹر ایم اے سٹائن (Stien) نے راج ترنگنی جلد اول ص 136 پر لکھا ہے :

" یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ افغانستان کا مشرقی حصہ کمبوج کہلاتا تھا۔"

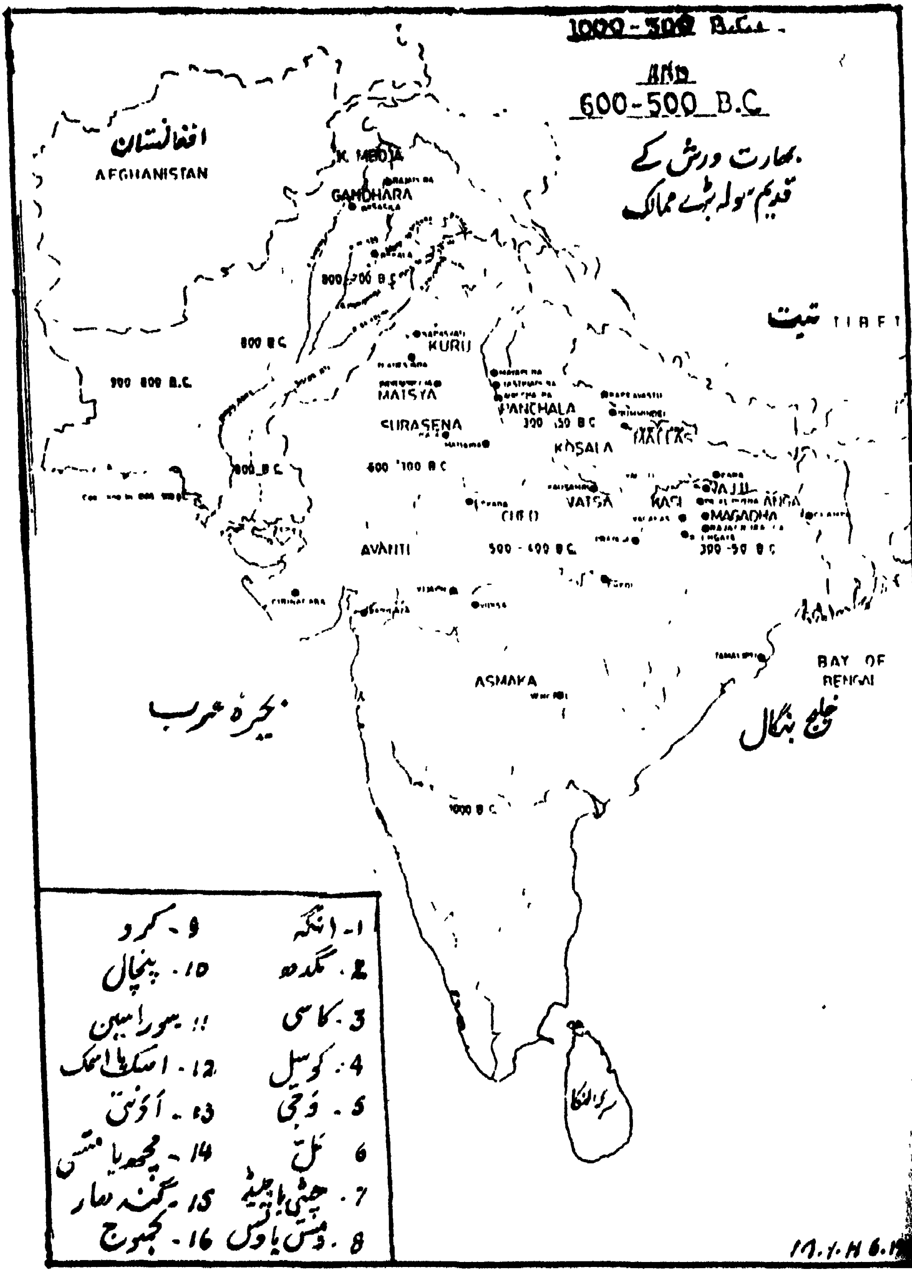
راج ترنگنی جلد چہارم میں یہی بات اس طرح دہرائی گئی ہے۔

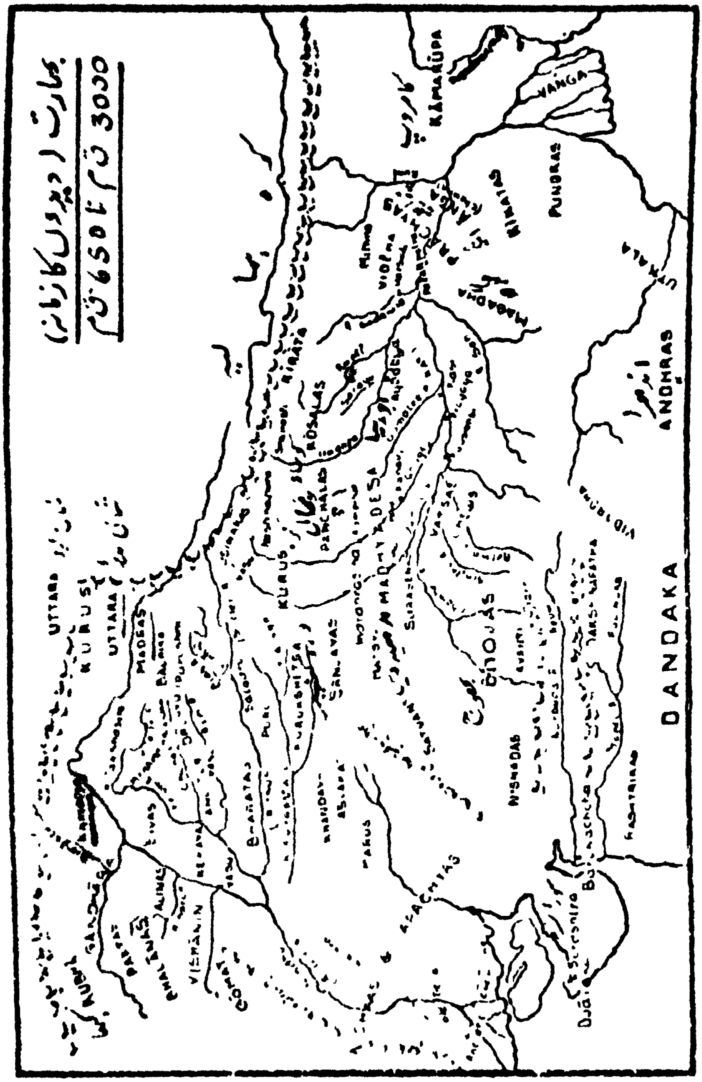
"Country of Kambojas i.e, the Eastern part of Afghanistan.."

ای جے ریپسن نے کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص 173-172 پر چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان کی سولہ بڑی سلطنتوں کا ذکر کیا ہے اس کے مطابق کمبوج گندھارا کے نواح میں واقع تھا یعنی کمبوج کی جائے وقوع موجودہ کابل' جلال آباد اور ان کے شمال اور مشرق میں ہو سکتی ہے۔ "تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ بات حیرت کا باعث ہو گی کہ مختلف زمانوں میں ان میں سے بعض سلطنتوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اگر کچھ کتابوں میں کمبوجا کو اس علاقے کی سب سے بڑی سلطنت بتایا گیا ہے تو کسی وقت گندھارا کو عظیم تر لکھا ہے اس کی بیّن وجہ اس زمانے کی حکومتوں کا عدم استحکام ہے۔ جب بھی کوئی حکومت دوسرے ملک یا اس کے کسی حصہ پر تسلط حاصل کر لیتی تھی وہ مفتوح ملک کو اپنا صوبہ یا حصہ قرار دے دیتی تھی۔

اوپر تری بھون داس ایل شاہ کے حوالے سے سولہ بڑی سلطنتوں میں سے تین عظیم تر بادشاہتوں میں کمبوجا کو سرفہرست دکھایا گیا ہے ان میں گندھارا کا کوئی ذکر نہیں لیکن ص 69-68 پر کمبوجا گندھارا کے زیر عنوان مصنف نے لکھا ہے "سولہ بادشاہتوں میں سے تین کو بلحاظ وسعت رقبہ شہنشاہیت خیال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک گندھارا یا کمبوجا تھی۔ بھارت کے شمال مغربی کونے میں واقع اس سلطنت میں موجودہ کشمیر اور اس کے شمال مغرب کا کچھ حصہ' صوبہ چترال' افغانستان کا بہت بڑا حصہ اور تقریباً پورا پنجاب شامل تھے۔ یہ کہنا درست ہو گا کہ دریائے ستلج اس کے مشرق اور جنوب میں حد فاصل قائم کرتا تھا۔ اس کا دارالحکومت ٹیکسلا تھا۔ دریائے سندھ اس کے شمال سے لے کر جنوب تک بہتا تھا جس سے یہ سلطنت دو مساوی حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی مغربی حصہ کمبوجا کہلاتا تھا۔ اور مشرقی حصہ کو گندھارا کہتے تھے۔ کمبوجا کی زبان خروشٹی اور گندھارا کی براہمی تھی' زبانوں کی بیگانگی کے باوجود دونوں علاقوں کے باشندے باہم شیروشکر رہتے تھے' پورے علاقے اور گندھارا کا دارالحکومت ٹیکسلا تھا جبکہ کمبوجا کا دارالحکومت پشپاپور یا پشکلاوتی تھا جسے اب پشاور کہا جاتا ہے" (شاہ کے بقول یہ کوائف شہباز گڑھی اور مانسہرہ کے پتھر کے کتبوں سے حاصل کئے گئے ہیں)

بھارتی سکالرز کی محققانہ کاوشیں خاص طور پر تحسین کی مستحق ہیں جن کی مساعی


1000-300 B.C.
AND
600-500 B.C
بھارت ورش کے
قدیم سولہ بڑے ممالک
افغانستان
AFGHANISTAN
GANDHARA
KURU
MATSYA
SURASENA
PANCHALA
KOSALA
MALLAS
VAJJI
VATSA
KASI
ANGA
MAGADHA
CHEDI
AVANTI
ASMAKA
تبت
TIBET
بحیرہ عرب
خلیج بنگال
BAY OF
BENGAL
سری لنکا
800 B.C
800-700 B.C
900 800 B.C.
600 100 B.C
500 - 400 B.C
300 - 50 B.C
1000 B.C
1. انگہ
2. مگدھ
3. کاسی
4. کوسل
5. وَجی
6 مَل
7. چیتی یا چیدی
8. ونس یا وتس
9. کرو
10. پنچال
11 سوراسین
12. اسمک یا اشمک
13. اُونتی
14. مچھ یا متسی
15. گندھار
16. کمبوج



VEDIC INDIA.
From B. C 3000 to B. C. 650.
[By courtesy of the Indian Publishing House.]

اس نقشہ سے ظاہر ہے کہ کمبوہ قوم کا ملک کمبوج تین ہزار سال قبل مسیح میں یعنی آج سے پانچ ہزار سال پہلے بھی موجود تھا۔ جب کہ ہم عصر اقوام کا وجود ایک ہزار سال سے لیکر دو ڈھائی ہزار سال پیشتر کسی تاریخی یا روایتی ماخذ یا حوالے سے ثابت نہیں ہوتا۔

سے پچھلے پنتالیس سال میں بہت سے نئے موضوعات زیر بحث آ کر کئی مفید معلومات حاصل ہوئیں اس عرصہ میں سینکڑوں مضامین' مقالات اور کئی کتابیں کمبوہ قوم کے متعلق شائع ہو چکی ہیں' اگرچہ کمبوجوں سے متعلق دوران بحث ایک مضمون میں ڈاکٹر سرکار نے لکھا ہے کہ "ہندوستانی ادب فرضی قصے کہانیوں اور روایتوں سے بھرا پڑا ہے اس لئے ایسے قصوں اور روایات کو ہم تاریخی صداقت کی بات نہیں کہہ سکتے" اور یقیناً دیومالائی افسانوں اور ان کی بنیاد پر کی جانے والی تحقیقات کو کلیتہ" قابل اعتماد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم بقول ڈاکٹر سرکار تمام دانشوروں اور محققین نے انہی افسانوی داستانوں میں سے خزف ریزوں کو پھینک کر حقائق کے دُرہائے بے بہا چننے میں اپنی مہارت اور دانش مندی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

1952ء کے بعد ملک کمبوج کی جغرافیائی پوزیشن کے سلسلہ میں دو واضح نظریات سامنے آئے ایک مکتبہء فکر کے بڑے محقق اور سرگروہ ہیم چند رائے چودھری' ڈاکٹر بھنڈارکر اور گروپ کے پرجوش حامی اور ترجمان ڈاکٹر سرکار جیسے اعلیٰ پایہ کے دانشور تھے دوسری طرف جے چندرودیالنکار' ڈاکٹر موتی چندر اور ودیالنکار کے نظریہ کے موید اور سرگرم مفکر وی ایس اگر وال جیسے ممتاز محققین تھے ہر دو اطراف کے عالموں نے ایک دوسرے کی تائید و حمایت یا تردید و مخالفت میں ہزاروں صفحات سیاہ کر ڈالے۔ یہاں ان مباحث کی تفصیل تو درکنار ان سب کے خلاصہ کی بھی گنجائش نہیں۔ اس کا ماحصل اگروال کا یہ فیصلہ ہے کہ "کوہ ہندو کش کے شمال مغرب میں صوبہ بدخشاں' سطح مرتفع پامیر اور دریائے آموں (ونکشوندی) کا بالائی حصہ ملک کمبوج تھا۔" دوسرے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "ابھی سار اور کمبوج کبھی ہم معنی لفظ نہیں رہے۔"

پنڈت جے چندر ودیالنکار کا خیال ہے کہ کمبوہ' افغان اور کشمیری والا فارسی قطعہ جس میں افغانوں کو کینہ پرور' کمبوہوں کو حیلہ جُو اور کشمیریوں کو اندوہ و دل گیری کا مجسمہ بتایا گیا ہے وسطی زمانہ میں لکھا گیا تھا اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ تینوں اقوام پڑوسی ملکوں میں رہتی تھیں۔ ہم اس سے متفق نہیں کیونکہ پڑوسی ہونا تو بجا مگر یہ قطعہ اٹھارہویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں یو پی کے کسی

شاعر کی ذہنی اختراع ہے جس کا مقصد ان معزز قوموں کو بدنام کرنا اور دوسروں کی نظروں سے گرانا تھا (11)

1932ء میں نیپال کے راج گرو ہیمراج پنڈت جی کے پاس نیپار طرز تحریر میں تل پتروں (شاہ بلوط کے پتے جو زمانہ قدیم میں کاغذ کی جگہ استعمال ہوتے تھے) پر لکھی ہوئی مہابھارت کی ایک جلد منظر عام پر آئی جو ایک ہزار سال پرانی ہے۔ یہ ان تمام حشو و زوائد سے پاک ہے جو مہابھارت کے موجودہ نسخوں میں ملتے ہیں اس میں کرن کے تسخیر عالم کا بھی کوئی ذکر نہیں۔

اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کمبوج راجوڑی کا علاقہ نہیں تھا۔ یہ ملک بدخشاں پامیر میں ہی واقع تھا۔ اس سے ڈاکٹر اگر وال نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ :

"ملک کمبوج کو پامیر بدخشاں کا حصہ قرار دینا قدیم تمام حوالہ جات اور کوائف کی پوری تصدیق کرتا ہے" :

"Kamboja as equivalent to Pamir - Badakhshan satisfies all ancient references and data."

(JUPHS جلد سولہ حصہ اول 1953ء ص 27)

چوتھی راج ترنگنی کا مصنف پراجیہ بھٹ مغل شہنشاہ ظہیر الدین بابر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "وہ ملک کمبوج کا یونن بادشاہ تھا۔" بابر فرغنہ کا رہنے والا تھا جو پامیر کے شمال میں واقع ہے اور موجودہ شمال مشرقی افغانستان کا حصہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (1) یونوں میں مغل بھی تھے اور (2) فرغنہ قدیم ملک کمبوج کی حدود میں واقع تھا۔

---

(11) قوموں کی گلاسری میں لکھا ہے "یہ قطعہ یوپی میں زبان زد عام ہے اور اسے لوک گیت کی حیثیت حاصل ہے" انگریزوں کی آمد سے پہلے یہ تینوں اقوام بام عروج پر تھیں۔ ایران' توران' بلاد عرب وغیرہ سے آئے ہوئے کم مایہ حاسد لوگ ان پر طرح طرح کے طنز کرتے اور کہاوتیں وضع کرتے رہتے تھے یوپی کے بعض سادات اور قریش اس مخاصمانہ فعل میں پیش پیش رہتے تھے' امروہہ کے کمبوہ بھائیوں کا حضرت زبیرؓ سے تعلق کا دعویٰ اسی سے پیدا شدہ احساس کمتری کا رد عمل تھا۔ ایچ بلا کمین نے آئین اکبری کے ترجمہ میں ص 436 پر شہباز خاں کمبوہ کا ذکر کرتے ہوئے اس قطعہ کے متعلق لکھا ہے۔

"It must be very modern" کیونکہ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں کمبوہ ہونا نہایت قابل فخر سمجھا جاتا تھا"

علم لسانیات اور کمبوج : ایسے حالات میں جب کسی قوم یا گروہ کے اصل وطن کے بارے میں ابہام پایا جائے تو اس قوم یا گروہ کی زبان بہت مدد گار ثابت ہوتی ہے چنانچہ لسانیات کے ماہرین نے بھی اس مسئلہ کے حل میں کافی مدد کی ہے یاسکا چاریہ نے اس بحث کا ماحصل یہ بیان کیا ہے کہ کامبوج لوگوں کی بودوباش کا اصل مقام پامیر اور بدخشاں کا علاقہ ہے۔ جارج ابراہم گریرسن' جرمن عالم ارنسٹ کوہن (Ernst Kuhn) اور دوسرے کئی ماہرین نے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کیا ہے۔

مؤرخین اور ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ اس تمام علاقہ کی زبان گلچہ تھی۔ ودیالنکار کا خیال ہے کہ بدخشاں کے لوگ (یعنی کمبوج) بھی اسی تاجک نسل سے ہیں جس سے گلچہ زبان بولنے والے لوگ ہیں۔

ایک بات اور ذہن نشین کرانا ضروری ہے کہ بدخشاں پہلی دوسری صدی قبل مسیح میں توکھاردیس یا تخارستان کہلانے لگا تھا۔ بلخ جو پہلے باہلیک کہلاتا تھا بھی تخارستان میں شامل تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ توکھار قوم کثیر تعداد میں نقلِ مکانی کر کے ملک کمبوج اور اس کے ہمسایہ علاقہ میں آ بسی تھی اس طرح کمبوج پامیر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا لیکن اس کے باوجود بدخشاں کمبوج بھی کہلاتا رہا کیونکہ کمبوج ایک نسلی نام تھا جس میں پورا بدخشاں شامل تھا۔

مہاراجہ اشوک کے کتبوں اور ہخامنشی خاندان کے دارا اول کے ہدایت ناموں کی زبان ارامئی کے متعلق بھی ماہرین کا یہی خیال ہے کہ یہ زبان صرف یونوں اور کمبوجوں کے لئے ہے۔ لیکن بعض ناقدین اور شارحین کا یہ خیال درست نہیں کہ وہ ایرانی تھے جیسا کہ پران کی جلد پنجم نمبر 2 مطبوعہ جولائی 1963ء ص 256 پر مرقوم ہے۔

" Apparently they (the Kambojas) were Iranians living in the Mauriya empire and considering the association of the Yavanas and Kambojas in Asoka epigraphs there can be no doubt that it was the Kambojas for whom the Aramaic version of the Kandhar Edit was meant."

(بظاہر وہ (کمبوہ) سلطنت موریہ میں رہنے والے ایرانی تھے اور اشوک کے کتبوں

کے مطابق اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ کمبوجوں اور یونوں میں گہرے تعلقات تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جن لوگوں کے لئے قندھار کتبے پر ارامئی زبان لکھی گئی تھی وہ صرف کمبوہ تھے اس بیان کی تائید میں ایپی گرافیا انڈیکا جلد 34 نمبر1 تا 5 ص 7 پر ہے۔ فلیوزیٹ (J. Filliozat) لکھتے ہیں :

" Prof. Benveniste has sermised that the Aramaic text of the bilingual inscription was meant for their (Kambojas) use."

("پروفیسر بین وی نستے نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دو لسانی کتبہ کا ارامئی زبان والا حصہ کمبوجوں کے لئے تھا") یہ تو لسانی معاملہ تھا اگر ہم جغرافیائی وحدتوں پر نظر ڈالیں تو بھی ہمیں گوہر مقصود حاصل ہو سکتا ہے۔ اس علاقے میں مندرجہ ذیل ملک واقع تھے:*

دارو (Darv) موجودہ جموں اودہم پور وغیرہ۔ ابھی سار : موجودہ پونچھ' راجوڑی وغیرہ۔ اُرشا : مانسہرہ اور کوہستان کے اضلاع۔ گندھار : ٹیکسلا' پشاور' مہمند' اور خیبر ایجنسی وغیرہ۔ کپش : گلگت اور ملحقہ علاقے۔ درد :چترال اور ملحقہ ریاستیں دیر' سوات۔ باہلیک : بلخ۔ اب غور سے نقشہ کا ملاحظہ کریں تو معلوم ہو گا کہ جو علاقہ بچ جاتا ہے وہی ہے جو کوہ ہندوکش اور بدخشاں کا علاقہ ہے اور جسے ہم کمبوج کہتے ہیں۔

مذکورہ بحث سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا ہے تاہم یہ موضوع نا مکمل رہے گا اگر ہم ڈاکٹر سیٹھنا کے نئے نظریہ پر اظہار خیال نہ کریں ہم اسے مصالحتی فارمولا کہہ سکتے ہیں۔ پران جلد ششم نمبر1 ص 207 تا 214 میں اس کی مکمل وضاحت کی گئی ہے آخر میں وہ کہتے ہیں۔

" Sircar is right about his Kamboja on this side of the Hindukush. Agarwal is right about his Kamboja on the other side of the mountain. Both are wrong in ruling out each other's Kamboja. The historical truth is that there were two Kambojas (P. 210)"

"سرکار اپنے نظریہ یعنی کمبوج کو ہندوکش کے اس طرف (مشرقی جانب) قرار دینے میں صداقت پر ہے۔ اگر وال اپنے کمبوج کو اس پہاڑ کے دوسری طرف کہنے میں حق

* نقشہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ ہو۔

بجانب ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے کمبوج کے محل وقوع کو جھٹلانے کے معاملہ میں غلطی پر ہیں۔ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ کمبوج نام کے دو ملک تھے۔"

در حقیقت یہ نظریہ بھی نیا نہیں 1962ء میں سی اے لیوس نے اے جیاگر یفیکل ٹیکسٹ آف پراناز میں Kambojas, A further critical study کے زیر عنوان ایک مفصل مقالہ تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ایک کمبوج موجودہ کافرستان ہے اور دوسرا بدخشاں اور سطح مرتفع پامیر میں ہے جسے پرم کمبوج یا سپریم کمبوج کہنا چاہئے لیکن ڈاکٹر باسودیو اگر وال نے اس پر ایک سخت تنقیدی مضمون لکھ کر اصل کمبوج اور عظیم کمبوج کی تھیوری کو غلط قرار دیتے ہوئے اسے تخیلاتی مفروضہ ظاہر کیا۔

یہ مفروضہ دوبارہ اس وقت منظر عام پر لایا گیا جب سرکار گروپ اور اگر وال گروپ میں اپنے بیانات کی تائید اور مخالف کی تردید میں گرما گرم بحث جاری تھی کہ ایم آر سنگھ نے "ابتدائی پرانوں میں جغرافیائی کوائف کا تنقیدی جائزہ" مطبوعہ کلکتہ 1972ء کے ص 168 پر سیٹھنا کی تائید میں کہا "کمبوج لوگ ابتدا میں پامیر بدخشاں کے ہی باشندے تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انہوں نے راجوڑی میں بھی ایک بستی بسا لی تھی اور اس کا نام کمبوج دیس رکھ دیا تھا۔ غور کیا جائے تو ڈاکٹر سنگھ کی راجوڑی اور سیٹھنا اور لیوس کے کافرستان میں کافی فرق ہے اور ان دونوں میں سے کوئی بھی اصلی کمبوج نہیں۔ ڈاکٹر جیالال کمبوج نے جن کی کتاب 'پراچین کمبوج' جن اور جن پد' سے ہم نے کافی استفادہ کیا ہے اپنے عظیم تحقیقی کام کو بیسیوں مفکرین اور محققین کے حوالوں سے مزین کیا ہے وہ اس تمام بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان عالموں کے خیالات میں ہمیں کوئی ٹھوس بات یا حقیقت نظر نہیں آتی۔ دلائل میں لفاظی نمایاں ہے اگر کچھ کمبوجوں نے زمانہ کے ساتھ کوئی بستی آباد کر لی تھی تو اس بات سے اس بستی کو قدیم کمبوج دیس یا عظیم کمبوج دیس نہیں مانا جا سکتا۔ حقیقت میں قدیم کمبوج علاقہ وہی ہے جس کی طرف تمام ہندو ادب اور قدیم ہندوستانی روایات اشارہ کرتی ہیں اور جو پامیر بدخشاں علاقہ میں واقع تھا" (ص 147)

مذکورہ بالا بیانات کے مطالعہ اور تجزیہ سے ہم ڈاکٹر جیالال کی تائید میں اس نتیجے پر

پہنچے ہیں اور ہمارے خیال میں تاریخی' جغرافیائی اور عقلی دلائل پر مبنی یہ ایک بہترین فیصلہ ہے کہ اگرچہ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ملک کامبوج کی سرحدیں پھیلتی اور سکڑتی رہی ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات وسطی پنجاب سے لیکر افغانستان بلکہ تاجکستان تک کمبوج علاقہ رہا ہے لیکن اصل کمبوج علاقہ جسے کمبوہ قوم کا آبائی وطن کہہ سکتے ہیں سطح مرتفع پامیر کا وہ علاقہ ہے جس میں صوبہ نورستان کا مغربی حصہ اور بغلان شامل تھے۔ مارچ 1964ء کی افغانی صوبوں کی تشکیل نو کے مطابق اصل کمبوج دیس ذیل کے چھ علاقوں پر مشتمل رہا ہے اور اسی علاقہ کی مناسبت سے آج افغانستان' پاکستان' ہندوستان' سری لنکا اور کمبوجیا میں آباد یہ قوم کمبوہ کہلاتی ہے۔

(1) بدخشاں (2) تخار (سوائے مغربی حصہ کے) (3) لغمان (4) کنار (5) شمالی کپیسہ (6) مشرقی بغلان (وادئ پنج شیر کا علاقہ کمبوج میں شامل تھا)۔

بعض مؤرخین کی رائے میں صوبہ بدخشاں کا مشرقی حصہ (جو پہلے واخان کہلاتا تھا جس کی سرحد پاکستان سے ملتی ہے اور جہاں آج کل یغنوبی زبان رائج ہے) پرم کمبوج یعنی عظیم کمبوج ہے جبکہ بعض دوسرے مؤرخین کے خیال کے مطابق بدخشاں کا شمالی حصہ جس کی سرحد تاجکستان سے ملتی ہے پرم کمبوج کہلاتا تھا لیکن ہماری پروثوق رائے ہے کہ اصل کمبوج اور پرم کمبوج کی اصطلاحیں محض علمی خیال آرائی اور تشکک (Confusion) کا باعث ہیں اب اسے خواہ کسی بھی نام سے یاد کیا جائے حقیقت یہی ہے کہ یہ پورا علاقہ کمبوج قوم کا اولین مسکن اور ملک کا نام کمبوج رہا ہے اور اس کی مناسبت سے ہم لوگ کمبوہ یا کمبوج کہلاتے ہیں:

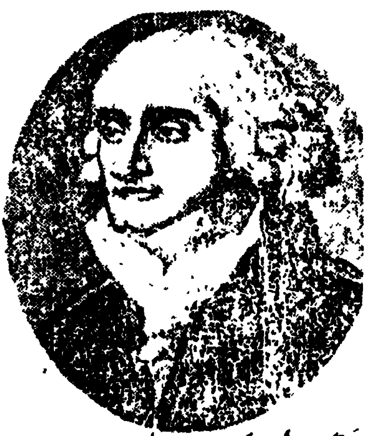
یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے وقتاً فوقتاً نقل مکانی کر کے کمبوہ ہندوستان کے مختلف حصوں بالخصوص پنجاب' ہریانہ اور مغربی یوپی میں آ کر آباد ہوئے اور بعض علاقوں مثلاً ملتان' کرنال وغیرہ کے نواح میں اپنی حکومتیں قائم کیں۔ یہاں پر ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یونان' یوچی' کشان' ساکا اور ہن قبائل کی طرح کمبوہ بھی اپنے ملک سے نکل کر اقطاع ہند میں پھیل گئے۔ ساکا قبائل کے ساتھ آنے والے کمبوہ سندھ' گجرات کاٹھیاواڑ' بہار' بنگال' جنوبی ہند اور سری لنکا تک کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ کچھ طالع آزماؤں نے ہند چینی کا رخ کیا اور وہاں اپنے نام پر نیا ملک کمبوڈیا

آباد کر کے ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کمبوہوں کے جو چند قبائل وادی کابل میں رہ گئے تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ مسلمان حملہ آوروں کے ہمراہ ہندوستان آتے رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں یوپی کے بعض مسلمان کمبوہ خاندانوں کی روایت بھی قابل توجہ ہے۔ وہ کہتے ہیں "ہمارے اسلاف سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ہمراہ ہندوستان میں آ کر پہلے ملتان میں آباد ہوئے کچھ لوگ ملتان میں ہی رہے زیادہ تر بریلی' سنبھل' میرٹھ' امروہہ' بدایوں وغیرہ میں منتقل ہو گئے۔ اور اپنی خدا داد صلاحیتوں کی بناء پر اسلامی دور میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہے اور اس کے بعد برطانوی عہد حکومت میں بھی اپنا مقام برقرار رکھا۔" آج ان کی ایک معقول تعداد کراچی اور سندھ کے دوسرے شہروں میں آباد ہے اور معاشرہ میں بلند مقام رکھتی ہے۔ لیکن متقدمین اور متاخرین ایک ہی شجر کی دو شاخیں ہیں عرصہ دراز تک ایک دوسرے سے دور رہنے کی وجہ سے قومیت نہیں بدل جاتی۔



جوزف کامبان (1756 - 1826)
(تاریخ قوم کمبوہ صفحہ 133)



ریئس ڈے کاماسرلیس 1753-1819
(تاریخ قوم کمبوہ صفحہ 139)

باب سوم

لفظ کمبوج کی اصل اور مفہوم

ماہرین لسانیات، مؤرخین اور محققین کی نظر میں

کمبوہ قوم اور اس کے قدیم وطن کے لئے پرانی بھارتی کتب میں زیادہ تر لفظ کمبوج اور کامبوج دونوں طرح استعمال ہوا ہے البتہ کئی کتابوں میں کم بھوج اور کام بھوج کے لفظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ سنسکرت گرامر کے علما نے کمبوج لفظ اور اس کے معانی، دونوں پر بہت غوروفکر سے کام لیکر اپنی اپنی رائے قائم کی ہے۔ آئندہ سطور میں، اسی پر بحث کی جا رہی ہے۔

سنسکرت کے مسلمہ اساتذہ اور زباندانوں مثلاً یاسک، پانینی، کلت یاین، پتنجلی وغیرہ نے اپنی تصانیف میں لفظ کمبوج ہی استعمال کیا ہے جبکہ رامائن، مہابھارت، پرانوں اور کالیداس کی کتابوں میں لفظ کامبوج استعمال کیا گیا ہے۔ اول الذکر عالموں کی رائے ہے کہ کمبوج ایسا لفظ ہے جس سے ملک کے نام کے علاوہ کمبوج کھشتری کی اولاد اور کمبوج راجہ وغیرہ کے مطلب بھی نکلتے ہیں جبکہ دوسرے ممالک مثلاً مگدھ، سندھ، کالنگ وغیرہ لفظ صرف ملک کو ظاہر کرتے ہیں وہاں کے رہنے والوں کے لئے استعمال نہیں ہو سکتے۔ اس کے لئے مگدھی، سندھی، کالنگی وغیرہ کہا جائیگا۔ جبکہ کمبوج ملک اور قوم دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ یاسک کے مطابق (الف) کمبوج ملک (ب) ملک کمبوج کے رہنے والے کھشتری (ج) کمبوج ملک کا راجہ (د) کمبوج کھشتری کی اولاد وغیرہ سب کے لئے ایک ہی لفظ کمبوج ہوتا ہے کامبوج یا کمبوجی نہیں۔ البتہ پانینی نے اس میں کچھ اضافہ کیا ہے اس کے مطابق خاص مقام پر لفظ کامبوج کا استعمال بھی گرامر کی رُو سے درست ہے اس صورت میں کامبوج کا مطلب ہو گا وہ آدمی جس کے آباؤاجداد کا آبائی وطن ملک کمبوج ہو۔ کامبوج کا جو دوسرا مطلب صحیح تسلیم کیا گیا ہے وہ ہے "ملک کمبوج میں پیدا ہونے والا"۔ اسی لئے ملک کمبوج میں پیدا ہونے والے گھوڑے اور دوسری اشیائے تجارت بھی جو کمبوج سے بھارت میں درآمد ہوتی تھیں۔

کامبوج کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ لیکن رامائن مہابھارت پرانوں وغیرہ میں کمبوج اور کامبوج کے مفہوم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔

اس کے علاوہ بہت سی کتابوں خصوصاً" جنوبی ہند کے لٹریچر میں کم بھوج اور کام بھوج کا لفظ بھی ملتا ہے بعض آراء کے مطابق ممکن ہے اصل لفظ کم بھوج ہی ہو اور یاسک نے کمبوجوں کے لئے اونی کمبل پہننے والے لوگ اسی سے اخذ کیا ہو۔ کم بھوج اور کمبوج میں تفاوت کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ملک کمبوج ایران کا ہمسایہ تھا۔ ایرانی' پہلوی' فارسی زبانوں میں 'بھہ' کا حرف نہیں ہوتا اس لئے بھہ 'ب' سے بدل کر کم بھوج سے کمبوج رہ گیا۔ لیکن بھارت خاص کر جنوبی ہند کمبوج سے دور تھا وہاں کم بھوج اور کام بھوج ہی استعمال ہوتا رہا۔ جیسوال نے لکھا ہے:

" Panini spells it as Kamboja, so does Yaska but Yaska derives it from "Bhuj", The Ramayana (I:55:2) and the Arthasastra have Kamboja and Kambhoja respectively. The former indicates Iranian or Paisaci influence." (ہندو پالٹی ص 55 حاشیہ نمبر20)

(پانینی اور یاسک نے کمبوج ہی لکھا ہے لیکن یاسک نے اسے بھوج سے اخذ کیا ہے۔ رامائن اور ارتھ شاستر میں بالترتیب کمبوج اور کم بھوج استعمال ہوا ہے اول الذکر ایرانی اثر کی نشاندہی کرتا ہے)

ڈاکٹر جیالال نے بڑی تحقیق اور کاوش کے بعد بہت سی کتابوں کے حوالے دیکر بتایا ہے کہ ان میں کمبوج لفظ مختلف طریقوں۔ مختلف انداز اور مختلف ہجوں کے ساتھ دیکھنے میں آیا ہے۔ یہ ایک طویل بحث ہے جو زیادہ تر علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے ہی کار آمد ثابت ہو سکتی ہے تاہم بطور نمونہ چند ایک کا ذکر کیا جا رہا ہے:

1- اڑیسہ کے ضلع پوری میں اشوک کے ایک کتبے میں کمبوج کی جگہ لفظ کمبوچ لکھا ہے۔

2- بنگال کے شمالی حصہ میں رہنے والی ایک قوم کا نام کوچ ہے ممکن ہے یہ کمبوج کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

3- برما اور بنگال کے درمیان واقع کوہ لوشائی میں ایک علاقے کا نام کمبوتس دیس، (ہو سکتا ہے یہ کمبوج سے ماخوذ ہو)

4- پالی کتابوں میں کمبوج اور کمبوجک دونوں لفظ ملتے ہیں۔ مؤرخین کے مطابق کمبوجک سے مراد ملک کمبوج میں پیدا ہونے والی قوم ہے۔

5- متھرا میں ایک کتبہ میں مہارانی ایمیہ اور اس کے باپ کے نام کے ساتھ بالترتیب کموئیا اور کموئیو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر سٹین کونو (Stien Konow) کے مطابق یہ کمبوجک کے پراکرت روپ ہیں اور ڈاکٹر جیسوال نے اس کی تائید کی ہے۔

6- انہلواڑ میں ایک گاؤں کا نام کمبوئیکا ہے جس سے مؤرخین کا خیال ہے کہ اس گاؤں میں کسی وقت کمبوہ لوگ آباد رہے ہوں گے۔

7- بعض کتابوں میں کمبی اور کمبی ستھولی کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ ایچ ایچ ولسن نے وشنو پران ص 160 پر لکھا ہے کہ "ستھولی کا مطلب 'شالہ' ہے یعنی مقام' ضلع وغیرہ لہٰذا کمبی ستھولی کا مطلب ہے کمبا میں رہنے والے یا پیدا ہونے والے کمبوج۔"

8- ہنری ایم ایلیٹ کے مطابق کابل کا سنسکرت نام کمبوج ہے۔

9- تالیمی کا خیال ہے کہ کمبی ستھولی افغانستان کے جنوبی حصہ اراکوشیا یعنی قندھار اور غزنی کا نام ہے۔

10- اے کننگھم نے "The Ancient Geography of India" ص 15 پر پانچ یوچی یا توچاری قبائل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک قبیلہ کوؤپھو (Kuofu) نے دوسری صدی قبل مسیح میں یہ علاقہ فتح کر کے ایک شہر آباد کیا جسے اب کابل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

توشار' توچار یا توخار بہت عرصہ تک بدخشاں کے باشندے رہے ہیں جب کمبوج توخاروں کے ہمراہ (بعض مؤرخین کے مطابق ان کے حملوں کے باعث ملک کمبوج سے نقل مکانی کر کے کابل کے علاقے میں آئے اور یہ اقطاع فتح کر کے یہیں آباد ہو گئے تو انہوں نے دریا اور شہر کا نام کوبھا' کاؤپھو اور کابل رکھا ہوگا۔ اکثر مؤرخین اس رائے پر متفق ہیں۔

11- گجرات میں کمبی نام کی ایک ذات ہے کچھ مصنفوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ ان

کمبوجوں میں سے ہیں جو شکون کے ساتھ براستہ سندھ گجرات میں جا بسے تھے۔

12- مہاراشٹر اور کرناٹک وغیرہ علاقوں میں کمبھی نام کی ایک ذات بستی ہے۔

13- اودھ بہاری لال نے لکھا ہے کہ دکن میں کمبن، کمبھ اور کمبی نام کی قومیں آباد ہیں اور قیاس یہی کہتا ہے کہ یہ کمبوجوں کی اولاد ہیں۔

14- جنوبی ہند کا مشہور شہر کوئمبٹور(Coimbatore) بھی بعض مؤرخین کے خیال میں کمبوجوں کا آباد کردہ ہے۔ اس کا ابتدائی نام کمبوٹور تھا۔

ہم اس بارے میں ڈاکٹر جیالال سے پوری طرح متفق ہیں کہ یہ سب محض قیاسات ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان علاقوں میں جا کر اور ان لوگوں سے مل کر مکمل تحقیقات کی جائے۔ اگر کوئی محقق یا بھارت کی کمبوج مہاسبھا اس بات کا بیڑا اٹھائے تو بہت سے سربستہ راز منکشف ہو سکتے ہیں اور قوم ان کی بہت ممنون ہو گی۔

ہم نے اوپر کاؤ پھو کا ذکر کیا ہے اس سلسلہ میں ڈاکٹر جیالال لکھتے ہیں کہ بدھ مت کی ایک کتاب "رتن کوٹ سنگرہ" میں 'ستھاگت گرہ سوتر' جو چینی زبان میں ہے میں ملک کمبوج کا نام Kieu feou اور تبتی میں کم پوچے (Kam-po-ce) یا کمپوجی (Kam-po-ji) لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس سے کننگھم کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے (کمبوڈیا کا نیا نام اب کمپوچیا رکھا گیا ہے)۔

ایچ ایچ ولسن نے وشنوپران ص 299 پر لکھا ہے "افغانستان کے مشرقی حصہ میں کاؤموزی (Kaumozee) کاؤموجی (Kaumojee) کام توزی (Kamtoze) قبیلے ملتے ہیں۔ یہ سب کمبوج ہی کی مختلف اشکال ہیں۔ یہ لوگ ترکوں کے حملوں سے قبل ہی اپنے ملک سے نکل کر پہاڑی علاقوں میں جا بسے ہوں گے۔" مشہور مؤرخ الفنسٹن نے "An Account of the Kingdom of Caubul" ص 619 اور ایس چٹوپادھیا نے "ہخامنشی اور انڈیا" ص 13 پر اس کی تائید کی ہے۔ ایس لیوی نے کپش اور کمبوج کو ایک ہی ملک کے دو نام تسلیم کیا ہے۔ اس کی تائید امپی گرافیا انڈیکا جلد 1 ص 11 سے بھی ہوتی ہے W.K. Tytler اپنی کتاب 'افغانستان' میں ص 58 پر لکھتے ہیں:

" In fact scholars are of the opinion that Kamboja and Kapisa... might be identical."

ان بیانات کی روشنی میں ڈاکٹر موتی چندر نے مزید تحقیق کی اور JUPHS جلد سولہ ص 50 پر لکھا۔ "وال گھوش گھاٹی کے بالائی حصہ کو چترالی زبان میں لدھے اور پشتو میں کموز جبکہ جنوبی حصہ کو چترالی میں کلدیش اور پشتو میں کموز کہا جاتا ہے۔" آگے چل کر وہ کہتے ہیں "ان شواہد سے اس حقیقت کا صاف اشارہ ملتا ہے کہ ان علاقوں کے باشندے ملک کمبوج کے رہنے والوں کے ساتھ رشتوں میں منسلک تھے' کافروں اور کمبوجوں کی جداگانہ حیثیت کے متعلق باب ہفتم میں ذکر کیا جائیگا۔

کمبوج کے معنی: جہاں تک لفظ کمبوج کے معنی کا تعلق ہے سب سے پہلے یاسک نے یہ لفظ استعمال کیا' وہ اسے دو الفاظ کم اور بھوج کا مرکب بتاتا ہے۔ کم کے بھی دو معنی لکھے ہیں' ایک خوبصورت' عمدہ' پسندیدہ اور دوسرے کمبل۔ لفظ بھوج کے معنی بھوگ یا استعمال کرنے والا۔ گویا پہلے معنی ہیں "عمدہ اشیاء استعمال کرنے والے' مرغوب اور پسندیدہ کھانے کھانے والے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کمبوج میں بہترین قسم کے پھل' شہد اور عمدہ چاول وغیرہ کی بہتات تھی۔ بی سی لاء نے "قدیم ہندوستان کے چند کھشتری قبیلے" میں لکھا ہے۔ "The Kambojas may have been so called because they were Kamaniya Bhojas or enjoyers of pleasant things."

ان کو کمبوج اس لئے کہا جاتا ہو گا کیونکہ وہ کامنی بھوج یعنی خوشگوار اشیاء سے لطف اندوز ہونے والے لوگ تھے۔"

کم بوجا یا کم بھوجا کے دوسرے معنی یہ بتائے گئے ہیں "وہ کمبل بھوجا یعنی کمبل پہننے یا اوڑھنے والے تھے" ڈاکٹر موتی چندر JUPHS کے مذکورہ شمارہ کے ص 39 پر لکھتے ہیں۔ "Kambojas are Bhojas with woollen shawls or handsome bhojas etc.."

"کمبوج اونی شال (کمبل) اوڑھنے یا خوبصورت چیزیں استعمال کرنے والے۔ عمدہ کھانے کھانے والے لوگ ہیں۔"

یہ تو جملہ معترضہ مگر سبحان اللہ! درمیان میں کیا لطیف نیاز مندانہ بات آ گئی ہے۔ ہمیں رحمتہ للعالمینؐ حضرت محمد مصطفیٰؐ کی ذات والا صفات سے 'گویا خاک کو عالم پاک سے' کمبل بھوجا کو المزمل سے' یا کمبوہ قوم کو سرور کائناتؐ سے قدرتی طور پر ہمن

مانگے کمبل اوڑھنے کی جو نسبت عالیہ حاصل ہو گئی ہے وہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ کے مصداق ذرے کو آفتاب سے نسبت مل گئی ہے چہ عجب اگر ہماری کمبل پوش فرمایہ قوم ہادی برحقؐ کالی کملی والے آقاؐ کی مناسبت سے اپنے اخلاق بلکہ پوری زندگی کو صاحبِ خلقِ عظیمؐ کی پیروی میں ڈھال کر دونوں جہان میں سرخروئی حاصل کر سکے۔ اس بیان پر مؤلف اپنی قوم سے یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ

ع ۔ بنگر کہ از کجا بہ کجا می فرستمت

ڈاکٹر جیسوال نے کم بھوج کا مطلب کمتر بھوج (Inferior Bhoja) بتایا ہے تعجب ہے اتنے بڑے عالم کو یہ خیال نہ آیا کہ کم یہاں سنسکرت کا لفظ ہے فارسی کا نہیں کسی فارسی لفظ کو سنسکرت لفظ کے ساتھ ملا کر مرکب بنانا از روئے گرامر بالکل غلط ہے دوسرے یہ کہ انہوں نے اپنی خود ساختہ نئی ترکیب گھٹیا بھوج کا کوئی مطلب نہیں بتایا اس لئے یہ ہر لحاظ سے لغو ہے۔

کننگھم کے مطابق کمبوجوں کو 'کوماوئی' اور 'کومارئی' بھی لکھا گیا ہے اس کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ دئی یعنی دیو کا مطلب مالک اور رئی کا مفہوم رائے یا راجہ ہے اس لئے اس کا مطلب کم دیس کا راجہ یا مالک ہو گا۔

اب ہم آخر میں برصغیر پاک و ہند میں استعمال ہونے والے مروجہ الفاظ کا تجزیہ کرتے ہیں یہ الفاظ کمبوج' کمبوہ' کنبوہ' کمبو' کمو وغیرہ ہیں۔ آخری لفظ (کمو) ان پڑھ اور جہلایا دیہاتی عوام کی زبان پر رائج ہے جو کہ اصل لفظ کی آخری جِ یا ہِ نیز درمیانی بِ کو حذف کر کے آسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس کی اور کوئی حیثیت نہیں۔

کمبوج : یوپی اور ہریانہ کے ہندو کمبوہوں میں یہی لفظ رائج ہے ان علاقوں کے لوگ فخریہ طور پر خود کو کھشتری کمبوج کہتے ہیں۔ مشرقی پنجاب کے ہندو اور سکھ بھی یہی لفظ کمبوج استعمال کرتے ہیں البتہ اب سکھوں میں کمبوج قوم کی بجائے گوت لکھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے۔ مشرقی پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ میں مسلمان کمبوہ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ ہندو سکھ بھائیوں کے زیر اثر وہ بھی کمبوج کہلانے لگے ہیں چنانچہ اسلامیہ کمبوہ ہائی سکول اب اسلامیہ کمبوج ہائی سکول کے نام سے رجسٹرڈ ہے۔

کمبوہ : لفظ کمبوج میں 'ج' کا حرف بہت خفیف آواز دیتا ہے اور ثقیل بھی ہے اس لئے 'ج' حذف کر کے 'ہ' لگا دینے سے یہ لفظ وجود میں آیا جیسے اچارج سے اچاریہ' راجہ سے رائے وغیرہ۔ کمبوج کے مقابلہ میں کمبوہ فصیح تر ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے مسلمان کمبوہ یہی لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مراد کمبوج ہی ہے۔

زبان کا ایک عام اصول ہے کہ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک وہ جو عام لوگ بولتے ہیں اس میں امتداد زمانہ کے ساتھ کافی تبدیلی ہوتی رہتی ہے دوسری وہ جو تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان ہوتی ہے لٹریچر میں یہی استعمال ہوتی ہے اس میں شاذ ہی تبدیلی کی گنجائش ہوتی ہے ہمارے ادب میں مذکورہ دو لفظ ہی زیادہ مستعمل ہیں۔

کنبوہ : در حقیقت یہ لفظ کمبوہ کا فارسی املا ہے۔ بھارت میں لکھی گئی فارسی کتب میں اکثر اسی طرح لکھنے میں آیا ہے بطور مثال فارسی میں سموسہ کو سنبوسہ' تمبولی کو تنبولی وغیرہ لکھا جاتا تھا۔ اگرچہ اس املا کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر لوگوں نے بعض من گھڑت توجیہات کی ہیں مگر ان کی کوئی اصلیت نہیں۔ یو پی کے بعض کمبوہ اپنا شجرہ نسب ایران کے کیانی خاندان سے ملاتے ہیں۔ ان کے مطابق جب ایران کے تخت پر دشمنوں کا قبضہ ہوا تو 'کے' خاندان کے لوگ انبوہ در انبوہ عازم بھارت ہوئے اور 'کے انبوہ' کہلائے جو بعد میں کنبوہ رہ گیا۔ یہ بات خلاف واقعہ بھی ہے اور خلاف عقل بھی۔

کمبو : لفظ کمبوہ یا کمبوج کا آخری حرف زائد سمجھ کر عام استعمال کا لفظ بنا دیا گیا ہے بولنے میں اکثر 'ج' اور 'ہ' خفیف الصوت ہونے کی وجہ سے کمبو سنائی دیتا ہے۔ تحریر میں اس کا استعمال عامیانہ پن کی علامت ہے۔ البتہ مصنف تاریخ شب جاگی نے اس کی اور ہی توجیح کی ہے ص 50-51 پر لکھتے ہیں کہ ملک کمبوج (کمبوڈیا) کی نسبت سے یہ قوم پہلے کمبوجی کہلاتی تھی لیکن ان پر سلطان شہاب الدین غوری کے قتل کا الزام عائد ہوا تو شاہی عتاب نازل ہوا کافی عرصہ بعد ایک افغان افسر کی سفارش پر سلطان شمس الدین التمش نے ان کو آزادانہ رہنے کی اجازت دے دی مگر شرط یہ عائد کر دی "قومی شرافت میں اس قدر کمی کی جائے کہ لفظ "جی" ان کے ساتھ مستعمل نہ کیا جائے ... پس لفظ "جی" جو نظر سیاست آئندہ حذف ہوا۔ افسوس کس مغالطہ میں کمبوجی کمبو کہلانے لگے"

(12) ہم ڈاکٹر جیالال صاحب کی اس بات کو بالکل درست تسلیم کرتے ہیں کہ یہ من گھڑت اور خلاف حقیقت افسانہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ سلطان شمس الدین اِلتمش تیرہویں صدی عیسوی میں تھا۔ اس زمانے میں "جی" کا لفظ ان معنوں میں رائج نہ تھا۔ بقول بھولا ناتھ تیواڑی "جی" یا "جیو" کے لفظ کا رواج مغل دور میں سولھویں یا سترہویں صدی میں عمل میں آیا تھا۔

مندرجہ بالا تمام مباحث اور بیانات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے یا ملک کمبوج واقع شمال مشرقی افغانستان کی مناسبت سے یہ قوم بھی کمبوج کہلائی اور لفظ کمبوہ اس کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ صورت ہے۔ ہمارے بعض بھارتی غیر مسلم دوست ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ ہم قدیم لفظ کمبوج استعمال کریں

مگر ایک تو لفظ کمبوہ گزشتہ ایک ہزار سال سے رائج ہے دوسرے بولنے میں آسانی ہے تیسرے کمبوج متروک ہو چکا ہے چوتھے جب ان دونوں الفاظ کو انگریزی میں جمع کے صیغہ میں استعمال کرتے ہیں تو (1) Kambohs یعنی کمبوز اور (2) Kambojs کمبوجس بولا جاتا ہے ذوق سلیم یقیناً پہلے لفظ کو ترجیح دے گا بہر حال اہل ہند بالخصوص ہندو سکھ کمبوج لفظ کو ترجیح دیتے ہیں جبکہ پاکستان میں وہ معروف لفظ کمبوہ کے نام سے موسوم ہیں۔ معنوی طور پر دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کا استعمال درست ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ع:

میان شیخ و برہمن ہزار فرسنگ است

---

(12) لالہ شب چند کی محنت اور محدود قومی جذبے کو قابل قدر کہا جا سکتا ہے مگر قومی تاریخ لکھنا ان کی اہلیت اور تعلیمی قابلیت سے بہت بعید تھا۔ کتاب کے بیشتر مضامین سے ان کی ہندو عصبیت صاف ظاہر ہے۔ اسلام اور سناتن دھرم کا جاہلانہ مقابلہ یا منوجی کی طبقاتی تقسیم کے حوالے سے آتش زیر پا ہو کر "اسلام کے بہتر فرقوں" کا طعنہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ کتاب محض منفی جذبہ بالخصوص منشی عبداللہ مالیری سے بغض و عناد کے تحت اپنے خاص مذہبی جذبات سے مغلوب ہو کر لکھی گئی تھی۔ ہمیں ان اصحاب کی عقل و دانش پر رونا آتا ہے جنہوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "تاریخ شب جاتی البتہ درست نتیجہ پر پہنچنے کی ایک قابل قدر کاوش ہے ... مختصر یہ کہ یہ کاوش وقیع ضرور ہے مگر ساتھ تشنہ بھی ہے" **لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ** کتاب کی بے وقعتی صفحہ صفحہ سے عیاں ہے۔

باب چہارم

فصل اول
کمبوہ قوم کی ابتداء اور قومیت

کمبوہ قوم کی ابتدا پر بحث سے پہلے کمبوہ برادری (Community) کے لئے لفظ قوم' استعمال کرنے کے جواز پر بات ضروری ہے۔ انسانی گروہوں کے لئے قبیلہ' گوت' ذات' برادری' قومیت' قوم وغیرہ الفاظ مستعمل ہیں۔ ان الفاظ کی حدود و معانی اور سیاسی و تاریخی اعتبار سے ان کی نوعیت اور دائرہ اثر پر طویل بحث درکار ہے لیکن خلاصہ یہ ہے کہ قبیلوں اور گوتوں کے مجموعہ کو جو نسلی وحدت کی بناء پر عمل میں آیا ہو بلالحاظ مذہب و ملک قوم کہنا غلط نہیں البتہ اس پر لفظ Nation کا اطلاق نہیں ہوتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ذات برادری کا تصور اسلامی ہے یا غیر اسلامی؟ اول تو یہ سوال ہی درست نہیں کیونکہ نسلی لحاظ سے ایک وحدت قرار دئے جانے والے لوگ مختلف مذاہب کے پیرو ہو سکتے ہیں ان پر کسی ایک مذہب کی پابندی لازم نہیں۔ کمبوہ' راجپوت' جاٹ وغیرہ تو ہندی الاصل ہیں اس لئے ان میں ہندو' مسلمان' سکھ سبھی مذاہب کے لوگ موجود ہیں خود عربوں میں مسلمان بھی ہیں عیسائی اور یہودی بھی وہ سب عرب کہلاتے اور اپنی اپنی مذہبی روایات پر کاربند ہیں۔

مسلمان کمبوہوں کے لئے قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ مشعل راہ ہیں۔ سورہ الحجرات میں ارشاد باری تعالٰی ہے "ہم نے تم کو شعوب و قبائل بنایا تاکہ تم پہچانے جا سکو" ثابت ہوا کہ ذات' برادری' گوت' یعنی حسب نسب کا تصور اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں بلکہ عین منشائے خداوندی ہے حتیٰ کہ اپنی نسبی پہچان کو ختم کرنا' اسے چھپانا یا اسے بدلنے کی کوشش کرنا' اسلام کی رُو سے' ناجائز و ناروا اور اخلاقی لحاظ سے سخت قبیح ہے۔ البتہ حسب (دینی اور علمی فضائل) اور نسب (نسلی امتیازات وتعلقات) پر غروراور تکبر' قبیلہ پرستی' قومی تعصب جسے عصبیت جاہلیہ کہا گیا ہے غیرمناسب فعل ہے۔

روایات میں مذکور ہے ایک مرتبہ ایک صحابی نے حضورؐ سے دریافت کیا "یا رسول

اللہ ؐ! عصبیت کیا چیز ہے؟ کیا آدمی کا اپنی قوم سے محبت کرنا عصبیت ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا "نہیں،عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کا ساتھ دے۔" یہاں قوم کا لفظ قبیلہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد نبویؐ کی رُو سے اپنی قوم سے محبت جائز بلکہ احسن عمل ہے لیکن دوسروں کو حقیر یا کمتر سمجھنا یا ان کا حق مارنا بری بات ہے۔ برتر وہی ہیں جن کے اعمال پاکیزہ ہیں۔

پرانے زمانے میں نسب سے تعلق اور اس کی حفاظت کا پورا اہتمام ہوتا تھا لوگوں کو اپنا سلسلۂ نسب ازبر ہوتا تھا۔ ہندوستان میں گوت کو قبیلوں کی نشانی اور علامت سمجھاجاتا تھا۔ منوجی کی چار طبقاتی تقسیم کے باوجود ان طبقوں کی نسلی گوتوں اور ذات برادری کو کبھی مٹایا نہیں جا سکا۔ اسی طرح مسلمان ملت واحدہ ہیں مگر خاندان کی پہچان کے لئے نسلی نام برقرار ہیں۔

کمبوہ بلحاظ قدامت : جس طرح ملک کمبوج کے محل وقوع کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اسی طرح کمبوہ قوم کی ابتدا اور قومیت کے مسئلہ پر بھی مورخین میں اختلاف رائے موجود ہے۔ معروف تاریخی نظریات کے ذکر سے پہلے کمبوہ قوم کی قدامت کے متعلق خان ولی اللہ کا بیان قابل توجہ ہے۔ نسل انسانی کی چار گروہوں میں تقسیم پہلے بیان کی جا چکی ہے لیکن ولی اللہ خان نے نسلی نہیں بلکہ قومی نقطۂ نظر سے کمبوہوں اور آریوں کو الگ الگ قوم قرار دیا ہے۔ وہ اپنی تصنیف 'کمبوز' میں لکھتے ہیں :-

"قدامت کے لحاظ سے کمبوہ قوم کا شمار شمال مغربی ہندوستان اور سندھ پار علاقوں کی اقوام میں چوتھے نمبر پر ہوتا ہے قدیم ترین قوم تورانیوں کی ہے جن کو رگ وید میں "توراواسا" کہا گیا ہے۔ان کی یادگار بعض مقامات مثلاً تورو' ترڈھیر' تربیلا' تورخم' وغیرہ اور قبیلہ توری آج تک اضلاع مردان' پشاور اور کوہاٹ میں موجود ہیں۔ دوسرے نمبر پر آریہ ہیں جن کے اخلاف میں برہمن اور غالباً زراعت پیشہ ارائیں قوم کی بعض شاخیں مثلاً رائے وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے بعد گندھاری اور چوتھے نمبر پر قدیم ترین قوم کمبوہ ہے جو پنجاب اور مغربی یوپی میں ہندو' مسلمان' سکھ اور جین جیسے مذاہب کے پیروکاروں کی صورت میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔"

اس بیان پر غور کرتے وقت یہ فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ آریہ نسل اور آریہ قوم دو الگ چیزیں ہیں۔ ولی اللہ خان نے جس آریہ قوم کا ذکر کیا ہے وہ محض برہمنوں اور ویشوں (زراعت' صنعت' تجارت وغیرہ سے منسلک افراد) تک محدود ہے جبکہ آریہ نسل میں آریہ قوم کے علاوہ کئی دوسری اقوام بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تورانیوں اور آریوں کے مابین راوی کنارے لڑی جانے والی برصغیر کی قدیم ترین 'دس بادشاہوں کی جنگ' میں کمبوہ قوم کا الگ قوم کی حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو باب اول) خلاصہ کلام یہ کہ آریہ قوم کی طرح کمبوہ قوم بھی آریہ نسل سے تعلق رکھتی ہے۔

آریوں کے اصلی وطن کے متعلق مؤرخین میں تین نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک مکتبہ فکر کے مطابق وہ وسط ایشیا کے باشندے تھے اور 2300 ق م سے لے کر 1500 ق م (ایک خیال کی رو سے 800 ق م) کے دوران میں ان کے کچھ گروہ نقل مکانی کر کے پہلے جنوب اور پھر مشرق کی طرف حملہ آور ہو کر پاکستان اور ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ دوسری جانب کچھ لوگ یورپ کی طرف نکل گئے اور رفتہ رفتہ پورے یورپ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ باقی لوگ افغانستان (13) اور ایران میں ہی دبک کر رہ گئے۔

---

(13) کمبوہ قوم کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے افغانستان کو اپنا مسکن بنایا۔ افغانوں یا پٹھانوں کے متعلق ہم نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ خواجہ نعمت اللہ ہروی نے مخزن افغانی میں ' محمد مدنی عباسی نے پشتون زبان و ادب کی تاریخ میں' سید عبدالقدوس ہاشمی نے تاریخ الافغان میں اور کرنل احسان اللہ نے اپنی کتاب' پشتون قبائل' میں پٹھانوں کو بنی اسرائیل کی اولاد ظاہر کیا ہے۔ ان بیانات کی روشنی میں یہودی محققین نے کافی ریسرچ کی مگر معقول شواہد کی عدم موجودگی کے باعث وہ اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کر سکے۔ حیات افغانی کے مؤلف سردار محمد حیات خان کے مطابق وہ آریہ ہیں۔ سید جمال الدین افغانی نے تاریخ افغانستان ص 25 پر ان کو ایرانی النسل (آریہ) لکھا ہے ڈاکٹر گریرسن' الفنسٹن اور دیگر بہت سے مؤرخین کی رائے ہے کہ افغان (یا پختون یا پٹھان) آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہم نے ہر مکتبہ خیال کے محققین کی آراء کی روشنی میں اس نکتہ پر بہت غور کیا ہے ملک کمبوج موجودہ افغانستان کے شمال مشرقی حصہ میں واقع تھا اب بھی اس علاقہ میں آباد افغانستان کی کل آبادی کی تقریباً 25 فی صدی تاجک قوم کا تعلق آریہ نسل سے ہے۔ تاجکوں' کمبوجوں اور افغانوں کے متعلق محققین کا خیال ہے کہ ان تینوں اقوام کی عادات و اطوار' تہذیب و تمدن اور نظام معاشرت میں جو مماثلت پائی جاتی ہے اس کے مطابق افغانوں کا آریہ ہونا یقینی طور پر درست ہے۔

دوسرے نقطہ نگاہ کے مطابق آریہ لوگ بحیرہ کیسپین اور بحر منجمد شمالی کے درمیان وسطی یورپ یا اس کے کسی حصہ کے باشندے تھے۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ آریوں کا اصلی وطن مغربی ایشیا ہے۔ تاریخ کمبوہاں میں اسی نظریہ کی تائید کی گئی ہے۔ (14) چونکہ یہ نظریہ تاریخی کی بجائے سیاسی رجحانات سے مغلوب ہو کر وضع کیا گیا تھا اس لئے اکثر محققین نے اسے درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے اس پر رائے زنی نہیں کی ہے۔

اول الذکر دونوں نظریات کے مفکرین نے اپنی اپنی جگہ بڑے ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں اس لئے بہت سے مؤرخین کے خیال میں دونوں حقیقت پر مبنی ہیں بہر حال مسئلہ کے ہر پہلو پر غور وفکر سے ثابت ہوتا ہے کہ کمبوہ اس آریہ شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو وسط ایشیا میں سکونت پذیر تھی اور بعد میں نقل مکانی کر کے ہندوستان' افغانستان اور ایران میں آباد ہو گئی تھی۔

آریوں کے اصلی وطن وسط ایشیا اور ان کے ہندوستان اور ایران میں انتشار کے متعلق ڈاکٹر جیالال کمبوج نے بڑی تحقیق کی ہے وہ لکھتے ہیں "شیلے گل (Schellegal)' لاسن (Lawson)' بینفے (Benfe)' میکس مُلر (Max Muller)' ویبر (Weber)' میور (Muir) وغیرہ مغربی عالموں کی یہی رائے تھی کہ قدیم آریوں کا اصلی وطن وسط ایشیا کا علاقہ تھا" پروفیسر شیلے گل مزید کہتے ہیں "میری رائے یہ ہے کہ ایرانیوں اور ہندوؤں کے آباؤاجداد اپنے اصلی وطن سے جنوب مغرب اور جنوب مشرق کی جانب اور یورپی اقوام کے آباؤاجداد مغرب اور شمال کی جانب گئے ہوں گے "(ملاحظہ ہو جے میور بے Essays ص 514 تا 517 اور Original Sanskrit Texts جلد دوم ص 402)۔

---

(14) آریہ سماجی لیڈر لالہ لاجپت رائے اس نظریہ کے محرک اور اسی صنف کے بعض دوسرے تاریخ نویس موید تھے۔ اہل عرب و مصر کو آریہ ثابت کرنے کے لئے لالہ جی نے تاریخ ہند ص 153 پر لکھا "ریاست کمبوج عرب کے سواحل پر واقع تھی" مگر ص 240 پر مؤقف اختیار کیا کہ "کشمیر کا شمالی کوہستانی علاقہ (لداخ وغیرہ) اور تبت دراصل ملک کمبوج کہلاتا تھا۔ تاریخ کمبوہاں میں اس اعتراف کے باوجود کہ "ان سے زیادہ کوئی دوسرا ہندوستانی ہندوؤں کے کارناموں کو بڑھا چڑھا کر دکھانے کا خواہشمند نہیں ہو سکتا غالباً کسی دوسری کتاب کی عدم دستیابی کے باعث اسی پر زیادہ انحصار کیا گیا ہے۔

شیلے گل کی اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ "وہ آریہ لوگ جو ہندوستان اور ایران میں آ کر آباد ہوئے۔ پہلے اپنے ان ملکوں کے قریب ہی رہتے ہوں گے" اور یہ علاقہ ایران اور ہندوستان کے اتنا قریب تھا کہ اس سے ان کا جنوب مغرب اور جنوب مشرق کی سمتوں میں منتشر ہو جانا قرین قیاس ہے۔ گویا وہ مقام جہاں سے ایران اور ہندوستان کے آریہ ایک خاندان (یا ایک نسل) کی شکل میں رہتے تھے ہندوستان کے شمال مغرب اور ایران کے شمال مشرق میں واقع تھا۔

پروفیسر سپیگل (Speigel) نے (Introduction to Avesta) جلد دوم ص 106 پر مسٹر لاسن کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہمیں ماننا پڑیگا کہ آریوں کے اصلی وطن کو ایرانی علاقہ سے کچھ دور مشرق میں کہیں اس جگہ تلاش کرنا چاہئے جہاں دریائے و نکشو اور دریائے جیک سارتیز (تارم) کا منبع ہے" واضح ہو کہ ملک کمبوج انہی دو دریاؤں کے درمیان واقع تھا۔ The Cultural Heritage of India جلد اول کے ص 44 پر مسٹر ای بی کاول کہتے ہیں کہ "سطح مرتفع پامیر میں آریوں کی ایک قوم تاجک آباد ہے۔ باوجود اس امر کے کہ یہ قوم صدیوں تک ہنوں، ترکوں اور منگولوں کے حملوں کی آماجگاہ بنی رہی اپنے رسم و رواج اور قدیم روایات پر بدستور قائم ہے جو زبان وہ بولتے ہیں گلچہ کہلاتی ہے" پنڈت جے چند ودیالنکار نے "کمبوج دیس کی جغرافیائی ہیئت" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "وہ لوگ (کمبوج) عین ممکن ہے زرفشاں علاقہ پر رہنے والے اور یگ نوبی نام کی گلچہ زبان بولنے والے تاجکوں کے آباؤاجداد تھے۔" (ملاحظہ ہو بھارت بھومی اور اس کے نواسی ص 313-314) ڈاکٹر موتی چندر بھی اس رائے سے کلیتہً اتفاق کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تاجک اور کمبوج دراصل ایک ہی نسل سے ہیں۔ گو پروفیسر لاسن نے کمبوج قوم کا خصوصیت سے ذکر نہیں کیا تاہم وہ لکھتے ہیں کہ تاجک آریوں کی نسل سے ہیں۔ (پراچین کمبوج، جن اور جن پد ص 165)۔

پروفیسر ڈاکٹر جیالال کمبوج ان محققین کی تحریروں سے قدرتی طور پر بہت متاثر نظر آتے ہیں وہ لکھتے ہیں "بہر صورت ان بیانات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کہ آریہ اور کمبوج در اصل ایک ہی تھے یا دوسرے الفاظ

میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ کمبوج آریوں کی ایک شاخ یا ان کی اولاد تھے وہ سنسکرت بولتے تھے ان کے خاندان کی ایک شاخ یعنی تاجکوں کے فارسی بولنے کا سبب یہ ہے کہ وہ ایران کے زیادہ قریب رہتے تھے۔ گو کمبوج جو زبان بولتے تھے وہ سنسکرت سے قدرے مختلف تھی مگر ساتھ ہی ایرانیوں کی اویستا زبان سے بھی مختلف تھی۔"

ہندوستانی عالموں کے نقطہ نظر سے وہ ایرانی زبان کے جبکہ ایرانی عالموں کے خیال سے سنسکرت کے زیادہ قریب تھی۔ البتہ تاجک ایران کے بالکل قریب ہونے کے باعث فارسی کا زیادہ اثر قبول کر چکے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلتی گئی اور کوئی طاقتور مرکزی حکومت نہ رہی بلکہ ملک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گیا تو شمال مغربی علاقوں سے ان کا رابطہ تقریباً منقطع ہو گیا جبکہ دوسری طرف ایرانی حکومت کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا حتیٰ کہ ہخامنشی بادشاہوں میں سے کورس کبیر نے سلطنت کمبوج سمیت اس تمام علاقہ کو فتح کر لیا اس طرح ان کی زبان نے فارسی زبان کے اثرات قبول کرنے شروع کر دیئے۔

چند سال قبل ایک امریکن تاریخ دان رابرٹ شیفر نے آریوں کی آمد کا ایک نیا نظریہ پیش کیا اس نے اپنی رپورٹ Ethnography of Ancient India ص 43 پر لکھا ہے "آریوں کا اصل مسکن جھیل مانسرودر کے گردونواح کا علاقہ ہے وہ یہاں سے کسی طاقتور قوم کے تسلط کے بعد نقل مکانی پر مجبور ہوئے ہوں گے ان میں سے کچھ تبت' نیپال اور ہمالیہ کے دوسرے علاقوں میں دبک گئے اور کچھ کشمیر اور سندھ کے بالائی حصوں میں چلے گئے پھر آگے بڑھ کر ایران پہنچ گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی ان میں سے کچھ شک' کمبوج اور سگدھ کی شکل میں راستے ہی میں پھنس گئے۔"

اس مبہم سے نظریہ کی تاریخی اہمیت کچھ ہو یا نہ ہو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ کمبوج قوم کو آریوں کا ایک حصہ تسلیم کرنے سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں۔

کیا کمبوج ایرانی الاصل ہیں یا ہندوستانی: بظاہر یہ موضوع غیر اہم معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب یہ طے پا گیا کہ کمبوہ اصل آریہ ہیں تو ان کو ایرانی یا ہندوستانی آریہ ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ اعتراض حقائق سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اس پر اظہار خیال کی چند وجوہات ہیں اول یہ کہ بیسیوں ہندوستانی

دانشوروں اور بہت سے غیر ملکی محققین نے برسوں ریسرچ اور دماغ سوزی کر کے اس موضوع پر بڑے پُراز معلومات مقالات اور مضامین لکھے ہیں۔ اپنا قیمتی وقت' دماغی صلاحیتیں اور سرمایہ صرف کر کے ہماری قوم کی تاریخ میں بیش بہا اضافہ کرنے والے ان محسنوں کے خیالات کو یکسر نظر انداز کر دینا تاریخی دیانت اور احسان شناسی سے بعید ہے۔ دوسرے اس مضمون کے مطالعہ سے کئی ایسی معلومات حاصل ہوں گی جن کا ہماری قوم کے ماضی سے گہرا تعلق ہے۔ تیسرے ہمارے مستقبل کے ریسرچ سکالرز کو ان معلومات سے بے بہرہ رکھنا بڑا ظلم ہو گا۔ تاہم دو ڈھائی سو صفحات پر محیط مضمون کو نہایت اختصار سے پیش کیا جا رہا ہے جو قارئین تشنگی محسوس کریں وہ اصل کتابوں اور رسائل سے رجوع فرمائیں۔

زیر موضوع مسئلہ کے ضمن میں ہمیں ذیل کے تین نکات پر غور کرنا ہو گا۔

1- ملک کمبوج کی جائے وقوع ہندوستان میں تھی یا ایران میں؟

2- مذہبی' تہذیبی اور سماجی نقطہ نظر سے وہ ہندوستانی آریوں کے قریب تھے یا ایرانی آریوں کے؟

3- لسانی اعتبار سے ان کا رجحان کس طرف معلوم ہوتا ہے؟

تاریخی' جغرافیائی' معاشرتی اور لسانی حقائق ہر لحاظ سے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ کمبوہ قوم کا تعلق ہندوستانی آریوں سے ہے بلکہ یاسک نے اپنی تصنیف "نیروکت" کے باب دوم ص 2 پر یہاں تک لکھا ہے "کمبوج اور آریہ مترادف الفاظ ہیں اور کمبوج ایرانیوں کی بہ نسبت ہندوستانی آریوں کے زیادہ قریب تھے"

کئی علمائے تاریخ نے اس بیان کو موضوع بحث بنا کر غور و فکر کے بعد اس کی مکمل تصدیق کی ہے پروفیسر راتھ نے لٹریچر اینڈ ہسٹری آف ویداز' میں لکھا ہے "کمبوج لوگ نہ صرف بلحاظ اصل و نسل آریہ تھے بلکہ ان میں ہندوستانی تہذیب و تمدن کا بھی رواج تھا" ڈاکٹر رائے چوہدری نے (Political History of Ancient India) ص 148 پر لکھا ہے کہ مشہور بھارتی تصنیف 'منجھم نکائے' میں کمبوج دیس میں آریوں کی موجودگی کو تسلیم کیا گیا ہے جس سے ان کا ہندی الاصل ہونا بالکل درست ہے اس کے علاوہ بہت سے دوسرے مفکرین نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

دوسری طرف کچھ دانشور کمبوہوں کو ایرانی مانتے ہیں۔ اگرچہ ان کے دلائل مضبوط بنیادوں پر نہیں تاہم تقابلی مطالعہ کے لئے ان سے آگاہی ضروری ہے۔

1- جے اے گریرسن نے پامیر کے علاقہ کی مختلف زبانوں کا مطالعہ کرنے کے بعد JRAS میں شائع شدہ مقالہ The Language of the Kambojas میں محض ایک لفظ' سوتی' (شدن یا ہونا) کو بنیاد بنا کر طویل بحث کی مگر یہ فیصلہ نہ کر پائے کہ کمبوہ ایرانی تھے یا ہندوستانی؟ آخر میں اپنا فیصلہ ان الفاظ میں دیا" شمالی مغربی علاقہ کے کمبوج یا تو ایرانی الفاظ سے ملی ہوئی سنسکرت بولتے تھے جسے انہوں نے ہندوستانی فعل' فاعل اور مفعول کی ترکیبوں سے بھر دیا تھا یا ایسی زبان بولتے تھے جو کچھ حد تک ہندوستانی آریہ زبان سے میل کھاتی تھی اور کچھ شکلوں میں اس پر ایرانی زبان کا اثر تھا" (ص 802 - 801)

کمبوجوں کی زبان ایرانی ثابت کرنے والے عالم اکثر ڈاکٹر گریرسن کی تحقیقات اور ان کی تحریروں کا سہارا لیتے ہیں جبکہ گریرسن معترف ہیں کہ "کمبوج لوگ ایرانی الفاظ کے ساتھ سنسکرت کے صیغوں کا استعمال کرتے تھے" اس سے واضح طور پر کمبوجوں کا سنسکرت زبان دان اور ہندوستانی آریہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کوئی بھی زبان دوسری زبانوں کے الفاظ کے میل جول یا ان کے الفاظ اختیار کر لینے سے غیر ملکی زبان نہیں بن جاتی اس کی پہچان اس کے مصادر کے استعمال اور جملوں کی بناوٹ سے ہوتی ہے۔ اردو زبان میں عربی فارسی ترکی الفاظ کی بھرمار ہے اس کے باوجود نہ اسے عربی یا فارسی زبان اور نہ اس کے بولنے والوں کو عرب یا ایرانی کہا جا سکتا ہے اس کے برعکس اردو کا شمار ہندوستانی آریہ زبان کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ہمارے قومی ترانہ میں ایک جگہ لفظ "کا" کے علاوہ سو فی صدی الفاظ عربی اور فارسی کے استعمال ہوئے ہیں مگر اسے ہماری قومی زبان اردو کا ترانہ کہا جاتا ہے اسی طرح کمبوج لوگ ایرانی الفاظ کو سنسکرت کے صیغوں اور لاحقوں اور سابقوں کے ساتھ استعمال کرتے تھے اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ کمبوجوں کی زبان سنسکرت تھی اور وہ ہندوستانی آریہ تھے۔

گریرسن کا یہ دعویٰ کہ لفظ سوتی' یا "شو" سنسکرت میں کہیں نہیں ملتا بلکہ ایرانی زبان کا لفظ ہے ان کی علمی فرومائیگی پر دلالت کرتا ہے۔ سنسکرت کے پروفیسر ڈاکٹر

جیالال کے مطابق "نگھنٹو" کی لغت میں 122 جگہ پر لفظ شوتی آیا ہے۔ یہ لغت ویدوں کے الفاظ کا ذخیرہ ہے۔"

2- ڈاکٹر Ernst Kuhn کے Das Volk des Kamboja bei Yaska نام کے جرمن مقالہ کا جی کے' ناریمان نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر کہن نے نہ صرف پروفیسر گریرسن کے بیان کی تائید کی بلکہ کمبوہوں کو ایرانی ثابت کرنے کے لئے لکھا "گاتھا (پارسی قوم کی مذہبی کتاب) کے مطابق کمبوج ایرانیوں کی طرح زہریلے جانور مارتے تھے " JRAS (1912) ص 256 اور اس پر بحث کرتے ہوئے ماحصل یہ بیان کیا کہ "کمبوج ایرانیوں کا ایک قبیلہ تھے۔" کمبوجوں کا زہریلے جانوروں کو مارنا ان کے "اویستین" مذہب کی رُو سے جائز تھا لیکن اتنی سی بات پر کوہن کا ان کو ایرانی قرار دینا جائز نہیں۔ انہوں نے سر کے بال بھی اس وقت منڈوانا شروع کئے تھے جب وہ پارسی مذہب کے پیرو بنے تھے۔

3- اشوک کا بدھ مت کا تبلیغی کتبہ 'شر۔ ای۔ کُنا' یونانی اور ارامئی دو زبانوں میں تحریر ہے ارامئی ایران کی ہخامنشی حکومت کی سرکاری زبان تھی۔ مؤرخین کے اس خیال کی بنیاد پر کہ ارامئی والا حصہ کمبوجوں کے لئے ہے بعض محققین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کمبوج ایرانی قوم کا حصہ تھے۔ ارامئی ایران کی قدیم زبان نہ تھی۔ ملک کمبوج کورس کبیر کے عہد میں ہخامنشی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا۔ ایرانی حکمرانوں نے کمبوج گندھار وغیرہ پر تسلط قائم رکھنے اور انتظامی امور میں سہولت کے پیشِ نظر یہ زبان رائج کی تھی اس لئے یہ استخراج درست نہیں۔ اس کی مثال ہندوستان میں فارسی اور انگریزی کا رواج ہے مغلیہ دور میں ملک بھر میں دفتری اور علمی زبان فارسی تھی اور برٹش راج میں بلکہ آج تک انگریزی کا راج ہے لیکن اس لسانی غلامی سے اہل ہند نہ ایرانی بن گئے تھے اور نہ انگریز۔

4- جے فلیوزاٹ ' ایپی گرافیا انڈیکا' جلد نمبر 1 تا 5 (62 - 1961) ص 7 پر لکھتے ہیں "کمبوج یا کامبوج شاید اس دیس کے اصلی ایرانی تھے جہاں یونانی آبادیاں قائم ہو گئی تھیں" کسی دلیل کے بغیر ایسا شاید والا دعویٰ مبہم اور ناقابل توجہ ہے۔

5- ڈاکٹر سرکار نے Studies in the Society & Administration

of Ancient & Mediaeval India جلد اول ص 42 پر لکھا ہے "خیال کیا جاتا ہے کہ کمبوج افغانستان کے علاقہ میں بسنے والے ایران کے قدیم باشندے تھے۔ ایران سے نکل کر وہ افغانستان کے شمالی علاقہ میں آباد ہو گئے تھے۔ زمانہ کے ساتھ ساتھ اور خاص طور پر بعد میں ہخامنشی عہد حکومت میں ان کی تعداد ایران سے نئے آنے والے لوگوں کے ساتھ بڑھتی گئی"۔

افغانستان کے شمالی حصے میں ملک کمبوج ہی واقع تھا مگر دنیش چندر سرکار اپنے سابقہ مضامین میں اس علاقہ کو ملک کمبوج تسلیم کرنے سے انکار کر چکے ہیں۔ بلاشبہ ہخامنشی دور میں کچھ ایرانی کمبوج میں آ کر آباد ہو گئے تھے مگر زردشتی مذہب اختیار کر لینے سے قبل اور بعد میں کمبوہ بھارتی تہذیب و تمدن' معاشرت اور مذہب سے تعلق کی بناء پر ہندوستانی آریوں کا حصہ تھے۔

6- ڈاکٹر باسودیو سرن اگر وال نے JUPHS جلد 16 شمارہ 1 ص 28 پر پانینی کے اشدھیائے میں "جغرافیائی کوائف" (Geographical Data) کے زیر عنوان یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کہ ملک کمبوج دردستان کے شمال میں علاقہ پامیر میں واقع تھا ایک مقام پر لکھا ہے کہ "اس کے باشندے ایرانی بولتے تھے" لیکن محض ایرانی زبان بول لینے سے ان سے ہندوستانی قومیت کا حق چھیننا قرین انصاف نہیں۔

7- پروفیسر میکڈانل اور کیتھ نے ویدک انڈیا جلد اول ص 138 پر اور ہاف مین نے اپنے مقالہ میں کوئی مدلل بات نہیں کہی۔ لیوی نے لکھا ہے۔ "سائرس نے کپش دیس کی فتح کی خوشی میں اپنے بیٹے کمبوجیا کے نام پر ملک کا نام کمبوج رکھ دیا۔" مگر یہ دو ٹوک بات حقائق پر پورا نہیں اترتی۔

کمبوہوں کو اصلی ایرانی ماننے کا پرزور دعوٰی The Achaemids & India کے مصنف ڈاکٹر سدھاکر چٹوپادھیا نے کیا ہے یہی وہ دعوٰی ہے جسے لالہ لاجپت رائے لے اڑے اور وہاں سے کچھ اضافوں کے ساتھ باقاعدہ افسانہ بن کر تاریخ کمبوہاں کے صفحات کی زینت بنا۔ "ڈاکٹر چٹوپادھیا کہتے ہیں" میرا پکا یقین ہے کہ کمبوج نہ صرف ایرانی تھے بلکہ ان کا نام کمبوج بھی ایران کے ہخامنشی خاندان کے بادشاہ کمبوجیا کے نام پر رکھا گیا ہے"۔

اس کے علاوہ بھی انہوں نے کئی دلچسپ دعوے کئے ہیں ان میں دو کا تعلق ہماری تاریخ سے ہے (1) پانینی کو ملک کمبوج کا کوئی علم نہ تھا (2) سولہ بڑے ملکوں کی فہرست فرضی اور خیالی کہانی ہے۔

ڈاکٹر بدھ پرکاش نے اپنی کتاب PSMAP (ص 125) میں مذکورہ بالا دعویٰ پر تفصیلی تبصرہ کرنے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ "ہخامنشی سلطنت کے زیر تسلط علاقہ میں رہنے کی وجہ سے کمبوجوں نے ایرانی مذہب اور تہذیب کو اپنا لیا تھا مگر کمبوج اور گندھار اپنی اصل کے اعتبار سے ہندوستانی آریہ تھے۔" ص 106 پر پوری وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے "نویں اور آٹھویں صدی قبل مسیح میں ایرانی زبان بولنے والے آوارہ گرد قبیلے یا بنجارے جو بعد میں جنگجو بن گئے وسط ایشیا میں رہتے تھے ان کے پڑوس میں ہی کمبوج، کرو اور شک قبائل بھی آباد تھے ان تینوں قبائل نے ہخامنش کے بیٹے اور جانشین چشپائش کی ایران میں ہخامنشی سلطنت قائم کرنے میں مدد کی تھی" (ہخامنش کا دور حکومت 700 تا 675 ق م اور چشپائش کا 675 تا 640 ق م ہے) " اس امداد کے اظہار تشکر کے طور پر ہخامنشی سرکار نے کورس (سائرس) اور کاموز (کمبوجیا) نام اختیار کر لئے تھے۔"

بہت سے دوسرے مفکرین اور مؤرخین نے اس بیان کی تصدیق کی ہے اور کہا ہے کہ ملک کمبوج یا کمبوہ قوم ایرانی بادشاہ کمبوجیا کے نام سے موسوم نہیں ہوئی بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ کمبوجیا کے آباؤ اجداد نے کمبوج قبائل کی مدد سے اپنی سلطنت مستحکم کی تھی جبکہ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ چشپائش نے جب ملک کمبوج اپنی حدود میں شامل کیا تو اس خوبصورت ملک کے نام پر اپنے پوتے کا نام کمبوجیا رکھ دیا جو کمبوجیا اول کے نام سے مشہور ہے۔ ان میں سے کوئی بھی رائے درست ہو یہ امر مسلمہ ہے کہ کمبوجیا دوم (متوفی 520 ق م) سے سینکڑوں سال پہلے ملک کمبوج دنیا کے نقشے پر موجود تھا اور وہ کمبوہ قوم کا مورث اعلیٰ نہیں ہے۔

ڈاکٹر جیالال نے ڈاکٹر چٹوپادھیا کے اس بیان کا بھی سختی سے نوٹس لیا ہے کہ سنسکرت گرامر کے موجد پانینی کو کمبوج ملک کی موجودگی کا علم نہ تھا ان کے مطابق یہ دعویٰ سخت گمراہ کن ہے۔ 'کمبوجاں لوک' فارمولے میں ہی پانینی نے لفظ کمبوجاں کا

اں' لاحقہ ختم کرنے کا اصول قائم کیا اس کے بعد کات یاین نے اس فارمولے پر مزید غور کر کے لکھا کہ جو اصول لفظ کمبوج پر عاید ہوتا ہے وہی اور بہت سے الفاظ پر بھی نافذ کرنا چاہئے۔ کے پی جیسوال نے Hindu Polity ص 52 پر تصدیق کی ہے کہ :
"پانینی کو کمبوج کا پورا علم تھا۔ ویسے بھی یہ کیونکر ممکن ہے کہ اتنے بڑے عالم کو جو گندھارا کا رہنے والا ہو اپنے پڑوسی ملک کمبوج سے ناواقفیت ہو"۔

بی سی لاء نے Some Ksatriya Tribes in Ancient India ص 236 پر لکھا ہے:

"Panini belonged to the North - Western quarter of India and hence had an accurate knowledge of the customs and dress of the Kambojas."

(پانینی کو کمبوجوں کے رسم و رواج بلکہ لباس تک کا پورا علم تھا۔)

ڈاکٹر چٹوپادھیا کا یہ دعویٰ کہ سولہ بڑے ملکوں کی فہرست روایتی بنیادوں پر قائم ہے اور یہ محض ایک خیالی یا فرضی کہانی ہے قطعاً" بلا جواز ہے کیونکہ ایسی روایت کو جسے بہت سی معتبر کتابوں میں بیان کیا گیا ہے فرضی یا خیالی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پالی زبان کے " Stut Pitak " کے "انگوتر نکائے" میں ان سولہ بڑے ملکوں کے نام اس طرح دیئے گئے ہیں :

1- انگ 2- مگدھ 3- کاسی 4- کوسل 5- وجّی 6- مل 7- چیدی یا چیتی
8- ومس 9- کرو 10- پانچال 11- مچھ 12- سورسین 13- اسک 14- اونتی
15- گندھار 16- کمبوج

E.J. Rapson کی کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول مطبوعہ 1922 ص 173 - 172 پر اس ترتیب کو درست مانا گیا ہے جو یوں ہے:

1- Anga 2- Magadha 3- Kasi 4- Kosla 5- Vajji 6- Malla
7- Cheti 8- Vamsa 9- Kuru 10- Panchala 11- Machha
12- Surasena 13- Assaka 14- Avanti 15- Gandhara 16- Kamboja.

ہندوستان اور پاکستان کی تمام تاریخی کتب میں ان ملکوں کا اسی طرح ذکر موجود ہے۔

بی سی لاء نے ہسٹاریکل جیاگرافی میں ص42 پر اس کی تصدیق کی ہے۔
پنڈت جے چندر ودیالنکار نے ہندوستانی آریہ ملکوں کے وجود میں آنے' قبیلوں کے نام پر ملک کا نام موسوم ہونے' ایک ملک کے قبیلہ کا دوسرے ملک میں (فاتح' مفتوح' میل ملاپ' مہاجر یا کسی بھی حیثیت سے) آباد ہونے پر اسی ملک کے باشندے کہلانے وغیرہ امور پر دلچسپ بحث کی ہے انہوں نے لکھا ہے کہ پامیر سے لے کر دریائے گوداوری تک ایسے ملکوں کی تعداد مہاتما بدھ کے زمانے سے قبل سولہ تھی (موریہ سامراجیہ اتہاس) ڈاکٹر جیالال نے بہت سی مثالیں دے کر ثابت کیا ہے کہ رامائن' مہابھارت' پرانوں اور دوسری مذہبی اور ادبی تصانیف میں کمبوج کو بھارت کاایک ملک مانا گیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس ایران کے تاریخی حالات' مذہبی کتاب ژنداوستا۔ شیخ سعدیؒ کی گلستاں' بوستان' ایران کی رزمیہ مثنوی یعنی فردوسی کے شاہنامہ غرض کسی معروف یا غیر معروف کتاب میں ملک کمبوج یا کمبوہ قبیلے کا ذکر موجود نہیں -
جرنل ایشیاٹک کی جلد 246 ص 48 پر مقالہ نگار بین وی نستے (Ban-Ve-Naste) نے لکھا ہے :-
"کسی ایرانی ذریعے سے کمبوج کا نام کہیں ظاہر نہیں ہوتا"- کے ڈی سیٹھنا نے پران جلد ششم حصہ اول ص 212 پر Location of Kambojas کے زیر عنوان مضمون میں اور سی اے لیوس نے پران کی جلد چہارم حصہ اول ص 133 پر اس بیان کی تصدیق کی ہے۔ بی سی لاء نے انگریزی کتاب' قدیم ہندوستان میں چند کشتری قبائل' ص 236 پر لکھا ہے "کاموز' کیمبی سز یا کمبوجیا بادشاہ کو ملک کمبوج کے قبائلی باشندوں کے ساتھ منسلک کرنا بلاوجہ اور محض شک (Confusion) پیدا کرنے والی بات ہو گی۔
ای جے ریپسن' ایل ڈبلیو کنگ' بی سی سین وغیرہ نے اس بیان کی توثیق کی ہے۔
ان مباحث کی روشنی میں ہماری حتمی رائے ہے کہ بنیادی طور پر کمبوہ ہندوستانی آریہ ہیں - لیکن چونکہ مختلف اوقات میں بالخصوص ہخامنشی بادشاہوں کے عہد میں کچھ ایرانی آریہ علاقے کی زرخیزی دیکھ کر ملک کمبوج میں آ بسے تھے اور وہیں کے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کو اپنا کر انہوں نے ملک کمبوج کی شہریت اختیار کر لی تھی۔ وہ بھی کمبوج ہی کہلائے۔ جس طرح کشمیری' بلوچ وغیرہ اقوام کے نام کسی خاص شخصیت

پر نہیں بلکہ ایک خاص قطعہ ملک سے وابستگی کی بناء پر نامزد ہو گئے ہیں اسی طرح کمبوہ اپنی معنوی حیثیت کے بلوصف ملک کمبوج کی مناسبت سے کمبوج کہلاتے ہیں۔ یا قوم کمبوج کی وجہ سے ملک کا نام کمبوج مشہور ہوا دونوں صورتوں میں ملک اور قوم کا نام کمبوج ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ کمبوجوں میں ایرانی' تاجک وغیرہ صرف آریہ اقوام ہی مدغم ہوئی ہیں اس لئے وہ نسلی اعتبار سے خالص آریہ ہیں جبکہ کئی ممالک میں یہ تخصیص نہیں۔ مثلاً کشمیر میں آباد سید' افغان' کمبوہ' جاٹ' کھشتری' آریہ غیر آریہ سبھی باشندگان کشمیری کہلاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں جے چندر ودیالنکار کا یہ قول قابل توجہ ہے "یہ اصول صاف طور پر تسلیم کر لیا گیا تھا کہ پہلے قبیلوں کے علاوہ وہ لوگ جو بعد میں آ کر بسیں اگر وہ ملک کی وفاداری اور عقیدت مان لیں تو وہ اسی ملک کے باشندے تصور کئے جائیں گے" یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) ایم عثمان حسن نے اپنی رپورتاژ 'بلوچستان' مطبوعہ 1987ء میں کئی جگہ لکھی ہے ص 65 پر تحریر ہے "جہاں قبائلی معاشرہ ہو وہاں آپس میں بھی لڑائی جھگڑا یا ناراضگی ہو جاتی ہے۔ کسی فرد کی اپنوں سے نہ بنی یا پھر ایک جزوی قبیلہ کسی بات پر ناراض ہو گیا تو پھر یہ دوسروں کے ساتھ ہو جاتے ہیں ایسی حالت میں نقل مکانی بھی کرنی پڑتی ہے جب یہ نئے قبیلے میں شامل ہوتے ہیں تو پھر اچھے اور برے میں ساتھ دینے کا وعدہ بھی کرتے ہیں وقت گزرنے پر ایسے قبائل کا اصل شاخ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا"۔ دیگر کئی مقامات مثلاً ص 249 اور پھر 772 پر یہی بات دہراتے ہوئے لکھا ہے "جب قبیلہ کا ایک حصہ نقل مکانی کر جاتا ہے تو آپس کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ نقل مکانی کرنے والا اپنے آپ کو نئے علاقہ میں اس طرح سمو لیتا ہے جیسے وہ پرانی آبادی کا حصہ ہو" اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔اسی طرح جو تاجک اور ایرانی ملک کمبوج میں آئے کمبوج ہی کہلائے۔

1- اگرچہ تاجک اور کمبوج ایک ہی آبائی نسل سے تعلق رکھتے ہیں لیکن قبائلی نظام کی رُو سے ان کو دو جداگانہ قومیں شمار کیا جاتا ہے زمانہ قدیم میں جو تاجک ملک کمبوج میں آ کر آباد ہوئے وہ بتدریج کمبوہ قوم کا حصہ بن گئے اور جو کمبوج مستقل طور پر تاجکستان میں نقل مکانی کر گئے انہوں نے تاجک قومیت اختیار کرلی ÷

2- کتاب بلوچستان' کے مصنف کے قول کے مطابق "آریہ' ساکا' یوچی' ہن اور دیگر قبائل یکے بعد دیگرے شمال سے ہندوستان کا رخ کرتے رہے ان میں سے اکثر نے اسی راستے (درہ بولان) کو استعمال کیا"۔
بلوچستان کے ناسازگار حالات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "جس کسی نے ادھر کا رخ کیا وہ یہاں سے گزر گیا۔ لیکن جو لوگ رک گئے وہ مقامی آبادی میں ایسے ضم ہوئے کہ اپنی اصلیت کھو بیٹھے"۔ گویا وہ بلوچ بن گئے۔
اس سے تین باتوں کا پتہ چلتا ہے اول یہ کہ براستہ بولان ہندوستان کا رخ کرنے والوں میں ساکا' یوچی' وغیرہ کے ساتھ یقیناً" کمبوہ حملہ آور بھی شامل ہوں گے۔ دوم کچھ کمبوہ قبائل ' ممکن ہے بلوچستان میں بھی رک گئے ہوں اور کسی نہ کسی بلوچ قبیلے کا حصہ بن گئے ہوں۔ سوم جو کمبوہ بلوچستان سے آگے بڑھ گئے وہ سندھ میں بس گئے ہوں گے۔ موجودہ قدیم سندھی کمبوہ لازمی طور پر انہی حملہ آور کمبوہوں کی اولاد ہیں کچھ اس سے بھی آگے بڑھ کر گجرات کاٹھیاواڑ وغیرہ میں آباد ہو گئے۔
3- ہخامنشی بادشاہوں کے عہد میں جو ایرانی لوگ ملک کمبوج میں آکر آباد ہوئے وہ کمبوج ہی کہلائے۔ بعض گوتوں کے ناموں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان میں ایرانی الفاظ مثلاً ابدال' بان' جوشن' چاک وغیرہ انہی ایرانیوں کے اثر کی وجہ سے مروج ہوئے ہوں گے تواریخ کے مطابق ابدال کمبوج ایک عرصہ تک زابل (افغانستان) اور چاک (یاچک) کمبوہ کشمیر پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ ڈاکٹر جیالال نے اپنی کتاب "پراچین کمبوج' جن اور جن پد" میں ان بیانات کا بڑی تفصیل سے تجزیہ کیا ہے اور آخر میں دو ٹوک الفاظ میں لکھا ہے "جہاں تک قومیت کا تعلق ہے کمبوجوں کو ہر لحاظ سے ہندوستانی آریہ تسلیم کیا جانا چاہئے۔ یہی میرا فیصلہ ہے اور تاریخ دان یقیناً اس سے اتفاق کریں گے"۔
ہم نے اس مسئلہ پر دانشوروں کے علمی و فکری مباحث' تاریخی واقعات اور ان سے مؤرخین کے اخذ کردہ نتائج' پرانوں میں مذکور قصوں نیز عوام میں مروج روایات' مختلف قوموں کی تہذیب و تمدن' متعلقہ خطوں کے جغرافیائی حالات وغیرہ عوامل کی

روشنی میں خوب غور و خوض کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں اور ہمارے خیال میں کوئی منصف مزاج شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ نسلی اعتبار سے ایرانی اور ہندوستانی آریہ ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں جن میں سے ایک مشرق (ہندوستان) پر سایہ فگن ہے اور دوسری سے مغرب (ایران) منفعت اندوز ہو رہا ہے۔ جائے سکونت کی دوری نے قوم' مذہب' رسم و رواج' زبان' تہذیب حتیٰ کہ انسانی اقدار میں وسیع فاصلے حائل کر دیئے اور امتداد زمانہ نے ان میں مزید دوریاں پیدا کر دیں۔ جہاں تک کمبوہ قوم کا تعلق ہے ہم ڈاکٹر جیالال کی حتمی رائے میں یہ ناقابل تردید اضافہ کریں گے کہ بعض دیگر آریہ اقوام کے برعکس کمبوہ ایک ایسی منفرد قوم ہے جس کی ساخت میں بنیادی طور پر شمالی افغانستان کے ملک کمبوج کے کمبوہوں اور تاجکستان کے تاجکوں کا مشترکہ حصہ ہے ملک کمبوج میں تاجک لوگوں کی نقل مکانی کا اکثر مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ قصہ مختصر گو نسلی لحاظ سے ایرانی' تاجک اور افغان آریہ نسل سے کمبوہوں کا قریبی اور گہرا تعلق بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم جغرافیائی' لسانی' تمدنی اور معاشرتی اقدار کی رُو سے وہ بھارتی آریوں کے اعلیٰ طبقہ سے زیادہ قریب ہیں یہ ایسا فیصلہ ہے جس میں یقیناً دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور یہی ہماری تحقیق کا ماحصل ہے۔

ڈاکٹر جیالال نے بعض بھارتی کتابوں میں کمبوجوں کے لئے ناپاک' بربر' لادین' جھگڑالو جیسے الفاظ کی بے ہودہ سرائی کا پندرہ صفحات میں معقول اور مسکت جواب دیا ہے جس میں ہندو ذہنیت کی کافی عکاسی کی گئی ہے یہاں ان تفصیلات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ظاہر ہے کہ ہندوجاتی کا مذہبی تعصب زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے غور سے مطالعہ کیا جائے تو ہندو ازم کوئی مذہب نہیں برہمن ازم کی سیادت و قیادت (Supremacy) کو برقرار رکھنا ہی ہندو ازم ہے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں اور انگریزوں کے سوا ہر حملہ آور قوم اور ہر مذہب کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا بدھ مت کو ہندوستان میں ایسا عروج حاصل ہوا تھا کہ پورے ملک میں اس عوامی مذہب کا طوطی بولتا تھا برہمنوں نے میٹھی چھری بن کر اس کو اس طرح ذبح کیا کہ آج بدھ مذہب کی جنم بھومی بھارت میں اس کا کوئی نام لیوا بھی نہیں۔ یہی حشر مہاویر کے جین مت کا کیا گیا۔

ہندوؤں کی کتابوں میں بدھ مذہب کے بادشاہوں کے حسب نسب اور خود ان کی ذات پر رکیک اور گھٹیا حملے کئے گئے۔ ملک کمبوج کے باشندے آزاد منش' جمہوریت پسند' وسیع القلب اور صاحب سیف و قلم تھے۔ ان کا مزاج منوجی کی تنگ نظری پر مبنی طبقاتی تقسیم کو تسلیم نہ کر سکا اور جب بھی موقع میسر آیا انہوں نے اس دھرم سے بغاوت کی۔ ہخامنشی دور حکومت میں اوستین مذہب اختیار کیا اور جب بدھ مت کی اشاعت ہوئی تو اس کی آغوش میں آ گئے۔ ایسی صورت میں برہمن ان کو کس طرح بخش سکتے تھے حالانکہ اس سے قبل یہی کمبوج نہایت قابل احترام تھے علمی فضیلت یعنی سنسکرت کے عالم ہونے کی وجہ سے ان کا درجہ برہمنوں کے برابر تھا۔ سپہ گری میں مہارت تامہ کے باعث وہ کھشتری اور راجپوت تھے (15) کسب معاش کے لئے وہ زراعت پیشہ بھی بن جاتے تھے۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ طبقاتی تقسیم کے قائل نہ تھے۔ وہ صرف آریہ تھے اور برہمنوں کے نزدیک بھی ان میں صرف دو ذاتیں ہوتی تھیں' آریہ اور داس کمبوہوں میں ایک داس برہمن اور کھشتری بھی بن سکتا تھا۔ جبکہ منوجی کی طبقاتی تقسیم کے مطابق داس کی اولاد صدیوں تک داس ہی رہتی ہے۔

---

(15) کھشتری اور راجپوت کے الفاظ زمانہ حال کی مروجہ اصطلاح کے مطابق استعمال کئے گئے ہیں ورنہ لفظ' کھشتری' منوجی کا ایجاد کردہ ہے اور کمبوہ اس سے صدیوں پہلے ایک معروف قوم کی حیثیت سے موجود تھے لفظ راجپوت کے متعلق بھی دو رائیں ہیں۔ اول مؤلف تاریخ قوم راجپوت' کی تحقیق ہے کہ "گیارھویں صدی عیسوی میں مسلمان ہندوستان میں داخل ہوئے تو انہوں نے کھشتریوں کو راجپوت ہی مشہور کر دیا اور کھشتری یا چھتری کا لفظ متروک ہو گیا" (ص 27)

دوسرا خیال اس سے ملتا جلتا ہی ہے کہ جب مسلمانوں نے بھارت پر تسلط جما لیا تو بہت سی مفتوحہ کھشتری اقوام نے تلوار کی مدد سے میدان کارزار کو دشمن کے خون سے لالہ زار بنانے کی بجائے زمین کا سینہ پھاڑ کر اسے سبزہ زار بنانے کے لئے ہل اور درانتی سنبھال لی اور زراعت سے وابستہ ہو کر زمیندار کہلائے یا ترازو اور گز سنبھال کر بنئے کا پیشہ اپنا لیا اور کھتری کہلانے لگے ان کے جنگجو طبقہ نے برہمنوں کے تفویض کردہ لفظ راجپوت کو ترجیح دی بعد میں یہ لفظ اس قوم کے عام لوگوں میں بھی رواج پا گیا۔

ولی اللہ نے لکھا ہے "راجپوت اور کھشتری وغیرہ کی تخصیص اور ان سے کمبوہوں کو منسلک کرنا قطعی طور پر بے بنیاد ہے کیونکہ ان جاتیوں کے وجود میں آنے حتیٰ کہ تین ہزار سال سے بھی پہلے کمبوہ ایک معروف اور زندہ قوم کی حیثیت سے اس عالم خاکی میں موجود تھے۔"

اگرچہ مؤرخین کے مطابق راجپوت لوگ ساکا' کمبوج' یوچی' پارتھین' ہن' گوجر وغیرہ قبائل کی اولاد ہیں مگر کمبوہ' گوجر' جاٹ وغیرہ کی اکثریت نے اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے اپنے اصل

ایران میں ہخا منشی خاندان کا عروج ہوا تو کمبوہوں نے گردونواح کے قبائل کی طرح 'اوسیتین' مذہب قبول کر لیا جو ہندوؤں کی اصنام پرستی کے مقابلہ میں توحید کے زیادہ قریب تھا اس زمانے کے برہمن عالموں اور بدھ بھکشوؤں کے کمبوہ قوم پر عتاب اور کیچڑ اچھالنے کی سب سے بڑی وجہ یہی تبدیلی مذہب تھی۔

کمبوہ اور کھشتری : سابقہ ابواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ کمبوہ اصل آریہ ہیں ان کے ہاں ایک ہی ذات تھی یعنی آریہ۔ برہمن' کھشتری وغیرہ کی قید نہ تھی۔ ہر شخص اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق پیشہ اپنا سکتا تھا البتہ فوجی تربیت ہر فرد قوم کے لئے لازمی ہوتی تھی' منوجی مہاراج نے برہمنوں کی بالادستی قائم کرنے کے لئے ہندوستانی آریہ قوم کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا تھا مگر ہندوستان اور نواحی علاقوں پر بدھ مذہب کا استیلا برہمن ازم کی موت ثابت ہوا۔ عوام میں بدھ مذہب کی مقبولیت کا ایک باعث یہ بھی تھا کہ اس میں طبقاتی تقسیم کا تصور ہی نہ تھا۔ اور برہمنوں کے استحصالی رویہ کے برعکس بڑی سادگی اور کشش تھی' عوامی رجحان اور بدھ مذہب کے اصولوں کی صداقت سے متاثر ہو کر اس دور کے حکمرانوں نے بھی بدھ مذہب کے فروغ میں مدد دی۔ رسم زمانہ کے طور پر برہمن بھی بدھ مذہب کے پیرو بن گئے' عقائد و رسوم میں یوں اندر ہی اندر مذہبی تبدیلیاں کر کے اس کی اصل صورت مسخ کر دی۔

ہندوستان پر حملہ آور' اکثر آریہ اور غیر آریہ' اقوام کی مذہب سے بیگانگی سے فائدہ اٹھا کر برہمنوں نے چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں ان کو ہندو دھرم میں شامل کر کے کھشتری کے لقب سے ملقب کیا تاکہ وہ ممنون احسان ہو کر ہندو دھرم کی رکھشا اور بدھ مذہب کے استیصال کا فریضہ پورے جذبے سے انجام دیں۔ اس غرض کے لئے برہمنوں نے ان لوگوں کو حسب مراتب سورج بنسی' چندر بنسی' یادو بنسی وغیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نام کو ترجیح دی۔ ان برادریوں کے بعض اصحاب رانا' رائے اور سردار کہلاتے ہیں کسی معاشی ضرورت یا احساس کمتری کے تحت بعض کمبوہ دیہاتی علاقوں میں ارائیں کمبوہ' جاٹ کمبوہ' راجپوت کمبوہ اور بعض بھارتی ہندو کھشتری کہلاتے سنے گئے ہیں۔ وسطی پنجاب میں اکثر کمبوہ چوہدری اور جنوبی پنجاب میں ملک کہلاتے ہیں مگر میاں' خان' سردار' شیخ' کا سابقہ بھی مستعمل ہے۔

خاندانوں سے منسلک کر دیا۔ آریہ معاشرہ میں کمبوہ قوم کو زمانہ قدیم سے ہی بہت بلند مقام حاصل تھا ایسے حالات میں اگر کمبوہوں کے لئے کھشتری کا مقام متعین کیا گیا تو یہ ان پر کوئی احسان ہے اور نہ ان کے لئے سرمایہ افتخار بلکہ اس سے ہندو قوم کی شان میں اضافہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو بغیر طلب اعلیٰ سورج بنسی خاندان سے منسلک کر دیا گیا۔

اس موضوع پر مزید معلومات سے پہلے دو بڑے خاندانوں سورج بنسی اور چندر بنسی کی ماہیت ملاحظہ ہو:

سورج بنسی خاندان اجودھیا (فیض آباد جسے اب سانحہ بابری مسجد کی وجہ سے شہرت ملی) کے راجہ اکشواکو سے شروع ہوا۔ سری رام چندر راجہ اکشواکو کی 55 ویں پشت میں ہوئے ہیں۔ انبالہ پٹیالہ وغیرہ کے "ہندو کمبوہوں کی ایک روایت کے مطابق اجودھیا کا ایک سورج بنسی کمبوہ راجہ وطن چھوڑ کر گجرات کاٹھیاواڑ میں جا آباد ہوا۔ اس کے خاندان نے ولبھی پور اور گجنی کے شہر آباد کئے ایک دفعہ دشمن کی سازش سے سلونو تہوار کے دن ان کا قتل عام کیا گیا انہی کی اولاد سنام' پٹیالہ 'انبالہ' کرنال وغیرہ میں آ کر آباد ہوئی ان کے شجرہ ہائے نسب سے ان کا سورج بنسی ہونا ثابت ہوتا ہے" (سفینہ مالیری) مؤلف تاریخ قوم راجپوت نے کمبوہوں کو چندر بنسی خاندان سے منسوب کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے بعض چوراسی گوتہ ہندو کمبوہ بھی خود کو چندر بنسی کہتے ہیں۔

راجہ اکشواکو کے نواسے راجہ پرورا سے چندر بنسی خاندان کا آغاز ہوا۔ جنگ مہابھارت کا فاتح یدھشٹر پانڈو اسی خاندان کی 45 ویں پشت میں تھا۔ یہ حقیقت ہمارے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق کرتی ہے کیونکہ ساکا' کمبوج' یوچی' ہن' پارتھین' گوجر' راجپوت وغیرہ سب اقوام میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود ہیں حالانکہ ان میں سے کوئی بھی راجہ اکشواکو کی اولاد سے تعلق نہیں رکھتا یہ الگ بات ہے کہ اکثر و بیشتر قوموں کو اس کا دعویٰ ہے۔

انیسویں صدی کے وسط تک لفظ کمبوہ عزت و وقار کی علامت تھا۔ وارث شاہ نے باہمی اخوت اور حُسنِ سلوک کی مثال کے لئے کمبوہ قوم کو منتخب کیا تیرہ باطن حاسدوں نے بھی افغان اور کشمیری کے ساتھ پہلے نمبر پر کمبوہ قوم پر کیچڑ اچھالا اس کے

باوجود سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب کمبوہوں کی جداگانہ شناخت موجود تھی اور کھشتریوں کا مقام بھی متعین ہے پھر کھشتریوں سے نسلی تعلق ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ غور کیا جائے تو اس کے پیچھے ایک طویل تاریخی عمل اور معاشی اور معاشرتی ردعمل کارفرما نظر آتا ہے۔ اس موضوع سخن کو ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

اول۔ یوپی کے کمبوہ حضرات ہیں جن کے بزرگ خواہ وہ ملتان اور لاہور سے نقل مکانی کر کے گئے تھے یا افغانستان سے حملہ آور مسلمان بادشاہوں کے ساتھ آئے تھے سلاطین دہلی اور مغلیہ عہد میں اٹھارہویں صدی کے تقریباً وسط تک اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ ایرانی'تورانی اور عرب غیر ملکیوں نے آخری مغل بادشاہوں کے مزاج میں اس قدر رسوخ پیدا کر لیا تھا کہ ہندی مسلمان امراء پس منظر میں چلے گئے۔ یوپی میں انگریزی تسلط انیسویں صدی کے شروع میں قائم ہو چکا تھا یہاں کے کمبوہ جاگیرداروں نے اپنی حکمت عملی سے اپنا اعزاز برقرار رکھا اور انگریزی دور میں بھی اچھے اچھے عہدے حاصل کئے۔ ان کو کھشتری برن سے رشتہ جوڑنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کے برعکس ان کے کچھ زعماء نے عرب سے وابستگی کا ڈول ڈالا۔

دوسرا حصہ پنجابی کمبوہوں کا ہے جہاں ہندو اور مسلمان کمبوہ سکھ بربریت کی زد میں آئے ہندو کمبوہوں نے تو جزوی طور پر سکھ دھرم قبول کر کے اپنے آپ کو محفوظ و مامون کر لیا مگر گورو گوبند سنگھ جی کے حملوں یعنی تقریباً 1700ء سے لیکر سکھ حکومت کے خاتمے یعنی 1849ء تک مسلمان کمبوہوں پر سخت ابتلا اور آلام و مصائب کا دور تھا۔ سکھ مسلمان قوم کے جانی دشمن تھے اور مغل عہد میں کمبوہ چونکہ حکمرانوں کا دست و بازو سمجھے جاتے تھے اس لئے سکھوں کے عتاب کا زیادہ نشانہ بھی پنجابی مسلمان کمبوہ ہی بنے۔ اس دور میں یہ لوگ نہایت پُرامن کاشتکار یا عام دکاندار کی حیثیت سے رہنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے اس شاندار عسکری اور Martial race کے کردار سے بتدریج دشت گمنامی میں دھکیل دیئے گئے - تھوڑی بہت جو اراضیات تھیں ان پر سکھ سرداروں نے قبضہ کر لیا اور کمبوہ ڈیڑھ سو سال کی اعصاب شکن مدت میں ایک گمنام قوم بن کر رہ گئے۔ شاید اسی سبب سے انگریزی دور میں اکثر مقامات پر ان کو نہ تو زراعت پیشہ تسلیم کیا گیا اور نہ سرکاری ملازمت کے اہل گردانا گیا' زراعت سے وابستہ افراد قوم نے

ارائیں کمبوہ' راجپوت کمبوہ' جاٹ وغیرہ لکھوا کر محکمہ مال کی ضروریات پوری کر دیں مگر سرکاری سول اور فوجی ملازمت کے لئے ایسے اقدام سے کام نہ چلتا تھا۔ اس صورت حال کو دیکھ کر بعض درد مندان قوم نے قومیت کے مسئلہ پر غور و خوض کیا اور اس طرح قوم کا مقام متعین کرنے کے لئے کھشتری ثابت کرنا ضروری سمجھا گیا۔ اس سلسلہ میں منشی عبداللہ مالیری (خداوندکریم ان کے مرقد کو اپنے انوار و تجلیات سے معمور فرمائے۔) سرفہرست ہیں۔ انہوں نے دور دراز کے سفر کر کے 1902ء میں اپنی کتاب 'سفینہ مالیری' لکھی اور دلائل سے ثابت کیا کہ کمبوہ 'سورج بنسی کھشتری' اور ہر سرکاری شعبہ میں 'خواہ وہ سول ہو یا فوجی' ملازمت کے پوری طرح اہل ہیں۔ (16)

منشی عبداللہ مرحوم ۔نے بحوالہ تاریخ کھشتریاں لکھا ہے ; "لوہانے 'گوجر' راجپوت وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم چھتری ہیں اور کھتری بھی کہتے ہیں کہ ہم چھتری ہیں۔ ممکن ہے یہ سب فرقے کسی زمانہ میں ایک کھشتری برن سے ہوں مگر انقلاب زمانہ 'تبدیلیٔ پیشہ وغیرہ کی وجہ سے ظاہری راہ و رسم بدل گئی ہو اس لئے محقق کو لازم ہے کہ ہر فرقے کے لوازم خانگی مثلاً رسومِ آبائی و طرز پرستش پر بغور و تامل نظر کرے تو کامل طور پر معلوم ہو جائے گا کہ آیا وہ فرقہ جس برن کا دعویدار ہے اس کے متعلق ہے یا نہیں۔"

اس اصول کو پیش نظر رکھ کر منشی عبداللہ مرحوم نے گیارہ ایسی رسوم کا ذکر کیا ہے جو کمبوہوں کے علاوہ صرف برہمنوں اور کھشتریوں میں مروج ہیں۔ اس سے انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مذکورہ بالا قوموں کے مقابلہ میں کمبوہوں کا مقام بلند تر ہے بلکہ بعض معاملات میں وہ کھشتریوں سے بھی برتر ہیں (سفینہ مالیری ص 15 تا 22)

مسلمان کمبوہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد وہ تمام رسوم ترک کر چکے ہیں جو ہندو دھرم میں بحیثیت کھشتری ان کے لئے وجہِ امتیاز تھیں۔ البتہ قدیمی تعلق کی بناء پر اپنا نسلی تشخص یعنی گوت کا نام ابھی تک ان میں رائج ہے جدید تعلیم اور تیزی

---

(16) یہ کتاب طویل عرصہ سے ناپید تھی۔ تلاش بسیار کے بعد اب اس کا دوسرا ایڈیشن مع حواشی شائع کیا گیا ہے جو 37- ای ماڈل ٹاؤن لاہور سے دستیاب ہے' محترم چوہدری وہاب الدین بھی اسی سرچشمہ سے فیض یاب ہوئے۔

سے بدلتی تہذیبی قدروں کی روشنی میں یہ تعلق بھی بتدریج ختم ہوتا جا رہا ہے۔

سفینہ مالیری میں مہاراجہ سود کشن کے والد چندر ورما کے متعلق گر تیرتھ سنگرہ کے حوالے سے لکھا ہے "سورج بنسی چندر برہما کی اولاد کمبوج سے آئے ہوئے چھتری آج کل کمبوہ کہلا رہے ہیں۔"

آئینہ تاریخ نما حصہ سوم مؤلفہ راجہ شیوپرشاد 1880ء ص 22 پر لکھا ہے "کمبوج کے رہنے والے اب کمبوہ کہلاتے ہیں ملک کمبوج کے رہنے والوں کو مؤرخین نے سپہ گریا ہتھیار بند قوم کہا ہے جو کھشتری ہی ہو سکتے ہیں۔"

سر ایڈورڈ میکلیگن نے بڑی کاوش سے رپورٹ مردم شماری 1891ء میں پنجاب کی تمام اقوام کے خاندانی کوائف جمع کر کے تبصرے کئے ہیں اس رپورٹ کے مطابق جب کمبوہوں کی گوتوں کا برہمنوں اور چھتریوں کی گوتوں سے مقابلہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ کمبوہوں کی 25 سے زیادہ گوت برہمنوں سے اور ایک سو سے زیادہ کھشتریوں سے ملتی ہیں (رپورٹ مذکورہ حصہ سوم جلد 21 فہرست ص 49 اور 196) اس سے صاف عیاں ہے کہ کمبوہ' برہمن اور چھتری آریہ قوم کی ایک ہی نسل سے ہیں۔ اور برہمن یا کھشتری کمبوہوں سے بلند منصب نہیں۔

گوت: اکثر دوست سوال کرتے ہیں کہ گوت سے کیا مراد ہے؟ گوت یا Sub-Caste ہم نسب افراد کے ایک ایسے گروہ کا نام ہے جس نے صدہا بلکہ بعض صورتوں میں ہزار ہا سال قبل کسی خاص نشان'علامت' یا خاندان کی اہم شخصیت سے منسوب ہو کر پہلے ایک قبیلہ کی صورت اختیار کی پھر ان کی اولاد اور اولاد در اولاد سینکڑوں ہزاروں خاندانوں کا مجموعہ بن گئی اور یوں یہ عظیم گروہ نسلی وحدت اور 'ہم جد' ہونے کی بناء پر گوت کے نام سے موسوم ہوئے۔

ہندی الاصل اقوام میں گوت کی شناخت اور اس کا رواج آج تک موجود ہے لیکن جدید تہذیب کے دور میں بعض برادریوں کے افراد اپنی گوت بھولتے جا رہے ہیں۔ البتہ ہندوستان میں مقیم ان اقوام کے لوگ آج بھی گوت کی شناخت پر سختی سے کار بند ہیں۔ بعض اقوام میں گوت کی بجائے لفظ قبیلہ مستعمل ہے مگر دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ عربوں میں 'بنی یا بنو' اور افغانوں میں 'زئی' اور 'خیل' کے سابقے اور لاحقے اسی

بنیاد پر وجود میں آئے ہیں۔

لیفٹیننٹ کرنل جیمز ٹاڈ نے اپنی مشہور کتاب Rajasthan میں لکھا ہے کہ گوتیں کھشتری قوم کی ایک ایسی مذہبی اور قومی کسوٹی ہیں جس کا نام لیتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کا تعلق کس نسل اور کس قومیت سے ہے اور اس کے اوضاع و اطوار اور اخلاق و کردار کس قسم کے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جب ہم کمبوہ قوم کی گوتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سامنے دو ہی ذاتیں آتی ہیں برہمن اور کھشتری جن کی وضع قطع، طور طریقے، عادات اور کردار پر کسی کو انگشت نمائی کی ہمت نہیں ہوتی۔

ذیل میں کمبوہ قوم کی دونوں شاخوں یعنی باون گوتہ اور چوراسی گوتہ کی تفصیل پیش ہے۔

کمبوہ قوم کی باون گوتوں کی تفصیل

(الف) 1- اجپال AJAPAL 2- ابدال ABDAL 3- انگیارے ANGIARE

(ب) 4- برڑ BERAR 5- بھون BHAUN 6- بھوجرتھ BHOJRATH 7- بان BAN 8- بنائیک یا پاٹھن BANAIK/PATHON 9- بٹی یا بٹھی BATTI/BATHI 10- باگھے یا باجنے BAGHE/BAJNE

(پ) 11- پنڈو PANDU 12- پٹن رائے PATANRAI 13- پران PURAN

(ت) 14- تھند THIND 15- ڈھنجو یا تھنجو DHINJU/THINJU 16- تاندنے TANDNE 17- تونمیں TUNME 18- ترکھ TARIKH

(ٹ) 19- ٹورنے TORNE

(ج) 20- جوشن JOSHAN 21- جیے JIYE 22- جج JAJJ 23- جموں JAMMUN 24- جوڑے JAURE 25- جتمل JATMAL 26- جکھپل JAKHPAL

(چ) 27- چاندنے CHANDNE 28- چندی CHANDI، چاندی یا چنی CHAANDI, CHUNNI 29- چاک یا چک CHAK 30- چترتھ CHATRATH

(ڈ) 31- ڈوٹے DOTE 32- ڈھوٹ DHOT تاریخ کمبوہاں میں ڈھڈی DHUDDI بھی ہے۔ سرائیکی لہجہ میں ڈھوٹ کو ڈھڈ کہتے ہیں۔

(ر) 33- رتن پال RATANPAL

(س) 34- سندھے SANDHE 35- سیامے SIAME 36- سوئے SOAY

37- سانون SANWAN 38- سونیر SONER

(ک) 39- کرن پال KARNPAL 40- کوسلے KOSLE 41- کائر KAIR

42- کھتے یا کھندے KHATTE/KHINDE 43- کوڑے KAURE

(ل) 44- لورے یا لوہرے LORE/LOHRE 45- لنڈے یا نندے NANDE / LANDE

(م) 46- مہروک MEHROK 47- مومی MOMI 48- موتی یا متی MATI / MOTI

(ن) 49- ناگپال NAGPAL 50- ناگرے NAGRE 51- نندن NANDAN

(ہ) 52- ہانڈے HANDE

نوٹ (1) باون گوتہ میں ہندو مسلمان سکھ سب مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔ چوراسی گوتہ میں چند ایک کے سوا سب ہندو یا سکھ ہیں (2) کشمیر کے چک' جموں اور جج' گجرات کے جوڑے اور سندھ کے جام اور نہرے یا نوہریے کمبوہ نہیں کہلاتے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

دوسری شاخ کی چوراسی گوتوں کے نام

(الف) 1- اگلاوے AGLAWE 2- انگوٹے ANGOTE 3- امبرے AMBRE-

(ب) 4- بڑگوٹے BARGOTE 5- باگیاں BAGIAN 6- بی ہاڑ (بی ہاڑے) BIHAR 7- بہمن BAHMAN 8- بلتے اَوَر' بسوڑے یا بستر BASTER / BASTEOUR / BASTAURE 9- برہم BARHAM 10- باسی BASI 11- بلوبان BARBAN / BADBAN (باربان) 12- بنجاہل BANJAHAL 13- بنگار BANGAR

(پ) 14- پاہڈے' پدھی یا پاندھے PAHDE, PADHIE, PANDHE

15- پھوکنی PHOKNI

(ت) 16- تپڑیئے TAPRIE -17 تگل' تمل TAMALL / TAGAL

18- تھیگڑے THIGRE -19 توپچی TOPCHI

(ٹ) 20- ٹھٹھی THATHI

(ج) 21- جانگلے JANGLE -22 جم مان JAMMAN -23 جھنڈ JHAND

24- جھام' جام JAM/JHAM -

(چ) 25- چڑوا CHIRWA -26 چوپھل (چوپال) CHAUPHAL -27 چی چارا

CHICHARA -28 چمڑی CHAMRI -29 چڑیئے CHIRIE -30 چمنے

CHIMNE -31 چینی CHINI -32 چھچھوتی (یا چھچھوتے) CHHACHHOTI

33- چھن نن (چھن نئے) CHHAN-NAN/CHHANNIE

(د) 34- دوتانے DOTANE -35 دے ہل DEHIL -36 دھابڑے DHABRE

37- دھرال DHARAL

(ڈ) 38- ڈولیاں DOLIAN -39 ڈھٹے' ڈھوٹے DHATTE -40 ڈھاڑے

DHARE -41 ڈھوڑے' ڈیوڑے' ڈیوڑھی DHORE./DEORHIE

42- ڈھیل DHEAL -43 ڈونگے' ڈانگے DANGE / DONGE

(س) 44- سرکوڑے SARKAURE -45 سونی SAUNI -46 سلہرے

SULEHRE -47 سندھیرے SANDHERE -48 سارنگ SARANG

49- سوہاگے SOHAGE -50 سوکی SOKI -51 سینک SAINAK -52 سنپاتی'

سیناپتی SANPATI./SENAPATI -53 سندلی SANDLI

(ک) 54- کالڑے KALRE -55 کوکڑ KOKAR -56 ککھر' کھوکھر

KHOKHAR, KHUKHAR -57 کلس KALS

(گ) 58- گینڈے GAINDE -59 گگڑے GAGRE -60 گوگن GOGAN -61

گاہنڈی' گاندھی GAHNDI / GANDHI -62 گوسئے GOSIE -63 گورے

GORE -64 گاگلے GAILE -65 گلاڈے GLADE -66 گاڈرے GADRE

67- گھسیٹے GHASITE

(ل) -68 لبٹی LATBI -69 لنگ LAHING -70 لاٹے لارے LARE / LATE 71- لنگھیرڑے LANGHERE -72 لنڈے LANDE

(م) -73 مانڈے MANDE -74 مکوڑے MAKAURE -75 مل' ملئے MALL / MALIE -76 ماچھلئے MACHHLIE -77 موسارنگ' ماریگ MOMSARANG / MAREG -78 ہیس' ہیسی MAHES / MAHESI -79 ملتانی MULTANI

(ن) -80 نیپیل' نپل' نبر NEEPAL, NIPPAL, NIBBAR -81 نوری NURI -82 نہریئے' نوہریئے NAHRIE, NAUHRIE -83 نگمبر NIGAMBAR

-84 ہرسے HARSE-

اس فہرست کی تیاری میں ہم نے تاریخ کمبوہاں (وہاب الدین) آئینہ کھیم کرن (پرتاپ سنگھ) تاریخ شب جاتی (شب چند) کمبوج اتہاس (جگن ناتھ) کامبوج اتہاس (ہربنس سنگھ تھند) اور کمبوج پرکاش (بشن سنگھ کمبوج) کے علاوہ ذاتی تحقیق اور تجربہ سے بھی کام لیا ہے بشن سنگھ نے باون اور چوراسی گوتوں کی الگ الگ تفصیل لکھنے کی بجائے 136 گوتوں کی فہرست بلا تفریق یکجا کر دی ہے۔ اس میں انہوں نے 78 گوتوں کو مصدقہ بتایا ہے۔ اور ذیل کی نو گوتیں ایسی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں:

1- بنگوئے 2- بسرا 3- جوندے 4- دیہر 5- دیوڑے 6- ڈھاری 7- بھوجنگ 8- رورا

9- کیشپ۔ ان میں سے کچھ پاکستان میں بھی موجود ہیں مگر وہ خود کو کمبوہ قوم کا حصہ تصور نہیں کرتے:

خان ولی اللہ نے نو بڑی گوتوں ڈھوٹ' جوڑے' سندھے' تھند' جوسن مہوک وغیرہ کے علاوہ 37 چھوٹی گوتیں بھی لکھی ہیں جن میں ایک دو کے سوا کوئی بھی ہماری فہرست میں شامل نہیں۔ معلوم نہیں یہ نام انہیں کہاں سے دستیاب ہوئے۔ بعض نام تو مضحکہ خیز معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

"چھتری' جلود بنسی' راجپوت' سورج بنسی' چوراسیہ' باون' دھامن" وغیرہ گویا یہ تمام کمبوہ قوم کی گوتیں ہونے کی بناء پر کمبوہ قوم کا حصہ ہیں:

کمبوہوں میں گوتوں کی وجہ تسمیہ کی دو روایات مطالعہ میں آئی ہیں۔ تاریخ شب

باکی کے مطابق 136 گوتیں اپنے اپنے قبیلہ کی ان یونٹوں کے نام سے موسوم ہیں جو جنگ مہابھارت میں راجہ سود کھشن کی زیر کمان شریک ہوئی تھیں۔ اس فرضی اور قیاسی بیان کی کوئی اہمیت نہیں۔ دوسری رائے ماسٹر جگن ناتھ کی ہے جس کی رو سے ملک کمبوج میں چھوٹے چھوٹے راجے اور جاگیردار اپنے اپنے قبیلوں کے سربراہ ہوتے تھے۔ انہی راجاؤں اور جاگیرداروں کے نام پر چوراسی گوت موسوم ہوئے۔ پرم کمبوج یا عظیم تر کمبوج کے قبائل بھی اپنے سربراہوں کے نام سے باون گوتہ مشہور ہوئے۔ ان دونوں گروہوں میں بہت مناقشت تھی اس لیے باہمی تعلقات اکثر کشیدہ رہتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ آپس میں بیاہ شادی بھی نہیں کرتے تھے پاکستان میں زیادہ تر باون گوتہ کمبوہ آباد ہیں۔

ہمارے خیال میں ماسٹر جگن ناتھ کی رائے زیادہ وقیع ہے۔ بجز اس کے کہ کمبوج اور پرم کمبوج کی سکونت غالباً ان کے مابین وجہ نزاع نہیں بنی ہو گی بلکہ اس میں نسلی امتیازات کا یقیناً دخل ہو گا۔ ممکن ہے ایک فریق ایرانی تارکین وطن کو ملک میں آباد کرنے اور ان کے ساتھ معاشرتی تعلقات استوار کرنے کا مخالف ہو اور دوسرا فریق وسیع القلب (Liberal) ہونے کے سبب ان کو اپنے اندر جذب کر لینے کو عار نہ سمجھتا ہو۔ آج بھی باون گوتہ کمبوہ زیادہ فراخ دل واقع ہوئے ہیں جبکہ چوراسی گوتہ کافی حد تک قدامت پسند (Orthodox) نظر آتے ہیں۔

بعض دوسری برادریوں کی گوتوں سے تقابلی جائزہ اور نسلی تفاوت پر محاکمہ : کمبوہوں کا جن دوسری ہم عصر برادریوں سے گوتوں یا قومیت کے معاملہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ کچھ نہ کچھ تعلق ہے ان کے ذکر کے بغیر یہ مضمون تشنہ اور نامکمل رہے گا۔ چنانچہ پہلے گوتوں میں مشابہت اور ان کی مردم شماری کے اعداد پیش کئے جا رہے ہیں۔

کمبوہ، راجپوت، ارائیں، جاٹ اور گوجر ایسی اقوام ہیں جن میں زمانہ قدیم سے گوت کا رواج چلا آ رہا ہے۔ ہم ذیل میں چند ایسی گوتوں کا ذکر کرتے ہیں جو دو یا زیادہ قوموں میں مشترک ہیں یا آپس میں تھوڑی بہت مماثلت رکھتی ہیں۔ بعض حالات میں افراد قوم خود اپنی قومیت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا تھے۔ اب قیام پاکستان کے

بعد مردم شماری کی رپورٹوں میں ذات برادری کا اندراج نہیں ہوتا اس لئے ہم 1881ء کی مردم شماری رپورٹوں پر انحصار کرتے ہوئے چند تفصیلات پیش کر رہے ہیں بہت سے علاقوں میں کمبوہوں کو ارائیں یاجاٹ لکھا گیا جاٹ اور راجپوت خلط ملط کر دئے گئے۔ مثال کے طور پر پنجاب کی چھ گوتوں کے افراد کی تعداد (ہزار میں) ان میں برادریوں سے تعلق کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہو:

چدھڑ: جاٹ (26) راجپوت (19) کھرل: جاٹ (19) راجپوت (16) ڈھڈی: جاٹ (124) راجپوت (8) چوہان: جاٹ (31) راجپوت (164) گوندل: جاٹ (40) راجپوت (43) کھوکھر: جاٹ (42) راجپوت (55) بہت سے چوہان گوجروں میں بھی شمار ہوئے۔ کھوکھروں نے اپنی الگ ذات بھی لکھوائی اور یہ گوت کمبوہوں۔ ارائیوں' مغلوں' جاٹوں' راجپوتوں اور گوجروں میں بھی پائی جاتی ہے بھٹہ راجپوت' جاٹ' ارائیں تینوں میں ملتے ہیں بلکہ ملتان میں پیرزادہ بھی کہلاتے ہیں۔ ارائیوں میں ڈھڈے اور ڈھڈ' کمبوہوں میں ڈھوٹ یا ڈھڈ' راجپوتوں اور جاٹوں میں ڈھڈی' گوجروں اور جاٹوں میں ڈوڈ' نارو راجپوت ہیں مگر ناہریئے یا نارو کمبوہ بھی ہیں۔ سلہریا یا سلہرے راجپوت گوت ہے مگر سلہرے کمبوہ بھی ہیں۔ جج یقیناً کمبوہ قوم کی گوت ہے۔ مگر اس گوت کے کچھ لوگ راجپوتوں اور جاٹوں سے بھی منسوب ہیں بعض اپنے آپ کو الگ قوم بھی سمجھتے ہیں۔ تھند کمبوہ قوم کی سب سے بڑی اور معروف گوت ہے مشرقی پنجاب میں اس گوت کے افراد زمیندار' اعلیٰ سرکاری افسر اور صنعتکار بھی ہیں۔ ایم ایل اے بھی اور بعض تھند صوبائی وزیر بھی رہ چکے ہیں پاکستان میں بھی یہ گوت کثیر التعداد ہے مگر لیہ کے تھند اپنے آپ کو الگ قوم سمجھتے ہیں جو محض لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

اگرچہ عموی طور پر دوسری برادریوں پر نقد و بصر کا ہمیں حق نہیں پہنچتا تاہم زیر نظر مضمون کی مناسبت سے نظریہ ضرورت کے تحت ایسا کرنا ناگزیر ہے۔ ہمارا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں چنانچہ بصد معذرت بعض متعلقہ حقائق کا ذکر ضروری ہے۔

ارائیں: جس طرح زبیری کمبوہ حضرات پنجاب کے کمبوہوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح ارائیں حضرات بھی عرب اور شام سے تعلق کو اپنی عظمت اور برتری کا نشان سمجھتے ہوئے یوپی کے گنتی کے چند ارائیوں کو اپنا حصہ تصور نہیں کرتے۔

دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ ملتان' اوچ اور سابق ریاست بہاولپور کا علاقہ ارائیں برادری کا قدیم مرکز تھا۔ یہ لوگ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور ان کے خلیفہ سید جلال الدین منیر شاہ بخاریؒ کے دست مبارک پر من حیث القوم مشرف بہ اسلام ہوئے البتہ چند خاندان جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا برادری سے علیحدہ ہو کر یوپی کی طرف چلے گئے بعض ذرائع کے مطابق بعد میں وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ ارائیں حضرات کے اپنے اقوال کی روشنی میں ہم ذیل میں چار مختلف آراء پیش کرتے ہیں:

1- تحفہ محمدیہ ارائیں قوم کی تاریخ ہے اس کے مطابق ارائیں قوم کے مورث اعلیٰ رائے سناہ سن 1236ء میں مشرف بہ اسلام ہو کر رائے بیت اللہ کے نام سے معروف ہوئے۔

2- مسٹر بارکلے نے پنجاب کاسٹس صفحہ 195 پر لکھا ہے کہ "جالندھر کے ارائیں اپنے کو اجین کے راجہ جججو کی اولاد بتاتے ہیں۔" پنجاب کاسٹس کے اسی صفحہ پر مسٹرولسن کا بیان ہے کہ "ارائیوں کی ایک بڑی تعداد ملتان اور اوچ سے جماعت کی حیثیت سے گھگر (اضلاع انبالہ کرنال حصار وغیرہ) اور دوسری بڑی جماعت وسطی پنجاب (لدھیانہ' جالندھر' امرتسر' لاہور) کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ انتقال آبادی 1650ء کے قریب ہوا تھا۔"

"بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سترھویں صدی کے وسط میں دریائے چناب اور جہلم کے مقام اتصال سے لیکر پنجند کے زیریں علاقہ تک انتہائی زبردست سیلاب سے متاثر ہو کر ارائیں قوم یہاں سے نقل مکانی کر کے پنجاب کے مختلف اضلاع میں پھیل گئی۔ بعض لوگ کہتے ہیں سادات اوچ نے ان کو بیدخل کر کے پنجاب کی طرف دھکیل دیا۔"

3- سلیم التواریخ کے مطابق ارائیں قوم سلیم الراعی کی اولاد ہے جو ملک شام میں دریائے فرات کے کنارے قیام رکھتے تھے ان کا پوتا حلیم الراعی محمد بن قاسم کی ہمراہی میں وارد سندھ ہو کر یہیں آباد ہو گیا۔ ان کی اولاد راعی کہلاتی ہے۔

4- مصنف تاریخ ارائیاں کی رائے میں ارائیں قوم کے آباؤاجداد ملک شام کے شہر اریحا کے باشندے تھے جو محمد بن قاسم کی فوجوں کے ہمراہ آ کر پہلے سندھ میں اور

پھر براستہ اوچ ملتان پنجاب میں آباد ہوتے چلے گئے۔ (اریحا غالباً غزہ کی پٹی کا وہ قصبہ ہے جو اسرائیلی حکومت فلسطینیوں کو واپس کرنے پر آمادہ ہوئی ہے۔) اریحا سے یہ قوم ارائیں کہلائی۔ واللہ اعلم بالصواب

معترضین کا خیال ہے کہ عرب اور ایران سے آنے والی اقوام اپنے قبائلی ناموں سے پہچانی جاتی ہیں جبکہ ہندی الاصل قوموں کی گوتیں ان کے اصل کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ارائیوں کی 86 گوتوں میں سے (جو صدیوں سے مروج ہیں) 63 گوتوں میں خالص ہندی حروف مثلاً بھ' چھ' ڈ' گھ وغیرہ شروع' درمیان یا آخر میں واقع ہوئے ہیں۔ گو بعض گوت مثلاً باہمن' اندری' رامے' سود وغیرہ خالص ہندی حروف سے پاک ہیں مگر ان میں ہندو آنہ ہونے کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔ ہندی حروف والے 63 میں سے چند گوت یہ ہیں:

بھنڈے' بھیڈے' پوچھڑیال' جھمر' ڈھینگے' گھاگر' میٹھیلا' وغیرہ' ظاہر ہے ان میں ملک شام یا کنار فرات کی کوئی خوشبو محسوس نہیں ہوتی۔ یہ اعتراض وزنی معلوم ہوتے ہیں۔ ارائیوں کی بعض گوتیں مثلاً باہمن' سندل' ساندھے' سندھو' گورے' گگرو' ملتانی' سگے کے مقابلہ میں کمبوہوں میں بہمن' سندھی' سندھے' گورنے' گگرے' ملتانی اور سو کے گوت کافی مشابہت رکھتے ہیں۔ لیکن ایسی مشابہت کے باوجود دونوں قومیں ہم نسب نہیں ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو لٹریچر یعنی ویدوں پرانوں وغیرہ میں ارائیں قوم کا کہیں ذکر نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں زیادہ تر برہمنوں' کھشتریوں اور دوسری جنگجو قوموں کے سوا کسی زراعت پیشہ قوم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ارائیں ہمیشہ سے ایک اعلیٰ زراعتی قوم رہے ہیں لہٰذا یہ اعتراض کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

گوجر یا گرجر: گوجر قوم کی ابتدا کے متعلق تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یون' کمبوج' ساکا' پارتھین وغیرہ قبائل کے بعد ایک ظالم اور خونخوار قوم ہُن قہر خداوندی بنکر پانچویں صدی کے آخر میں سرزمین ہندو پاکستان پر نازل ہوئی جس نے سالہاسال تک پے درپے حملے کر کے پنجاب' راجپوتانہ' سندھ' گجرات کاٹھیاواڑ اور مالوہ کو تاخت و تاراج کیا۔ اور بالآخر گپت خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ گوجر وسط ایشیا کی اسی

جابر قوم کا ایک طاقتور قبیلہ تھے۔ برہمن ایک عرصہ سے بدھ مذہب کو ختم کرنے کے درپے تھے اور ہر نئے حملہ آور کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ہن لوگ مذہب کے معاملہ میں کوئی خاص جذبات نہ رکھتے تھے چنانچہ برہمنوں نے ان کو کھشتری کے منصب پر فائز کر کے سورج بنسی اور چندر بنسی کے خطابات سے نوازنا شروع کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ہن بادشاہ مہر گل نے شاہی فرمان جاری کیا کہ اس کی مملکت میں کسی مقام پر بدھ مذہب کا کوئی نشان تک باقی نہ رہنے دیا جائے۔

اب علی حسن چوہان گوجر کی مؤلفہ تاریخ گرجر، جلد پنجم سے چند اقتباس مع محاکمہ ملاحظہ ہوں:

ص 122 "بلاشبہ گوجر اور ہن ایک ہیں اور ان کی اولادیں راجپوت اور جاٹ ہیں مگر یہ تمام قومیں اپنے کو کھشتری کہتی چلی آئی ہیں ۔۔ (لیکن) سوائے گوجروں کے اس ملک میں کوئی بھی اپنے کو ان (آریہ پیغمبروں راجہ دشرتھ، راجہ رام چندر جی، سری کرشن جی) کی اولاد نہیں مانتا"(1) اگر ہوں تو مانیں۔ ان کے ضمیر نے ولدیت بدلنے کی اجازت نہیں دی ہو گی، آپ نے مان لیا فبھا۔ (2) راجپوت صرف ہنوں کی اولاد نہیں۔ تمام مؤرخین متفق ہیں کہ وہ یون، ساکا، یوچی، پارتھین وغیرہ کی بھی باقیات ہیں۔

ص 125 "سندھ کے کچھ گوجروں میں جب اخلاقی اقدار گرنے لگیں تو بقایا گوجروں نے ان سے قطع تعلق کر لیا اور ان کی کچھ بھی مدد اس وقت نہ کی جبکہ راجہ داہر برہمن کے باپ راجہ چچ برہمن نے ان گوجروں کو جٹ یا جاٹ کا لقب دیکر ان پر یہ پابندی لگا دی کہ ہر بستی اور دیہات کی حفاظت ان کا فرض ہے یہ پابندی اس نظریہ کے تحت لگائی گئی تھی۔ تاکہ چوری اور ڈاکہ زنی کا ذمہ دار جاٹ ہو۔"

معلوم نہیں اپنی ابتدا کے متعلق اس بیان پر جاٹ قوم کا کیا ردعمل ہے۔ بہرحال تاریخ سے ظاہر ہے کہ جاٹ قوم جسے اہل عرب 'زط' کہتے تھے ہنوں کی آمد سے بہت پہلے سرزمین بلوچستان اور سندھ پر موجود تھی۔

ص 129 "دراصل کشان خاندان کی شاخ ہون ایک آریہ قوم تھی"

حقیقت یہ ہے کہ کشان یوچی قوم کی ایک ایسی منفرد شاخ تھی جو یوچی، ساکا اور

کمبوج قوم کے اختلاط سے وجود میں آئی تھی جبکہ ہن یوچیوں کے سخت دشمن تھے۔ ہنوں نے یوچیوں کو ان کے ملک کانسو سے نکال باہر کیا تھا۔ کشان خاندان پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں حکومت کرتا رہا ہے جبکہ وی اے سمتھ نے لکھا ہے کہ "ہون یعنی گوجر سن 500ء کے قریب حملہ آور ہوئے تھے۔"

ص 195 "ہر ملک کی تاریخ میں پرانے قبائل کے لئے نئے نام بھی تواریخ میں ملتے ہیں۔ جیسا کہ وہ خاندان جو پہلے کنانی کہلاتا تھا بعد میں قریش مشہور ہوا۔ اسی طرح کھشتری خاندان نئے نام گوجر سے مشہور ہوا۔"

تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ کھشتری لفظ کا اطلاق کمبوہ' راجپوت' جاٹ' گوجر وغیرہ تمام ہندی جنگجو اقوام پر ہوتا ہے۔ اس میں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں اس لئے تمام کھشتری اقوام کو مشرف بہ گوجر کرنے کا دعویٰ محض نعلی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قریش کا لقب کنانہ کے بیٹے نضر سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ خاندان "پہلے کنانی کہلاتا تھا" والی بات وزن نہیں رکھتی۔

راجپوت: مؤلف تاریخ گرجر نے آگے لکھا ہے "جو کھشتری قدیم روایات کے پابند رہے اور غیر ملکی یعنی مسلمان حملہ آوروں کے تابع فرمان نہ ہوئے بلکہ اپنے دھرم پر قائم رہے وہ گوجر کہلائے لیکن جن ضمیر فروشوں نے مسلمانوں سے تعاون کیا۔ ان کی ملازمتیں حاصل کیں درباری بن کر قوم کی عزت کو بٹہ لگایا۔ نیز وہ لوگ جن کا باپ کھشتری اور ماں شودر تھی وہ راجپوت کہلائے" (ہم نے یہ عبارت دل پر پتھر رکھ کر لکھی ہے اور انتہائی افسوس بھی ہے۔ تاہم نقل کفر کفر نباشد) اس کے برعکس غیر جانبدار تاریخ نویس راجپوتوں' گوجروں اور جاٹوں کے متعلق کیا کہتے ہیں اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

"Scholars think that several Rajput families descended from the foreign invading tribes such as the Huns, the Gujars and the Sakas who settled in India and embraced Hinduism. They were promoted to the Kshatriya rank by the Brahmans. Those families among the invaders that rose to power became Rajputs and the ordniary people came to be

called Gujars, Ahirs and Jats etc.

(گولڈن ہسٹری آف پاکستان اینڈ انڈیا ص 95 "دانشوروں کا خیال ہے کہ بہت سے راجپوت خاندان ان غیر ملکی حملہ آور قبیلوں مثلاً ہنوں۔ گوجروں اور ساکاز کی اولاد ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان میں آباد ہو کر ہندو مذہب قبول کر لیا۔ برہمنوں نے ان کو ترقی دے کر کھشتری کے مرتبہ پر فائز کر دیا۔ حملہ آوروں میں سے وہ خاندان جو بزور بازو حکمران بن گئے راجپوت کہلائے اور عام لوگوں کو گوجر' آہیر اور جاٹ وغیرہ کہا جانے لگا۔" (17)

تاریخ گرجر ص 226 تا 229 کا خلاصہ یہ ہے کہ "تمام سکھ' مرہٹے' پٹھان' جاٹ اور راجپوت وغیرہ گوجر ہیں۔" (جلد پنجم) قابل توجہ لفظ وغیرہ ہے جس میں حسب منشا کئی دوسری اقوام شامل کی جا سکتی ہیں۔

علی حسن گوجر چوہان کے برعکس شہادت علی کھچی چوہان راجپوت نے راجپوتوں کا تعلق 36 بڑے شاہی خاندانوں سے کیا ہے کمبوہوں کو انہوں نے راجپوتوں میں شمار کیا ہے (ص 119) لیکن گوجروں کو ایک علیحدہ قوم شمار کیا ہے ان کا بیان ہے کہ گوجر زمانہ قدیم میں باہر سے آکر ہندو مذہب قبول کر کے ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے (ص 156)

انگریزوں کی آمد سے پہلے مختلف قوموں میں 'برادری ازم' کا زیادہ احساس نہ تھا گویا کہ لوگ اپنی برادری کے الگ تشخص کو اجاگر کرنے اور عصبیت کے عفریت کا شکار ہونے کے لئے اس طرح بیتاب نہ تھے جس طرح ہم آج مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس احساس کی ابتدا انیسویں صدی میں ہوئی۔ برطانوی حکمرانوں نے اپنی حاکمانہ مصلحتوں کے پیش نظر ملک میں مردم شماری کرانے کا اہتمام کیا جس میں افراد اور خاندانوں کے کوائف حاصل کرتے وقت مذہب' قوم' برادری (Caste)'

---

(17) ان بیانات میں غیر ملکی حملہ آور اقوام کے ساتھ کمبوہوں کا ذکر اس لئے نظر انداز کیا گیا کہ اول تو وہ غیر ملکی نہ تھے دوسرے وہ ایک ارفع آریہ قوم تھے ان کو ترقی دیکر کھشتری کے منصب پر فائز کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا برہمنوں نے جن غیر ملکی اور اکثر غیر آریہ قبائل کو کھشتری کے خطاب سے نوازا ان کو چندر بنسی' سورج بنسی وغیرہ خاندان سے منسلک کر کے ان کے فرضی مورث اعلیٰ اور دیوی دیوتا نامزد کر دیے۔ اسی وجہ سے یہ نئے کھشتری زیادہ متعصب اور متشدد نظر آتے ہیں۔

گوت (Sub-Caste) وغیرہ تمام تفاصیل حاصل کی گئیں۔ مختلف علاقوں کی الگ الگ رپورٹیں شائع ہوئیں ان رپورٹوں کی اشاعت کے بعد ہر قوم کے ذی علم اور قومی شعور کے حامل افراد نے اپنی اپنی قوم کی ابتدا کا کھوج لگانے میں بہت محنت صرف کی۔ قدیم کتابوں سے استفادہ کیا۔ لیکن ایک قباحت شدت سے محسوس کی گئی کہ جہاں کچھ اصحاب نے حقائق سے روگردانی یا چشم پوشی کو اصول کے خلاف سمجھا وہاں بعض ایسی تاریخیں بھی لکھی گئیں۔ جن میں دلائل' تاریخی حوالوں اور ٹھوس ثبوت کے بغیر محض تعلی سے کام لیا گیا ہے بلکہ اپنی قومیت بدلنے میں کسی قسم کی شرم محسوس نہیں کی گئی۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے مسلمان بادشاہوں کے دور میں ایرانی اور عرب عمائدین اور بزرگوں بالخصوص سادات اور قریش سے خاص امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ سادات اور علما کے وظائف مقرر تھے ان کو جاگیریں بھی عطا کی جاتی تھیں۔ امتداد زمانہ کے ساتھ مقامی یعنی ہندی مسلمان اپنی استعداد اور اہلیت کی بناء پر ان پر فوقیت حاصل کرنے لگے تو ان غیر ملکیوں میں ہندی مسلمان قوموں کے خلاف نفرت کے جذبات شدت اختیار کر گئے جس طرح انگریز حاکم ہندوستانیوں کو Native یا کالا لوگ کہہ کر نفرت کا اظہار کرتے تھے اسی طرح "کعبے کے یہ برہمن" اپنے ہم مذہب ہندی مسلمانوں کو ہندو کی اولاد کہہ کر حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔

" اگر قحط الرجال افتد" والا قطعہ اسی زمانہ کی اختراع ہے۔ علمیت اور اہلیت کی بنیاد پر کمبوہ' افغان اور کشمیری ان بے بضاعت اور کم استعداد عرب اور ایرانی وظیفہ خواروں پر سبقت لے جانے لگے تو دونوں طرف سے ایک دوسرے کی ذات پر تابڑ توڑ حملے کئے گئے۔ چوہدری وہاب الدین مرحوم نے (تاریخ کمبوہاں ص 276 تا 278) سادات کرام سے لیکر بہت سی قوموں کے خلاف زبانِ زد عام یاوہ گوئیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بالکل درست فرمایا ہے۔ "کسی خاص شخص سے ذاتی مخاصمت کی وجہ سے کبیدہ خاطر ہو کر پوری قوم کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا نہ تو کہنے والے کی دانشمندی ہے اور نہ اس سے کسی قوم کے محاسن و اوصاف پر کوئی بٹہ لگتا ہے" ہم سادات کرام' اہل قریش' شیخ 'مرزا' خان' میاں' سب کا احترام کرتے ہیں۔ اس لئے ان بے ہودہ کہاوتوں بلکہ

بعض صورتوں میں فحش مغلظات کے ذکر سے اجتناب کرتے ہوئے سادات حضرات کے متعلق ایک قطعہ پیش ہے۔

سید لولاکؐ را دیدم بخواب - گفتم اے گنج کرم' کان سخا

'سیدان ہند از آل تو اند؟ گفت لا - واللہ لا - واللہ لا

میں نے سرور کائناتؐ کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا اے بخشش کے خزانے' سخاوت کی کان کیا ہندوستان کے سید حضورؐ کی اولاد ہیں؟ فرمایا "نہیں۔ بخدا نہیں۔ اللہ کی قسم (میری اولاد) نہیں ہیں۔؟

ان مراعات یافتہ اقوام کے ایک متعصب طبقہ کی ناپسندیدہ روش نے بعض ہندی مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا اور اس طرح انہیں قریشی یا سید بننے کی راہ سجھائی۔ پریچنگ آف اسلام کے فاضل مصنف (ڈبلیو' ڈبلیو' آرنلڈ) نے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ "ہندو سے مسلمان ہونے والے ہزاروں لوگ قلب ماہیت کر کے سید قریشی وغیرہ کہلانے لگے ہیں۔"

نام نہاد شائستگی کی کچی دیوار کو توڑ کر علی حسن چوہان گرجر نے (تاریخ گرجر جلد پنجم ص 255) اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے "جب اسلام آریہ ورت میں داخل ہوا تو برہمن' بنئے' چمار' بھنگی کائستھ وغیرہ بہت سی قومیں مسلمان ہو گئیں مگر اب یہ اپنے کو اپنی سابقہ قوم سے منسوب نہیں کرتیں اور اب ان کے شجرے عرب سے مل گئے ہیں ... آج تمام گوجر' جاٹ' راجپوت جو بحمد للہ مسلمان ہیں قطعاً" اس بات کے روادار نہیں کہ مذہب کی تبدیلی سے ابا بھی نیا بنایا جائے۔"

(مؤلف : بہتر ہوتا گوجروں کو رام چندر جی اور سری کرشن جی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے وقت بھی چوہان صاحب اس اصول کو پیش نظر رکھتے !!)۔

یہ باب یہاں پر مکمل ہو چکا تھا کہ اتفاق سے ہماری نظر "رسوم ہند" (مطبوعہ لاہور 1964ء) کے ایک بیان پر پڑی جس سے ہمارے مذکورہ بیان کی پوری تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ میجر فلر ڈائریکٹر تعلیمات پنجاب کی تحریک پر سر ڈی میکلوڈ (جو بعد میں پنجاب کے گورنر بنے) کی سربراہی میں قائم شدہ کمیشن نے یہ کتاب مرتب کرائی تھی اس کے خاص مؤلف مسٹر ہالرائڈ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن (DPI) تھے۔ اس کتاب

کے ص 260 پر لکھا ہے۔

"اگرچہ مسلمانوں میں بالاتفاق قریشیوں کو سب پر فضیلت ہے مگر پھر بھی ہندوستان میں چار قومیں شیخ' سید' مغل اور پٹھان شریف مشہور ہیں۔ ان کے سوا اور بہت سی قومیں ہیں اور ان میں سے اکثر اپنے پیشوں کے نام سے معروف ہیں مگر وہ شریف نہیں گنی جاتیں۔

" جو شخص کسی اور مذہب میں سے دین اسلام میں آئے حقیقت میں مسلمانوں کے ہاں پہلی چار ذاتوں سے اس کی ذات کچھ نہیں ہوتی مگر چونکہ شیخ کے معنی بزرگ کے ہیں تو وہ لوگ نو مسلم پر بھی اس کی بزرگی کے لحاظ سے شیخ کا اطلاق کرتے ہیں۔"

مذکورہ بیان سے نہ صرف اس ذہنیت کی صحیح عکاسی ہوتی ہے جو شیخ' سید' مرزا وغیرہ قوموں میں موجود تھی یا دانستہ پیدا کر دی گئی تھی بلکہ اس کے زیر اثر چھوٹی چھوٹی متفرق ذاتوں کے نو مسلموں میں شیخ' سید' مرزا وغیرہ بننے کے رجحان نے ترقی کی اور بعض بڑی قوموں کو بھی اپنا تعلق عرب سے جوڑنے کی فکر دامن گیر ہو گئی۔ اگر شیخ' سید' مغل وغیرہ شریف اقوام ہیں تو کمبوہ' ارائیں' راجپوت' جاٹ' گوجر' کشمیری' بلوچ وغیرہ بھی کم معزز اور شریف نہیں مگر انگریز نے جو شوشہ چھوڑا تھا اس نے باہمی منافرت کا ایک ایسا بیج بو دیا جس کی بیل سے برادریوں کے لئے تعصب اور حسد کا حنظل (کوڑتمہ) بار آور ہوا اور سامراجیوں نے اپنی "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی پالیسی کی بدولت ملکی استحکام حاصل کیا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اسلام کے اس بنیادی اصول کہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" پر کاری ضرب لگا دی۔ بلکہ بقول مولانا ابوالکلام آزاد" خاندان کے فخر کا بت ' دنیا کے عہد جاہلیہ کی ایک مشئوم یادگار ہے۔ اور اسلام نے انسان کے بنائے ہوئے بتوں کے ساتھ اس کو بھی توڑ دیا تھا۔" انگریز نے دوبارہ زندہ کر کے سادات و قریش وغیرہ کے آستانوں میں لا بٹھایا 'فاعتبروا یا اُولی الابصار !!

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں،
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ !

فصل دوم

کمبوہ قوم کی ابتدا

بعض دیگر خیالات اور نظریات کا تجزیہ

پچھلے صفحات میں ہندوستانی اور مغربی محققین اور دانشوروں کی تحقیقات سے کمبوہ قوم کی اصل، حسب، نسب اور قومیت پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے کوشش کی گئی ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے محققین کے خیالات کو ہر پہلو سے جانچا اور پرکھا جائے تاکہ مستقبل کے تاریخ نویس اور محقق حضرات تصویر کے تمام رُخ دیکھ کر اپنی تحقیق کو آگے بڑھا سکیں اس کے ساتھ ہی ہمارے قارئین بھی مختلف نظریات کے مطالعہ کے بعد ایک واضح اور منصفانہ فیصلہ کرنے میں دشواری محسوس نہ کریں ۔

ہماری اپنی قومی تاریخ کے مؤلفین کی کاوشیں جہاں قابل تحسین ہیں وہاں بعض ایسے دعاوی پر بھی زور دیا گیا ہے جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ان پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

اس کے علاوہ حکومت برطانیہ نے 1881ء اور پھر ہر دس سال بعد انگریز افسروں کی زیر نگرانی مردم شماری کی رپورٹیں مرتب کرائیں ابتدائی دو تین مردم شماری رپورٹوں میں ہر ضلع میں بسنے والی اقوام کے حسب، نسب، تعلیم اور معاشرت وغیرہ کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ان رپورٹوں پر مبنی ضلعی گزیٹیر ترتیب دیئے گئے۔ جن سے ایک جامع تصنیف کے لئے میٹریل فراہم ہو گیا۔ اس ریکارڈ کے مرتبین میں کئی اعلیٰ تعلیم یافتہ فاضل انگریز افسروں کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں جنھوں نے بہت احتیاط اور کامل تحقیق سے کام لے کر رپورٹیں لکھیں لیکن بعض اوسط درجے بلکہ کئی نااہل افسروں کی متضاد، نامکمل اور بے بنیاد رپورٹیں بھی موجود ہیں جن سے نہ صرف ان کی افادیت جاتی رہی

بلکہ بعض جگہ ان کی وقعت بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔ (18)

اس باب میں ایک دو قطعی لغو اور مبنی بر اتہام بیانات سے صرف نظر کرتے ہوئے باقی رپورٹوں کے مندرجات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ لیکن اس سے قبل اپنے ہی کٹے ہوئے بازو کی جراحت پر توجہ دینا ضروری ہے۔

کیا کمبوہ عربی النسل ہیں؟ اگرچہ تاریخ کمبوہاں (چوہدری وہاب الدین) میں بھی ایک جگہ کمبوہوں کو عراق عرب سے نقل مکانی کر کے آنے والے بتایا گیا ہے مگر اس بیان کی کوئی دلیل پیش کی گئی ہے نہ اسے سنجیدگی سے لیا گیا ہے اس لئے اس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ یو پی کے بعض کمبوہ بزرگوں کی تصانیف میں یکے بعد دیگرے' نئے سے نئے' مختلف اور متضاد بیانات سے کمبوہوں کو اہل قریش ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے جبکہ ان کو خود کسی ایک مؤقف پر یقین نہیں ہے۔

انیسویں صدی کے شروع تک پنجاب اور یو پی کے کمبوہ ایک ہی قوم کے افراد شمار ہوتے تھے۔ قریش سے تعلق قائم کرنے کے نظریہ کی ابتدا مارہرہ (یوپی) کے حکیم عنایت حسین (متوفی 1849ء) کی تالیف ' سلسلہ عالیہ' میں مندرجہ ذیل الفاظ سے ہوئی اور اس طرح مغائرت کی دیوار کھڑی کر دی گئی۔ " ایں گروہ از قبیلۂ خاص رؤساءقریش است۔ سلسلۂ نسب ایشاں بہ صدر الآفاق قریش کہ از ثقات تابعین بود' می پیوندد" (ص 6 سطر 2) کمبوہوں کا "یہ گروہ قریش کے رئیسوں کے خاص خاندان سے ہے۔ وہ اپنا سلسلۂ نسب صدر الآفاق قریش سے ملاتا ہے۔ جو بڑے معتبر تابعی تھے" اس کے بعد حکیم صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی اولاد سے ایک گروہ بغداد سے اٹھ کر ہندوستان میں

---

(18) شیخ محمد اکرام آب کوثر کے ص 287 پر رقم طراز ہیں۔ "اُن میں بعض رپورٹیں بڑی مایوس کن ہیں۔ ان میں سطحی معلومات کو دوسری رپورٹوں اور عام مروجہ کتب (اور بعض غیر مستند' سنے سنائے' بے سروپا قصے کہانیوں) سے نقل کر دیا گیا ہے لیکن جہاں کہیں یہ رپورٹیں قابل اور اہل علم افسروں کے قلم سے لکھی گئی ہیں وہاں مقامی معلومات کا بیش بہا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے (مثال کے طور پر) ضلع ملتان کا گزیٹیر سرایڈورڈ میکلیگن نے مرتب کیا تھا جو ایک زمانے میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے نائب صدر تھے۔ وہ اپنی تاریخی تصانیف کی وجہ سے اہل علم میں ممتاز ہیں۔"

ملتان کے نواح میں کنباہ نام سے موسوم قصبوں میں آباد ہو گیا۔ مزید لکھتے ہیں :
"کنباہ دراصل ایک دریا کا نام ہے جو ملتان کے قریب واقع ہے اس نسبت مکانی سے ان کا نام کنبوہ مشہور ہو گیا۔ جیسے پنجابی کشمیری وغیرہ"۔

ان بیانات پر اعتراض کئے گئے کہ (1) صدر الآفاق نام کا کوئی تابعی تو درکنار تبع تابعی بھی قریش میں نہیں گزرا۔ (2) کنباہ نام کا کوئی شہر یا قصبہ من مضافات ملتان کبھی موجود نہ تھا (3) ملتان کے قریب کنباہ نام کا دریا تو کجا کوئی ندی نالہ تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا (4) کنباہ سے قوم کا نام کنبا ہی ہونا چاہئے تھا نہ کہ کنبوہ۔ مگر ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔

قریشی بننے کی طرف قدم اٹھایا جا چکا تھا۔ 1849ء میں نواب مبارک علی خان نے رسالہ مبارک میں سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے جا ملایا اس کا مفصل ذکر آگے کیا جائے گا۔ حکیم عنایت حسین کے پوتے منشی فیض احمد نے اپنی کتاب 'المشاہیر' میں نواب مبارک علی خان کی تائید میں عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا جدّ امجد قرار دیتے ہوئے لکھا "بعض اہل شکوک وجود کنباہ میں متردد ہو جاتے ہیں۔ ایک سیاح کا بیان ہے کہ سمرقند سے شمال کی طرف 6-7 منزل کے فاصلہ پر کنباہ ایک دریا ہے جس کا پانی سرد' شیریں اور خوشگوار ہے اس کے کنارے ایک قصبہ اسی نام سے مشہور آباد ہے (جس طرح دریائے جہلم پر جہلم ہے) اس کے باشندے بڑے مہمان نواز ہیں۔" اس بیان پر ان کو شاید خود یقین نہ تھا کیونکہ سمرقند کے شمال یا کسی اور جانب کنباہ نام کا کوئی دریا ہے نہ پورے علاقہ میں اس نام کا کوئی شہر ہے۔ اس لئے ساتھ ہی ایک دوسرا بیان داغ دیا کہ "کنب ایک شہر ہے قریب غزنیں۔ جس طرح سادات بنی فاطمہ و علوی و شیوخ آمدۂ عرب اور جو لوگ باشندگان قدیم کشمیر سے مسلمان ہو گئے وہ سب بلحاظ سکونت کشمیری کہلاتے ہیں علی ہذا ساکنانِ کنب" حقیقت یہ ہے کہ غزنیں کے قریب بھی کنب نام کا کوئی شہر نہیں۔ البتہ ایران میں قُم نام کا شہر ہے جس کے باشندے "قمی" کہلاتے ہیں۔

اس کے بعد فیض احمد امروہی کے صاحبزادے حسین احمد کنبوہی نے اپنی

تحقیق کا رخ بالکل دوسری جانب موڑ دیا انہوں نے محمود احمد عباسی امروہی (مؤلف حقیقت قوم کمبوہ) کی 'تحقیق الانساب' اور چوہدری وہاب الدین کی' تاریخ کمبوہاں' کے جواب میں تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب "خاندان زبیری کنبوی" دو جلدوں میں تصنیف فرمائی اس میں انہوں نے کنبوہ نام کی کئی توجیہات بیان کی ہیں ہم یہاں صرف تین روایات کا ذکر کریں گے۔ جو ان کی نظر میں زیادہ وقیع ہیں۔

اول : حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ اور خلیفہ عبدالمالک اموی کے مابین جنگ کے دوران میں حضرت مصعب بن زبیرؓ نے سن 68ھ میں اپنے شیرخوار پوتے اسماعیل بن طلحہ کی جاگیر میں اصفہان کا علاقہ دے دیا تھا "ایرانی اپنے اس ننھے سے گورنر کو کملو کہتے تھے۔ جب وہ آپس میں باتیں کرتے یا کوئی ان سے پوچھتا تو وہ کہتے کہ ہمارا گورنر کملو ہے یعنی ننھا سا بچہ ہے جسے ابھی پورے طور سے بولنا نہیں آتا۔" (ملاحظہ ہو خاندان زبیری کنبوی جلد اول ص (24)

دوم : کملو ترکی لفظ 'کیما کم' کا مخفف ہے جس کے معنی وزیر یا حاکم صوبہ کے ہیں اس لئے حضرت شیخ سماء الدینؒ کا خاندان کملو کہلایا یعنی وزراء کا خاندان جو بگڑ کر پہلے کملو پھر کنبوہ بن گیا۔

سوم : یہ قوم عرب سے آکر سندھ کے شہر کنباہ میں جو ایک دریا کے کنارے واقع ہے آباد ہوئی۔ اس بناء پر یہ قوم کُنبوی (بروزن بھنگوی) کہلائی ہم زبیری کنبوی ہیں۔ پنجاب کے کمبوہوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

یہ تینوں بیانات مضحکہ خیز ہی نہیں بلکہ طفلانہ بھی ہیں۔ دعویٰ اول کا جواب ہے کہ (1) تاریخ سے حضرت مصعب بن زبیرؓ کے کسی بیٹے کا نام طلحہ ثابت نہیں (2) حضرت مصعبؓ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج میں ایک اعلیٰ افسر تھے کسی سلطنت کے فرمانروا نہ تھے کہ کسی شیر خوار بچے کو جاگیر بخش سکتے۔ (3) حضرت مصعبؓ کو خود اپنی جان کے لالے پڑے رہتے تھے جو انجام کار ان کے قتل پر منتج ہوئے۔ (4) اصفہانی اتنے ترنوالہ نہ تھے کہ کوئی شیرخوار بچہ ان پر مسلط ہوجاتا۔

دوم: ہندوستان میں ترکی زبان مروج نہ تھی (2) مخدوم سماء الدین ملتانیؒ کا خاندان وزیروں گورنروں کا خاندان نہ تھا (3) اگر ایسا ہوتا بھی تو اس کا اطلاق صرف مخدوم صاحب کی اولاد پر ہوتا پوری قوم پر نہیں (4) مخدوم صاحب کے تذکروں میں ان کی قومیت کمبوہ بتائی گئی ہے وہ خود کمبوہ بزرگوں کی اولاد تھے ان کی وجہ سے قوم کا نام کمبوہ کیسے وجود میں آ سکتا ہے۔

سوم: سندھ میں کوئی دریا یا شہر کنباہ نام کا موجود نہیں جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں ان سے گجرات کاٹھیاواڑ کے کھمبایت کی نشان دہی ہوتی ہے۔ عرب اسے کنبایہ کہتے ہیں۔ بعض نے کنباہ بھی لکھا ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو کھمبائی' کنبائی یا کمبائی کہہ سکتے ہیں جیسے کنجاہ سے کنجاہی لیکن کنبو یا کنبوی نہیں کہہ سکتے۔ کرنال کے ہندو کمبوہ خود کو کھمبایت سے منسوب کرتے ہیں ان کے مطابق ان کے اجداد نے کھمبایت آباد کیا تھا چنانچہ اگر حسین احمد زبیری اپنا تعلق کھمبایت سے قائم کرتے ہیں تو لا محالہ ان کا سلسلہ نسب کرنال اور پٹیالہ کے ہندو کمبوہوں سے ملنا ثابت ہو گا۔ (19)

حسین احمد زبیری کنبوی کی مؤلفہ کتاب کے متعلق نواب وقار الملک کے داماد اور عربی فارسی زبانوں کے ماہر مولوی صبغت اللہ کمبوہ نے ایک طویل خط محمود احمد عباسی کے نام تحریر کیا تھا۔ اس خط سے تصویر کا واضح رُخ نظر آ جاتا ہے اس خط کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

(1) اس افترا پردازی کے دور میں سب سے زیادہ خطرناک و مہلک وہ شخص ہے جو انتہائی جہالت اور بے علمی کے باوجود تصنیف و تالیف کا بھی ذوق رکھتا ہے۔

(2) "غرض یہ کہ جو مؤلف تجزیہ' (حسین احمد زبیری کنبوی) نے بحث کی ہے وہ لغو اور ہذیان سرائی ہے"۔

---

(19) گجرات کاٹھیاواڑ میں ہندو کمبوجوں کی موجودگی کا یقیناً پتہ چلتا ہے جو ساکا' ہن وغیرہ کے ساتھ یہاں آ کر آباد ہوئے تھے اور لفظ کمبوج کی رعایت سے علاقے کا نام کمبایت یا کھمبایت اور خلیج کا نام خلیج کھمبے رکھ دیا تھا۔

(3) "جہاں تک بھائی حسین احمد صاحب کی مؤلفہ جلد اول و دوم کا مطالعہ کیا گیا جو کم و بیش ہزار صفحات پر مشتمل ہیں علمی متانت اور شائستگی کے معیار سے گرا ہوا اور طوالتِ بے جا اور ایسے لایعنی امور سے لبریز پایا جن کا تعلق مسئلہ زیر بحث سے مطلق نہیں ہے۔ ان کو ثابت تو یہ کرنا تھا کہ قوم کمبوہ ہندی نہیں بلکہ عربی النسل اور زبیری ہے لیکن ان کی دونوں جلدوں کی ورق گردانی کر ڈالئے کوئی معقول اور محکم ثبوت کمبوہوں کے زبیری ہونے کا کہیں نہیں ملے گا۔"

(4) "مؤلف کی تنگ نظری، نکتہ چینی، عیب جوئی اور تعصب مقدمہ کتاب ہی سے ہویدا ہے۔" فقط

قریش سے سلسلۂ نسب ملانے کی جو تحریک امروہہ سے شروع ہوئی تھی اس سے یو پی کے دوسرے اضلاع مثلاً میرٹھ، بریلی، لکھنؤ، علی گڑھ، سہارنپور وغیرہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ایک ایسے حصہ ملک میں جہاں صدیقی، فاروقی، عثمانی، نقوی، رضوی وغیرہ سچے جھوٹے القابات کے لاحقوں کا راج ہو۔ لفظ زبیری میں بالخصوص نوجوان طبقہ کے لئے بڑی کشش اور جاذبیت تھی۔ چنانچہ کمبوہ کی بجائے پہلے کنبوہ، کمکو جیسے لفظ وضع کئے گئے اور پھر لفظ زبیری کو نام کا حصہ بنا لیا گیا۔

مارہرہ کے ان محترم افسانہ طرازوں کے علاوہ میرٹھ کے رئیس 'نواب مبارک علی خان کمبو' نے 21 صفحات پر مشتمل کتابچہ 'رسالہ مبارک' جون 1849ء میں تحریر فرمایا۔ 1899ء میں اچھرہ (لاہور) کے منشی حاکم دین خان کمبوہ نے یہ رسالہ باجازت خاص لاہور سے چھپوایا۔ اس کی تیسری اشاعت ہمارے پیش نظر ہے۔ (20)

---

(20) رسالہ پڑھنے کے بعد ہمارے ذہن میں سب سے پہلے ایک مغربی دانشور کا یہ قول ابھرا کہ اگر آپ عوام میں کسی ایسے نظریہ کو سچ کا روپ دیکر پیش کرنا چاہتے ہیں جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو تو سب سے پہلے حق و صداقت کی حمایت اور دجل و فریب اور جھوٹ کی منقصت میں اپنی سحر آمیز باتوں سے زمین آسمان کے وہ قلابے ملائیں کہ قاری آپ کو سچ کا دیوتا سمجھنے لگے۔ ایک دفعہ اس کے ذہن پر آپ مسمریزم کا سا اثر پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے بعد اپنی پُر اثر رنگین تحریر سے بلا خوف و خطر جو جی میں آئے لکھتے جائیں قاری خود بخود آپ کے ساتھ گھسٹتا ہوا چلا آئے گا نواب صاحب نے بھی ایک آیہ کریمہ نقل کر کے اس بات پر زور دیا ہے کہ شرف عمل کا ہوتا ہے نہ کہ نسب کا۔ پھر ایک حدیث لکھی ہے جس کا مفہوم ہے "ہر کہ عمل حسنہ و اخلاق مستحسنہ وارد آل جناب رسول اللہؐ ہے" مگر اس کے بعد آریہ نسل کمبوہ ہوتے ہوئے قریشی بننے کی غیر مستحسن کوشش کی ہے۔

"المشاہیر" اور" خاندان زبیری کنبوی" کے مؤلفین باپ بیٹے نے رسالہ مبارک پر بہت انحصار کیا ہے ہم نے یہ رسالہ بامعانِ نظر پڑھا ہے مؤلف کتاب حقیقت قوم کمبوہ کی تنقیحات پر بھی غور کیا ہے اسی تناظر میں قارئین کی معلومات کے لئے بے لاگ تبصرہ پیش ہے۔ رسالہ مبارک ص 4 پر لکھا ہے "سلطان محمود غزنوی بن سلطان ناصر الدین سبکتگین 391ھ لغایت 417 ہجری قدسی 12 مرتبہ ہندوستان میں بارادۂ جہاد آیا اور ہمیشہ فتحیاب ہوا اور جو سردار سلطان محمود غزنوی کے ساتھ تھے ان سے بہت کارہائے نمایاں ظہور میں آئے خصوص میرٹھ کو راجہ ے سے کہ بہت بڑا راجہ تھا فتح کیا اور اسی عرصہ سے مسجد جامع حسن میمندی وزیر بادشاہ محتشم الیہ مقام میرٹھ میں موجود ہے۔ اور اس کے پاس گنج شہیداں مردانِ قوم کمبوہ مقتول معرکۂ جنگ موجود ہے"۔

کتب تاریخ سے رجوع کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ:

(1) محمود غزنوی نے نہ کبھی میرٹھ پر حملہ کیا نہ اسے فتح کیا بلکہ پونے دو سو سال بعد قطب الدین ایبک نے 589 ھ میں میرٹھ فتح کیا تھا۔ البیرونی' فردوسی یا صاحبِ تذکرہ دولت شاہ نے اپنی تصانیف میں کسی سردار قوم کمبوہ کا ذکر نہیں کیا۔

(2) حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر نہ تھا البتہ اس کا بیٹا احمد بن حسن میمندی سلطان محمود کا وزیر تھا مگر وہ کبھی سلطان کے ہمراہ ہندوستان نہیں آیا تھا۔

(3) میرٹھ میں جو جامع مسجد موجود ہے وہ اِلتمش کے بیٹے ناصر الدین محمود کے عہد میں اس کے وزیر غیاث الدین بلبن کے زیر اہتمام (محمود غزنوی سے سوا دو سو سال بعد) سن 647ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔ محمود غزنوی کے باپ کا نام ناصر الدین سبکتگین تھا مگر اس مسجد کا بانی سلطان اِلتمش کا بیٹا ناصر الدین محمود تھا۔ نواب صاحب میرٹھ میں رہتے تھے۔ عین ممکن ہے انہوں نے مسجد کا سنِ تعمیر بچشمِ خود ملاحظہ کیا ہو ایسی صورت میں اس حرکت کو لفظی التباس کا ناجائز فائدہ کہا جا سکتا ہے۔

رسالہ مبارک ص 9 پر مرقوم ہے "اکثر بزرگ اس قوم کے اولیاء اللہ کرام گزرے ہیں چنانچہ حضرت شیخ مخدوم بہاؤالدین ذکریا ملتانی الخ" اس بیان کی تردید کی

ضرورت نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ مخدوم بہاؤالدین زکریا ملتانی" کمبوہ نہ تھے۔ صرف شجرۂ نسب ملانے کی غرض سے ان کو کمبوہ ظاہر کیا گیا ہے۔ (ان کا مزار ملتان میں ہے۔ یہ کہنا کہ ان کا مزار اُچ شریف میں ہے (تاریخ کمبوہاں) درست نہیں۔)

ص 15 تا 19 میں نواب صاحب نے ایک فرضی رسالہ کے مندرجات کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"از روئے تحقیق رسالہ نواب شہباز خان کمبوہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ قوم اہل قریش عرب اولاد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ عشرہ مبشرہ صحابی جناب سرور کائناتؐ از بطنِ حضرت اُمِ سَلمہ دخترِ حضرت سید الشہدا امیر حمزہؓ ہیں۔ لیکن رسالہ مذکور بسبب امتداد عرصۂ دراز و دیگر وجوہ سے نہایت قلیل الوجود ہے اکثر مردم اس گروہ والا شکوہ امیر کبیر و اکثر اولیاء اللہ کرام گزرے ہیں اور وجہ تسمیہ اس قوم کی یہ لکھی ہے کہ شیخ ابوالفضل علامی فہامی و شیخ فیضی نے براہ حسد و تعصب دینداری نواب شہباز خان بر آشفتہ ہو کر بحضور بادشاہ عرض کیا کہ جمیع مؤرخان ہندوستان و عرب و عجم کو حضور میں طلب فرما کر تحقیق کی جاوے تو شہباز خان منفعل ہو کر جہل اپنی سے باز آوے اور اوپر دینداری اپنی کے مستقل نہ رہے کس واسطے کہ تمام سادات عظام حلقہ بگوش امر بادشاہ کے ہیں۔ مگر شہباز خان بہ تقویتِ دینداری تقلیدِ حکمِ اُلِی الامر بجان قبول نہیں کرتا اس کمبوہ کو درمیان خاص و عام کے تخجل کرنا چاہئے چنانچہ حسب العرض ابوالفضل بادشاہ نے حکم فرمایا کہ مؤرخان حضور و دور کو حاضر کرو کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خان کمبو کو تحقیق کریں کہ اصل و فرع اس قوم کی کہاں سے ہے مؤرخان اقالیم حاضر آئے۔ بادشاہ نے فرمایا کہ فردا بروز پنج شنبہ تاریخ یازدہم شعبان 971 ہجری جملہ اہل فضل حاضر آویں اول مباحثہ شیخ ابوالفضل و شیخ فیضی نے شروع کیا۔ اس روز مباحثہ میں ابوالفضل، فیضی، خان اعظم، قلی خان محرم، صادق محمد، خانخانان عبدالرحیم، قلیچ خان، ابوالفتح گیلانی، مرتضیٰ خان، قطب الدین خان، معصوم خان فرنخودی، نصیب خان مؤرخ، علی اکبر شاہی، شاہداغ خان، راجہ مان سنگھ، راجہ بہارا مل، راجہ جگناتھ و حکیمان اہل ہند و مؤرخان اہل عرب و عجم و اکثر فضلایان حاضر آئے اور ہر ایک امیر نلدار نے حسب دریافت اپنے بیان کی چنانچہ راجہ مان سنگھ و راجہ ٹوڈرمل و راجہ بیربرو رائے رایان پیتمبرداس

وغیرہ نے متفق اللفظ عرض کیا کہ ہم نے بیچ تواریخ ہند کی دیکھا ہے کہ راجہ منجملہ راجہ ہائے ہندوستان باسم کام بوج والئے ملتان تھا۔ جب فوت ہوا پسر خورد قائم ریاست ہوا بعد چند سال ملک اس کا تصرف اہل اسلام میں آیا اور کوئی اولاد میں سے ایسا نہ تھا کہ اہل اسلام سے مقاومت کرے۔ بعض ان میں سے مسلمان ہو گئے اور بعض نہوئے اور درمیان برادران مسلم و غیر مسلم خصومیت و عداوت پیدا ہوئی اور اس سبب سے متفرق ہو کر شہر و قریہ ہائے میں آباد ہوئے اول لوگ ان کو کام بوجی کہتے تھے بعد چند مدت کے خلق اللہ خاص و عام نے ان کو بخطاب کمبو مشہور کیا بادشاہ یہ بات سن کر آشفتہ ہوا اور فرمایا کہ اگرچہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خان ساتھ اس وجہ کے پہنچی ہے لیکن تو بھی اوپر اور قوم کے ترجیح رکھتی ہے کس واسطے کہ بیچ اصالت و ناموس اپنی کے سخت دلیر ہیں اور اکثر یہ قوم بھی اہل شمشیر ہیں۔ اگرچہ بحث و تقریر کے افلاطون ہیں اور رعایت دین کی بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے اور بیچ و فا حق نمک اور کتمان اسرار خاوند اور ہر مشورت میں دلپذیر ہیں بعد سماعت اس ارشاد عالی کے سب امرا و مؤرخان وغیرہ ثنا خوان ہوئے بعد اس کے نصیب خان مؤرخ و حکیم ابوالفتح گیلانی و نواب خانخانان عبدالرحیم خان نے عرض کیا کہ ہم نے بیچ تواریخ عراق و عرب و عجم کے دیکھا ہے اور ایک مؤرخ رومی کبیر سن جہاندیدہ نے کہ وہ بھی اس وقت حاضر تھا عرض کیا کہ بیچ خلافت حضرت عمرؓ لشکر اسلام واسطے تسخیر ملک فارس و ترکستان کے تعین ہوا تھا اور سرداران اہل اسلام ہر ایک طرف واسطے انصرام اس امر کے متعین ہوئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہ شادی۔ان کی حضرت اُمّ سلمہ دختر سیدنا الشہداء حضرت امیر حمزہؓ سے ہوئی تھی۔ حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ نے پسر کلاں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو باسوار و پیادہ بسیار طرف ولایت فارس تعین فرمایا اور بیچ اس سرزمین کے دریائے عظیم حائل تھا۔ پس حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے دریائے مذکور اقامت اختیار فرمائی اور ساکنان اس سرزمین کو مشرف باسلام کیا اور اکثر مردمان اس دیار کے زبان اہل عرب کو نہ سمجھتے تھے۔ محتاج ترجمان واسطے دریافت کرنے کلام ہدایت انجام کے عاجز تھے مردمانِ فارس مجلسِ عالی سے اٹھ کر افسوس کرتے تھے کہ ہم اس مجلسِ کم گویان سے بہرہ نہیں رکھتے ہیں اگر کوئی ترجمان ہاتھ آوے تو فائدۂ عظیم اٹھاویں۔ ایک

سردار اس دیار نے ایک ترجمان روم سے بلایا اور بذریعہ اس کے فیضیاب ہوا اور ان بزرگوں کو بخطاب کم گویاں مخاطب کیا جو اس خطاب نے شہرت پائی' کسی شخص نے یہ حال عبداللہ بن زبیر سے بیان کیا کہ اولاد تمہاری کو مردمان عجم نے بخطاب کم گویاں کے منسوب کیا۔ حضرت نے معنی لفظ کم گویاں کے دریافت کیے ترجمان نے عرض کیا کہ کم گو اس کو کہتے ہیں کہ کلام لایعنی اوپر زبان کے نہ لاوے۔ جو یہ بات اہل عرب کے کان میں پہنچی۔ سب نے پسند کیا اور کہا کہ یہ خطاب افضل ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے اجازت اپنی اولاد کو دی کہ اپنے آپ کو بایں خطاب مشہور کریں۔ اطراف و جوانب سے جو اور مذہب کے لوگ آباد ہوئے تھے وہ سب کم گو کہلانے لگے۔ پھر بباعث تغیر و تبدل حکام قریہ ویران ہوئے اور جس نے جہاں جگہ پائی وہاں جا کر آباد ہوا۔ لیکن اسی لقب سے مشہور رہے۔ ہندوستان میں تمیز لفظ فارسی نہ رہی کم گو کمبو ہو گیا اور بعض اشخاص ہمراہی سلطان محمود غزنوی ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے اور بعض ملتان میں آباد ہوئے اور پھر طرف دہلی وغیرہ عازم ہوئے جو مسلمان نہ تھے وہ بھی ہندوستان میں آئے عقیدہ اور اطوار ان کے مثل ہنودان ہو کر کمبو مشہور رہے۔ اور اولاد بھی علی ہذا القیاس پس واضح ہوا کہ کمبو مسلمان اولاد حضرت عبداللہ بن زبیر اہل عرب و قریش ہیں۔ ہندو کمبوہ تین قسم کے معلوم ہوتے ہیں ایک اولاد راجہ کمبوج واکئے ملتان' دوسرے جوپسر عبداللہ بن زبیر کے آباد کردہ قریہ ہا میں رہتے تھے۔ ہندوستان آ کر رسوم ہنود اختیار کی' تیسرے سکنائے لب دریائے کمباہ متصل ملتان اور کثرت ہنود کمبوہان بھی ملتان و لاہور و انبالہ و پٹیالہ وغیرہ میں ہے۔ چنانچہ مصنف کتاب انشاء ہر کرن متھرا داس نامی بھی کمبو ہندو ساکن ملتان تھا۔ بعد اس کے مؤرخان کو حکم ہوا کہ یہ حال نسب شہباز خان اکبر نامہ میں لکھا جاوے کہ پھر آئندہ کو درمیان خاص و عام کے اختلاف اس بات میں نہ رہے اور نسب ان کا اس طور پر ہے۔ شہباز خان بن صدر الدین بن شیخ بہاؤالدین کہ اکابر روزگار سے تھے۔ بن حاجی جمال الدین بن کمال الدین بن برہان الدین بن معز الدین (وغیرہ دغیرہ اور چند پشتوں کے بعد) بن زید بن ریاح بن فوطہ بن رواح بن عبداللہ بن زبیر و حضرت امیر حمزہؓ۔

کمبوہ قوم کو اہل قریش اور اولاد ابن زبیر ثابت کرنے کے لئے نواب صاحب کے

طویل بیان کو ہم نے حتی الوسع مختصر کر دیا ہے لیکن ان کے دعویٰ کے کسی بھی اہم نکتہ کو حذف یا تبدیل نہیں کیا۔ اس بحث میں قابل غور نکتہ سن 971ھ ہے اسے ذہن میں رکھ کر جواب ملاحظہ فرمائیں۔

1- بنائے دعویٰ رسالہ شہباز خان ہے لیکن یہ نہ قلیل الوجود ہے نہ عدیم الوجود بلکہ محض فرضی رسالہ ہے۔ آج تک کسی مصنف' مؤرخ' محقق نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کسی لائبریری' کسی فرد حتی کہ خود مدعی کے پاس اس کا کوئی قلمی یا مطبوعہ نسخہ موجود نہ تھا ورنہ اس قدر وقیع "تاریخی وثیقہ" کی اشاعت نہایت اہم تھی۔ پس دعویٰ کی بنیاد ہی موجود نہ ہونے کی بناء پر دعویٰ یہیں خارج ہو جاتا ہے۔ تاہم دوسرے نکات کی حقیقت کا بھی جائزہ لے لیں۔

2- 971ء تک شہباز خاں محض شیر اللہ کبو لاہوری کہلاتے تھے 979ھ میں میر بخشی بنے اور 981ھ میں شہباز خان کا خطاب ملا۔

3- علمی اور مذہبی مسائل پر علماء کی مجالس 981ء کے بعد شروع کی گئیں۔ اس سے پہلے اکبر بادشاہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔

4- گیارہ شعبان 971ھ کو پنج شنبہ نہیں بلکہ شنبہ یعنی ہفتہ کا دن تھا یہ مجالس صرف جمعرات کو منعقد ہوتی تھیں۔ (ملاحظہ ہو جوہر تقویم)

5- علامہ ابوالفضل اور فیضی کی عمریں 971ھ میں بالترتیب تیرہ اور سترہ سال تھیں وہ ابھی طفل مکتب تھے درباری نہ تھے۔

6- عبدالرحیم خان خانان 14 صفر 963ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ 971ھ میں ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ مجلس عمائدین میں اس بچہ کا کیا کام ہو سکتا تھا؟

7- ابوالفتح گیلانی 983ھ میں اپنے دو بھائیوں کے ہمراہ ایران سے وارد ہند ہوئے تھے (اکبر نامہ جلد سوم ص 72)

8- شیخ فرید بخاری (مرتضیٰ خان) 1014ھ میں یعنی 43 سال بعد جہانگیر بادشاہ کا میر بخشی تھا۔ (شاہ جہان نامہ ص 46)

9- نقیب خان مؤرخ (رسالہ مبارک میں نصیب خان لکھا گیا ہے) کو یہ خطاب 989ھ میں ملا تھا (اکبر نامہ جلد سوم ص 311)

10- راجہ مان سنگھ کا تقرر 984ھ میں ہوا تھا مگر دربار اکبری سے وہ 997ھ میں وابستہ ہوا تھا۔

رسالہ مبارک کی اشاعت کے سو سال بعد حسین احمد کنبوی کو اوپر درج اعتراضات کا علم ہوا تو انہوں نے عذرِ گناہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ 971ھ کتابت کی غلطی ہے دراصل یہ مجلس 991ھ میں بپا ہوئی تھی۔ لیکن حقائق کی کسوٹی پر یہ عذر 'بد تراز گناہ' ثابت ہوتا ہے۔ اب قارئین 971ھ کی بجائے 991ھ ذہن میں رکھیں:

1- 11 شعبان 991ھ کو سہ شنبہ یعنی منگل کا دن تھا۔ پنج شنبہ نہ تھا۔ (جوہر تقویم)

2- نواب شہباز خان کو اکبر بادشاہ نے 989ھ میں قید کر دیا تھا۔ بنگالہ میں بغاوت ہوئی تو ابوالفضل کی سفارش پر ان کو 11 شعبان سے تقریباً دو ماہ قبل 17 جمادی الثانی 991ھ کو رہا کر کے بنگال بھیج دیا گیا تھا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ ص 246 پر سن 991ھ کے تاریخی واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"دریں سال از شہباز خان کہ بتقریب دلیری ہا اورا چند گاہے محبوس گردانیدہ بودند .... بوسیلہ شیخ ابوالفضل و حمایت اُو از بند بر آور دند " یعنی اسی سال کے دوران میں شہباز خان کو جسے بعض گستاخیوں کی وجہ سے قید کر دیا گیا تھا۔ شیخ ابوالفضل کے توسط اور اس کی حمایت سے قید سے رہائی ملی۔"

لیکن نواب مبارک علی خان لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل اور فیضی نے نواب شہباز خان کی دینداری سے تعصب اور حسد کی وجہ سے ناراض ہو کر بادشاہ سے اس کے حسب نسب دریافت کرنے کی گزارش کی تھی۔

3- مان سنگھ کو راجہ کا خطاب 995ھ میں اس کے باپ راجہ بھگوانداس کے انتقال کے بعد ملا جبکہ اس کا دادا راجہ بہارا مل 991ھ سے قبل ہی بستر علالت پر تھا۔ راجہ جگن ناتھ ان دنوں پشاور' کابل اور پنجاب کے معرکوں میں مصروف تھا۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی اس مجلس میں شریک نہ ہو سکتا تھا۔

4- خان اعظم مرزا کوکہ کو 990ھ میں بنگالہ کی گورنری پر مامور کیا گیا تھا۔ 991ھ میں اسی کی کمک کے لئے شہباز خان کو جیل سے رہا کر کے بنگالہ بھیجا گیا تھا۔

5- قلی خان محرم اور صادق خاں 991ھ میں بنگالہ میں تھے۔

6- معصوم خان فرنخودی نے 988ھ میں بغاوت کر دی تھی جس پر شہباز خان نے زبردست جنگ کر کے اسے شکست دی (آئین اکبری مترجمہ ایچ بلاکمین ص 38) اور ماہ رجب 990ھ میں بمقام آگرہ قتل ہو گیا (طبقات اکبری) 991ھ میں جس معصوم خان کی بغاوت کچلنے کے لئے شہباز خان کو بھیجا گیا تھا وہ معصوم خان کابلی تھا (آئین اکبری)

7- علی اکبر شاہی بہار کے جاگیردار میر معزالملک کا چھوٹا بھائی تھا۔ دونوں نے اکبر بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ بڑا بھائی میدان جنگ میں مارا گیا اور علی اکبر شاہی کو 988ھ میں عمر قید کی سزا سنا دی گئی تھی۔

8- شاہ بداغ خان 986ھ میں وفات پا چکا تھا۔ (طبقات اکبری)

9- قلیچ خان 991ھ میں سلطان مظفر گجراتی کے ساتھ بر سرپیکار تھا۔

10- قطب الدین خان شروع 991ھ میں سلطان مظفر گجراتی کے خلاف جنگ میں قتل ہو گیا تھا (طبقات اکبری)۔

11- خلاصہ کلام یہ کہ رسالہ مبارک کی فہرست میں درج بائیس امراء میں سے اکثر بوجوہ معلومہ 971ھ یا 991ھ میں مبینہ منعقدہ مجلس میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ نتیجہ واضح ہے کہ ایسی کوئی مجلس تحقیقات منعقد نہیں ہوئی تھی۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شہباز خان سے قبل تغلق، لودھی اور سوری خاندان کی حکومتوں کے ادوار میں کمبوہ حضرات بہت اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے تھے حتیٰ کہ اکبر بادشاہ کے عہد میں شیخ گدائی کمبوہ صدر الصدور (وزیراعظم جاگیرات) تھے پھر شہباز خان پر ہی یہ اعتراض کیوں ہوا؟

12- اب ان فرضی مجالس کی مبینہ تحقیقات کا جائزہ لیں تو یہ سب فرضی اور قیاسی ثابت ہوں گی۔ مثلاً کام بوج والئی ملتان کا وجود کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔

13- اس مجلس میں ایک "مؤرخ رومی کبیر سن جہاندیدہ" کا بھی ذکر ہے جس نے "تواریخ عراق و عجم و عرب" کا خاص حوالہ بھی دیا مگر حیرت ہے نہ تو دربار شاہی کے کسی واقعہ نویس کو اس کا نام معلوم ہو سکا نہ اکبر نامہ اور طبقات اکبری میں ایسے کسی مؤرخ کا ذکر آیا ہے اور نہ ان تواریخ کے نام بتائے گئے جن کا اس نے

حوالہ دیا۔ ایسے مجہول الاسم شخص کی دربار اکبری میں رسائی کیونکر ممکن ہوئی؟

14- سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کی کسی بیٹی کا نام اُمّ سلمہ نہ تھا ان کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام امامہ تھا اس کی شادی عمرو بن ابی سلمہ سے ہوئی تھی۔

15- حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں ملک فارس مکمل طور پر فتح ہو چکا تھا۔ مہمات پر جو لشکر متعین ہوتے تھے ان کے سپہ سالاروں کے علاوہ دوسرے سرکردہ صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی بھی تاریخ کی زینت ہیں۔ مسلمانوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور قابل ترین جرنیل موجود تھے مثلاً جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابن وقاصؓ سپہ سالار تھے۔ اور حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے عظیم صحابی اس میں شامل تھے۔ نواب مبارک علی خان کے مبینہ "پسر کلاں عبداللہ بن زبیر" کے دادا ضرور فارس کی فتح میں شامل تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی اپنی عمر اس وقت بیس سال کی تھی۔

16- مؤلف رسالہ مبارک نے عمداً" یا سہواً" یا بوجہ کم علمی لکھا ہے "بیچ خلافت حضرت عمرؓ امیر المومنین حضرت علیؓ نے پسر کلاں عبداللہ بن زبیر کو تسخیر فارس کے لئے متعین فرمایا"" عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ (الف) امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت علیؓ امیر المومنین نہ تھے (ب) فوج کا سپہ سالار مقرر کرنا حضرت علیؓ کی ذمہ داری نہ تھی (ج) اتنی بڑی مہم ہو اور سپہ سالار کے نام تک کا علم نہ ہو - "پسر کلاں" نام کے شیرخوار بچہ کو فارس کی فتح کے لئے نامزد کرنے کا دعوی صرف بچگانہ حرکت کہی جا سکتی ہے۔ (د) حضرت عمرؓ کے پاس ہر چھوٹے بڑے معرکہ کی ایک ایک دن کی مفصل رپورٹ پہنچتی تھی اسی کے مطابق احکام صادر ہوتے تھے۔ (ہ) جب حضرت سعدؓ مدائن کی طرف بڑھ رہے تھے تو دریائے دجلہ حائل ہوا۔ آپ نے بلا تامل گھوڑا دریا میں ڈال دیا پوری فوج نے پیروی کی تو ایرانی یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور اطاعت قبول کر لی۔ ان مہمات کی تفصیل اور اہمیت کا اندازہ باب ہشتم میں ملاحظہ فرمائیے۔

17- مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا وہ اپنے ایرانی غلاموں سے فارسی میں بات کیا کرتے تھے پس یہ کہنا کہ

"عبداللہ بن زبیرؓ نے لوگوں سے کمگو کا مفہوم دریافت کیا" ناقابل تسلیم ہے نیز ایک عالی نسب قریشی صحابی اور خلیفتہ المسلمین کا اپنی اولاد کے لئے قریشی کی بجائے کمگو جیسا عامیانہ اور عجمی لقب اختیار کرنے کی اجازت دینا قطعاً" لغو ہے۔

18- ہزاروں عرب فارسی اور بیشمار اہل ایران عربی بولتے اور سمجھتے تھے حضرت عمرؓ کے عہد کے بیس پچیس مفتوحہ ایرانی علاقوں میں کسی جگہ زبان کا مسئلہ پیش نہیں آیا۔ نواب مبارک علی خان کے بیان کردہ دودھ پیتے بچہ سپاہ سالار اور اس کی فوج کی زبان سمجھنے کے لئے کیا عرب' عراق' شام کے بجائے' دیار روم سے ہی ترجمان آ سکتا تھا؟

امید ہے ان تصریحات سے مدعیان زبیریت کی تشفی ہو گئی ہو گی۔ اہل یو پی کا سنجیدہ' ذی فہم اور صاحب بصیرت طبقہ اس دعویٰ کے کھوکھلا پن کو محسوس کرتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ چشتی' نظامی' قادری وغیرہ کی طرح وہ بھی اپنے پیرو مرشد کی نسبت سے زبیری کہلاتے ہیں۔ (21)

---

(21) کمبوہوں کو زبیری بنانے کا شوشہ حکیم عنایت حسین اور نواب مبارک علی خاں نے چھوڑا تھا۔ مگر ان دونوں حضرات نے اپنے نام کے ساتھ کبھی زبیری نہ لکھا ہمیشہ کمبو یا کمبوہ لکھتے رہے۔ پنجاب کے بعض حضرات جو اپنے نام کے ساتھ زبیری لکھ رہے ہیں۔ ابنائے ابن زبیرؓ ہونے کا دعوی نہیں کرتے۔ لفظ زبیری کے استعمال کی بڑی وجوہات یہ بتاتے ہیں۔

(i) لفظ زبیری میں ایک خاص جاذبیت ہے اسے استعمال کرنے والے میں برتری کا غیر شعوری احساس بیدار ہوتا ہے۔

(ii) جن پنجابی کمبوہوں کا رابطہ یوپی بالخصوص اضلاع میرٹھ' امروہہ اور علی گڑھ کے صدیقی' زیدی' نقوی وغیرہ سے ہوا انہوں نے ان کو زبیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔ لفظ میں دلکشی تھی۔ اپنا لیا۔

(iii) مشرقی پنجاب سے غیر کمبوہ طلبہ تحصیل علم کے لئے علی گڑھ جاتے تھے تو ان کو رجسٹرار اور پروفیسروں کے علاوہ یونیورسٹی کے دوسرے عملہ میں بھی اکثر زبیری نظر آتے تھے جب وہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے علاقوں میں کمبوہ دوستوں سے ملتے تھے تو ان کو مسٹر یا چوہدری کی بجائے زبیری کہہ کر پکارتے تھے۔ جس سے یہ لفظ ان پنجابی کمبوہوں میں بھی رواج پا گیا۔ یوپی کے غیر متعصب زبیری حضرات پنجاب کے کمبوہوں سے برادرانہ اخلاص اور عمدہ اخلاق سے ملتے ہیں۔ راقم کو اس کا ذاتی تجربہ ہے۔

(iv) اب زبیری کا لفظ کمبوہ قوم کی شناخت بن چکا ہے اسے ترک کرنا ناممکن ہے۔ تعلیمی ریکارڈ' شناختی کارڈ' پاسپورٹ' ملازمت کے کوائف' دوست احباب' ہمسایہ اقوام' سب جگہ بنیادی وجہ کی کھوج میں پڑے بغیر زبیری کا لفظ استعمال ہو رہا ہے۔

آخر میں رسالہ مبارک میں مذکور نسب نامہ پر غور فرمایئے لکھا ہے:
"شہباز خان بن صدر الدین بن شیخ بہاؤ الدین کہ اکابر روزگار سے تھے ..." الخ
رسالہ مبارک ص 9 پر شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کو واضح الفاظ میں کمبوہ ظاہر کیا گیا ہے۔ لیکن التباس پیدا کر کے فرار کی راہ اس طرح رکھ لی گئی کہ شیخ بہاؤالدین سے آگے شجرہ نسب میں تبدیلی کر دی تاکہ کہا جا سکے کہ شہباز خان کے دادا بہاؤالدین زکریاؒ نہیں بلکہ ایک اور بزرگ ہیں جو اکابر روزگار میں سے تھے لیکن اس عہد کے علما' صوفیا و اولیا میں کسی دوسرے بہاؤالدین کا ذکر نہیں ملتا۔

ضمناً" یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ لودھیوں اور مغلوں کے عہد میں بیسیوں ذی مرتبت کمبوہ حضرات مثلاً شیخ سماء الدینؒ، شیخ جمالی، شیخ عبدالحی حیاتی، شیخ گدائی، مفتی محمد اکرم خان، حتیٰ کہ خود شہباز خان کے نام کے ساتھ بالالتزام لفظ کمبوہ استعمال ہوتا تھا۔ کسی نے قریشی یا زبیری ہونے کا اشارہ تک نہیں دیا۔ کمبوہ بذات خود ملک کی معزز ترین اقوام میں شمار ہوتے تھے۔

آئین اکبری میں بھی شہباز خان کا ذکر موجود ہے مگر نواب مبارک علی خان کی خودساختہ تحقیق کا کوئی ذکر نہیں۔ آئین اکبری مترجمہ بلاکمین (H.Blochmann) ص 436 پر مرقوم ہے "شہباز خان کے اجداد کی چھٹی پشت میں بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ کے ایک مرید حاجی اسماعیل تھے۔ یہ خاندان نقل مکانی کر کے ملتان سے لاہور آ گیا تھا۔ اس لئے شہر اللہ شہباز خان لاہوری کہلائے" اس بیان کی اکبرنامہ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

آخر میں ہم دو اہم اقتباسات پیش کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ پہلا اقتباس ایک کمبوہ بزرگ کے خط سے ہے اور دوسرا یو پی کے کمبوہوں کے پیر و مرشد کی مؤلفہ کتاب سے ماخوذ ہے۔

(1) جناب احمد الدین مارہروی ماہر تعلیم' اعلیٰ پایہ کے ادیب اور تاریخ دان ہیں ان کے مضامین اردو ڈائجسٹ میں اکثر چھپتے رہے ہیں آپ کراچی کی زبیری ایسوسی ایشن کے سرپرست ہیں راقم مؤلف کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:
"کمبوہ تحریک کی ابتداء 1933ء سے ہوئی میں ابتدا ہی سے اس سے منسلک رہا تین

سالانہ کانفرنسیں ہوئیں شجرہ وغیرہ مرتب ہوا پاکستان بن گیا۔ محفل تتر بتر ہو گئی۔ کمبوہ زبیری بننے لگے بلکہ بن گئے۔ اب اس وقت ان کا ایک گروپ ان یو پی والوں کا ہے جو تاریخ سے بالکل ناواقف ہونے کے باعث اپنے آپ کو آپ لوگوں سے جدا سمجھتا ہے انہیں اس کا مطلق احساس نہیں کہ سکھوں کے دور میں مسلمان امراء' زمینداروں اور صاحب ثروت لوگوں کی کیا درگت بنی۔ اب پھر تحریک میں جان پڑی ہے زبیری ایسوسی ایشن قائم ہو گئی ہے میں زبیری ہونے سے منکر ہوا کیونکہ سن 33ء سے آج تک کھوج کے بعد اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس پر مجھے آپ کی انجمن (کمبوہ ایسوسی ایٹس) یاد آئی۔ آپ کے ہاں بھی اسی طرح کی حماقت ہوئی کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو راجہ کمبوج کی نسل قرار دیکر یوپی کے کمبوہوں سے ناطہ توڑلیا۔" (نوائے کمبوہ شمارہ 7)

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ آخری مغل بادشاہوں کی کمزوری کے باعث سکھ لٹیروں نے میرٹھ' سہارنپور' علی گڑھ وغیرہ میں بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ جہاں تک پنجابی کمبوہوں پر راجہ کمبوج کی نسل سے ہونے کا الزام ہے یہ شوشہ بھی نواب مبارک علی خان کا چھوڑا ہوا ہے ورنہ کمبوہ پنجابی ہوں یا یو پی کے بنگال کے ہوں یا سری لنکا کے' سب ملک کمبوج واقع شمال مشرقی افغانستان کے ان آریاؤں کی اولاد ہیں جن کی شاخیں ایرانی' افغانی' پختون اور تاجک ہیں۔

(2) یاد رہے کہ زبیری لفظ کی ابتدا مارہرہ سے ہوئی۔ مشہور صوفی بزرگ میر عبدالجلیل بلگرامی کا مزار امروہہ میں ہے ان کے پوتے شاہ برکت اللہ امروہہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ امروہہ کے اکثر خاندانوں کی طرح کمبوہ بھی اس سید خاندان کے مرید تھے۔ شاہ برکت اللہ کے پوتے شاہ حمزہ نے اپنی تالیف 'کاشف الاستار' کے آخری باب میں مارہرہ کے حالات میں وہاں کے باشندوں اور خاص کر کمبوہ خاندان اور ان کے حسب نسب کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

(ترجمہ) فقیر مارہرہ میں مقیم ہے یہاں کے باشندوں کے احوال اس موقع پر لکھتا ہے۔ اس شہر میں عمدہ محلہ کمبوہوں کا ہے جس میں قانون گوئی' چوہدرایت چلی آتی ہے ... کمبوہوں کی یہ قوم زمانہ قدیم سے ملتان اور اس کے نواح میں سکونت پذیر رہی ہے وہاں سے منتشر ہو کر مختلف مقامات پر آباد ہو گئی ہے چنانچہ شہر میرٹھ' شاہجہان آباد'

سنبھل، بریلی، کول (موجودہ علی گڑھ) مارہرہ، دھولپور وغیرہ میں آباد ہے۔ ان میں سے ایک گروہ شروع میں مخدوم بہاؤالدین زکریاؒ اور ان کے فرزند صدر الدین قدس سرہٗ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور اس وقت تک ملتان میں ہندو کمبوہ بھی ہیں لیکن ان کے اطوار نہایت پسندیدہ و شریفانہ اور فہم و فراست ان کی ذات کے ساتھ لازم ہے۔ رشتہ داری کا تعلق اور نکاح کی رسم اپنی قوم سے باہر دوسری جگہ نہیں کرتے"۔

مارہرہ کے کمبوہ بھائیوں کے پیرو مرشد کی یہ تحریر جو تقریباً تین سو سال پرانی ہے انیسویں صدی میں کیئے گئے مریدوں کے دعویٰ کے مقابلہ میں یقیناً" زیادہ مستند، زیادہ معتبر اور ناقابل تردید ہے۔ حاشا وکلا ہمارا مقصد زبیری کمبوہ بھائیوں کی تضحیک یا توہین نہیں بلکہ یہ تمام زحمت اس امید پر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو وہ حقائق کو پہچان کر اپنے بھائیوں سے ملنے میں عار نہ سمجھیں۔

کیا کمبوہ اور ارائیں ایک قوم ہیں ؟: اس ضمن میں کچھ ذکر باب اول میں آ چکا ہے ذیل کا مضمون رپورٹ ہائے مردم شماری اور متعلقہ کتابوں کے مضامین کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے پنجاب کے وسطی اضلاع خاص کر لاہور، شیخوپورہ، قصور، اوکاڑہ، ساہیوال وغیرہ میں بعض لوگ غلطی سے کمبوہوں کو ارائیں ہی سمجھتے رہے ہیں۔ اس غلط سوچ کا باعث مندرجہ ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں۔

1- دونوں قوموں کا زیادہ تر پیشہ کاشتکاری ہے۔ دونوں نہایت محنت سے چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی سے بھی مناسب معاش حاصل کر لیتے ہیں۔
2- دونوں قوموں کے رسم و رواج اور طرز معاشرت تقریباً" ملتے جلتے ہیں۔ جسمانی ساخت اور شکل و صورت کے لحاظ سے ان میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔
3- محکمہ مال کے کار پردازوں کی لاعلمی کی وجہ سے کاغذات مال میں کمبوہوں کو اکثر ارائیں لکھا جاتا رہا۔ چونکہ اراضی کی ملکیت کے معاملہ میں ذات کی تبدیلی بڑی مشکلات کا سبب بنتی ہے اس لئے بہت سے کمبوہ مجبوراً" خود کو ارائیں یا کمبوہ ارائیں کہلانے لگے۔
4- بعض کمبوہ تعلیم کی کمی اور بعض احساس کمتری کے باعث خاص کر ارائیں اکثریت کے علاقوں میں اپنی قوم کا نام ارائیں ہی بتانے لگے جس سے ان کا ذاتی

تشخص ختم ہو کر رہ گیا۔

5- اسی طرح بعض علاقوں میں ارائیوں کو کمبوہ قوم کی ذیلی شاخ تصور کیا جاتا رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں قومیں ہم پیشہ ہونے' طرز معاشرت میں یکسانیت اور شکل و صورت میں مماثلت کے باوجود بالکل الگ قومیں ہیں۔ ارائیں صرف ایک امن پسند کاشتکار کی حیثیت سے ہی دیکھے جاتے تھے جبکہ کمبوہ امن پسند کاشتکار ہونے کے علاوہ تجارت' فوجی ملازمت اور سرکاری اور نجی نوکریوں سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بیسیویں صدی میں ارائیں حضرات نے تعلیم' ملازمت' تجارت' صنعت' سیاست' غرض ہر شعبہ زندگی میں حیرت انگیز اور قابل رشک ترقی کر لی ہے وگرنہ مغلیہ سلطنت کے زوال تک تاریخ و تذکرات میں ہمیں کوئی نمایاں ارائیں شخصیت نظر نہیں آئی جبکہ لودھی' سوری اور مغل بادشاہوں کے عہد کے تذکروں میں کمبوہوں کا ذکر جا بجا موجود ہے۔ جنرل شہباز خان کی فوج میں اکثریت کمبوہوں کی تھی۔ دسویں صدی میں کمبوہ بنگال میں تقریباً نصف صدی تک حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ مخدوم سماء الدینؒ اور ان کا خاندان علم و فضل کا گہوارہ تھا۔ میر منشیؒ صدر الصدور' مفتی' مدار المہام' وزیر اعظم' صوبوں کے گورنر غرض بہت سے کمبوہوں کے نام تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔

ان دونوں قوموں کے متعلق انگریز افسران مردم شماری نے جو موشگافیاں کی ہیں وہ آج بے شک کافی حد تک ناقابل قبول اور مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہیں مگر اس میں ان کے خلوص نیت کا شک معلوم نہیں ہوتا' دیکھا جائے تو فی الحقیقت قصور کمبوہوں اور ارائیوں کے ان آباؤ اجداد کا بھی نہیں جن کو اپنی قومی تاریخ کا صحیح علم نہ تھا وہ لوگ صرف روایات اور سنے سنائے قصوں پر یقین رکھتے تھے۔ انہی معلومات کو انگریزوں نے اپنی تحقیقات کا منبع و سرچشمہ سمجھ کر رپورٹیں اور کتابیں مرتب کیں۔ اس وقت تک نہ ارائیوں کی کوئی مرکزی یا ضلعی تنظیم موجود تھی اور نہ کمبوہ بزرگوں نے اس طرف کوئی توجہ دی تھی۔ کسی اہل علم نے کوئی مستند تاریخ بھی نہیں لکھی تھی۔ ذیل میں دی گئی انگریز افسروں کی چند تحریروں سے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں قوموں کے افراد بھی اس معاملہ میں کوئی متفقہ نظریہ نہیں رکھتے تھے۔

پنجاب کاسٹس ص 194 پر مسٹر Steedman کا بیان نقل کیا گیا ہے جس کے مطابق "ارائیں' ملی' باغبان اور ملیار کا لفظ جھنگ اور راولپنڈی میں ایک ایسی ملی جلی قوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جو قوم کی بجائے پیشہ کو ظاہر کرتا ہے اور بڑی گھٹیا شہرت کے مالک ہے۔" ہم اس بیان کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔

"مظفر گڑھ اور ڈیرہ جات کے چند ہزار ارائیوں یا ملیاروں نے اپنے آپ کو جاٹ ظاہر کیا ہے۔" اسی طرح لیہ کے کمبوہوں نے اپنی ذات جاٹ بتائی ہے۔ مسٹر پر سر کا بیان ہے "منٹگمری (ساہی وال) کے ارائیوں کو اپنے اصلی حسب نسب کا کوئی علم نہیں ان کا دعوی ہے کہ وہ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ وہ عام طور پر مسلمان کمبوہ تصور کئے جاتے ہیں جو مغرب کی طرف سے یہاں آ کر آباد ہوئے" اسی وجہ سے ضلع ساہیوال میں یہ مشہور تھا کہ کمبوہ اگر ہندو یا سکھ ہو تو کمبوہ کہلاتا ہے اور اگر مسلمان ہو تو اسے ارائیں کہتے ہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں - "فیروز پور اور لاہور کے ارائیں اپنا اصلی وطن اوچہ اور ملتان بتاتے ہیں۔ اور خود کو کمبوہوں کے قرابت دار ظاہر کرتے ہیں" (وجہ غالباً" یہ ہے کہ ملتان کے کمبوہ جو بالعموم ملک کہلاتے ہیں شروع سے ہی علم و فضل اور جاہ و منزلت میں مشرف رہے ہیں اور ان سے مناسبت کو باعث فخر سمجھتے ہوئے یہ تاثر دیا گیا ہو گا۔

"سرسہ کے ستلجی ارائیں خود کو لاہور اور منٹگمری کے ارائیوں کی مانند سمجھتے ہیں حسب نسب (Origin) کے لحاظ سے ہندو کمبوہوں سے نسبت ملاتے ہیں" ص 195 پر مذکور ہے غالباً" دونوں قومیں فی الحقیقت ایک ہی ہیں جو مسلمان ہو چکی ہیں"۔

اسی صفحہ پر مسٹر برکلے جالندھر کے ارائیوں کے متعلق لکھتے ہیں "ان کو عام طور پر کمبوہوں کی اولاد سمجھا جاتا ہے" انہوں نے ایک اور عجیب بات لکھی ہے کہ "بعض ارائیں لوگ جو اس رشتہ (کمبوہوں کی اولاد ہونے) میں شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کمبوہ دادا کی صحیح النسب اولاد ہیں اور کمبوہ غیر صحیح النسب ہیں۔" پنجاب کاسٹس کے مرتب نے ان بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "یہ باور کرنے کی کئی وجوہات ہیں کہ ارائیں کمبوہوں کے ہم قوم ہیں۔"

ہمیں اس نتیجہ کو تسلیم کرنے سے اس لئے انکار ہے کہ اس قسم کے بیانات

ان پڑھ' جاہل اور اپنی آبائی تاریخ سے بالکل نابلد لوگوں سے سن کر ان کو تاریخی حقائق کے طور پر پیش کر دیا گیا تھا اسی لئے ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس قسم کے انگریز مصنفین کی اکثر روایات صداقت سے بعید ہوتی ہیں اور ساقط الاعتبار ہونے کی وجہ سے ان کو جھوٹ کا پلندہ کہنا بے جا نہیں۔

بہرحال یہ امر موجب اطمینان ہے کہ ارائیوں اور کمبوہوں کے ذی علم افراد نے اس طرح کے بیانات کو کوئی اہمیت نہیں دی اور آج بیسویں صدی کے آخر میں ماضی کی غلط فہمیوں کے باوجود دونوں قوموں کے عوام و خواص کسی شک و شبہ کے بغیر اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ ان کا ماخذ و منبع ایک نہیں ہے سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ کمبوہوں کی 136 اور ارائیوں کی 86 گوتوں میں سے دوچار کے سوا کوئی گوت مشترک نہیں۔ اس مشابہت کا سبب بھی مردم شماری افسران کی غلط رپورٹنگ ہو سکتا ہے۔ دوسری طرف کمبوہوں کی بہت سی گوتیں برہمنوں اور کھشتریوں سے ملتی ہیں جس سے ان کا آریہ قوم کی اعلیٰ تریں ذاتوں سے تعلق ناقابل تردید حقیقت ہے۔

کیا کمبوہ ایران کے شہنشاہ کمبوجیا دوم کی اولاد ہیں؟ تقریباً پون صدی سے پنجابی بالخصوص مسلمان کمبوہوں میں چوہدری وہاب الدین صاحب کی تاریخ کمبوہاں نہ صرف مقبول ہے بلکہ اس عظیم کارنامہ کو قومی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے ان کا وسیع مطالعہ لائق صد تحسین ہے ہم ان کی خدمات کے دل کی گہرائیوں سے معترف ہیں لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ نئی تحقیقات' جدید نظریات اور قابل اعتماد خیالات نے جنم لیا ہے۔ چوہدری صاحب کا احترام ہمارے دل میں لیکن ان کی ناقابل یقین اور قیاس پر مبنی ایک اہم تحریر سے اختلاف ہماری نوک قلم پر ہے۔ گو زیر عنوان نظریہ کا جواب پچھلے باب میں ڈاکٹر چٹوپادھیا کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے دیا جا چکا ہے لیکن چوہدری صاحب نے اپنے موقف میں جو رنگ آمیزی کی ہے وہ بالکل نرالی ہے۔

تاریخ کمبوہاں میں ص 28 تا 56 میں کمبوہ قوم کو کمبوجیا دوم کی اولاد ثابت کرنے کے سلسلہ میں چوہدری صاحب کی کہانی کا خلاصہ عرض ہے۔

کہانی کا عنوان ہے۔ "شہنشاہ کمبوجیا مورث اعلیٰ کمبوہاں"۔ ایران کا بادشاہ کمبوجیا مصر کی مہم پر گیا ہوا تھا کہ ایران میں بغاوت کی اطلاع پا کر وہ مراجعت فرمائے ایران

ہوا۔ اثنائے راہ ملک شام میں اس نے دل برداشتہ ہو کر خود کشی کر لی یہ بھی امکان ہے کہ اسے ہلاک کر دیا گیا ہو۔ دارا جو بلخ کا گورنر تھا فارس پر چڑھ دوڑا اور باغی گوماتا کو قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس سے کورس اعظم اور کمبوجیا کے قرابتداروں پر دنیا تنگ ہو گئی انہیں سر چھپانے کے لئے جائے پناہ تلاش کرنا پڑی۔ ملک کمبوج میں پہنچ کر جو اس زمانے میں اراکوسیا کہلاتا (22) ایک دشوار گزار جگہ اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا محفوظ و مامون مقام تھا قیام کیا کورس اعظم کی یہی اولاد کمبوجیا کی نسل سے کمبوج کہلائی۔ آگے چل کر ص 50 پر لکھا ہے۔ شام کے ملک سے ان کی واپسی نامناسب تھی کیونکہ ہمدان میں اور فارس میں ان کے لئے موت و مصیبت کے سوا کچھ مقدر نہ تھا اس لئے سوائے ملک چھوڑ دینے کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ تھا ص 52 پر مذکور ہے۔ ہجرت کے وقت اغلباً" کامبوجیا کی اولاد نے دونوں وسائل حمل و نقل استعمال کئے۔ یعنی کچھ حصہ قوم (23) براہ سمندر کشتیوں کے ذریعے وطن سے رخصت ہوا اور اکثر حصہ نے خشکی کے راستے ملک کو خیرباد کہا۔ جہازوں کے ذریعے سفر کرنے والا حصۂ قوم مرفہ الحال ہو گا۔ جو افراد ملت براستہ خشکی عازم سفر ہوئے اس حصۂ قوم کا پر صعوبت سفر یقیناً بے آباد اور اغلباً" خشک حصۂ ملک کے راستے ہوا ہو گا۔ شہنشاہ کورس کبیر مدتُ العمر ان جنگجو قوموں کے ساتھ مصروفِ پیکار رہا حتیٰ کہ خود بھی شہید ہو گیا۔ اس حصۂ ملک کے باشندے دیگر حصصِ ملک کی نسبت طاقتور' تنومند' جفاکش ہوتے ہیں۔ اس موجودہ وقت میں بھی یہاں کے رہنے والوں کو مغلوب اور زیر کرنا برطانیہ جیسی جابر اور قہار سلطنت کے لئے مشکل رہا ہے (24) کامبوجیا کی اولاد نے اسی حصۂ ملک میں آ کر قیام کیا۔ 'آہستہ آہستہ' یہاں کے باشندوں کو بے دخل یا مغلوب کر کے اس ملک پر اپنا کامل تصرف کر لیا۔ یہاں ایک زبردست سلطنت قائم کی جو کئی صدیوں تک قائم رہی۔

---

(22) اراکوشیا ملک کمبوج سے کافی دور جنوب میں الگ ملک تھا۔

(23) بہتر ہوتا کمبوجیا کی اولاد کی تعداد بتا دی جاتی تاہم ملک شام سے خلیج فارس تک پہنچتے پہنچتے یہ اچھی خاصی قوم بن گئی جس کے دو حصے ہو کر ہر حصہ الگ الگ فتوحات پر چل پڑا۔

(24) برطانیہ تو درکنار اس کوہِ گراں سے ٹکرا کر روس جیسی دنیا کی عظیم سپر طاقت بھی پاش پاش ہو گئی۔

اسی قوم کی وجہ سے اس زمانہ میں اس کا نام ہی کمبوج مشہور ہو گیا۔ (25) ص 53-
شہنشاہ دارا کو کامبوجیوں کی موجودگی میں اپنی بادشاہت کا قیام مخدوش نظر آتا تھا چنانچہ اس نے اس قطعہ ارضی پر حملہ کیا اور کمبوہوں پر تشدد کیا۔ اسی جبر و تشدد سے مجبور ہو کر کچھ خاندان دریائے سندھ کو عبور کر کے مغربی پنجاب میں آ داخل ہوئے دارا نے ان کا تعاقب بھی لازمی تصور کیا۔ شہنشاہ دارا کو جب یہ معلوم ہوا کہ مطلوبہ افراد پنجاب میں جا داخل ہوئے ہیں تو اپنے جنرل سکائی لیکس کو ان کے تعاقب کا حکم دیا جس نے وادی سندھ تک ان لوگوں کا تعاقب کر کے ان کو مغلوب کیا کچھ حصہ قوم ان کا مطیع ہو گیا کچھ پریشان و منتشر ہو گیا (26) لیکن داریوش کو ہندوستان فتح کرنے کی خواہش نہ تھی۔ بلکہ درحقیقت وہ شہنشاہ کامبوجیا کے خاندان میں سے دعویداران سلطنت سے مخلصی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ مغلوبیت عارضی تھی اور تھوڑے عرصہ کے بعد کمبوج نے آزاد ہو کر آہستہ آہستہ اپنی ریاست کو مضبوط اور وسیع کر لیا (27) ص 85 پر خلاصہ کلام ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے "قصہ مختصر ان واقعات و شواہد پر یہ بات مؤثق طور پر قابل یقین پائی جاتی ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ولادت سے صدیوں پیشتر کمبوہ قوم کی ایک زبردست سلطنت موجودہ افغانستان اور سرحدی علاقے 'کوہ سلیمان' کوہستان ہندوکش میں موجود تھی۔ جو اس قوم کے نام پر سلطنت کمبوج کہلاتی تھی۔ عروج کے زمانہ میں اس کی حد کشمیر کے شمال اور سمرقند وغیرہ مقامات میں مغربی ترکستان تک پہنچ گئی تھی۔ اس سلطنت کا ذکر ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں آیا ہے اسی سلطنت کی

(25) آفرین ہے اس "اولاد کمبوجیا" پر کہ اس کے مورث اعلیٰ نے تو بغاوت کی خبر سن کر ہی خود کشی کر لی مگر اس نے اس نوع کے سخت جان اور جنگجو لوگوں پر اپنا کامل تصرف حاصل کر لیا۔ یہاں ایک بات صراحت طلب ہے کہ جس طرح پہلے کمبوجیا کی اولاد کی تعداد ظاہر نہ کی گئی تھی اب اس عدیم المثال فتح، پھر فرار اور مغلوبیت اور دوبارہ حصول سلطنت کا عرصہ بھی نہیں بتلایا گیا۔

(26) یہ ناممکن ہے کہ دارا جیسے عظیم فاتح نے اپنے "دشمن دعویداران سلطنت" کو اتنی طویل مہلت دی ہو کہ وہ "آہستہ آہستہ" افغانستان جیسے ناقابل تسخیر ملک کو فتح کر سکیں اور پھر جب وہاں سے نکال کر پنجاب بلکہ وادی سندھ تک تعاقب کیا تو بھی ان کو ختم نہ کر سکا۔

(27) گویا اس بے سروسامان "پریشان و منتشر" اولاد کمبوجیا نے فرار کے بعد پھر افغانستان کو فتح کر کے نہ صرف اپنی سلطنت قائم کی بلکہ اسے وسیع کر لیا۔

طاقت و قوت کو بطور ضرب المثل سنسکرت لٹریچر میں (28) اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور انہیں کی اولاد موجودہ بدبخت و بدنام کنندگان قوم "کمبوہ" کہلاتی ہے۔" (29)

اس کہانی کا اصل تاریخی حالات سے جو تعلق ہے ان حقائق سے قارئین کی آگاہی کیلئے ہم ہخامنشی خاندان، کورس کبیر، کمبوجیا دوم اور دارا کے حالات پیش کرتے ہیں۔

---

(28) مگر ایرانی ادب میں اس پر ہیبت سلطنت کا کہیں ذکر نہیں اس سلطنت کی جو حدود بیان کی گئی ہیں وہ بھی مبالغہ کی حدود پھلانگ گئی ہیں۔

(29) قومی تاریخ کے مایہ ناز محقق ڈاکٹر جیالال کمبوج کا تبصرہ ہمارے خیال میں بہت متوازن ہے وہ لکھتے ہیں "جناب وہاب الدین کمبوہ نے اپنی رائے ان کتب کے حوالہ جات کی بنیاد پر کھڑی کی ہے جو اس صدی کے آغاز میں لکھی گئی تھیں تاریخ میں جدید ریسرچ اور نئی معلومات نے متعدد پرانے خیالات کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ اور نئی تھیوریوں کا آغاز ہو گیا ہے مصنف نے اپنے عالم شباب میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کتاب کو لکھا تھا لیکن اب یہ کتاب پرانی پڑ چکی ہے۔ میں ان کی اس رائے سے متفق نہیں ہوں کہ کمبوج شہنشاہ ایران کمبوجیا کی اولاد ہیں۔ اور مہابھارت وغیرہ کتابوں میں کمبوجوں کے حالات بعد میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اس کتاب کا وہ حصہ جس میں جنگ عظیم کا ذکر ہے اس کا Kernel (مغز۔ اصل روح) ہے جسے چھٹی صدی قبل از مسیح سے بعد کا لکھا ہوا نہیں مانا جا سکتا۔ جنگ میں 18 اکشواہنی افواج کی شمولیت کا ذکر ہے۔ ایک اکشواہنی فوج شکوں، یونوں اور کمبوجوں کی تھی۔ جسے لے کر سودکھشن کمبوج نے جنگ مہا بھارت میں شمولیت کی تھی۔ سودکھشن کمبوج اور کمبوجوں کو جنگ مہابھارت میں حاصل درجہ اور ان کی بہادری کی تعریف سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کی جنگ مہابھارت میں موجودگی بعد کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔ کمبوجیا کے والد کوروش (Cyrus) کی تو آشوک قوم کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ جسے مورخ کمبوج جاتی ہی تسلیم کرتے ہیں۔ آٹھویں صدی قبل از مسیح کے یاسکا چاریہ نے اپنے گرنتھ نروکت میں کمبوجوں کو دوسری سب کھشتری جاتیوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔"

اور بھی بہت سے ثبوت ہیں جن کی بناء پر یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کامبوج شہنشاہ کمبوجیا کی اولاد نہیں ہیں اور نہ ہی وہ ایران کے قدیم باشندہ ہیں۔ جناب وہاب الدین صاحب نے آریوں کو بھی عرب اور عراق کے قدیمی باشندے بتایا ہے۔ یہ تھیوری بھی اب پرانی ہو چکی ہے"۔ (مکتوب مورخہ یکم اکتوبر 1984ء)

ساتویں صدی قبل مسیح کے آغاز سے تھوڑا پہلے وسط ایشیا سے بنجارہ قسم کے جو آوارہ گرد قبائل افغانستان اور ایران میں وارد ہوئے ان میں پارسا نامی ایک قبیلہ کے سردار ہخامنش نے ایران میں پاؤں جمانے کے بعد اپنے پڑوسی قبائل کرو' کمبوج اور شک وغیرہ کی مدد سے اپنے ارد گرد کے کافی علاقے پر قبضہ کر لیا اور ہخامنشی سلطنت کی بنیاد رکھی اس کے بیٹے چشپائش نے بھی ان پڑوسی قبائل سے تعلقات استوار رکھے اور ہخامنشی سلطنت میں مزید توسیع کی۔ کہا جاتا ہے کہ احسان مندی اور تشکر کے طور پر اس نے اپنے پوتے کا نام کاموز یا کمبوجیا رکھا یہ رائے درست ہو یا غلط یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہخامنش سے پہلے بھی مملکت کمبوج اور یہاں بسنے والی قوم کمبوہ یا کمبوج نہ صرف موجود تھی بلکہ اچھی خاصی فوجی اہمیت کی حامل تھی۔ کورس دوم جو کمبوجیا اول کا بیٹا اور کورس اعظم یا کورس کبیر کے نام سے معروف ہے تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے گردونواح کے علاقوں کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا ارادہ کیا بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ کمبوجوں سے لڑتے ہوئے مارا گیا تھا (تفصیل باب ششم میں) مگر دوسرے مؤرخین کی رائے ہے کہ وہ کمبوج اور گندھارا فتح کر چکا تھا اور سیتھین قبائل سے جنگ میں قتل ہوا تھا۔ تاریخ ایران کی رو سے کورس کبیر کا بیٹا کمبوجیا اور بھتیجا دارا ملک کمبوج پر حملہ میں شامل تھے۔

بہرکیف سیتھین قبائل ہوں یا کمبوج جس قبیلہ سے بھی ایرانی فوج برسرپیکار تھی کمبوجیا دوم نے اسے زیر کیا اور مصر کی مہم پر روانہ ہو گیا۔ دارا اس مہم میں اس کے ہمراہ تھا۔ مصر' لیبیا اور سوڈان کی فتح کے بعد وہ حبشہ کی تسخیر کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ ایران میں بغاوت کی اطلاع ملی (30) دارا کی شاندار فوجی خدمات کے صلہ میں کمبوجیا نے اسے اپنا معتمد خاص اور فوج کا سپہ سالار مقرر کیا تھا۔ دارا کے مشورہ پر کمبوجیا نے فوری مراجعت کا حکم دیا۔ ابھی وہ شام میں ہی تھے کہ گھوڑے کی سواری کرتے

---

(30) یہ اطلاع کمبوجیا کی بیوی فیدم بنت اوتانس نے اپنے خاوند کو مصر پہنچائی تھی۔ گوماتا خود کو کمبوجیا کا بھائی بردیہ ظاہر کرتا اور ہمیشہ نقاب پوش رہتا تھا راز فاش ہونے کے خوف سے اس نے فیدم کو اس کے کمسن بچوں سمیت شاہی محل میں قید کر دیا تھا۔

ہوئے کمبوجیا کی ران میں خنجر کا ایسا زخم لگا جو مہلک ثابت ہوا۔ دارا اپنے محسن اور چچا زاد بھائی کی نعش لے کر فارس پہنچا پورے شاہی اعزاز کے ساتھ اسے مگ متانہ (ہمدان) کے شاہی قبرستان میں دفن کیا اور اس کا مقبرہ بنوایا۔

ادھر کمبوجیا کے مرحوم بھائی بردیہ کے بھیس میں باغی گوماتا نے ایرانی افواج کی آمد کی خبر سن کر راہ فرار اختیار کی مگر سلطنت کے استحکام کے لئے گوماتا کا استیصال ضروری تھا اس لئے کمبوجیا کی تکفین و تدفین سے فارغ ہوتے ہی دارا نے تعاقب کر کے بغاوت کے سرغنہ گوماتا کو قتل کر دیا۔ بغاوت فرو کر کے دارا ایران کا بادشاہ تو بن گیا تھا مگر اس کے سامنے مصائب کے پہاڑ کھڑے تھے ایران کی حکومت ہمدان تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ کچھ قبائل اور ریاستوں کو گوماتا نے خراج لے کر آزاد کر دیا تھا باقی از خود باغی ہو گئے تھے۔ مصر کی طویل مہم کے بعد ایرانی فوج نئی مہمات کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے دارا نے چند ماہ آرام کرنے کے بعد کچھ تازہ دم فوج بھرتی کی اور یکے بعد دیگرے تمام باغی ممالک فتح کر لئے۔ اس کے بعد پنجاب اور سندھ فتح کر کے کورس اعظم اور کمبوجیا دوم کی فتوحات میں اپنا نام بھی روشن کیا۔ تاریخ کمبوہاں میں پروفیسر کاہن چند کے حوالے سے لکھا ہے "ایران کے بادشاہ دارا کو اپنی سلطنت بڑھانے کی دھن سما رہی تھی اول افغانستان اور بلوچستان پر ہاتھ مارا اور اپنی سلطنت میں شامل کر لیا پھر سکائی لیکس کو پنجاب کی طرف بھیجا اور وادی سندھ پر اپنا تسلط جما لیا"۔ آگے چل کر پروفیسر جیکسن کے حوالہ سے بیان کیا ہے "دارا کی حکومت بیاس تک وسیع ہو گئی تھی"۔

مگر ان حوالوں کے برعکس نتیجہ بالکل الٹ نکالا گیا ہے۔

'دی پرشین کنگز' ایران کی مستند تاریخ ہے۔ مصنف کمبوجیا کی وفات سے پیدا شدہ مشکلات اور دارا کی اولعزمی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے" ملک کا استحکام خطرے میں تھا۔ دارا ایک خطرناک گھڑی میں سربراہ مملکت بنا۔ کم تجربہ اور فوری فیصلہ نہ کرنے کی اہلیت اسے خوفناک صورت حال میں دھکیل سکتی تھی لیکن اسے درپیش مسائل کا سامنا کرنے کی پوری تربیت دی گئی تھی۔ آگے لکھا ہے۔

" When but twenty years of age he had been with Cyrus in the campaigns against the fierce mountaineers in the north-east and had there seen service in

war. He had accompanied Cambyses to Egypt, held high rank in the army, and became its chief at the end. He knew what war was in his day, and probably no man of the Achaemenians of his time had seen so much of the Empire.... He had all the personal prestige which blood could give and was careful in his inscriptions to make mention of his relationship with the reigning house, which had made Persia great and greatly feared (P. 89)

ترجمہ" (دارا) کی عمر ابھی صرف بیس سال تھی کہ اسے کورس کے ہمراہ شمال مشرق کے خونخوار پہاڑی لوگوں کے خلاف مہم میں شامل ہونا پڑا تھا وہاں اسے عملی جنگ سے واسطہ پڑا وہ کمبوجیا کے ہمراہ مصر کی مہم پر گیا تھا جہاں فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہا اور آخر میں اس کا سپہ سالار بن گیا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ اس کے زمانے میں جنگ کا مفہوم کیا ہے اس دور میں ہخامنشی خاندان کے کسی دوسرے فرد نے شاید معاملات سلطنت کا اس قدر گہری نظر سے جائزہ نہ لیا تھا۔ مزید براں اسے وہ تمام ذاتی قدر و منزلت حاصل تھی جو شاہی خاندانی خون اسے تفویض کر سکتا تھا اسی لئے وہ اپنے کتبوں میں اس فرمانروا گھرانے سے اپنی قرابتداری کا ذکر کرنے میں بہت محتاط تھا جس نے ایران کو نہ صرف عظمت بلکہ انتہائی ہیبت بھی عطا کی تھی۔"

The Behistun Inscription جلد دوم تا چہارم (کنگ اینڈ تھامپسن ایڈیشن) (ص 1 تا 3) ہخامنشی خاندان کی تفصیل میں دارا کی زبانی لکھا ہے "میرے خاندان سے آٹھ بادشاہ پہلے ہو چکے ہیں میں نواں ہوں"۔ اس فہرست میں ساتویں نمبر پر کورس کبیر اور آٹھویں پر کمبوجیا کا نام ہے اس کتبہ میں دارا نے کورس اعظم اور کمبوجیا دوم کی فتوحات کو وسعت دینے کے عزم کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ کمبوجیا کی مصر کی مہم کے دوران میں اس کے بال بچے اپنی ماں کے پاس ہگ متانہ (ہمدان) کے شاہی محل میں تھے اور دارا کی ہمدان واپسی کے بعد اس کی کفالت میں آ گئے تھے۔

مذکورہ بالا حالات و واقعات کی روشنی میں یہ نتیجہ کسی صورت اخذ نہیں کیا جا سکتا

کہ عظیم اور قدیم کمبوہ قوم کورس کے بیٹے کمبوجیا کی اولاد ہو سکتی ہے قارئین کو خود اندازہ ہو گیا ہو گا کہ کمبوجیا کی اولاد کا وجود محض فرضی اور قیاسی ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں: سرحد (واہگہ) کے اُس پار ہندو' سکھ اور مسلمان کمبوہ بہت بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ ان میں زمیندار' کاشتکار' صنعتکار' تاجر' ملازمت پیشہ اور سیاست دان (ممبران اسمبلی اور وزیر) سبھی شامل ہیں۔ امرتسر' جالندھر' کپور تھلہ' سلطانپور لودھی' لدھیانہ' سنگرور' (بشمول مالیر کوٹلہ اور سنام) پٹیالہ' انبالہ' کرنال' سہارنپور وغیرہ ان کے بڑے مراکز ہیں۔

کرپال سنگھ دردی ایک اچھے شاعر' نامور ادیب اور مستعد سماجی کارکن ہیں۔ اپنی سماجی خدمات کے صلہ میں بھارت کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ سے ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے امرتسر' جالندھر' پٹیالہ اور چنڈی گڑھ کی لائبریریوں میں گھنٹوں بیٹھ کر سینکڑوں کتب کی ورق گردانی کی۔ بقول ان کے کئی سال تک اپنی صحت کے خیال سے بے نیاز ہو کر رات کے دو دو بجے تک پڑھنے لکھنے میں صرف کئے اور 365 صفحات پر مشتمل کمبوہ قوم کی ایک جامع تاریخ "ایہہ کمبوج لوک" مرتب کی جو ایک بہت بڑا کارنامہ ہے یہ کتاب جنوری 1979ء میں گورمکھی زبان میں شائع ہوئی ہے اور عمدہ معلومات کا ذخیرہ ہے۔ مشہور سکھ سیاستدان اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ پرکاش سنگھ بادل نے اس تالیف کو کمبوہ قوم کے لئے بڑی تاریخی اہمیت کی حامل قرار دیا ہے۔

چوہدری وہاب الدین نے کمبوجیا کی فرضی اولاد کی کہانی وضع کر کے اس سے ایک الگ کمبوج نامی ملک آباد کرایا تھا مگر کرپال سنگھ دردی اس جھنجھٹ میں نہیں پڑے۔ انہوں نے براہ راست ہخامنشی خاندان کو کمبوجوں کا ایک خاندان قرار دے کر معاملہ ہی ختم کر دیا۔ اس کتاب کے ص 78 سے 116 تک "کمبوجاں دی ایرانی سلطنت" کے زیر عنوان' ہخامنشی' کمبوج خاندان کا ذکر کیا گیا ہے اس سلسلہ میں انہوں نے میکڈانل' کیتھ' موجمدار' بدھ پرکاش' پوسلکار وغیرہ مصنفین سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے فارس کے تمام خاندانوں خاص کر مپسی' مرافی' ویروسائی' پنتھیلائی وغیرہ جو کھیتی باڑی کرتے تھے اور جنگجو قبیلوں ڈے' مروی' ڈراپیسی' سگرتی وغیرہ کو کمبوج ہی ظاہر کیا ہے۔

ص 94 پر لکھتے ہیں "یہ سارے خاندان کمبوج آریہ لوگوں کے تھے۔ انہوں نے

ایران میں آ کر مید قوم کی حکومت ختم کر کے اپنی حکومت قائم کی تھی"۔ ڈاکٹر این ایم جوشی اور ڈاکٹر فوجا سنگھ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "دارا ہخامنشی کمبوج خاندان کی اریار منس شاخ سے تھا اس طرح وہ کمبوجیا کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔ چونکہ بڑے شاہی کمبوج خاندان میں سے وہی تخت کا حقدار تھا اسلئے اسے ایران کے تخت پر بٹھلادیا گیا"۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دارا غاصب نہ تھا اور نہ کمبوجیا کی فرضی اولاد اس سے ڈر کر بھاگی تھی۔ ص 114 پر صنعت اور فن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہخامنشی کمبوجوں کی حکومت کے دوران میں فن بھی اپنے عروج کو پہنچ چکا تھا"۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ دردی صاحب کے اپنے بیان میں بھی تضاد موجود ہے مثلاً ص 79 پر لکھتے ہیں "کمبوج لوگ بھی آریہ لوگ ہیں۔ یہ کورو' کمبوج اور کچھ شکوں کے خاندان تھے جنہوں نے چشپائش (675 تا 640 ق م) کا ساتھ دیا اور نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنے بادشاہ کے نام کورس اور کمبوجیا رکھ لئے۔"

گویا مہمات میں مدد دینے کے صلہ میں بطور اظہار تشکر اپنی اولاد کے نام کرو کی مناسبت سے کورس اور کمبوج کے تعلق سے کمبوجیا رکھ لئے تھے۔ اس سے واضح طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کورس کمبوجیا وغیرہ کمبوہ نہیں تھے۔ کیونکہ احسانمندی قومیت بدلنے کا جواز نہیں بن سکتی۔

سرگباشی بشن سنگھ کمبوج ایک بزرگ قلمکار تھے انہوں نے بھی دردی کی طرح پونے چار سو صفحات پر محیط کتاب "کمبوج پرکاش" جولائی 1980ء میں شائع کرائی اگرچہ یہ کارنامہ بہت محنت' لگن اور قومی جذبہ کا مظہر ہے مگر کتاب کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ انہوں نے بعض جگہ تاریخ کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کر دیا۔ تعارف میں ڈاکٹر نربدا پرشاد لکھتے ہیں۔ "یہ تاریخی کتاب کمبوہ قبیلوں کے متعلق پوری معلومات فراہم کرتی ہے اس کے علاوہ ریسرچ سکالرز بھی اس کتاب سے بہت استفادہ کر سکتے ہیں۔"

بشن سنگھ جی نے دس صفحات کا ایک مبسوط دیباچہ لکھا ہے جس میں ایک طرح سے کتاب کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ دیباچہ وہ ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں۔ "یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ کمبوج مہارشی بھرگو (Bhirgu) کی بارھویں پشت سے ہیں اور ان کا قدیمی نام کمبو داہ تھا۔ کمبوہ اصلی آریہ' کھشتری اور برہمن ہیں اور اہل قلم بھی

ہیں۔ "کمبوج ملک کا نام کمبوجا سے وجود میں آیا۔"

ہماری دانست میں جو غلطی نواب مبارک علی خاں نے اپنا سلسلہ نسب حضرت زبیرؓ سے ملانے میں کی ہے اسی طرح کا فخریہ انداز یہاں اپنایا گیا ہے ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ کسی معروف شخصیت سے اپنی قوم کو بلاوجہ منسوب کرنے میں آخر کیا مصلحت ہے؟ البتہ دوسرے جملہ سے ہم کلی اتفاق کرتے ہیں کہ یہ منوجی کے دھرم شاستر کی متابعت میں ذات پات یعنی ورنوں کے قائل نہ تھے تلوار کے دھنی بھی تھے اور قلم کے بھی استاد تھے۔ یہ بات بھی محل نظر ہے کہ کسی کمبوجا نامی شخص کی مناسبت سے ملک کا نام کمبوج رکھا گیا ہو۔ اس کے لئے باب دوم میں وضاحت موجود ہے۔

بشن سنگھ کے مطابق "جنگ مہا بھارت کے وقت کمبوجوں کی تین سلطنتیں تھیں ایک ملک کمبوج جسے اب افغانستان کہتے ہیں یہ ایک جمہوریت تھی۔ دوسری اس کے شمال مغرب میں ایک بادشاہت تھی جسے راجہ سود کھشن کے بزرگوں نے قائم کیا تھا اور تیسری کشمیر کی جمہوریت تھی" انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "مہابھارت میں کمبوجوں کو بھدر کہا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ فہم و فراست میں بہت بلند اور حکمرانی میں دوسروں سے افضل تھے۔"

ہماری تحقیق کی رو سے کمبوہ ملک کمبوج کے قدیمی باشندے ہیں اور یہ جمہوریہ کوہ ہندوکش کے مغرب' افغانستان کے شمال مشرقی حصہ میں اور تاجکستان کے مشرق میں واقع تھی یہ علاقہ اب افغانستان کا حصہ ہے۔ شمال مشرقی افغانستان کے تاجک اسی کمبوہ قوم کے بھائی بند ہیں۔ دوسرے لفظوں میں تاجک اور کمبوہ ہم نسل ہیں۔

کمبوج پرکاش کے دیباچہ ص 3 پر مرقوم ہے "کمبوہ خاندان نے فارس پر 415 سال حکومت کی۔" ص 4 پر لکھا ہے "کابل میں ساٹھ پشتوں اور 1500 سال تک کمبوج راج چلتا رہا۔" اسی بیان کی مطابقت میں "پرشیا میں کمبوج سلطنت" کے زیر عنوان انہوں نے ص 43 سے 130 تک "کینی ئن" یعنی کیانی اور" ایکے مینین" یعنی ہخامنشی خاندانوں کے بادشاہوں کو کمبوہ بادشاہوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ فی الوقت ہمیں اس امر سے بحث نہیں کہ ان 88 صفحات میں انہوں نے اکثر تاریخی تسلسل قائم نہیں رکھا اور بعض رطب ویابس بھی بھر دیا گیا ہے بلکہ ہمارا اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے تصدیق کئے بغیر

غالباً" اس مفروضہ پر کہ لفظ کمبوہ "کے انبوہ" سے بنا ہے اور کمبوہ کیانیوں کا گروہ ہیں کیانی بادشاہوں کیقباد' کیکاؤس' کیخسرو' لہراسپ' اسفند یار وغیرہ کے قصے بیان کئے ہیں اسی طرح ہخامنشی خاندان کو کمبوہ تصور کر کے کورس اول' دوم' کیمبسز (کمبوجیا) اول' دوم اور دارا وغیرہ کے حالات پر بھرپور تبصرہ کرتے ہوئے ان کے عہد کے معاشی' معاشرتی' آرٹ' فن تعمیر وغیرہ پر بڑی دقیق محققانہ روشنی ڈالی ہے۔ ضمناً" ہم یہ بھی بیان کر دیں کہ انہوں نے بھی دارا کی تخت نشینی کا وہی واقعہ بیان کیا ہے جو دوسرے تاریخ دانوں نے لکھا ہے کمبوجیا کی کسی فرضی اولاد پر دارا کی فوج کشی کا کوئی ذکر نہیں۔ ملک میں بغاوت کی خبر سن کر کمبوجیا کی ایران کو مراجعت اور اثنائے راہ انتقال کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے "کیمبسز کی فوج کے بڑے جرنیل اور ہخامنشی خاندان کے شہزادہ دارا نے فوجوں کے ساتھ اپنے وطن کا رخ کیا تاکہ وہ بغاوت کو دبا سکے" انہوں نے دارا کو بھی کمبوج قوم کا بادشاہ لکھا ہے۔

ان خاندانوں پر تبصرہ کے بعد ص 131 سے 173 تک ساسانی خاندان کی تاریخ لکھی گئی ہے مصنف کے خیال میں وہ بھی کمبوہ تھے) ان میں اردشیر' شاپور' ہرمز' یزدگرد' فیروز' نوشیرواں (عادل)' خسروپرویز وغیرہ شامل ہیں (یہ وہی خسرو پرویز ہے جس نے سرور کائنات ﷺ کی طرف سے ارسال کردہ دعوت اسلام کا خط اپنے شاہی غرورونخوت کے سبب چاک کر دیا تھا اور پھر کچھ روز بعد اپنے ہی بیٹے کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا۔)

ناممکن تھا کہ بشن سنگھ جی ایران کے آخری بادشاہ کا ذکر نہ کرتے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ "آخر میں یہ بات بیان کرنے کے قابل ہے کہ 1979ء کے شروع میں ایران میں بادشاہ محمد رضا شاہ آریہ مہر پہلوی کمبوج کے شاہی عہد میں پھیلے ہوئے انقلاب کی وجہ سے اس کو اپنے عوام کو الوداع کہنا پڑا اور اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔"

بشن سنگھ کمبوج نے سالہاسال کی سخت محنت اور تگ و دو سے بے شمار گلستانوں اور سبزہ زاروں میں خوشہ چینی کر کے کمبوہ قوم کا دامن ان گنت اقسام اور رنگا رنگ کے دیسی بدیسی پھولوں سے بھر دیا۔ اگر کسی کو ان میں سے کچھ پھول پسند نہ آئیں تو اس میں سردار جی کا کیا قصور؟ ان کی بلند پروازی نے اپنی سرزمین کی فضاؤں کو اس

قدر نیچے چھوڑ دیا کہ ہم جیسے کوتاہ پروازوں کے لئے ان کے ہمراہی میں پرواز کرنا ممکن نہ رہا۔ گو تاریخی ثقاہت کلفذی گلدستوں کو سبدِ گل کہنے سے اجتناب کی رغبت دلاتی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قومی عصبیت انسان کو کہاں سے کہاں تک اڑا کر لے جاتی ہے۔ اجمالاً اس کا مشاہدہ بھی کر لیا جائے تو کیا ہرج ہے؟

کمبوج پرکاش ص 314 کا ایک عنوان ہے "افریقہ کے کینیا راج میں کمبوج" یہ ملک یوگنڈا' ٹانگانیکا اور سوڈان سے گھرا ہوا ہے۔ چائے کے باغات کے لئے مشہور ہے۔ لکھا ہے "یہاں کے بڑے قبیلوں میں نمائی' کامبا' کیکویو مشہور ہیں۔ کامبا وسطی کینیا میں رہنے والے زراعت پیشہ لوگ ہیں۔ 1960ء میں ان کی آبادی چھ لاکھ پندرہ ہزار تھی۔" گویا کامبا میں حروف ک' م' ب' کی موجودگی ان کو کمبوہ ثابت کرنے کے لئے کافی سمجھ لی گئی ہے۔

کتاب کے ص 316 سے 321 تک کے مضمون کا عنوان "یورپ میں کمبوج" ہے سردار صاحب کا مطالعہ واقعی نہایت وسیع اور ہمت قابل داد ہے انہوں نے کس کس بحر ذخار کی شناوری کر کے یہ درہائے آبدار نکالے ہوں گے قارئین بھی نظارہ فرمائیں۔

"سکندر اعظم یونانی نے 330 ق م کے قریب فارس کے ہخامنشی خاندان کا خاتمہ کر دیا جس کے نتیجے میں کمبوج لوگ پہاڑی علاقے میں پناہ لینے کے لئے کوہ ہندوکش کی طرف بھاگے کچھ لوگ ان پہاڑیوں کی اطراف میں آباد ہو گئے جن کو اب کافرستان کہا جاتا ہے کچھ تبت کی طرف بھاگ گئے امیر لوگ یورپ چلے گئے اور وہاں آباد ہو گئے۔" سردار صاحب نے یورپ میں آباد جن کمبوہ عمائدین کا بطور خاص ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

(1) "(جے کوئیس ریگس ڈے) کمبا سریس۔ وہ بہت بڑا سیاستدان اور قانونی ماہر تھا۔ فرانس کے مشہور ڈکٹیٹر نپولین بونا پارٹ کا مشیر خاص تھا۔ نپولین کی عدم موجودگی میں ملک فرانس کی سربراہی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ سینٹ کا چیئرمین تھا۔ اسے ڈیوک آف پرما کا خطاب ملا تھا" وغیرہ وغیرہ۔

(2) "جولیس کمبان (مارٹن) 1845ء میں پیدا ہوا۔ ماہر قانون فرانسیسی ڈپلومیٹ تھا۔ شاہی کونسل کا چیئرمین رہا۔"

(3) جوزف کامبان بہت بڑا تاجر تھا۔ انقلاب فرانس کو کامیاب بنانے کے لئے بہت

سرگرمی سے حصہ لیا۔ بہت بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہا۔ فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم کو اسی نے موت کی سزا سنائی تھی۔

(4) پال کمبان۔ 1843ء میں پیرس میں پیدا ہوا' یہ بھی بڑا ڈپلومیٹ تھا' ٹیونس کا ریذیڈنٹ منسٹر رہا' مذکورہ نمبر1 اور 3 حضرات کی فوٹوز بشکریہ کمبوج پرکاش شامل اشاعت ہیں۔

تاریخ بڑی جانکاہی' بیدار مغزی اور اصول پرستی کا کام ہے۔ خاص طور پر یہ ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے جب کسی قوم (Caste) کی تاریخ لکھنا مقصود ہو۔ ہمارے نزدیک تاریخ کے مسلمہ اصولوں سے روگردانی مہاپاپ ہے۔ کسی کے نام میں حروف ک م ب کا ہونا اس بات کی ضمانت نہیں کہ وہ لازماً" کمبوہ ہے اسی طرح کسی فرد کا نام کمبوہ خان یا قبیلہ کا نام کمبوہ خیل ہو تو اس کو بغیر تحقیق کمبوہ سمجھ لینا درست نہیں اگر تاریخی شواہد اور واقعاتی حقائق ہمارے نظریہ کی تصدیق اور تائید نہیں کرتے تو ہمارا مقصد اور نظریہ کتنا ہی ارفع اور اعلیٰ کیوں نہ ہو ہمیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کو توڑ مروڑ اور کھینچ تان کر اپنے مخصوص نظریہ پر منطبق کر لیں۔

لفظ کمبوہ کی املا۔ ایک شہنشاہ کی زبانی : لفظ کمبو کی تائید میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کا ایک لطیفہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ عہد عالمگیری میں محمد اکرم خاں کمبوہ دہلی کے مفتی تھے۔ یہ عہدہ چیف جسٹس کے برابر ہوتا تھا۔ شہنشاہ کا ایک منظور نظر غلام' عنبر' مفتی صاحب کے زہد و اتقا کی وجہ سے اکثر دیر تک انکی خدمت میں حاضر رہتا۔ حتیٰ کہ "از خدمتش جدائی شد" ایک موقعہ پر شہنشاہ نے از راہ خوش مزاجی فرمایا۔ "مفتی محمد اکرم عنبر مارا کمبو کردہ است۔"

مشک عنبر کی رعایت سے لفظ' کم بو' نے فقرہ میں کمال لطافت پیدا کر دی۔ اس ذومعنی لفظ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہمارے غلام عنبر کو کمبوہ بنا لیا ہے۔ اور دوسرا مفہوم ہے کہ ہمارے عنبر کی خوشبو ہمارے لئے کم کر دی ہے یعنی وہ اکثر ہماری خدمت سے غیر حاضر رہتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے یہاں لفظ کمبو کی بجائے ' کمگو' کنبویا کنبوی کہنے سے اس ذومعنی فقرہ کا نہ صرف لطف باقی نہیں رہتا بلکہ کوئی بات ہی نہیں بنتی۔

باب چہارم

فصل سوم

برادری سے تعلق کے اصول اور نوعیت

سچی عظمت کا معیار: بعض لوگ ذاتی خوبیوں سے معرا ہونے کے باوجود اپنی نام نہاد برتر و اعلیٰ حیثیت کی عمارت بزرگوں کی ہڈیوں پر تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص کی عظمت اس میں نہیں کہ اس کے آباؤاجداد کس قدر عظیم تھے بلکہ ہر شخص کا شرف اس کی اعلیٰ تعلیمی اور فنی قابلیت' اس کے اعمال صالحہ یعنی بلند اخلاقی اقدار' ذاتی محاسن' ملک اور قوم کی خدمت' عوامی مقبولیت' کاروباری اہلیت وغیرہ عوامل کا مرہون ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے والد آذر کی بت پرستی یا حضرت عکرمہؓ کو اپنے باپ ابوجہل کی جہالت اور اسلام دشمنی سے کوئی زک نہ پہنچی۔ کفروالحاد میں ملوث اولاد نوحؑ باپ کی پیغمبری کے باوصف طوفان میں غرق ہونے سے نہ بچ سکی۔ کیا کبھی خاندانی عظمت کے پرستار کسی شخص کو حضرت بلال حبشیؓ سے یہ پوچھنے کی جرأت ہوئی تھی کہ ان کے باپ دادا کون تھے؟ جبکہ عرب قبائل کے معزز ترین سردار بھی اس حبشی غلامؓ کو اپنا سردار سمجھتے تھے۔

اس موقع پر فرانس کے عظیم فاتح نپولین بوناپارٹ کا قول یاد آتا ہے' جرمنی کی فتح کے بعد وہ فریڈرک اعظم کی قبر پر گیا تو دیکھا فریڈرک کی تلوار قبر پر لٹک رہی ہے نپولین نے تلوار ساتھی جنرل کو دیتے ہوئے کہا "یہ پیرس کے عجائب خانے کی نذر کردی جائے" یہ سن کر جنرل نے کہا "اگر مجھ کو ایسی باعظمت اور تاریخی تلوار ملتی تو کبھی کسی اور کو نہ دیتا" نپولین نے برجستہ کہا "کیا میرے پاس میری تلوار نہیں ہے؟"

پس سچی عظمت اس میں نہیں کہ فریڈرک کی عظمت یافتہ تلوار لوگوں کو دکھائیں۔ سچی عظمت وہ ہے جو خود ہماری تلوار کو ہماری نسبت سے حاصل ہو۔ اگر ہمارے باپ دادا عرب کے قریش تھے' ایران کے بادشاہ تھے یا ملک کمبوج کے آریہ۔ اس سے ہماری آج کی نکبت یا عظمت کیونکر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے۔

ع۔ تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟

قائداعظمؒ کے آباؤاجداد ساہی وال کے راجپوت تھے' علامہ اقبال کے اجداد کشمیری برہمن تھے۔ نواب حافظ سر محمد احمد سعید خاں آف چھتاری انگریزی دور میں دو مرتبہ یوپی کے گورنر رہے ان کے بزرگ لال سنگھ اکبری عہد میں مسلمان ہوئے لیکن نواب صاحب کو کبھی اپنے لال خانی راجپوت ہونے پر ندامت نہیں ہوئی بلکہ ان کی بدولت لال خاں کا نام روشن ہو گیا۔ نواب وقارالملک کو کمبوہ کہلانے پر اصرار تھا۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد رکن انڈین پارلیمنٹ اور وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی اپنے ہندی الاصل ہونے کے معترف تھے اور 1946ء میں انہوں نے راقم کے نام ایک خط میں ایسی متفقہ قومی تاریخ لکھنے کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ جو جذبات کی بجائے حقائق پر مبنی ہو۔

معلوم نہیں ہمارے زبیری بھائی اپنی اصل سے ہٹ کر قریش سے ناطہ جوڑنے پر کیوں مصر ہیں؟ تدبر کا تقاضا ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہونے کی بجائے ٹھنڈے دل سے تاریخی صداقتوں کا سامنا کریں گزشتہ پچاس سال کے مقابلہ میں آج ایک بار پھر کمبوہ کہلانا باعث عزوافتخار ہے جس طرح آج اندرون ملک بالخصوص دیہات سے نکل کر کمبوہ لاہور' اسلام آباد اور کراچی جیسے شہروں میں آباد ہو رہے ہیں اسی طرح اسلامی عہد میں کمبوہ لاہور اور ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی' میرٹھ' سہارنپور' مارہرہ وغیرہ میں آباد ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سو ڈیڑھ سو سال پہلے علم و فضل اور جاہ و ثروت کے اعتبار سے اہل پنجاب کے مقابلہ میں یوپی کے کمبوہ فائق وبرتر تھے لیکن آج پنجاب کے کمبوہوں میں قحط الرجال نہیں فوج میں کرنل' بریگیڈیئر بلکہ لیفٹیننٹ جنرل تک' انتظامیہ میں کمشنر' ڈپٹی کمشنر' سیکرٹری' ایس ایس پی' ڈی آئی جی' آئی جی پولیس' سینکڑوں ممتاز قانون دان' عدالتوں کے جج اور بار کے عہدیداران' اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ایف آر سی ایس' ایف آر سی پی' ایف سی پی ایس وغیرہ ڈاکٹرز۔ دو سو کے قریب سول' الیکٹریکل' مکینیکل' کیمیکل' الیکٹرانکس انجینئرز' درجنوں پی ایچ ڈی سائنس دان' ماہرین تعلیم' یونیورسٹیوں کے پروفیسرز' کالجوں کے پرنسپل' بلدیاتی اداروں کے کونسلرز' ڈپٹی میئرز' ٹرانسپورٹرز' صنعتکار' زمیندار غرض ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے کمبوہ پنجاب میں موجود ہیں۔ سندھ میں آباد یوپی کے کمبوہ بھائیوں کے لئے پنجاب میں

خیر سگالی اور اخوت و مؤدت کا بے پناہ جذبہ موجود ہے اس کی وجہ محض خون کا وہ رشتہ ہے جس میں دونوں بندھے ہوئے ہیں ورنہ کوئی مفاد وابستہ نہیں۔

زبیری لفظ کی جاذبیت کا ایک حالیہ واقعہ پیش ہے۔ ایک اعلیٰ فوجی افسر کے نام کے ساتھ 'زبیری' لکھا دیکھ کر ہم نے تحقیق حال کے لئے محترم پیر مونس زبیری سے رجوع کیا انہوں نے جواباً لکھا جنرل صاحب فرماتے ہیں "مجھے لفظ زبیری پسند آگیا تھا اس لئے اپنا لیا ورنہ میرا کمبوہ قوم سے کوئی تعلق نہیں" دوسرا واقعہ راقم کے ایک ماتحت جونیئر آفیسر قریشی کا ہے ان کی شادی ایک معزز زبیری خاندان میں ہو گئی ایک مرتبہ (1970ء میں) کراچی میں چند روزہ قیام سے واپسی پر انہوں نے بتایا کہ سسرالی رشتہ دار نام کے ساتھ زبیری لکھنے پر اصرار کرتے ہیں۔

علمی تخلیق میں متانت اور محققانہ صلاحیت کی اہمیت: تاریخ کے موضوع پر لکھی گئی کتب کے بیانات کو بطور حوالہ (Reference) پیش کیا جاتا ہے بھارتی کمبوہ بھائیوں نے بڑی محنت کر کے Originality پیدا کی ہے ان کی نئی تحقیقات سے کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو مگر ان کی کتابیں غور و فکر کے لئے مواد (Food for thought) ضرور پیش کرتی ہیں۔ پاکستان میں واحد تاریخ کمبوہاں محترم چوہدری وہاب الدین کے جذبہ صادق اور انتھک محنت کا ثمر ہے مگر بقول ڈاکٹر جیالال صاحب بیسویں صدی کے شروع میں لکھی جانے والی اس کتاب کے بہت سے بیانات پر جدید تحقیق کی روشنی میں خط تنسیخ کھینچا جا چکا ہے۔

اب پاکستان میں اہل علم اور اہل قلم کمبوہ حضرات کی کمی نہیں۔ تحقیق و تدقیق کے لئے وسیع ذرائع اور وسائل بھی دستیاب ہیں جن کی مدد سے قومی تاریخ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ بعض تحقیق طلب نکات کی ہم نے نشاندہی بھی کی ہے۔ ہماری خواہش ہے ایسی تاریخیں مرتب کی جائیں جو تحقیقی مضامین کے لحاظ سے منفرد اور اعلیٰ معیار کی حامل ہوں۔ راقم مؤلف نے بساط بھر آغاز کر دیا ہے ہماری نئی نسل کے لئے موقع ہے کہ وہ وسیع مطالعہ' متوازن طریقِ استخراج اور مؤثر طرزِ استدلال سے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کرے۔ لکیر کے فقیر بننا' پرانی فرسودہ ڈگر سے چمٹے رہنا' جدید نظریات سے استفادہ نہ کرنا' سطحی علم پر قناعت کرنا وغیرہ ایسی کوتاہیاں ہیں جو ایک

ادیب' مصنف اور مؤرخ کے لئے وقت اور سرمایہ کے ضیاع کے علاوہ شماتت ہمسایہ اور اپنوں کو حرف گیری کی دعوت دیتی ہیں۔ اب زمانہ چربہ سازی اور نقل کا نہیں۔ کسی بھی واقعہ' بیان یا حوالہ کو ضبط تحریر میں لانے سے پیشتر پوری تصدیق کرنا اشد ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے پر جوش' جذباتی اور Over-zealous نوجوان طبقہ میں مبالغہ آمیزی اور ہر افواہ یا خبر کو بغیر تحقیق تسلیم کر لینے کا رجحان خاصا ترقی پر ہے۔ اس کی اصلاح متانت کا اولیں تقاضا ہے۔

کسی بڑے آدمی سے نسبی تعلق ظاہر کرنا: کسی قوم کا پردہ گمنامی میں مستور ماضی اسے ترقی کرنے سے نہیں روک سکتا اور نہ کسی کا شاندار ماضی اہلیت اور استحقاق کے بغیر اس قوم کے افراد کے کسی کام آ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہماری ایک ہمسایہ برادری جس کا دو ڈھائی سو سال قبل تک کسی تاریخ یا تذکرہ میں نام نہیں ملتا آج اپنی اعلیٰ صلاحیتوں' محنت اور تدبر کے باعث زندگی کے ہر شعبہ حتیٰ کہ حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی چھائی ہوئی ہے اس کے برعکس وہ مغل قوم جو سولھویں' سترھویں اور اٹھارہویں یعنی تین صدیوں تک پورے برصغیر ہندو پاکستان بلکہ رنگون (برما) سے کابل تک ایشیا کی سب سے بڑی حکمران قوم تھی۔ اس کے چشم و چراغ آج دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ ان کا کوئی سیاسی مقام ہے نہ بحیثیت مجموعی سماجی مرتبہ (Social Status) نظر آتا ہے۔

کسی ایسے بڑے آدمی سے اپنا نسبی تعلق ظاہر کرنا جو اپنے اجداد یا قبیلے سے نہ ہو ایسی مذموم حرکت ہے جسے نرم الفاظ میں احساس کمتری اور ذہنی افلاس کہا جا سکتا ہے ایک مثال ہم نواب مبارک علی خان کے رسالہ سے پیش کر چکے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا کراچی کے ایک بزرگ نے ہمیں لکھا "زبیری ایسوسی ایشن نے شجرہ کیٹیاں مقرر کی ہیں ۔۔ اور حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ تک شجرہ مکمل ہو گیا ہے۔" اگر وہ اس کٹھن منزل تک پہنچ چکے ہیں تو سارا مسئلہ حل ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کا شجرہ نسب ہاشم بن عبدمناف تک بہت سی کتابوں میں مل جاتا ہے۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اس سلسلہ میں ان کو سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا اس لئے کہ بہاؤالدین ذکریاؒ اسدی ہباری تھے زبیری نہ تھے۔

تاریخ کمبوہاں ص 318 پر سرطامس آرنلڈ کی مشہور کتاب "پریچنگ آف اسلام" سے ایک برمحل اقتباس پیش کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"غیر ملکوں کے اسلامی خاندان جو ہندوستان میں مستقل طور پر آباد ہیں ان کا شمار سوائے پنجاب اور پنجاب کے قرب و جوار کے اور کہیں زیادہ نہیں ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں نصف سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جو اپنے نام کے ساتھ شیخ' بیگ' یا خان کا لفظ بلکہ بعض صورتوں میں "سید" کا لفظ اختیار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے بھی دو حصے ہیں بڑا حصہ تو وہ ہے جس کے لوگ' نومسلم' ہیں یا تو مسلموں کی نسل سے ہیں اور جن بزرگوں نے ان کو مسلمان کیا ان کا لقب انہوں نے اختیار کر لیا یا کسی اور سبب سے "شیخ' مرزا یا خان ہو گئے۔"

یہ رجحان پاکستان ہندوستان تک ہی محدود نہیں عالمگیر معلوم ہوتا ہے۔ مصر کے علامہ عبداللہ عنان حضری کے مطابق نئے مسلمان ہونے والوں کو جب وہ مقام نہ ملا جو پہلے اسلام لانے والوں کو حاصل تھا تو "عیسائیوں کی اولاد جو اسلام لا چکی تھی خالص مسلمانوں کی صف میں نمایاں ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کے بعد کی نسلوں نے اپنے آپ کو عربی نسبتوں اور خاندانوں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔۔"

یہ تو ابھی کل کی بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد انتقال آبادی کے نتیجہ میں بہت سے غیر معروف یا "چھوٹی" ذات کے لوگوں مثلاً بھرائی' گلڑے' کوزہ ساز' کھٹیک (چرم ساز) موچی' ٹھٹھیارے' بھٹیارے وغیرہ نے اکثر اپنی قومیت تبدیل کر لی۔ کسے معلوم نہیں ہزاروں میراسی قریشی بن گئے بلکہ دوسری پشت میں نقوی جعفری جیسے لقب اختیار کر لئے۔ کتنے لوگ ہیں جو راجپوت' مغل' شیخ' خان وغیرہ بن گئے۔

ہمیں ان لوگوں کی قلب ماہیت پر کوئی اعتراض نہیں یہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ 1947ء میں بھارتی پنجاب اور ہریانہ بشمول ریاستہائے نابھہ' پٹیالہ' جیند' کپور تھلہ وغیرہ سے ہزاروں نہیں کئی لاکھ کمبوہ پنجاب اور سندھ میں آ کر آباد ہوئے ہیں مگر الحمد للہ کسی ایک خاندان کی اپنی ذات بدلنے کی شکایت سننے میں نہیں آئی۔ افسران مال کے اصرار پر ضلع لاڑکانہ کے بعض کمبوہ بھائیوں نے کمبوہ راجپوت یا کے (K) راجپوت لکھنا شروع کیا تھا مگر اب راجپوت کا لفظ حذف کیا جانے لگا ہے۔ کرنال' سہارنپور کے کچھ

کمبوہ جو زبیری کہلاتے ہیں اپنا سلسلہ نسب آریہ ہندوؤں سے ملاتے ہیں۔ پنجاب کے بعض نوجوان کمبوہ جو لفظ زبیری کی دلکشی سے متاثر ہو کر زبیری لکھنے لگے ہیں۔ قریشی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔

غیر کمبوہ کو کمبوہ قرار دینا: جس طرح اپنی برادری سے قطع تعلق کر کے کسی فرد یا گروہ کا دوسری برادری سے تعلق ظاہر کرنا قبیح فعل ہے اسی طرح معقول وجہ اور مستند منقول کے بغیر دوسری برادری کے فرد کو اپنی برادری سے منسلک کرنا غیر مستحسن اقدام ہے۔ ذیل میں ہم چند ایسے اصحاب کا ذکر کرتے ہیں جو کمبوہ نہیں مگر کسی غلط فہمی کی بناء پر ان کو کمبوہ سمجھا جاتا ہے۔

1- **کھر برادران:** کراچی میں شائع ہونے والی تاریخ کمبوہاں' میں غلام مصطفیٰ کھر اور ان کے بھائیوں کو کمبوہ گردانا گیا ہے (ص 288) ذات والد سے منسوب ہوتی ہے والدہ سے نہیں کھر کی والدہ ہمارے کرمفرما ملک محمد اکرم کمبوہ مرحوم ایڈووکیٹ آف ملتان کی ہمشیرہ تھیں لیکن والدہ سے رشتہ کی بناء پر کھر برادران کو کمبوہ نہیں کہا جا سکتا۔

2- **حضرت مادھولال حسین لاہوری:** چوہدری وہاب الدین صاحب کو لفظ 'ڈھوڈی' سے مغالطہ ہوا ہے جو راجپوتوں کی گوت ہے (تاریخ کمبوہاں ص 181) تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت شاہ حسین کا تعلق ڈھوڈی راجپوت قبیلہ سے تھا وہ ڈھوٹ کمبوہ نہ تھے البتہ دیوان چاولی مشائخ" ڈھوٹ کمبوہ تھے بعض راجپوت حضرات کا حضرت دیوان صاحب" کو ڈھوڈی راجپوت بتانا غلط ہے۔ مؤلف ' تاریخ راجپوت' نے بھی ان کو کمبوہ تسلیم کیا ہے (ص 119)

3- **ڈاکٹر ذاکر حسین سابق صدر جمہوریہ ہندوستان:** ان کے متعلق یہ خیال کہ وہ کمبوہ تھے درست نہیں۔ آپ قائم گنج ضلع فرخ آباد (یوپی) کے پٹھان تھے۔ ان کے ایک بھائی ڈاکٹر محمود حسین پاکستان میں اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

4- **نواب سعد اللہ خاں چنیوٹی:** ' ا سہ کمبوج لوک' ص 213 اور کمبوج اتہاس ص 128 پر ان کو کمبوہ بتایا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سعد اللہ خان جب چنیوٹ سے دہلی

پہنچے تو پہلے شاہجہاں بادشاہ کے دیوان تن شیخ عبدالمومن کمبوہ کے بچوں کو تعلیم دینے پر مقرر ہوئے تھے۔ شیخ عبدالمومن کے توسط سے ان کو سرکاری ملازمت مل گئی۔ اپنی قابلیت کی بناء پر ترقی کرتے کرتے وہ مغلیہ تاجدار کے وزیراعظم بن گئے۔ وہ کمبوہ نہ تھے۔

"ایمہ کمبوج لوک" کے مولف کرپال سنگھ دردی نے لکھا ہے کہ کشمیر کا بادشاہ یوسف خاں چاک کمبوہ تھا۔ چاک کمبوہ قوم کی ایک معروف گوت ہے ممکن ہے یہ درست ہو۔ اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کشمیر میں کمبوہ حکومت ایک تاریخی حقیقت ہے۔

5- **مولانا ابوالکلام آزاد:** لاہور کے بعض کمبوہ بھائیوں کا خیال ہے کہ مولانا کا تعلق کھیم کرن کی کمبوہ برادری سے تھا۔ رائے کھیم کرن کے خاندان سے صرف ایک شخص گجپت رائے مسلمان ہو گیا تھا اس کا اسلامی نام نواب عبدالمعبود خاں تھا۔ اسے بوجوہ کھیم کرن چھوڑ کر لاہور منتقل ہونا پڑا تھا۔ اس کا مکان اندرون شہر اور اراضی موہلن وال (لاہور) میں تھی۔ عبدالمعبود خاں کی اولاد لاہور میں موجود ہے۔ باقی تمام خاندان ہندو تھا بعد میں اکثر نے سکھ دھرم قبول کر لیا۔ ان کے علاوہ اس قصبہ میں مسلمان کمبوہ برادری کا کوئی وجود نہ تھا اگر مولانا آزاد کمبوہ ہوتے تو آئینہ کھیم کرن کے مؤلف کو ضرور علم ہوتا۔ مؤلف پرتاپ سنگھ ص 35 پر لکھتے ہیں "یہ (قصبہ) رائے کھیم کرن خلف الرشید رائے بدگی چند صاحب قوم کامبوج نے (1690ء کے قریب) آباد کیا تھا تا حال ان کے وارثان یہاں حق ملکیت اور قبضہ رکھتے ہیں۔ سوائے مالکان قوم کمبوج کے اور کسی غیر قوم کی یہاں ملکیت نہیں ہے" تاریخ کمبوہاں میں چوہدری وہاب الدین نے بھی ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔ شیخ محمد اکرام نے موج کوثر میں ص 250 پر لکھا ہے:

"آپ کے والد ایک صوفی بزرگ مولوی خیر الدین قادری نقشبندی تھے۔ اضلاع بمبئی اور کلکتہ میں ان کے ہزار ہا مرید پائے جاتے ہیں۔"

مولانا آزاد اپنی مشہور تصنیف تذکرہ کے ص 21 پر لکھتے ہیں "میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان و حجاز کے ممتاز بیوت علم و فضل اور اصحاب ارشاد و ہدایت میں سے ہیں۔ میری والدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر

وتری مفتی مدینہ منورہ کی بھانجی تھیں۔ میرے دلوا مولانا محمد ہادی دہلوی مرحومؒ دہلی کے ایک مشہور خاندان علم و فضیلت سے تعلق رکھتے تھے جس میں بیک وقت پانچ پانچ علمائے درس و افتاء و اصحاب سلوک و طریقت پیدا ہوئے" ان کے کئی بزرگ ہرات کے مشائخ طریقت میں معدود تھے۔ ص 27 پر مولانا رقمطراز ہیں:

"والد مرحوم کے جدی سلسلہ نسب میں سب سے پہلے جو بزرگ علم و طریقت میں سربر آوردہ ہوئے ہیں وہ ان کے داوا حضرت شاہ محمد افضل رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔"

ظاہر ہے مولانا کے اپنے بیان سے زیادہ کس کی بات معتبر ہو سکتی ہے۔

6- نواب علی قلی خاں المعروف شیر افگن خان : کچھ عرصہ قبل ہمیں گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک پروفیسر کا مضمون موصول ہوا موصوف ان دنوں ایک ڈگری کالج کے پرنسپل ہیں۔ ان کے مطابق اکبر بادشاہ کے نامور سپہ سالار اور بنگال کے گورنر علی قلی خاں کا تعلق کمبوہ خاندان سے تھا۔ واقعات کے مطابق جلال الدین اکبر نے شہزادہ سلیم (جہانگیر بادشاہ) کے نور جہاں سے معاشقہ کا علم ہونے پر نور جہاں کی شادی علی قلی خاں سے کر دی تھی۔ اکبر کی وفات کے بعد شہزادہ سلیم تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے علی قلی خاں کو مروا ڈالا اور نور جہاں کو حرم شاہی میں داخل کر لیا علی قلی خان پانچ ہزاری امیر تھا اور نواب شہباز خاں کمبوہ سے (جو اس وقت دو ہزاری تھا) بہت سینئر تھا۔ طبقات ناصری میں اس کا نام بلحاظ مراتب فہرست میں ساتویں نمبر پر اور آئین اکبری میں تیرہویں نمبر پر ہے کسی تذکرہ نویس نے اس کا کمبوہ ہونا اشارۃً بھی نہیں لکھا حالانکہ اس دور میں کمبوہ ہونا قابل فخر و تکریم سمجھا جاتا تھا۔

ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ : ان پڑھ اور جاہل لوگ تو درکنار بعض تعلیم یافتہ اور معقول اصحاب برادری بھی بسا اوقات بڑے وثوق سے کہہ دیتے ہیں کہ "ہم کمبوہ سکھوں سے مسلمان ہوئے۔" ایسا کہنا تقریباً سو فی صدی غلط اور گمراہ کن ہے مغلیہ عہد کی تاریخ اس قسم کے مفروضہ کی کلی طور پر نفی کرتی ہے۔ بابا گرونانک صاحب کی ولادت 1469ء میں اور انتقال 1539ء میں ہوا۔ شروع میں یہ نانک پنتھی فرقہ خالص مذہبی اور سماج سدھار کے کاموں میں مصروف رہا۔ سترہویں صدی کے وسط سے ہندو

جاٹ کثیر تعداد میں سکھوں میں شامل ہوتے گئے اور یہ لوگ مذہبی فرقہ کی بجائے جنگجو قوم کے طور پر ابھرے بتدریج ایسی انارکی پھیلائی کہ سکھا شاہی ضرب المثل بن گئی۔ دیہات اور چھوٹے قصبوں کے ہندو کمبوہ بھی اکثر اسی دور میں برہمنی مذہب ترک کر کے سکھ پنتھ کی شرن میں آئے مغل سلطنت کمزور ہو چکی تھی اور اس زمانے میں اپنی دولت، عزت اور جان بچانے کا بہتر ذریعہ یہی تھا کہ سکھ مذہب قبول کر لیا جائے رفتہ رفتہ سکھوں کی بہت سی جاگیریں (مثلیں) وجود میں آ گئیں۔ ہر مثل کے سردار کی اپنی فوج تھی سرکاری خزانہ تو تھا نہیں اس لئے ان سرداروں اور ان کی فوج کا ذریعہ معاش دیہات اور قصبات کے عوام کو لوٹنا، غارت گری اور مار دھاڑ کرنا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے لئے عذاب الٰہی سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اب یہ فیصلہ قارئین پر ہے کہ کیا ایسے بربریت کے دور میں سکھ حاکم قوم کا کوئی فرد مظلوم و بے کس یعنی مسلمان قوم کا مذہب قبول کر سکتا تھا۔ قابل تحسین ہیں وہ مسلمان جو ظلم و جبر سہنے کے باوجود اس دور میں اپنے مذہب پر قائم رہے۔

1849ء میں سکھ دور ختم ہوا۔ انگریزی حکومت قائم ہوئی 1857ء کی جنگ آزادی میں سکھوں نے انگریزوں کی مدد کی اب دوسرا ممکنہ عہد اس تبدیلی مذہب کا انگریزی دور ہو سکتا ہے جو ہماری تقریباً چار پشتوں پر محیط ہے اپنے خاندان کی کم از کم چار پانچ پشتوں کا ہر شخص کو علم ہوتا ہے اس لئے اگر کوئی صاحب سکھ سے مسلمان ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں تو یقیناً یہ سعادت ان کو صرف تین چار پشت پہلے حاصل ہوئی ہو گی۔

ہمارے ایک کرم فرما غیر کمبوہوں کو کمبوہ اور بعض کمبوہ معززین کو بریگیڈیئر، میجر جنرل وغیرہ ظاہر کرنے میں بہت فراخ دل واقع ہوئے ہیں۔ ان کی رائے ہے سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کمبوہ تھے ایک صاحب نے جن کو وہ میجر جنرل بتا رہے تھے ہمارے رابطہ کرنے پر فرمایا۔ "اللہ کا شکر ہے میں کبھی فوج میں نہیں رہا۔"

ہم نہیں سمجھتے اس قسم کے دعوؤں سے سوائے خفت کے قوم کو کونسے فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

باب پنجم

قدیم ہندوستانی معاشرہ میں کمبوہ قوم کا مقام

وقت کے ساتھ ساتھ اور گردوپیش کے حالات سے اثر پذیر ہو کر معاشرتی اقدار میں بھی ارتقا' تنزل یا تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے۔ معاشرہ میں کسی قوم کے مقام کا اندازہ لگانے کے لئے ان تمام امور کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے جن سے معاشرہ کی تشکیل رونما ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی عنصر ثقافت ہے اگرچہ ثقافت سے بالعموم تہذیب و تمدن ہی مراد لی جاتی ہے (31) لیکن مشاہدہ اور وسیع تر مفہوم میں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ ثقافت کسی قوم کے افراد کی مجموعی سوچ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ثقافت کے دائرہ کار میں اس قوم کی طرز بودوباش' رسم و رواج' زبان و ادب' نظریۂ حیات' مذہب' فنونِ لطیفہ اور مشاغلِ تفریح وغیرہ سبھی امور شامل ہوتے ہیں۔

مزید براں کچھ خارجی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ مثلاً ہر ثقافت ایک مخصوص جغرافیائی ماحول میں نشوونما پاتی ہے۔ ملک کے سیاسی اور معاشی مسائل بھی اس کی تدوین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کمبوہ ایک آریہ قوم تھے اس لئے ہندو تہذیب کا ان پر گہرا اثر تھا چنانچہ ان کے مقام کے تعین میں ہندو ذہنیت کا بھی ایک اہم کردار ہے۔ ان مبادیات کے علم کے بغیر نفس مضمون کا صحیح ادراک ممکن نہیں ہمیں کمبوہ قوم کی زمانہ قبل از اسلام کی ثقافت کو اسی تناظر میں دیکھنا ہے اس تفصیل سے ہمیں اپنے آج کے مقام کا تعین کرنے میں بھی سہولت ہو گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک کمبوج کے باشندے جغرافیائی لحاظ سے ایک ایسی سرزمین میں آباد تھے جو محنتی' بہادر' جفاکش اور آزاد خیال لوگوں کا خطہ تھی۔ جمہوری طرز بودوباش ان کی سرشت میں داخل تھی۔ تاریخی اعتبار سے بھی اس علاقہ کے

---

(31) تہذیب و تمدن میں بنیادی فرق یہ ہے کہ تہذیب کا تعلق نظریات سے ہوتا ہے جبکہ تمدن کا دائرہ اعمال اور افعال پر محیط ہے۔

لوگ زیادہ تر آزاد اور خود مختار رہے ہیں اس لئے غلامی سے نفرت ان کی فطرت میں داخل تھی۔ جب چھٹی صدی قبلِ مسیح میں نقل مکانی کر کے آنے والے کچھ ایرانی قبائل کا یہاں کے اصل باشندوں سے میل جول بڑھا تو اس اختلاط سے جہاں ایک دوسرے کے رسم و رواج کا حسین امتزاج ظہور میں آیا وہاں آزاد خیالی اور جمہوریت پسندی جیسی اعلیٰ اقدار میں ہم آہنگی کے باعث ان عادات کو مزید جلا ملی۔ اس پس منظر کا ان کے مذہب و تمدن پر گہرا اثر ہے۔

دوسری بات کا تعلق ہندو ذہنیت سے ہے۔ ہندو قوم میں تحمل مزاجی اور مذہبی رواداری کا ابتدا ہی سے فقدان رہا ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہ ہو گا کہ وہ ہمیشہ سے غیر مذہب کے لوگوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہیں۔

ہندو معاشرے میں برہمن سب سے اونچی ذات ہے اور شودر سب سے گھٹیا اور نیچ۔ اگرچہ سیاسی مفاد کی خاطر شودروں کو ہندو قوم اور معاشرے کا اٹوٹ انگ کہا جاتا ہے مگر کوئی شودر کسی برہمن یا کھشتری کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتا اگر اونچی ذات کا برہمن مسلمان ہو جائے تو ہندوؤں کے نزدیک وہ شودر سے بھی زیادہ نجس اور ناپاک سمجھا جاتا ہے اس کے ہاتھ کا کھانا پینا حرام قرار دے دیا جاتا ہے اس کے برعکس اگر ایک برہمن تو درکنار شودر بھی مسلمان ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑے مسلمان کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر نماز پڑھ سکتا ہے' مسلمانوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھا سکتا ہے' دینی علوم حاصل کر سکتا ہے بلکہ ان میں کمال حاصل کر لے تو دوسرے مسلمانوں کا امام اور مذہبی رہنما بھی بن سکتا ہے جبکہ ہندوؤں کے ہاں برہمن کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی علوم حاصل کر سکتا ہے نہ پروہت بن سکتا ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ ہمارے ہندو کمبوہ بھائی اس حقیقت پسندانہ تبصرہ کو تند و تلخ بلکہ معاندانہ سمجھیں گے لیکن ہمارا اعتراض اس خاص رویہ سے ہے جو عناد اور نفرت کا مظہر ہے۔ ہمارے خیال میں اصلیت اور سچائی کے اصولوں کو چھپانا بھی مہاپاپ ہے یہ کہنا بھی غلط نہیں کہ ہندو حاکم ہو تو تنگ نظر اور ظالم و جابر اور اگر محکوم ہو تو بھیگی بلی لیکن ظاہری وفاداری کے لباس میں بھی اپنے آقا کو کمزور کرنے کی سوچتا رہتا ہے۔

حاکم و محکوم کے علاوہ تیسری صورت ہمسایہ ہونے کی ہے۔ ہندو قوم کے تصور

ہمسائیگی کے متعلق ایک بھارتی ہندو مصنف سی۔ نراد چوہدری نے اپنی کتاب سرسی کا براعظم (Continent of Circe) میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے "ہندو قوم کی یہ عجیب نفسیات ہے کہ یہ ہمسائے کے بارے میں ہمیشہ تشویش کا شکار رہتی ہے۔ ہمہ وقت اس سوچ میں مبتلا رہتی ہے کہ اگر میں اس ہمسائے کو ختم نہ کر سکی تو یہ ضرور مجھے ختم کر دیگا۔" گویا یہ اس کا عمومی مزاج ہے کہ وہ کبھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی۔ اسی طرح وسیع ہندو معاشرے کے اندر کوئی غیر ہندو معاشرہ آباد ہو تو اس کے بارے میں ہندو قوم کا رویہ یہی ہو گا کہ اگر اس معاشرے کو فنا نہ کیا تو یہ مجھے فنا کر دے گا۔ خلاصہ یہ کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر یا برابری کی بنیاد پر رہنے کا اس قوم میں حوصلہ ہی نہیں۔ پاکستان ہو یا سری لنکا' بنگلہ دیش ہو یا نیپال سب ہمسائیوں کو اس کا بخوبی تجربہ ہے۔ ملک کمبوج بھارت کا نزدیک ترین ہمسایہ تھا اس لئے اس امر کے باوجود کہ قدیم کمبوجوں کا تعلق ہندو مذہب سے تھا ہندو قوم کا تنگ نظری پر مبنی متعصبانہ رویہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہی اس تمام تمہید کا مدعا ہے۔

ہندو دھرم کی طبقاتی تقسیم نے عوام کو سخت پابندیوں کی زنجیر میں جکڑا ہوا تھا۔ یہ بندھن آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کم و بیش اسی طرح قائم ہے۔ منوسمرتی کے مطابق پوری قوم کو چار ورنوں (ذاتوں) میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے۔ (32)

1- تعلیم و تدریس' پوجا پاٹھ اور ویدوں کی تعلیم پر عمل درآمد کرنے اور کرانے کی تمام تر ذمہ داری برہمنوں کے سپرد کی گئی۔

2- ملک کی حکمرانی' فوجوں کی تربیت' ملکی دفاع' اندرونی نظم و نسق اور امن و امان کی نگرانی پر کھشتری مامور کئے گئے۔ (33)

3- تجارت' زراعت اور صنعت و حرفت کا پیشہ اختیار کرنے والے ویش کہلائے۔

---

(32) چار ذاتوں کا ذکر کرنے پر برہم ہو کر مؤلف "شب جانکی" نے جوابی حملہ کر کے مسلمانوں پر بہتر (72) فرقوں میں منقسم ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام کی رو سے مسلمان ملت واحدہ ہیں جو چند فرقے مسلمانوں میں نظر آتے ہیں اسلام کی بنیاد سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ محض علما فقہا کی موشگافیوں اور بہت حد تک انا پرستی کا نتیجہ ہیں۔

(33) تاریخ سے عیاں ہے کہ جب بھی موقع ملا برہمنوں نے حکمرانی کا حق ہاتھ نہیں جانے دیا۔

4۔ مذکورہ تینوں ورنوں کے لوگوں کی خدمت اور غلامی کا کام شودروں کی قسمت میں لکھا گیا۔ ان کو نیچ اور ملیچھ کہا جاتا تھا ان کے لئے بڑے سخت قوانین تھے گوبدھ مت کے زمانہ عروج میں یہ پابندیاں نرم کر دی گئی تھیں مگر اس کے زوال کے ساتھ ہی طبقاتی تقسیم کے قوانین پر سختی سے عمل درآمد کرایا گیا جو لوگ خواہ وہ عالی نسب ہی تھے ان قوانین پر عمل پیرا نہ ہوئے ان کو نیچ اور گھٹیا کہا گیا۔ اب دیکھنا ہے کہ کمبوہ قوم کا اس آریائی بے لچک طبقاتی سماجی ڈھانچے میں کیا مقام تھا۔ رگ وید میں لفظ ورن کا استعمال دو رنگ کے لوگوں کے لئے کیا گیا تھا ایک گورے رنگ کے لوگ جن کو آریہ ورن کہا گیا دوسرے سانولے یا کالے رنگ کے لوگ جن کو دسیو ورن یعنی داس یا غلام کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ابتدا میں یہ تقسیم غالباً" اسی طرح تھی اور گورے رنگ کے لوگ اپنے پیشہ' فن اور مہارت کے لحاظ سے برہمن' کھشتری اور ویش بن سکتے تھے۔ پی ای پرجیٹر (Ancient Indian Historical Traditions) میں ص 244 سے 249 تک اور بدھ پرکاش نے PSMAP کے ص 63 سے 65 تک بے شمار مثالیں دی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کئی راجے اور شور بیر کھشتری ویدوں کی تعلیم حاصل کر کے رشی اور مہارشی بن گئے جبکہ بہت سے برہمنوں نے شوق حکمرانی میں کھشتری بننا قبول کیا۔ ظاہر ہے ابتدائی دور میں آریہ معاشرہ میں ذات پات کی پابندی اتنی شدید نہ تھی اور کوئی بھی شخص اپنی مرضی یا اہلیت کی بناء پر ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں کام تبدیل کر سکتا تھا۔

کمبوج قوم ایک آزاد منش' جری' دلیر اور جفاکش قوم تھی۔ وہ سب لوگ گورے رنگ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ ہندو مصنفین نے ان میں دو ذاتوں یعنی آریہ ورن اور داس ورن کا ذکر کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں صرف ایک ہی ذات تھی اور کسی پیشے سے منسلک ہو جانا ان کے ہاں عام تھا۔ البتہ فوجی تعلیم یعنی فنون سپاہ گری میں مہارت لازمی ہوتی تھی ہمارے اس خیال کی تصدیق کوٹلیہ کے ارتھ شاستر کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے اس میں مذکور ہے کہ کمبوج سوراشٹر چھتری قبیلوں کی جمہوری حکومتوں میں کھیتی باڑی' جانوروں کی پرورش' تجارت' تعلیم و تدریس وغیرہ

کے پیشوں کے علاوہ سپاہ گری کا پیشہ بھی کسب معاش کا ایک خاص ذریعہ تھا۔ ہر آدمی کو بچپن ہی سے ہتھیار چلانے میں مہارت حاصل کرنا پڑتی تھی اور اس کے بعد موقع محل اور مزاج کی موافقت سے وہ اپنا پسندیدہ پیشہ اختیار کر لیتا تھا خواہ وہ زراعت ہو تا' باغبانی یا کوئی دستکاری ہوتا البتہ ملک کو جب کوئی خطرہ لاحق ہوتا یا کسی دوست ملک کی مدد کرنی پڑتی تو حسب ضرورت فوجی جوان حاصل کئے جا سکتے تھے۔ جنگ سے واپسی پر ہر شخص دوبارہ اپنے کام پر لگ جاتا تھا۔ کاشی پرشاد جیسوال نے Hindu Polity ص 54 پر ایسے جمہوری ملکوں کی قوم کو Nation in Arms یعنی فوجیوں کی قوم کا نام دیا ہے اور مثال کے طور پر کمبوج قوم کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔

بدھ مذہب کی کتاب منجھم نکائے (1 : 43 : 2) ص 114 تا 116 میں یون' کمبوج' شک اور سرحدی علاقے کی دوسری اقوام کے بارے میں لکھا ہے کہ ان میں دو ہی ذاتیں تھیں۔ آریہ اور داس۔ گویا ہر شخص جو چاہتا اپنی قابلیت کے مطابق پیشہ اختیار کر لیتا نااہلیت کی بناء پر داس یعنی شودر کا کام بھی کرنا پڑتا تھا اور غالباً" اسے اتنا معیوب نہیں سمجھا جاتا ہو گا کہ اس کی اولاد برہمن یا کھشتری کا پیشہ اختیار نہ کر سکتی ہو۔ گویا داس کا بیٹا برہمن بھی بن سکتا تھا۔

اشوک کے کتبہ نمبر 13 پر کندہ بیان سے بھی اس حقیقت کی تائید ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ یونوں کے ملک کے سوا کوئی علاقہ ایسا نہیں جس میں دو طبقے برہمن اور محنت کرنے والے یعنی پیشہ ور موجود نہ ہوں (ملاحظہ ہو E.Hultzsch کی کتاب CII جلد اول ص 204 اور اشوک' مصنفہ ڈی آر بھنڈارکر ص 27) چونکہ ابتدا میں کمبوہ اونچی ذات کے آریہ تھے اور طبقاتی تقسیم بعد میں وجود میں آئی اس لئے قدیم سنسکرت ادب اور بدھ مذہب کی کتابوں میں اس بات کے بہت سے ثبوت ملتے ہیں کہ کمبوج بیک وقت برہمن بھی تھے کھشتری اور ویش بھی حتی کہ داس بھی لیکن یہ تقسیم ان کے ہاں پیدائش کی بناء پر نہ ہوتی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قدیم کمبوج ایک آزاد منش اور باوقار قوم تھے اور تنگ نظری کی پابندیوں کے روادار نہ تھے۔ ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ کمبوج مختلف قسم کی دستکاریوں میں بہت مہارت رکھتے تھے جو بیرونی ممالک میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اس بناء پر دور دراز کے ممالک

سے ان کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

ڈاکٹر جیالال کے مطابق بھگوان پانینی نے کہا ہے کہ صرف کمبوج لکھنا درست نہیں بلکہ کمبوج چھتری، کمبوج راجہ، کمبوج ملک، کمبوج چھتری کی اولاد وغیرہ لکھنا چاہئے۔ یہ کبوہ قوم کے کھشتری ہونے کا سب سے قدیم اور مسلمہ ثبوت ہے (34) اس کے علاوہ رامائن میں کمبوجوں کی مہارشی وششٹھ کی طرف سے وشوامتر کے ساتھ لڑائی، مہابھارت میں کوروؤں کی طرف سے پانڈوؤں کے خلاف نبرد آزمائی، بہت سے پرانوں کے مطابق "ہے ہینوں" کی مدد کر کے اجودھیا کے راجہ باہو کو تخت سے اتارنا اور پھر اس کے بیٹے سگر کے ساتھ جنگ کرنا کمبوج قوم کی فن سپاہ گری میں مہارت تامہ اور ان کے کھشتری اوصاف سے متصف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

علم و فضل: کمبوج صرف فوجی قوم ہی نہ تھے بلکہ علوم کے ماہر بھی تھے برہمنوں کا ان کو کھشتری ورن میں شمار کرنا خود ان کے لئے باعث اعزاز و افتخار تھا۔ ورنہ جہاں کمبوجوں نے اپنی طاقت بازو اور فن سپہ گری میں مہارت کا سکہ پورے بھارت میں بٹھایا ہوا تھا وہاں علوم و فنون میں بھی اپنا ایک مقام پیدا کیا تھا اور ویدوں کے عالم کی حیثیت سے اپنی شہرت کو چار چاند لگائے تھے۔

سام وید کے "ونش برہمن" میں لکھا ہے کہ آنندج رشی نے پہلے شرک راکش کے بیٹے شامب اور پھر اُپ منیو کے کمبوج بیٹے۔ اوپ منیوو (Son of Manyov) سے ویدوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانہ میں ایک شاگرد عمر بھر بالعموم ایک ہی استاد سے تعلیم حاصل کرتا تھا لیکن بعض اوقات ایک گورو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے کسی بڑے ماہر تعلیمات یعنی علامہ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ چنانچہ محققین کے نزدیک اوپ منیوو سے مزید تعلیم حاصل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ آنندج رشی بہت بڑا عالم بننے کا خواہش مند تھا اور یہ کمبوج رشی اوپ منیوو جیسے ویدوں کے ماہر سے ہی ممکن تھا۔ دوسرے عالموں ڈاکٹر پسالکر، اروک، .مل چندرلاء وغیرہ

---

(34) یہاں کھشتری کا لفظ عام مروجہ اصطلاح میں استعمال ہوا ہے ورنہ اس لفظ کی ایجاد سے پہلے کبوہ آریہ کہلاتے تھے۔

نے اس کی تائید کی ہے۔ ڈاکٹر بی سی لاء کے اصل الفاظ کا ترجمہ یہ ہے:

"کسی شک و شبہ کے بغیر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کمبوج لوگوں کے ایک رشی نے ان بڑے رشیوں کی فہرست میں اپنا مقام بنا لیا تھا۔ جنہوں نے ویدک علم کی حفاظت کی اور اسے آنے والی نسلوں کو منتقل کیا۔ یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے کہ ویدوں کے زمانہ میں کمبوج ویدک آریوں کا ایک اہم جزو مانے جاتے تھے۔"

Some Kshatriya Tribes in Ancient India. ص 231 اور بدھ ازم ان انڈیا (اے سی بینرجی) ص 6 پر اس بیان کی تصدیق کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کمبوج آریہ، برہمن اور کھشتری وغیرہ کی تخصیص سے بہت پہلے موجود تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے عالموں نے کمبوجوں کو سنسکرت گرامر کے ماہر بھی قرار دیا ہے۔ آریہ کمبوجوں کے سر پر چوٹی رکھنے کا ذکر کرتے ہوئے شری ہری ہر نے ان کو اونچی ذات کے برہمنوں کے ساتھ ملایا ہے جس سے ان کے جید عالم ہونے کا ثبوت ملتا ہے برہمن درجہ کے کمبوجوں کے علاوہ کھشتری کمبوج بھی اسی رواج کے پابند تھے۔ اس بیان سے ہمارے اس دعوی کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ کمبوہ صرف آریہ تھے جبکہ برہمن اور کھشتری اپنے اپنے ورن کی عزت اور عظمت کے اظہار کی خاطر ان سے تعلق اور وابستگی کو باعث فخر سمجھتے تھے۔

کمبوجوں کے علم و فضل کے متعلق دو بڑے محققین کی رائے پر ہم یہ بیان ختم کرتے ہیں:

"... But by the Epic Period (the Kambojas) became especially renowned as Vedic teachers and their homeland as a seat of Brahmanical learning."

- "مہابھارت کے زمانہ تک کمبوج لوگ ویدک رشیوں کی حیثیت سے خاص شہرت حاصل کر چکے تھے اور ان کا ملک برہمنی علوم کی تدریس کا گہوارہ بن چکا تھا۔" (ہندو ورلڈ جلد اول ص 520)

مسٹر ایس بی چوہدری لکھتے ہیں:

" In early times the Kamboja Country was a seat of Brahmanical culture." IHQ جلد 26 باب 2 ص 123

"ابتدائی دور میں ملک کمبوج برہمنی تہذیب کا گہوارہ تھا" ان بیانات سے ہندو آریہ معاشرہ میں کمبوہ قوم کا اعلیٰ مقام متعین کرنے میں کسی دشواری کی گنجائش نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بھاس جیسے شاعر اعظم نے اپنے مشہور ڈرامہ "کرن بھار" میں کمبوج لفظ کے ساتھ شریمان (جناب، عالی جاہ) جیسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ قدیم مہاکوی شمالی ہند کا باشندہ تھا اور 400 ق م کے سنسکرت کے اس عظیم شاعر کے دل میں کمبوجوں کے لئے عزت و احترام کا جذبہ موجود ہونا بے معنی نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹر جیالال لکھتے ہیں "بہت ممکن ہے کہ شاعر اعظم بھاس یا تو خود کمبوج خاندان میں پیدا ہوئے تھے یا کسی کمبوج راجہ کی سرپرستی میں تھے یا وہ کمبوجوں کی اہمیت اور علم دوستی سے اچھی طرح واقف تھے۔"

علوم کی سرپرستی کے سلسلہ میں دو مثالیں پیش ہیں۔ اردا نام کی ایک تانبے کی تختی پر لکھا ہے۔ "کمبوج راجہ نیپال دیو نے اشوت شرما نامی برہمن کو ایک گاؤں دان میں دیا تھا" اسی طرح سولھویں صدی میں بنگال کے ایک جگن ناتھ نامی کمبوج راجہ نے شور متر نام کے عالم کو ایک کتاب لکھنے پر ایک آشرم کا عطیہ دیا تھا۔

اسی عہد قدیم میں جب کچھ عرصہ پہلے تک کمبوج ایک بلند مرتبہ قوم کی حیثیت سے مقبول اور ممدوح تھے ان کے خلاف ہتک آمیز زبان کیوں استعمال کی گئی اس کا ذکر ہم باب چہارم فصل اول میں کر چکے ہیں۔ ثقافتی اقدار کے حوالے سے یہاں اس کی تکرار بے محل نہیں۔

ایرانی مصلح، زردشت کی تعلیم خدائے واحد 'یزدان' کی پرستش، نیکی پر عمل اور برائیوں سے پرہیز سکھاتی تھی ان کی تعلیمات 'اویستا' نامی کتاب میں درج ہیں۔ یہ مذہب بہت جلد پورے ایران میں پھیل گیا جب ہخامنشی خاندان برسر اقتدار آیا تو اس مذہب کی سرکاری طور پر تشہیر و تبلیغ کی گئی۔ ہخامنش کے بیٹے چشپائش نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی غرض سے ایرانی سرحدوں کے قریبی ممالک کرو اور کمبوج کی حکومتوں سے بھی فوجی امداد حاصل کی۔ امداد کا یہ سلسلہ کورس اول اور کاموز (یا کمبوجیا) اول کے دور تک چلتا رہا کورس کبیر نے ملک کمبوج فتح کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنا لیا تو اس دوران میں کئی ایرانی قبائل کمبوج، کرو وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ اور کئی

کمبوج اور کرو قبیلے ایران میں جا بسے ان میں سے اکثر لوگ جہاں گئے دستور زمانہ کے مطابق اسی معاشرہ اور قوم کا حصہ بن گئے۔ کمبوج ایک آزاد خیال قوم تھے۔ ہندو مت کے مقابلہ میں زور و آسترین مذہب نے ان کو زیادہ متاثر کیا دوسری طرف بھارت میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی اور ویدک عالموں کی اس علاقہ میں آمدورفت بھی کم ہو گئی ایرانی حکومت کے زیر تسلط آنے اور ایرانی لوگوں سے میل ملاپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمبوجوں نے نہ صرف ایرانی مذہب قبول کر لیا بلکہ ان کی روزمرہ کی زندگی پر ایرانی ثقافت کا بڑا گہرا اثر ہوا۔ اور برہمنی تہذیب و تمدن کا خاتمہ ہو گیا۔ کمبوجوں پر ایرانی اثر کے نفوذ نے بھارتی برہمنوں کو سیخ پا کر دیا اور اس بہادر اور عالی نسب قوم کو ناپاک' ملیچھ' بدعقیدہ کہا جانے لگا اس کے علاوہ ان کے متعلق نہایت ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے گئے۔

منوجی نے کئی قبیلوں کے نام گنوانے کے بعد شائستہ الفاظ میں شکوہ کے انداز میں بیان کیا "یون' شک' کمبوج وغیرہ چھتری قبیلوں میں ویدک مذہب کی رسومات میں کمی آ جانے اور برہمن عالموں کے بحران کی وجہ سے قربانی' یگیہ اور ویدوں کی تعلیم و تدریس رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ہے۔"

سب سے بڑا اعتراض ہندو عالموں نے یہ کیا ہے کہ کمبوج زہریلے جانوروں' کیڑوں مکوڑوں' سانپوں وغیرہ کو مارنے کا ناپاک اور گھٹیا کام کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ اس فعل کو کار ثواب سمجھ کر کرتے تھے۔

یہ سارا واویلا بھوری دت جاتک' نامی کتاب میں ایک کہانی کی بنیاد پر مچایا گیا۔ اس کا اصل ترجمہ یہ ہے "ان آدمیوں کو نیک سمجھا جاتا ہے جو کیڑوں مکوڑوں' پتنگوں' سانپوں وغیرہ زہریلے جانوروں کو مار ڈالتے ہیں۔ اس قسم کا قابل نفرت کام کمبوجوں میں رائج ہے۔" اس کا منظوم ترجمہ مشہور عالم تاریخ ارنسٹ کہن نے یوں کیا ہے۔

"Those men are counted pure who only kill
Frogs, worms, bees, snakes or insects as they will,
These are your savage customs which I hate,
Such as Kambojas hordes might emulate."

لیکن برا ہو تعصب اور تنگ نظری کا مسٹر اوم پرکاش نے اس بیان کا ترجمہ ان

الفاظ میں کیا ہے:

" The Kambojas of Uttrapatha were in the habit of eating insects, moths and some kinds of snakes and frogs."

(ملاحظہ ہو Food and Drinks in Ancient India مطبوعہ دہلی 1962ء ص 85) ترجمہ "شمال مغربی علاقہ کے کمبوج حشرات الارض' کیڑے مکوڑے' بعض اقسام کے سانپ اور مینڈک کھانے کے عادی تھے۔"

برہمنی ذہنیت کو اصل عبارت میں تحریف کی ضرورت غالباً" اس لئے محسوس ہوئی کہ آج کے مہذب دور میں موذی جانوروں کو مارنا معیوب نہیں بلکہ تہذیب کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اور محض مارنا لکھنے سے کمبوجوں کے خلاف گھناؤنی قسم کا کیس نہیں بنتا تھا۔

ہخامنشی دور میں ایران اور افغانستان کے علاوہ مغربی پنجاب تک کے علاقوں میں زردشتی مذہب کی اشاعت پر بہت زور دیا گیا۔ کمبوجیا دوم کے باپ کورس کبیر نے یہ تمام علاقے فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لئے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمبوج سمیت تمام علاقے میں ایرانی مذہب' تہذیب و تمدن اور زبان پر بھی اثر پڑا۔ زہریلے جانوروں کو مارنا' بتوں کی پوجا سے پرہیز' مردوں کو زمین میں دفن کرنا' لمبے چغے زیب تن کرنا وغیرہ بہت سی عادات اور رسوم کمبوجوں نے ایرانیوں سے اخذ کیں۔

کمبوجیا دوم کی وفات کے بعد دارا اول نے گردونواح کی حکومتوں کو زیر کر کے پنجاب اور سندھ میں بھی اپنی حکومت مستحکم کی اور وہاں اپنے حاکموں کے ذریعے اپنے مذہب کی اشاعت کی۔ اس طرح یہ پورا علاقہ تسلط میں آ جانے کے باعث یہاں سے برہمن ثقافت کا کلی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ اس زمانے میں لکھی گئی بہت سی کتابوں میں گندھارا اور پنجاب کے لوگوں پر بھی بہت کیچڑ اچھالا گیا۔ اور ان پر برہمنی عتاب نازل ہوا۔

لفظ کمبوج کا مفہوم: باب سوم میں اس موضوع پر مفصل اظہار خیال کیا جا چکا ہے تاہم تقابلی جائزہ کے لئے یہ بیان ضروری ہے ہندوستانی ادب میں کمبوجوں کی تعریف میں ایک لفظ "کم نیئی بھوجا" استعمال ہوا ہے۔ درگا اچاریہ نے اس کا مطلب لکھا ہے

"من پسند اور مرغوب چیزیں کھانے والے" جیسے انگور' سیب' خوبانی' بادام اور دوسرے پسندیدہ پھل' سوامی برہم منی نے جو بہت بڑے عالم تھے لفظ کمبوج کی یوں تشریح کی ہے۔ "یہ دو الفاظ کا مرکب ہے 'کم' (یا کمنئی) ۔ معنی اچھا' مرغوب' پسندیدہ' پاکیزہ"
(سرمونیئر ولیمز نے سنسکرت انگلش ڈکشنری میں اس کے معنی لکھے ہیں :

" To be desired or wished for, desirable, lovely, pleasing, beautiful."

اور بوج ۔ معنی کھانے والا۔ چونکہ کمبوج لوگ پسندیدہ اور عمدہ خوراک کھاتے تھے اس لئے ان کا نام کمبوج پڑ گیا۔" مگر جب انہی لوگوں کو نظروں سے گرایا گیا تو اس کے معنی بھی بدل کر رکھ دیئے گئے اور کمبوج کے معنی "الٹاپ شناپ اور غیر پسندیدہ چیزیں کھانے والے" بنا دیئے گئے۔ بلکہ دوں فطرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جگہ پر لفظی تحریف کی گئی یعنی کمبوج کی بجائے کام بوج لکھا گیا جس سے یہ مفہوم لیا گیا کہ کام بوج کے معنی ہیں عورتوں کی بے حرمتی کرنے والا اور کہا گیا کہ دوسرے ممالک کی عورتیں وہاں جانے سے خوف زدہ ہیں۔

کمبوجوں کے متعلق ایک دوسرا لفظ قدیم عالم یاسک اچاریہ نے "کمبوجا کمبل بھوجا" لکھا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے درگا اچاریہ نے لکھا ہے کہ کمبوج سرد علاقے میں رہنے کی وجہ سے عمدہ کمبل اور بیش بہا شالیں استعمال کرتے تھے۔ دراصل قیمتی اور نادر اقسام کے کمبل' شال دوشالے' غالیچے وغیرہ یہاں کی معروف صنعت تھے۔ یہ اشیاء ملک کمبوج کی برآمدی اشیاء میں سرفہرست تھیں۔ ان کے علاوہ یہ لوگ ہرن کی کھالیں بھی برآمد کرتے تھے۔ بعد میں ان کی یہی روایت یعنی کمبل پوش ہونا خاندانی روایات سے انحراف اور گھٹیاپن کی علامت سمجھا گیا اور ان کے لمبا چغہ پہننے کو بھی ہدف تنقید بنایا گیا۔ حالانکہ یہ اشیاء ان کی صنعت کاری کا نادر نمونہ تھیں اور ہندوستان کے بعض راجاؤں کو یہ چیزیں بطور تحفہ بھیجے جانے کا ذکر بھی کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ بنمن واکر ہندو ورلڈ جلد اول ص 520 پر لکھتا ہے :

" They were famous for their furs and skins embroidered with threads of gold, their woollen blankets, their wonderful horses and beautiful

"women." - کمبوج لوگ سونے کے دھاگوں (تاروں) سے زر دوزی کی گئی کھالوں' پشم ' اعلیٰ کمبلوں' حیرت انگیز گھوڑوں اور حسین عورتوں کی وجہ سے مشہور تھے۔"

مہابھارت میں پانڈوؤں کے راجہ یدھشٹر کو ملک کمبوج سے آئے ہوئے تحائف میں قیمتی کمبلوں' ہرن کی خوبصورت کھالوں' بیش بہا دوشالوں' سنہرے تاروں کے کام والے کپڑوں وغیرہ کا خصوصی ذکر موجود ہے۔

ڈاکٹر کاشی پرشاد جیسوال نے ہندو پالٹی ص 140 پر کئی دوسرے تاریخ دانوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ اشوک (Ashwak) کمبوجوں کا دوسرا نام تھا۔ ان اشوک کمبوجوں کے موریہ عہد حکومت کے کچھ سکے دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سکوں پر ایک کابلی آدمی لمبا چغہ پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے جو موریہ حکومت کے نشان "پہاڑ پر چاند" کو سلام کر رہا ہے۔

ڈاکٹر جیسوال کے اس بیان سے تین باتیں واضح ہوتی ہیں اول یہ کہ کمبوج بحیثیت حکمران اپنے سکے بھی جاری کرتے تھے' دوسرے ان کا قومی لباس چغہ تھا' تیسرے انہوں نے اپنی دوست موریہ حکومت کا نشان اپنا لیا ہوا تھا۔

اہل کمبوج کا طرز حکومت: یہ ایک وسیع مضمون ہے۔ مختصراً" اپنی پڑوسی اقوام کرو' شک اور یون کی طرح کمبوجوں میں بھی جمہوریت رائج تھی۔ باہمی جھگڑوں کے فیصلے مل جل کر کئے جاتے تھے لڑائی درپیش ہوتی تو اپنا سردار خود منتخب کر لیتے تھے۔ جنگ مہابھارت کے زمانہ میں کمبوج راجہ چندر ورما کا پتہ چلتا ہے جس کے بیٹے راجہ سود کھشن نے ایک لاکھ سے زائد فوج کے سربراہ کی حیثیت سے ملک کمبوج کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے۔ بدھ مذہب کی کتابوں میں جہاں شمالی اور شمال مغربی ہندوستان کے راجوں کے نام گنوائے گئے ہیں۔ کمبوج اور گردوپیش کے دو تین ممالک کے صرف نام لکھ دئے گئے ہیں۔ کیونکہ وہاں جمہوری حکومتیں قائم تھیں۔ جمہوریت کے سربراہ کو ہی راجہ یا مہاراجہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہاں باقاعدہ طور پر شخصی یا کسی خاص خاندان کی حکومت نہ ہوتی تھی۔ ملک کا نظام چلانے کے لئے مجلس مشاورت ہوا کرتی تھی۔ جسے ہم جرگہ یا سپریم کونسل کہہ سکتے ہیں۔

ہخامنشی حکومت کا استیلا اور زوال : کمبوجیا دوم کی وفات کے بعد 521 ق م میں خاندان کا واحد حق دار دارا اول فارس کے تخت پر بیٹھا اس نے اپنی سلطنت کو وسعت دینا شروع کی' سب سے پہلے بغاوتیں فرو کیں پھر شمالی اور مشرقی ممالک جو کورس کبیر نے فتح کر لئے تھے مگر ان پر تسلط قائم نہ کیا تھا زیر نگیں کئے اس کے بعد پنجاب کا رخ کیا اور قلیل عرصہ میں سندھ اور بلوچستان تک کا علاقہ دوبارہ ایرانی حکومت کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ اس کے زمانہ میں زردشتی مذہب کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

اسی دور میں ہندوستان میں ایک نیا مذہب ظہور میں آیا اس کے بانی سدھارتھ ساکیہ منی (گوتم بدھ) کی ولادت ٹیکسلا کے آثار قدیمہ کی رو سے 563 ق م میں اور وفات 483 قبل مسیح میں ہوئی۔ انہوں نے ہندوستان کے طول و عرض میں اپنے مذہب کا پرچار کرنا شروع کیا۔ مہاتمابدھ کا پیغام لے کر بدھ بھکشو اطراف و جوانب ملک میں پھیل گئے۔ برہمنوں کی چیرہ دستیوں کے ستائے ہوئے عوام خاص کر ویش اور شودر قوموں میں بدھ مذہب کے لئے بڑی کشش تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مہاتمابدھ کی زندگی میں ہی اس مذہب کو شمالی ہندوستان میں خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔

بدھ مذہب کی کتابوں میں راجہ للتادتیہ اور ارجن وغیرہ کے تسخیر عالم کے مبالغہ آمیز افسانوں کی طرز پر مہاتما بدھ کے عالمی تبلیغی سفر کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس کہانی کا حقیقت سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ ممکن ہے بدھ بھکشو دریائے سندھ کے دوسری طرف گندھارا' یون' شک اور کمبوج میں بھی گئے ہوں مگر یہ علاقے اس وقت مستحکم ایرانی سلطنت کا حصہ ہونے کی وجہ سے زردشتی مذہب کے پیروکار تھے البتہ جب سن 326 قبل مسیح میں یونان کے بادشاہ سکندر اعظم نے دارا سوم کو شکست دے کر ہخامنشی سلطنت کا چراغ گل کر دیا تو زردشتی مذہب بھی روبہ زوال ہونے لگا۔

317 قبل مسیح میں چندر گپت موریہ نے مگدھ کی سلطنت پر قابض ہو کر موریہ خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس نے ملک کی چھوٹی چھوٹی خودمختار مگر کمزور ریاستوں کو فتح کر کے ایک وسیع مملکت قائم کر لی۔ بدھ مذہب کا پیرو ہونے کی وجہ سے اس نے اس مذہب کی اشاعت کے لئے بہت کوشش کی مگر برہمنوں کو ایک کھشتری راجہ کا یہ کردار

ایک آنکھ نہ بھایا اور انہوں نے چندر گپت موریہ کی ذات پر نہایت ناروا اور رکیک حملے کئے اسے نیچ ذات اور شودر ماں کا بیٹا ظاہر کیا گیا۔ ان کا یہ رویہ اسی روایتی ہندو ذہنیت کا عکاس تھا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ لیکن بدھ مذہب کے مہرتاباں کی روشنی میں ان کا چراغ ٹمٹما کر رہ گیا۔ مصلحت وقت کے تحت برہمنوں نے بتدریج اپنے اصول زمانے کی روش کے مطابق ڈھال لئے۔

چندر گپت موریہ کے پوتے اشوک نے اپنی سلطنت کو مزید وسعت دی اور افغانستان تک کا علاقہ زیر نگیں کر لیا ایک عظیم اور مستحکم سلطنت کا حاکم ہونے کی بناء پر اسے تاریخ میں اشوک اعظم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اشوک نے بدھ مت کے اصول لاٹوں اور پتھروں پر کندہ کرا کے سلطنت کے مختلف مقامات پر نصب کرائے۔ یہ کتبے جن کی تعداد تیس سے زیادہ ہے مقامی زبانوں میں لکھے گئے۔ ان میں سے کتبہ نمبر 5 اور نمبر 13 جو گندھارا' یون اور کمبوج کے لئے لکھوائے گئے تھے۔ اب بھی پاکستان کے کئی مقامات پر موجود ہیں خاص کر شہباز گڑھی ضلع مردان اور مانسہرہ ضلعی صدر مقام کی شنکیاری روڈ پر واقع کتبے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ خروشٹی اور ارامئی رسم الخط کے ماہرین نے ان کا ترجمہ کیا ہے۔ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آرکیالوجی کی تحقیق اور توجہ سے ان پر مزید روشنی پڑی ہے۔

کتبہ نمبر 5 اور 13 سے ملک کمبوج کے محل وقوع اور کمبوج قوم کے مذہبی رجحانات معلوم کرنے میں بہت مدد ملی ہے۔ ذیل میں کتبہ نمبر 13 سے ایک اقتباس پیش ہے۔ اشوک نے یہ کتبہ کالنگا کی فتح کے بعد لکھوایا تھا۔ کالنگا کی جنگ میں فریقین کے ہزاروں افراد مارے گئے تھے جس سے اشوک کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے آئندہ کے لئے محبت اور حسن اخلاق سے قوموں کو فتح کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کتبے کے شروع میں انسانی جانوں کے اس عظیم اتلاف پر گہرے دکھ کا اظہار کیا گیا ہے۔ آگے چل کر لکھا ہے:

"... اور یہ فتح (مذہب کی فتح) دیوتاؤں کے محبوب (اشوک) کی سب سے بڑی فتحیابی سمجھی جاتی ہے جو مذہب کے تعلق اور واسطہ سے حاصل ہوئی ہے نیز اس کے بعد بھی دیوتاؤں کے محبوب کو نہ صرف یہاں بلکہ سرحدی حکومتوں میں یہ فتح حاصل ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ چھ سو یوجن (ایک یوجن = 8 میل) دور تک جہاں یون کا بادشاہ

امیتایوک حکمران ہے اور اس سے آگے چار بادشاہ جن کے نام تورامے۔ امتیکین۔ مک اور ایلکسمدر (الیگزینڈر) ہیں ... اسی طرح بادشاہ کی سلطنت میں رہنے والے یون' کمبوج' نابھک اور نابھانپتی ہیں ... ہر جگہ یہ لوگ مذہب کے معاملہ میں دیوتاؤں کے محبوب کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں ..." الخ

بدھ مذہب کی بہت سی کتابوں میں بھی ملک کمبوج اور وہاں جانے والے مبلغین کا تذکرہ موجود ہے۔ بنجمن واکر اپنی کتاب ہندو ورلڈ ص 520 پر لکھتا ہے:

" Asoka sent missionaries to the Kambojas and recorded their conversion to Buddhism in a rock edict"

"اشوک نے کمبوجوں کے لئے مبلغین بھیجے اور ان کی بدھ مذہب میں شمولیت کو پتھر کی ایک چٹان پر کندہ کرایا۔"

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمبوجوں نے اشوک کے عہد میں بدھ مذہب قبول کیا۔ مذہبی کتابوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ موریہ سلطنت کا چراغ بجھ جانے کے بعد شک (شاکا یا ساکا)' یون' کمبوج' کشان وغیرہ قومیں بہت دیر تک بلکہ ہندوستان پر قابض ہونے کے بعد بھی بدھ مذہب کی تعلیم پر عمل کرتی رہیں جس سے ان پر برہمنوں کا عتاب نازل ہوتا رہا۔

کمبوجوں کا مذہب: تاریخی حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں کمبوہ معتدل اور روادارانہ رویہ کے حامل تھے۔ ان کو مذہب میں متشددانہ عمل پسند نہ تھا۔ یہ درحقیقت ان کے جمہوری طرز زندگی کا لابدی نتیجہ تھا۔ مہابھارت کے دور میں وہ ویدک مذہب کے پیروکار اور ویدوں کے سچے اصولوں پر کاربند تھے (ہندو مذہب کی اصطلاح بہت بعد میں رائج ہوئی)۔ جب برہمنوں نے اپنی اجارہ داری اور جاہ پرستی کے زیر اثر مذہب میں نئی نئی بدعتیں شامل کر دیں اسے توحید پرستی (Mono theism) کی بجائے بت پرستی کا مذہب بنا دیا تو کمبوجوں میں مایوسی پھیل گئی اتفاق سے اسی زمانہ میں ایران میں زرتشت کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا تو کمبوج جو توحید کے پرستار تھے قدرتی طور پر ویدک دھرم چھوڑ کر زرتشتی مذہب میں داخل ہو گئے۔

جب بدھ مذہب کا ظہور ہوا تو رفتہ رفتہ بودھ بھکشوؤں کے ذریعے مہاتمابدھ کی

تعلیمات گندھارا اور کمبوج تک بھی پہنچیں۔ ادھر زرتشتی مذہب میں تحریفات شروع ہو چکی تھیں۔ ایک خدا کی بجائے دو خدا بنا لئے گئے نیز سکندر اعظم کے حملے کے بعد ہخامنشی خاندان بھی زوال پذیر ہو گیا جس سے پورا علاقہ بدھ مذہب کے اثر میں آ گیا۔ کمبوجوں کو بدھ مذہب میں کشش نظر آئی تو بھارت کے تمام علاقوں کی طرح کمبوجوں میں بھی بدھ مذہب مقبول ہو گیا۔

برہمنوں کی سازش سے دوسری صدی عیسوی کے بعد بدھ مذہب میں تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں جس سے بدھ مذہب کی مقبولیت میں کمی واقع ہونے لگی لیکن بدھ مذہب کے پیرو حکمرانوں کی وجہ سے اس مذہب کو سہارا ملتا رہا۔ چھٹی صدی میں برہمنوں نے ہنوں کو کھشتری کا سروپ دے کر ان سے بودھوں کا قتل عام کرایا مہر گل کی سفاکی تاریخ کا سیاہ باب ہے۔ برہمنوں کی روباہ کاریوں کے باعث ساتویں صدی کے آغاز میں بدھ مذہب تیزی سے روبہ زوال ہونا شروع ہو گیا۔ اس کے باوجود کمبوج بدستور بدھ مذہب سے وابستہ رہے۔ آٹھویں صدی میں آسام کے ایک برہمن مبلغ کمارل بھٹ اور اس کے بعد مالا بار کے مشہور برہمن سوامی شنکر اچاریہ نے برہمنی مذہب کو فروغ دے کر بدھ مذہب کو بھارت سے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھارت میں بسنے والے کمبوج بھی برہمنی دھرم کے تابع فرمان ہو گئے۔ البتہ وادئ کابل میں رہنے والے اکثر و بیشتر کمبوج اپنے بدھ مذہب پر قائم رہے حتیٰ کہ مسلمانوں کی آمد کے بعد یہ لوگ اسلام کی حقانیت پر ایمان لے آئے۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ آج تک وہاں موجود ہوں (کافرستان کے کافروں کو کمبوجوں سے منسلک کرنا درست نہیں ہے) مسلمان کمبوہ جو حملہ آوروں کے ہمراہ ہندوستان آئے یہیں کے ہو رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملتان کے اکثر مسلمان کمبوہ محمود غزنوی اور محمد غوری کی افواج کے ساتھ آنے والوں کی اولاد ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ملتان میں کئی سو سال قبل بھی ہندو کمبوہ موجود تھے۔

مسلمان بزرگان دین اور اولیائے کرام بالخصوص حضرت بہاؤالدین زکریاؒ، فریدالدین گنج شکرؒ، سید علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش، شیخ سماء الدینؒ وغیرہ کی تبلیغ سے ہندوستان میں مقیم ہندو کمبوج بھی کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پنجاب کے

رو کمبوہوں کی اکثریت نے آج سے دو تین صدی پیشتر سکھا گردی کے دور میں سکھ ہب قبول کر لیا چنانچہ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں کی بہ نسبت سکھ کمبوہ زیادہ تعداد میں وجود ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت برصغیر پاک و ہند میں مسلمان کمبوہ یر مسلم کمبوجوں سے زیادہ ہیں۔

کمبوجوں کی زبان اور لٹریچر: کمبوجوں کی زبان بنیادی طور پر سنسکرت تھی جس یں ایرانیوں سے اختلاط کی وجہ سے ایرانی زبان کے الفاظ کی بھرمار ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر ہیالال کمبوج لکھتے ہیں کہ کمبوجوں کی زبان کے بارے میں سب سے پہلا تذکرہ سنسکرت کے عالم یاسک نے کیا ہے جس نے کہا ہے کہ مقام اور ماحول کی تبدیلی سے زبان میں تبدیلی آ جانا ایک بدیہی امر ہے ایک ملک کے اندر ایک لفظ اپنے مادہ میں فعل کی شکل میں استعمال ہوتا ہے اور دوسری جگہ بالکل تبدیل ہو کر بلکہ بسااوقات مختلف معنوں میں بولا جاتا ہے۔

اس مضمون کی بنیاد پر جی اے گریرسن نے ایک مضمون "کمبوجوں کی زبان" JRAS لندن میں شائع کرایا۔ ان کے خیال میں کمبوج سنسکرت تو بولتے تھے مگر ان کے بعض الفاظ ایسے ہیں جو سنسکرت میں نہیں بلکہ وہ صریحاً" ایرانی الفاظ ہیں۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ کمبوج ایسی زبان بولتے تھے جو تھوڑی سی ہندوستانی آریہ زبان تھی اور تھوڑی سی ایرانی یعنی دونوں زبانوں کا مرکب تھی۔ پروفیسر ای کہن نے بھی اس موضوع پر طبع آزمائی کی۔ انہوں نے محض ایک لفظ 'شو' بمعنی ہونا کی بنیاد پر کمبوجوں کو ایرانی ثابت کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے علمائے لسانیات نے اس کی تردید کی۔ ایرانیوں کی قدیم زبان 'ژند اویستا' کی زبان ہے اور یہ سنسکرت سے اس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ کہ دونوں میں کوئی نمایاں تفاوت معلوم نہیں ہوتا۔

تلفظ اور لہجہ کے معمولی سے فرق کے ساتھ ان مذاہب کے اکثر منتروں کی زبان کی مماثلت صاف بتاتی ہے کہ ایرانی آریہ اور بھارتی آریہ لوگوں کی نہ صرف زبان بلکہ ان کے مذہب اور عبادت وغیرہ میں بھی خاصی یگانگت ہو گی۔

جس طرح پنجابی زبان کی مختلف بولیاں ہند کو' پوٹھوہاری' ملتانی' سرائیکی' ماجھی' مالوی' پچادھی وغیرہ الگ الگ علاقوں میں بولی جاتی ہیں لیکن ان کی بنیادی زبان ماجھے کی

پنجابی ہے اسی طرح ڈاکٹر گریرسن کے مطابق گلچہ زبان کی یہ سات بولیاں ہیں بلخی' شغنی' سریکولی' جیسکی' منجانی' یدگا اور یگنوبی اور ان سب کی ماخذ گلچہ زبان ہے چترال کے درہ ڈورا کے مغرب سے لے کر سطح مرتفع پامیر' کوہ ہندو کش اور بلخ تک کے علاقوں میں یہ بولیاں رائج تھیں بہت غور و خوض کے بعد ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تمام بولیوں کی ماں گلچہ زبان کی جڑ قدیم کمبوجوں کی زبان تھی۔

ادبی ذخائر کی چھان پھٹک سے کمبوج عالموں کی کسی ادبی' مذہبی یا افسانوی تصنیف کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان کی زبان ایک عرصہ سے متروک ہو چکی ہے۔ دوسرے ممکن ہے امتداد زمانہ سے ان کی تالیفات تلف ہو گئی ہوں۔ تیسرے قدیم زمانہ میں تحریر کے لئے عموماً" تصاویر سے کام لیا جاتا تھا باقاعدہ رسم الخط بعد میں ایجاد ہوا۔ اشوک کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس علاقے میں دو رسم الخط براہمی اور خروشٹی رائج تھے۔ براہمی رسم الخط کے کتبے ہندوستان کے تمام علاقوں میں ملتے ہیں جبکہ پاکستان کے شمال مغربی اور افغانستان کے شمال مشرقی علاقوں میں خروشٹی کا رواج تھا محققین کا خیال ہے کہ خروشٹی حروف کا ارتقاء ہخامنشی دور میں رائج ایران کی سرکاری زبان ارامئی طرز تحریر سے ہوا ہے کمبوج وغیرہ میں خروشٹی اور یون میں ارامئی لکھی اور پڑھی جاتی تھی۔ واضح ہو کر خروشٹی اردو کی طرح دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے۔

ذریعہ معاش: کسی قوم کا ذریعہ معاش اس کی ثقافت پر بہت اثر انداز ہوتا ہے ملک کمبوج سرد پہاڑی علاقہ ہونے کے باوجود بہت سرسبزوشاداب تھا جزوی طور پر لوگوں کا پیشہ زراعت تھا مگر اجناس غلہ اپنی ضرورت کے مطابق ہی کاشت کی جاتی تھیں۔ کیونکہ ان کی برآمد کا نہ ذریعہ تھا نہ ضرورت۔ چونکہ زراعت کفالت کا پورا ذریعہ نہ بن سکتی تھی اس لئے حسب ضرورت' حسب استطاعت اور پیشہ ورانہ مہارت کے مطابق لوگ ایک سے زیادہ پیشے اپنا لیتے تھے فردا" فردا" تفصیلی ذکر آگے چل کر ہو گا مختصرا" ان میں پھلوں کو خشک کرنا۔ جڑی بوٹیاں اکٹھی کرنا۔ اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی پرورش۔ دوسرے مویشی مثلاً گائے بیل' بھیڑ بکریاں پالنا' چمڑے اور اون کی مصنوعات تیار کرنا' پہاڑوں سے ہیرے جواہرات نکالنا اور سب سے بڑھ کر سپہ گری اور سامان حرب تیار

کرنا وغیرہ شامل تھے۔ اس لئے صنعت و حرفت اور غیر ملکی تجارت کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

منسلکہ نقشہ سے واضح ہو گا کہ ملک کمبوج ایک ایسے مرکزی مقام پر واقع تھا جہاں سے مختلف ممالک کو راستے جاتے تھے۔ چہار اطراف سے تجارتی قافلوں کی آمدورفت کی وجہ سے یہ ایک بہت بڑی تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ ہخامنشی عہد حکومت میں ایرانی فن تعمیر شاہراہات کے مطابق ایک شاہراہ پاٹلی پتر سے براستہ گندھارا کمبوج تک بنائی گئی تھی۔ جس پر بنارس' متھرا' ہستناپور' سیالکوٹ' ٹیکسلا' پشاور اور درواز (دارالحکومت جمہوریہ کمبوج) واقع تھے۔ اس سے آگے یہ سڑک بلخ بامیان تک کو ملاتی تھی۔ اس شاہراہ کی وجہ سے بھارت کے سیاسی اور اقتصادی حالات پر بھی بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔

ڈاکٹر باسو دیو سرن اگر وال نے اپنے مضمون 'قدیم ہندوستانی جغرافیہ' جس کی ڈی سی سرکار نے تائید کی۔ ص 141 تا 146 میں قدیم ہندوستانی شاہراہوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے سب سے اہم شاہراہ اتراپتھ کی تھی جس کا پانینی نے تجارتی سامان لانے لیجانے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے اس علاقے کا نام اتراپتھ بھی اسی شاہراہ کی بناء پر پڑ گیا تھا اسی راستے سے گھوڑوں اور کمبلوں کی خاص طور پر تجارت ہوتی تھی جس کے لئے کمبوج کے علاوہ گندھارا اور بلخ عالمگیر شہرت رکھتے تھے۔ یہ شاہراہ اب جی ٹی روڈ یا شاہراہ اعظم کہلاتی ہے۔ اس شاہراہ کو ایرانیوں نے اپنے زیر انتظام از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ یہ ایشیا بھر میں خشکی کے راستہ کی سب سے بڑی سڑک تھی۔ چندر گپت موریہ اور اشوک نے اس سڑک پر سفر کرنے والے قافلوں کی حفاظت کے لئے بہت سے اقدام کئے تھے۔

قدیم بھارتی ادب میں اس کے علاوہ بھی چار پانچ تجارتی راستوں کا پتہ چلتا ہے جو سب کے سب ملک کمبوج سے ہو کر گزرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک کمبوج ایک ایسے چوراہے پر واقع تھا جہاں سے نہ صرف مشرقی' وسطی اور جنوبی ہندوستان کی طرف شاہراہیں جاتی تھیں بلکہ اس ملک کو مشرق میں چین' مغرب میں ایران' مصر اور روم اور شمال کی طرف کیپین اور بحیرہ روم کے ملکوں سے ملاتی تھیں۔ ان میں ایک شاہراہ وہ بھی تھی جسے شاہراہ ریشم (Old Silk Route) بھی کہا جاتا ہے

جو پاکستان کو چین اور وسطی ایشیا سے ملاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں ہندوستانی تاجر اسی راستے سے کاشغر' یارقند' ختن اور ترخان وغیرہ منڈیوں سے تجارت کرتے تھے۔ بدھ مذہب کے مبلغ بھی اسی راستے سے چین گئے تھے۔

معدنیات : کمبوج میں ہیرے' جواہرات' نیلم اور پکھراج کی کانیں تھیں جہاں سے یہ قیمتی پتھر نکال کر دوسرے ملکوں میں فروخت کئے جاتے تھے۔ بدخشاں کی چاندی کی کانیں بھی بہت مشہور تھیں۔ قدیم ہندوستانی ادب میں کمبوج سے آمدہ تحائف میں سونے چاندی کے علاوہ بیش قیمت ہیروں کا بھی ذکر ہے۔ بی ایس لپادھیا نے اپنی کتاب India in Kalidasa (مطبوعہ دہلی 1968ء) ص 61 میں لکھا ہے :

"In like manner Kalidasa's mention of the gems and gold presented to Raghu by the Kambojas can also point to the correctness of our identification, as even now there are emarald and lapis mines extant near the Galcha speaking town of Munjan."

(اسی طرح کالیداس کا یہ بیان کہ کمبوہوں نے رگھو کو سونا اور ہیرے بطور تحفہ پیش کئے تھے ہمارے مقرر کردہ ملک کمبوج کی جائے وقوع کی صداقت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آج بھی گلچہ زبان والے منجان نامی شہر کے نواح میں پکھراج اور نیلم کی کانیں موجود ہیں) ان اشیاء کی افراط کا نتیجہ تھا کہ کمبوجوں میں نہ صرف عورتیں اور مرد زیورات پہنتے تھے بلکہ وہ اپنے گھوڑوں کو بھی زیورات سے آراستہ کرتے تھے۔

سامان حرب : کمبوہ فن سپاہ گری میں ماہر قوم ہونے کی وجہ سے تیغ آزمائی' نیزہ بازی اور تیراندازی میں یکتا تھے۔ تیر' کمان' نیزہ اور تلوار جیسے مروجہ ہتھیار وہ نہ صرف اپنے لئے بناتے تھے بلکہ ان کی اعلیٰ کوالٹی کے باعث دوسرے ممالک میں بھی ان کی بڑی مانگ تھی۔ یہ لوگ جنگ میں کام آنے والے خوبصورت اور مضبوط رتھ بھی تیار کرتے تھے جو دوسرے ملکوں کے تاجر خرید کر لے جاتے تھے ان جنگی رتھوں کو ہم بلامبالغہ اس عہد کے ٹینک یا آرمرڈ کار کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ لوہے کی مضبوط پتریوں سے منڈھے ہوتے تھے اور سجاوٹ کے لئے ان پر سنہرے پترے چڑھا دئے جاتے تھے۔ ان کی خوبی یہ ہوتی تھی کہ تیروں کی بارش ان پر اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ ان رتھوں

کو کھینچنے کے لئے مضبوط ڈیل ڈول والے بیلوں کی پرورش بھی کی جاتی تھی۔ رتھوں کے ساتھ ان بیلوں کی فروخت بھی معقول آمدنی کا ایک ذریعہ تھی۔

زراعت: ملک کمبوج کی زرعی پیداوار میں گیہوں' جو' چاول اور تل کو اولین اہمیت حاصل تھی۔ لیکن یہ اجناس اپنی ملکی ضرورت کے مطابق ہی کاشت کی جاتی تھیں۔ کیونکہ ان کی برآمد کا نہ ذریعہ ہوتا تھا نہ کسی دوسرے ملک سے مانگ' زعفران کی بھی کاشت ہوتی تھی سیب' انگور' خوبانی وغیرہ پھلوں کی بہتات تھی۔ خشک میوہ جات میں کشمش' بادام' اخروٹ اور خشک خوبانی وغیرہ چین' ایران اور ہندوستان کو برآمد کی جاتی تھیں۔ جنگلوں میں شہد بکثرت ملتا تھا۔

مویشیوں کی پرورش کے باعث دودھ گھی کی بہتات تھی انہیں دودھ سے بنے ہوئے کھانے بھی مرغوب تھے۔ گوشت بھی استعمال ہوتا تھا لیکن بدھ مذہب کے دور میں مذہبی ممانعت کے باعث گوشت کو یقیناً ترک کر دیا ہو گا۔

یونانی مؤرخین نے دریاؤں' شہروں' قوموں اور شخصیتوں کے نام بھی اپنی ہی زبان کے لحاظ سے لکھے ہیں۔ گھوڑے پالنے کی مناسبت سے انہوں نے کمبوہوں کو اشوک لکھا ہے۔ بھارتی لٹریچر کے مطابق اشوک Ashwak کمبوہ قوم کا دوسرا نام تھا کئی جگہ کمبوہوں کے لئے اشوک استعمال ہوا ہے۔ سکندر اعظم کو اس ملک کے گھوڑے بہت پسند آئے البتہ جس جانور نے یونانیوں کی زیادہ توجہ مبذول کرائی وہ یہاں کے خوبصورت اور موٹے تازے بیل تھے جو ہل چلانے' نقل و حمل اور جنگی رتھ کھینچنے کے کام بھی آتے تھے۔ تالیمی نے لکھا ہے اور بدھ پرکاش اور ارین نے تصدیق کی ہے کہ سکندر نے لڑائی میں فتح پانے کے بعد کمبوج سے بے شمار بیل اور آدمی مقدونیہ بھیج دیئے تھے۔

History of the Punjab جلد اول ص 225 (مطبوعہ پٹیالہ 1976ء) میں لکھا ہے:

"It appears that the Asvayanas (Kambojas) were good cattle-breeders and agriculturists. This is clear from the big number of the bullcoks, 2,30,000 according a Arrian, of a size and shape, superior to what the Macedonians had not known, which Alexander captured from there and decided to send

them to Macedonia for agriculture."

"معلوم ہوتا ہے اسویانی (کمبوج) مویشیوں کی پرورش اور فن زراعت میں ماہر تھے۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ بیلوں کی کثیر تعداد' بقول مسٹر ارین دو لاکھ تیس ہزار' سکندر نے قبضہ میں کر کے زراعت کے لئے مقدونیہ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ بیل قدوقامت اور شکل و صورت میں ان بیلوں سے بہت اعلیٰ تھے جو یونانیوں نے کبھی دیکھے یا سنے تھے" یہاں آدمیوں کی تعداد نہیں بتائی گئی جو ارین کے مطابق چالیس ہزار تھی۔ ممکن ہے اس تعداد میں مبالغہ ہو اور اصل تعداد کم ہو۔ بہرحال کمبوجوں کی کثیر تعداد یونان بھیجی گئی تھی ممکن ہے ان میں سے کچھ لوگ اپنے گھروں کو واپس بھی آ گئے ہوں اور باقی وہیں رہ کر آخر یونانی قوم کا حصہ بن گئے ہوں۔ آبادی میں اضافہ کے اصول کے مطابق اب ان کی تعداد (گزشتہ 2300 سال میں) لاکھوں تک پہنچی ہو گی۔ ریسرچ سکالرز کو اس مسئلہ پر ضروری توجہ دینی چاہئے کہ آیا کمبوہ نسل کے لوگوں نے یونان جا کر اپنا الگ تشخص برقرار رکھا تھا یا وہ یونانی قوم میں مدغم ہو کر اس قوم کا جزو لاینفک بن گئے تھے۔ البتہ اس بات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہو گی کہ موجودہ یونانیوں کی رگوں میں یقیناً کمبوہ قوم کا خون گردش کر رہا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد ہماری برادری کے ایک فوجی نے بتایا کہ تقریباً ایک سال تک ان کی بٹالین وار زون سے دور یونان میں رہی اس دوران میں یونانی دیہاتیوں سے اکثر ان کا رابطہ رہتا تھا' مذکور نے بتایا وہ لوگ ہم سے بہت گھل مل گئے تھے۔ بسااوقات وہ ہمیں اپنے گھروں پر مدعو بھی کر لیتے تھے ہمیں ان کے خدوخال' رسم و رواج اور طرز معاشرت دیکھ کر ایک گونہ خوشگوار حیرت کے ساتھ یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم یونان میں نہیں اپنے پنجاب کے کسی گاؤں میں آئے ہوئے ہیں اور یہ لوگ ہمارے اپنے قریبی عزیز ہیں۔"

آج پچاس سال بعد اوپر بیان کئے گئے تاریخی واقعات پر غور کرتے ہوئے ہمیں اس عزیز کے بیان سے غالب گمان گزرتا ہے کہ وہ یونانی دیہاتی یقیناً ان قدیم کمبوجوں کی اولاد ہوں گے جن کو سکندر اعظم اپنے ہمراہ ملک کمبوج سے یونان لے گیا تھا۔

تفریحی مشاغل اور بعض رسوم: اعلیٰ نسل کے گھوڑے پالنا ان کا محبوب مشغلہ

تھا۔ گھوڑوں کی دوڑ اور نیزہ بازی میں طاق تھے پولو کا کھیل کمبوجوں کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔ موسیقی سے ان کا لگاؤ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اکثر موسیقاروں نے اپنی تصانیف میں ان کا ذکر کیا ہے کیموج یا کھماج ان ہی کی ایجاد بتائی جاتی ہے۔

کمبوجوں کی مستورات کے کام کاج' لباس' زیورات اور دیگر رسم و رواج وغیرہ کے بارے میں کوئی خاص شواہد دستیاب نہیں ہوئے۔ البتہ بعض قصے کہانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ میدان کار زار میں بھی اپنے شوہروں کے ہمراہ حصہ لیتی تھیں۔ ایک کہانی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ گھر میں کام کرنے والا کوئی مرد نہ ہوتا تو انہیں حصول معاش کے لئے خود کام کرنا پڑتا تھا۔

ادویہ اور دیگر بر آمدات: ادویہ اور جڑی بوٹیوں میں ماش پرنی' ہینگ پرنی (جس سے ہینگ بنتی ہے) کرونجی' زعفران' سپاری اور شہد زیادہ مشہور تھے۔ یہ اشیاء عام طور پر ہندوستان کو بر آمد کی جاتی تھیں۔

بھیڑ بکریوں کی پرورش کا بڑا مقصد اون حاصل کر کے کمبل' شال دوشالے' قالین' غالیچے چغے وغیرہ بنانا تھا۔ اس صنعت کے لئے ملک کمبوج بہت مشہور تھا۔ جنگلی لومڑیوں اور پہاڑی غاروں میں رہنے والی بلیوں کے نرم و نازک بالوں اور کھال سے عمدہ ملبوسات تیار کئے جاتے تھے۔ زردوزی کا کام عروج پر تھا۔ ہرن کی کھال سے مرگ چھالا' تیار کی جاتی تھی جس کی بھارت میں بہت مانگ تھی۔ ان جانوروں کے چمڑے سے اور بھی بہت سی اشیاء تیار کی جاتی تھیں۔ جو ایران وغیرہ کو بر آمد ہوتی تھیں۔

پورے ہندوستان اور وسطی ایشیا میں ملک کمبوج کے گھوڑوں کو پہلا درجہ حاصل تھا۔ چنانچہ تمام کتابوں میں جہاں گھوڑوں کی درجہ بندی کی گئی ہے کمبوج کے گھوڑے اول درجہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ (35) کوٹلیہ کے ارتھ شاستر کے مطابق "اعلیٰ ترین نسل کے گھوڑے جو میدان کار زار میں لاجواب گنے جاتے ہیں۔ بالترتیب

---

(35) ملک کمبوج کے گھوڑے اپنی انفرادی خصوصیات کی وجہ سے دنیا بھر میں بہترین مانے جاتے تھے ان کو تازی نسل سے قرار دینا (تاریخ کمبوہاں ص 57) درست نہیں۔ اور یہ بھی درست نہیں کہ کمبوہ قوم کا آبائی وطن عراق عرب تھا۔

کمبوج، سندھ، آرٹ میں پائے جاتے ہیں۔" سنسکرت، پالی اور دوسری زبانوں کے ادب اور کتبوں میں ملک کمبوج کے گھوڑوں کا جس قدر ذکر ہے اس سے کئی ضخیم کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے شاہی رسالہ میں کمبوج کے گھوڑے رکھنا فخر کی بات سمجھا جاتا تھا۔ رامائن، مہابھارت، رگھوونش، بدھ مذہب اور جین مت کی کتابیں کمبوج دیس کے گھوڑوں کی تعریف و توصیف سے بھری پڑی ہیں۔ ان خوبصورت، تیز رفتار، ریشمی ایال والے اور میدان جنگ کے ماہر گھوڑوں کی روس، چین، ایران، ہندوستان ہر جگہ بڑی مانگ تھی۔

ملک میں پالتو گھوڑوں کے علاوہ جنگل سے بھی گھوڑے پکڑے جاتے تھے۔ ایک خاص قسم کی گھاس پر شہد چھڑک کر جنگلی گھوڑوں کو اس گھاس کی طرف ہانکا جاتا اور آگے ایک مقام پر بند باڑے میں لیجا کر پکڑ لیا جاتا اور پھر نہایت اعلیٰ تربیت کی جاتی، اس تربیت میں بھی صرف کمبوج ہی ماہر تھے۔

کنال جاتک نام کی ایک کتاب میں عیاش اور دولت کی متلاشی عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اپنے شکار مرد کو چکنی چپڑی باتوں سے ایسے ہی پھانس لیتی ہیں جس طرح کمبوج دیش کے لوگ شوال گھاس سے گھوڑوں کو پھانس لیتے ہیں۔ شارحین نے گھوڑوں کو پکڑنے کی ترکیب پوری تفصیل سے لکھی ہے۔

شاعراعظم بھاس نے اپنے مشہور عالم ڈرامہ کرن بھار میں ص 19 پر لکھا ہے۔

"جب اندر دیوتا برہمن کا بھیس بدل کر راجہ کرن کے پاس گئے اور اس سے اس کا فولادی خود اور کان کے آویزے طلب کئے تو کرن نے جس چیز کی فراہمی کی شرط عاید کی وہ سورج کے گھوڑوں کے ہم پایہ، راج لکشمی دلانے والے، راجاؤں کی نظر میں قابل تحسین، بیشمار خوبیوں سے آراستہ، تیز ہوا کی مانند سبک رفتار، جنگ میں بہتر طور پر کام آنے والے، کمبوج دیش میں پیدا ہونے والے کئی ہزار گھوڑے تھے۔"

ملک الشعراء بھان بھٹ نے اپنے ڈرامہ ہرش چرتر میں راجہ ہرش کے دربار کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ملک کمبوج کے سینکڑوں گھوڑوں نے جو کھن کھناتے ہوئے سنہری زیور پہنے ہوئے تھے اور ان کی مستانہ چال سے چھن چھناہٹ کی آوازیں آ رہی تھیں شاہی دربار

کے آنگن کو پار کیا اس وقت دربار ہال اطراف واکناف کے راجاؤں سے بھرا ہوا تھا۔"

"پراچین کمبوج' جن اور جن پد" میں بیان کردہ بہت سے قصص میں سے مذکورہ چند اقتباسات دلچسپی کا باعث بنے ہوں گے۔ اب ان فقید المثال گھوڑوں کے بلند مرتبت مالکوں کے حالات کا تذکرہ ملاحظہ ہو کہ جن جوانمردوں کے گھوڑوں کی تعریف میں ایک زمانہ رطب اللسان تھا وہ خود کیا تھے۔

شجاعت و بسالت: یہ ذیلی عنوان دراصل تاریخی عمل سے پیدا ہونے والی حقیقت کا اظہار ہے۔ اس سے ہمارا مقصد قومی تفخریا تکبر نہیں ہم نے مذہبی سکالرز' مؤرخین' محققین اور علمائے ادب کے بیانات' مقالات اور تحریروں سے موافق اور مخالف ہر قسم کے خیالات کا بلاکم و کاست برملا اظہار کیا ہے اگر ہمارے اخذ کردہ نتائج سے قارئین کو کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو ہم جائز اور تعمیری مدلل تنقید کا خیر مقدم کریں گے کیونکہ یہ اصلاح احوال کا بہترین ذریعہ ہے۔

سیاسی شعبدہ گری کے مسلمہ استاد کوٹلیہ نے اپنی مشہور تصنیف ارتھ شاستر کے باب اقتصادیات میں لکھا ہے کہ کمبوج تجارت اور ہتھیاروں کے ذریعے اپنی روزی کماتے تھے۔ ڈاکٹر جیالال نے براہمی ہری کی کتاب "ورہت سن ہتیا" کے حوالے سے لکھا ہے کہ کمبوجوں کو دوسری قوموں کے ساتھ کاروبار اور سپہ گری کے ذریعے روزی کمانے والی قوم کہا گیا ہے۔ کوٹلیہ کے بیان کی تشریح کرتے ہوئے کاشی پرشاد جیسوال نے کمبوجوں کو فوجیوں کی قوم قرار دیا ہے۔ ہندوپالٹی کے ص 55 پر ان کے طرز حکومت کو فوجی جمہوریہ (Martial Republic) قرار دیا گیا ہے۔ واسودیواگروال نے (India as Known to Panini) کے ص 453 پر پانینی کے آٹھویں باب کا حوالہ دیتے ہوئے ان قبائل کے پیشہ کو سپہ گری کی بجائے 'لڑکر روزی کمانے والے' کہا ہے جس کا مفہوم اگروال نے جنگجو قوم Martial Tribe لیا ہے۔

ڈاکٹر جیالال کمبوج نے کوٹلیہ' پانینی اور دوسرے مؤرخین کی بیان کردہ اس صفت یعنی سپہ گری پیشہ اختیار کرنے والے یا 'لڑکر روزی پیدا کرنے والے' پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قومیں (کمبوج' سوراشٹروغیرہ) ہتھیاروں سے جنگ کر

کے اور دشمنوں سے ان کا مال و دولت چھین کر بھی اپنی روزی پیدا کرتی تھیں۔ کچھ عالموں کا خیال ہے کہ ان کو دوسرے ملکوں میں لڑائی کے موقعہ پر فوجی امداد کے لئے مدعو کیا جاتا تھا اور لڑائی کے اختتام پر واپس بھیج دیا جاتا تھا۔ جو مال غنیمت اور ہاتھی' گھوڑے' جانور' سازوسامان وغیرہ ہاتھ آتا تھا اس میں یہ بھی حصہ دار ہوتے تھے۔ مورخوں نے ان لوگوں کے لئے Mercenaries (تنخواہ دار فوجی) کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ گویا نیپالی گورکھوں کی طرح یہ لوگ بھی بڑے بڑے راجاؤں کی شاہی فوج میں بھرتی ہوتے تھے اور باقاعدہ تنخواہ پاتے تھے۔

"اس بات کی تاریخی شہادت ملتی ہے کہ کمبوج لوگ ہخامنشی حکومت کی فوج میں بھرتی ہو کر مغربی ایشیا اور افریقہ میں (کمبوجیا دوم کے ہمراہ) مصر تک لڑنے کے لئے گئے تھے۔ اسی طرح کمبوج لوگ چندر گپت کے ساتھ مگدھ تک گئے اور وہاں نندہ خاندان کے آخری راجہ کو تخت سے اتار کر موریہ سلطنت کی بنیاد ڈالنے میں کافی مدد کی تھی۔" پراچین کمبوج' جن اور جن پد ص 256-

بھارت کی رزمیہ داستانوں میں کمبوجوں کو ایک نہایت دلیر' شجاع اور جنگی چالوں کی ماہر قوم کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم مہابھارت سے چند صفات کا ذکر کرتے ہیں۔ تفصیلات اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں:

وہ مست' بگڑے اور قابو میں نہ آنے والے ہاتھی کی مانند ہیں۔ بڑے بہادر اور فن تیراندازی میں طاق ہیں۔ وہ ایک ساتھ جٹ کر (شانہ بشانہ ہو کر) اپنے کو لڑائی میں جھونک دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے اپنی جان نچھاور کرنے کو ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔" (پرب 7- ادھیائے 112- شلوک 43-44)

دوران جنگ وہ ہونٹ چبانے والے' سخت دل اور لڑائی کے نشہ میں چور نظر آتے ہیں۔" (7 : 116 : 14)

وہ بھیانک پھنیر سانپوں کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں۔ (7 : 113 : 48)

وہ تیکھے مزاج اور تیز برتاؤ والے ہوتے ہیں (5 : 166 : 3)

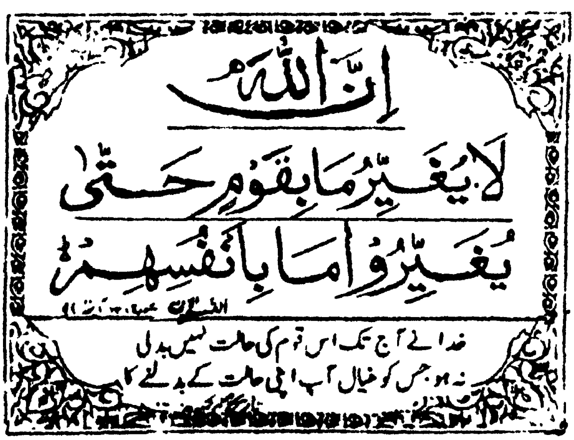
ان کی تشبیہ موت کے فرشتے سے دی جا سکتی ہے میدان جنگ میں وہ موت کی مانند بھیانک نظر آتے ہیں۔ (7 : 23 : 42) وہ متنوع اقسام اور رنگا رنگ کے اعلیٰ نسل

کے گھوڑوں کی سواری کرتے ہیں۔ ان کے رتھوں میں گھوڑے جوتے جاتے ہیں ان کے رتھ سنہری پتروں سے منڈھے ہوتے ہیں اور ان کے پرچم سنہری رنگ کے ہوتے ہیں۔" (7 : 23 : 43-44)

وہ فن حرب میں یکتا اور چابک دست ہوتے ہیں۔" (12 : 101 : 5) وغیرہ وغیرہ۔ (36)

---

(36) بریکٹ میں دیئے گئے ہندسوں مثلاً (3:166:5) سے مراد ہے کہ محولہ عبارت مہابھارت کے پرب پانچ اور ادھیائے 166 کے شلوک نمبر 3 سے لی گئی ہے۔



باب ششم

کمبوہ قوم کا عسکری کردار اور نظام حکومت

اس حقیقت کا پہلے بھی اظہار کیا جا چکا ہے کہ کمبوہ شستر اور شاستر ہر دو فنون میں یکتائے روزگار تھے یعنی وہ صاحب سیف بھی تھے اور اہل قلم بھی۔ تلوار کے دھنی ہونے کے ناطے کمبوہ اعلیٰ اور ارفع کھشتریوں میں شمار ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ سنسکرت کے ایک بہت بڑے عالم نے کمبوج کے معنی ہی کھشتری لکھے ہیں۔ ہندو ادب ان کے سپاہیانہ کارناموں سے بھرا پڑا ہے اور بحیثیت کھشتری ان کو تمام جنگجو قوموں میں بلند مقام حاصل ہے۔ مہابھارت' رامائن' وید اور پران اس بات کی شہادت دیتے ہیں۔

دنیا کی مہلک ترین جنگ میں کمبوجوں کا حصہ : ویاس جی کی مصنفہ رزمیہ داستان مہابھارت ہندوستان کی سب سے قدیم داستان سمجھی جاتی ہے اگرچہ اس میں دوسری تیسری صدی عیسوی بلکہ بعض مؤرخین کے نزدیک تیرہویں چودھویں صدی عیسوی تک اضافے اور ردوبدل ہوتے رہے لیکن بنیادی خیال اور تحریر وہی ہے جسے ویاس جی نے ترتیب دیا تھا۔ کورو (دھرت راشٹر) اور پانڈو حقیقی بھائی تھے۔ کورو کثیر الاولاد تھے (ان کی تعداد ایک سو ایک بتائی جاتی ہے) کورو کا بڑا بیٹا دریودھن تخت و تاج پر قابض تھا۔ پانڈو کے پانچ بیٹے یدھشٹر' ارجن' بھیم وغیرہ سلطنت میں اپنا نصف حصہ مانگتے تھے۔ دریودھن کبھی سازشوں سے اور کبھی حیلوں بہانوں سے ٹالتا رہا۔ بالآخر یہ مطالبہ ایک عظیم جنگ پر منتج ہوا جس میں ہندوستان اور ہمسایہ ممالک کے تمام راجوں' مہاراجوں' رشیوں' کھشتریوں نے بھرپور حصہ لیا' کورو کشیتر (ضلع کرنال صوبہ ہریانہ) میں دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہوئیں۔ (مؤلف کتاب ہذا کو ڈھاک کے گھنے درختوں والے اس وسیع و عریض میدان میں 1941ء میں ڈسٹرکٹ سکاؤٹ ماسٹر کی حیثیت سے بارہ تیرہ روز قیام کا اتفاق ہوا تھا) کوروؤں کی حمایت پر گیارہ اکشواہنی اور پانڈوؤں کے ساتھ سات اکشواہنی فوج' موجہ سامان حرب سے لیس' نبرد آزمائی کے لئے تیار تھی (ایک اکشواہنی بشمول ہاتھی' گھوڑے' رتھ' پیدل' موجودہ لحاظ سے 5-6

ڈویژن پر مشتمل ہوتی تھی) گویا اس جنگ میں کم و بیش اٹھارہ بیس لاکھ فوج شریک ہوئی تھی۔

سری کرشن' ساتیکی' دھرشٹ دیومن' سہدیو وغیرہ پانڈووں کے طرف دار تھے اور کورووں کی فوج میں جنگی امور کے گورو بھیشم پتامہ' فن حرب کے نامور استاد درونا اچاریہ' کرن' شلیہ' کرپا چاریہ اور دوسرے بہت سے سرکردہ جرنیل موجود تھے۔ کمبوج راجہ چندر ورما کا بیٹا سودکھشن بھی ایک اکشواہنی فوج لے کر کورووں کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ اس کے ہمراہ سات دوسرے کمبوج فرمانروا اپنے اپنے دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ یہ جنگ اٹھارہ دن جاری رہی اور ہر روز ایک لاکھ کے قریب آزمودہ کار جنگ جو بہادر جان کی بازی ہارتے رہے۔ کتاب مہابھارت میں ایک ایک دن کی لڑائی کا بڑی تفصیل سے ذکر ہے۔ ہم ذیل میں ہندی اور سنسکرت کی چیدہ چیدہ اصل عبارات کا ترجمہ "واوین" میں پیش کر رہے ہیں۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی میلوں تک پھیلی فوج کو دیکھ کر دریودھن نے فخریہ اپنے تمام بہادر سپہ سالاروں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے دشمن ارجن سے کہا "میں تیری تیر کمان اور تیرے حامی کرشن کو بھی خوب جانتا ہوں۔ ہزاروں کرشن اور سینکڑوں ارجن جیسے بے خطا تیر انداز اور نشانہ باز بھی آ جائیں تو بھی میرے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ بھیشم سے جنگ کرو یا پہاڑ سے سر پھوڑ کر مر جاؤ۔ میری اس سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوج میں شیش ناگ کی مانند پھنکارتا ہوا کرپا چاریہ ہے' بھیشم اس سمندر کا طوفان ہے' درونا اچاریہ اس سمندر جیسی فوج میں مگرمچھ کی طرح ہے سودکھشن کمبوج آتش فشاں پہاڑ کا دھانہ ہے"۔ وغیرہ۔

آغاز جنگ سے ایک روز پہلے رات کو سپریم کمانڈر بھیشم نے دریودھن سے فوجی حکمت عملی پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے مختلف کمانڈروں کی تعریف کی۔ سودکھشن کے متعلق بھیشم نے کہا "میں سودکھشن کو ایک بہادر جانباز سپاہی مانتا ہوں وہ تمہارے منصوبے کی کامیابی کے لئے دشمن کی فوج میں گھس کر ان کے چھکے چھڑا دے گا۔ سودکھشن کا مبوج بہادر جنگجو سپاہیوں میں شیر کی مانند ہے۔ اے مہاراج! اس سورما کی بہادری کا نظارہ کورو خاندان والے اس طرح کریں گے جس طرح اندر دیوتا کی طاقت کا نظارہ

دوسرے دیوتاؤں اور راکھشسوں نے کیا تھا۔ مہاراج! اس بہادر کی پیدائش کامبوجوں کے اس اعلیٰ خاندان میں ہوئی ہے جس کی فوجی طاقت کا لوہا ساری دنیا نے مانا ہے اور جس کی فوجیں ٹڈی دل کی طرح ہیں۔"

جنگ کا آغاز ہی بڑی شدت اور بڑے بڑے سپہ سالاروں کا ایک دوسرے سے دوبدو مقابلوں سے ہوا۔ پہلے دن کی لڑائی میں "سدیو کا بیٹا شرت کرما کامبوجوں کے مشہور جنگجو بہادر سپہ سالار سودکشن کی طرف لپکا۔ سودکشن نے اسے تیروں سے چھید ڈالا۔ لیکن وہ خود ایک پہاڑ کی طرح جما کھڑا رہا۔" دھرت راشٹر کے وزیر اور جنگی مبصر سنجے نے جوہر روز کی جنگ کی تفصیل اپنے آقا دھرت راشٹر کو جا کر سنانے پر مامور ہوا تھا پہلے دن کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے سودکشن کی بہادری' تیر اندازی اور دشمن پر تابڑ توڑ حملوں کا بڑی خصوصیت سے ذکر کیا۔

نو دن تک یونہی سروں کی فصلیں کٹتی رہیں۔ دونوں طرف سے بڑے بڑے بہادر شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے جانیں نثار کرتے رہے دسویں دن پھر بھیانک جنگ شروع ہوئی۔ عزم کا پہاڑ بھیشم پانڈوؤں کی فوج کی طرف لپکا۔ سات بہادر سپہ سالار جن میں سودکشن بھی شامل تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہے تھے بڑی معرکہ آرا جنگ ہوئی اس گھمسان کی جنگ میں سودکشن اور دوسرے بہادروں کی لحہ بہ لحہ کارگزاری بیان کی گئی ہے یہاں ہم صرف ایک واقعہ دہراتے ہیں "راجہ سودکشن نے اپنے تیروں کی بوچھاڑ سے ارجن کے بیٹے ابھی منیو کو زخمی کر کے اس پر 64 تیروں سے ایک ساتھ حملہ کر دیا پھر بھیشم کی جان کی حفاظت کے لئے سودکشن نے اس پر پانچ اور تیر چلا کر اس کے رتھ بان پر نو تیروں سے حملہ کیا۔" ادھر پانڈوؤں کے دس سرکردہ شوربیروں نے ایک ساتھ بھیشم پر حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوروؤں کا سپریم کمانڈر بھیشم بہادری سے لڑتا ہوا موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔ اب درونا اچاریہ نے کورو افواج کی کمان سنبھالی۔

اگلے تین دن کی جنگ کے واقعات بھی کمبوج افواج کی بہادری اور جاں نثاری کے درخشاں باب ہیں۔ بارہویں دن کی لڑائی کا ایک جملہ ہے "چھ ہزار خوبصورت اور ہتھیار بند کمبوج سپاہی سنہری مالاؤں والے گھوڑوں پر سوار دشمن کو للکارتے ہوئے

بڑھتے جا رہے تھے۔ ان لوگوں نے موت کے فرشتہ کی شکل اختیار کر کے دھرشت دیومن کا تعاقب کیا۔"

چودھواں دن کمبوج فوج کے لئے بڑا منحوس ثابت ہوا۔ یہ فوج مقدمہ لشکر میں دریودھن کی حفاظت پر مامور تھی۔ سودکشن صبح سے ہی درونا چاریہ کے ہمراہ اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا دشمن کو نیست و نابود کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے کے قتل پر ارجن بھی آج مغلوب الغیظ تھا اس نے قسم کھائی تھی کہ غروب آفتاب سے پہلے اپنے بیٹے کے قاتل 'جے ورتھ' کی شمع زندگی گل کر کے دم لیگا۔ ایک سپہ سالار کا رشتہ حیات کاٹ کر وہ دریودھن پر حملہ کی نیت سے آگے بڑھا تو "کمبوج راجہ چند درما کے بہادر بیٹے سودکشن کمبوج نے اپنے تیز گام گھوڑوں والے رتھ پر سوار ہو کر ارجن پر دھاوا بول دیا۔ مادر وطن کے بیٹے ارجن نے اس پر سات تیر پھینکے وہ تیر اسے زخمی کرتے ہوئے زمین میں گڑ گئے ارجن کی مخصوص کمان سے چلائے ہوئے مزید تیروں سے زخمی ہو کر سودکشن نے پر لگے دس تیروں سے اسے زخمی کر دیا۔ اسی دوران سودکشن نے کرشن کو تین تیروں سے زخمی کر کے ارجن پر پانچ تیر چلائے۔ ارجن نے اپنے تیروں سے اس کی کمان کو کاٹ ڈالا اور اس کے پرچم کو بھی کاٹ کر زمین پر گرا دیا اس کے بعد ارجن نے دو تیز نیزوں سے اس پر بھرپور وار کیا جواب میں سودکشن نے تین نیزوں سے حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا۔ سودکشن شیر کی طرح دھاڑنے لگا اور غصہ میں آ کر سب سے زیادہ طاقتور تیر جسے اگنی بان (آتشی تیر) کہتے ہیں ارجن پر پھینک مارا۔ آتشی تیر ہوا میں بل کھاتا' شعلے کی طرح دہکتا اور آگ برساتا ہوا ارجن کے پاس پہنچا اور اسے زخمی کر کے زمین میں گڑ گیا۔"

"مادر وطن کا فرزند ارجن جب ہوش میں آیا تو اس نے اپنے ہونٹوں کو چباتے ہوئے اپنے مخصوص تیروں سے سودکشن کے گھوڑوں' جھنڈوں' کمانوں اور رتھ بانوں سب کو زخمی کر ڈالا۔ بیشمار تیر چلا کر ارجن نے اس کے رتھ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے" ارجن آگے بڑھ کر جے ورتھ تک پہنچنا چاہتا تھا مگر سودکشن نے اس کی قسم پوری نہ ہونے دی تو "ارجن غصہ میں بھر گیا۔ اپنے عہد کی ناکامی پر اس نے سودکشن کامبوج کے سینہ پر چوڑی دھار والے خاص تیر برسا کر اسے سخت زخمی کر دیا۔ سودکشن

کے اعضاء ڈھیلے پڑ گئے اس کا تاج اور بازو بند کھل کر گر گئے وہ بہادر جنگجو سپاہی' ہاتھوں سے چھوٹے ہوئے جھنڈے کی طرح زمین پر گر پڑا۔"

"کمبوج دیس میں تیار شدہ قیمتی بچھونوں پر آرام کرنے والا' جاہ و جلال رکھنے والا سودکھشن خون میں لت پت پڑا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کسی پہاڑ کی چوٹی پر خوبصورت شاخوں اور مضبوط جڑوں والا کنیر کا پیڑ موسم گرما میں آئی ہوئی آندھی کے جھونکوں سے اکھڑ کر گر پڑا ہو' قیمتی زیوروں سے آراستہ اور ایک ذی شان پر ہیبت پہاڑ کی مانند دکھائی دینے والا سودکھشن فرزند وطن ارجن کے تیروں سے زخمی ہو کر گر پڑا تھا۔ آگ کی طرح سرخ انگارہ آنکھوں والا' اپنے سر پر سونے کی مالا سجائے' مضبوط باہوں والا سود کھشن زمین پر بے بس پڑا تھا لیکن اس حالت میں بھی وہ شان و شوکت سے بھرپور تھا" اس کے ساتھ ہی دریودھن کی افواج پسپا ہونے لگیں۔ علامہ فیضی نے اس کا ترجمہ "روبگریز نہاوند" کیا ہے (تاریخ کمبوہاں ص 73) یہ ترجمہ درست نہیں۔ پسپائی اور فرار میں بہت فرق ہے۔ میدان جنگ کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ کمبوہ افواج کے دائیں بائیں اور عقب میں بہت سی دوسری افواج تھیں۔ ایسی صورت میں مقدمتہ الجیش پسپا ہو سکتا ہے میدان جنگ سے بھاگ نہیں سکتا۔

لالہ شب چند نے تو حد ہی کر دی ص 41-40 پر مرقوم ہے "راجہ شود کھشن کمبوجی کی موت کا واقعہ سنتے ہی 52 اور 84 کمبوجی سپہ سالار ایسے بد دل ہوئے کہ لشکر کمبوج کا جدھر مونہہ ہوا پھر پشت نہ کی" (یعنی ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔)

لیکن درون پرب میں لکھا ہے کہ پیچھے ہٹ کر کمبوج دستوں نے اپنی پوزیشنیں درست کر لیں دوسری طرف اس افراتفری کے عالم میں ارجن بھی گم ہو گیا تو یدھشٹر نے ساتیکی کو اس کی مدد کے لئے بھیجا۔ اس نے پہاڑ کی طرح ڈٹی ہوئی فوجوں کو دیکھ کر تشویش کے عالم میں یدھشٹر سے کہا "اے مہاراج! یہ سنہری جھنڈیوں والے رتھوں پر سوار سپاہی جو نظر آ رہے ہیں کامبوج ہیں۔ جنہیں بگڑے ہوئے مست ہاتھیوں کے نام سے پکارا جاتا ہے یہ سورما ہیں' ویدوں کے عالم ہیں' تیراندازی کے فن میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ ان میں بڑا اتحاد ہے اور وہ ایک دوسرے کے بڑے خیر خواہ ہیں۔"

ساتیکی کے مایوسانہ انداز کو دیکھ کر یدھشٹر نے اسے حوصلہ دلایا تو ساتیکی نے کہا

"میں ان کمبوجوں سے لڑوں گا جو مختلف قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہیں اور جو زہریلے ناگوں کی طرح پھنکارتے ہیں۔" ظاہر ہے کمبوجوں نے نہ پیٹھ دکھائی تھی نہ راہ فرار اختیار کی تھی معمول کی پسپائی جنگوں میں نئی بات نہیں۔ چنانچہ ساتیکی نے آگے بڑھتے ہوئے اپنے فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کی غرض سے کہا "تم اپنے گھوڑوں کو اس طرف بڑھاؤ جہاں شجاع' دلیر' ہونٹوں کو چباتے ہوئے' جنگ کے نشہ میں چور اور ظالم کمبوج دریودھن کی حفاظت پر مامور ہیں" اس کے بعد نہایت خونریز جنگ ہوئی جس میں پانڈوؤں کی فوج کے بہت سے سپاہی اور افسر کھیت رہے ادھر کمبوج' شک اور یون اور کوروؤں کی حامی فوجوں کے دوسرے افراد بھی کثیر تعداد میں میدان جنگ میں کام آئے۔ یوں یہ دن کمبوجوں کی سرفروشی اور جانبازی کا نرالا دن تھا۔

سودکھشن کے مرنے کے بعد اس کے بھائی سدرشن کو کمبوہ فوجوں کی سربراہی کا فریضہ سونپا گیا۔ مہابھارت میں اکثر اسے صرف کمبوج کے نام سے یاد کیا گیا ہے سدرشن نے جنگ کے سترہویں روز تک نہایت پامردی اور بے جگری سے کمبوج' یون اور شک افواج کے ہمراہ دشمن کے ہزاروں جنگ آزماؤں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جنگ کے 15 ویں روز کوروؤں کی افواج کا سربراہ درونا بھی مارا گیا اور کرن نے کمان سنبھال لی۔ کمبوہ افواج کی بہادری کے تذکرے درون پرب کے علاوہ کرن پرب میں بھی مذکور ہیں۔ جنگ کے 17 ویں روز طویل القامت' وجیہہ اور بہادر سدرشن کمبوج جوش غضب میں اپنے بھائی کے قاتل ارجن سے نبرد آزما ہونے کے لئے پانڈو افواج کے اس حصہ پر حملہ آور ہوا جہاں ارجن لڑ رہا تھا۔ "ہاتھیوں' گھوڑوں' رتھوں اور پیدل فوج کو چیرتا ہوا ارجن بھی آگے بڑھا تو اس نے سدرشن کو سامنے دیکھتے ہی اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جواب میں سدرشن نے تیروں کی بارش سے ارجن کو زخمی کر دیا۔ جب وہ تیروں کی بارش کر رہا تھا تو ارجن نے نصف چاند کی شکل والے دو تیروں سے اس کی دونوں بانہوں کو کاٹ دیا اور چودھویں رات کے چاند جیسے خوبصورت چہرے والے سر کو ایک چوڑے منہ والے تیر سے الگ کر دیا۔" اس کے بعد لکھا ہے "لمبے قد' کنول جیسی آنکھیں اور خوبصورت جسم رکھنے والا' سودکھشن کا بھائی سدرشن اس طرح گرا جیسے ایک سنہری ستون دھڑام سے زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس کے بعد کامبوجوں اور

ارجن کی فوج کا انتہائی خطرناک اور عجیب مقابلہ شروع ہو گیا" اسی روز کرن بھی کوروافواج کو داغ مفارقت دے کر شلیہ کے لئے جگہ خالی کر گیا۔

18 ویں یعنی آخری روز کمبوجوں نے نئے سربراہ شلے کے زیر کمان اپنی بہادری سے دشمن کو بے اندازہ نقصان پہنچایا۔ شلے پرب میں لکھا ہے اشوت تھاما کامبوجوں کے دستہ کے ساتھ دائیں طرف کے محاذ پر کھڑا تھا۔ کرپاچاریہ شکون اور یونوں کے ساتھ ان کے پیچھے تھا۔ سل کا بیٹا شکونی (سانی) گھوڑوں کی ایک بھاری فوج لے کر قلب میں شامل ہو گیا" گھوڑوں کی یہ بھاری فوج یقیناً کمبوجوں پر مشتمل ہو گی کیونکہ سل کمبوج کا بیٹا سانی بھی کمبوج فوج کے اس دستے کی کمان کر رہا تھا جس کا سربراہ سودکھشن تھا۔

سنجے بدستور روز بروز کی جنگ کی رپورٹ دھرت راشٹر کو پہنچاتا تھا۔ 18 ویں روز کی جنگ کے خاتمہ پر جو تبصرہ سنجے نے کیا اس کے چیدہ چیدہ جملے ذیل میں درج ہیں۔

"آج مدردیس کا راجہ شلے بھی مارا گیا۔ شیر دل اور پرشکوہ شکونی کا بیٹا الوک بھی مارا گیا۔ شکوں کے ساتھ کمبوج بھی مارے گئے۔ اے آقا! راجہ اور راجکمار سب کے سب مارے گئے ۔ تیرے سب بیٹے اور درد پدی (پانڈو مہارانی زوجہ ارجن) کے پانچوں بیٹے سب مارے گئے ... ہاتھی' گھوڑے' رتھ اور پیدل سب کے سب مارے گئے۔ میدان جنگ میں کچھ بچے کچھے خیمے کھڑے ہیں دنیا میں صرف عورتیں باقی رہ گئی ہیں ۔ پانڈوؤں کے سات سپاہی' پانچ پانڈو' کرشن اور ساتیکی بچے ہیں۔ کوروؤں کی طرف کے تین سپاہی' اشوت تھاما۔ کرپ اور کرت ورما باقی بچ سکے ہیں ... اٹھارہ اکشواہنی فوجیں سب کی سب لڑائی میں کھپ گئیں۔"

جنگ کی عام تباہی کا ذکر سن کر دھرت راشٹر نے جن خاص بہادر سپاہیوں کا نام لے کر ماتم کیا ہے ان میں سود کھشن' سدرشن اور ان کے جانباز بہادر کمبوہ سپاہیوں کا نام بہت عزت و احترام سے لیا ہے۔

اس ضمن میں سود کھشن کی لاش پر مہابھارت کے الفاظ میں "اس کی خوبصورت' شیریں زبان' مگر رنج والم سے نڈھال بیوی کا جگر خراش اور دلدوز مگر پروقار ماتم اور نوحہ" اس کے ایک حوصلہ مند اور شوہر پرست دیوی ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

اس امکان بلکہ حقیقت کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ آخری روز جب فوجوں کو لڑانے

والے ان کے سرپرست اور کمانڈر ہی زندہ نہ رہے تو باقی ماندہ افواج بھی تتر بتر ہو گئی ہو نگی۔ البتہ دھرت راشٹر کے تمام بیٹوں کے مارے جانے کے بعد میدان پانڈوؤں کے ہاتھ ہی رہا۔

تحقیقات سے بنگالہ، مگدھ، گجرات کاٹھیاواڑ، کرناٹک، جنوبی ہند، سری لنکا وغیرہ میں، کمبوہوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ غالب گمان یہی ہے کہ کمبوج فوج کے بقیۃ السیف افراد اپنے ملک کو واپس جانے کی بجائے اطراف و اکناف ہند میں پھیل گئے ہوں گے اور مختلف علاقوں میں مقامی باشندوں کو زیر کر کے وہاں پر اپنی حکومتیں اور جاگیریں قائم کر لی ہوں گی۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ مہابھارت میں واقعات و حقائق کے بیان کرنے میں اکثر انتہائی رنگ آمیزی کی گئی ہے اور ایک لاکھ دس ہزار اشعار پر مشتمل دنیا کی یہ سب سے بڑی منظوم رزمیہ داستان حشو و زوائد سے پاک نہیں بلکہ بعض دیومالائی قصوں کا تذکرہ کرتے وقت تو نہایت مبالغہ سے کام لیا گیا ہے تاہم یہ حقیقت بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ دنیا بھر کے اکثر دانشور، محققین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ قدیم ہندوستانیات، یعنی قومیت، مذہب، نظام حکومت، تمدن، سماج وغیرہ اہم مضامین پر سب سے زیادہ مدد اسی کتاب سے ملتی ہے۔ اس لحاظ سے اسے ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے یہ صرف ویاس جی کی تصنیف نہیں بلکہ بیسیوں مصنفین کی کئی سو سال کی انتھک محنتوں کا ثمرہ ہے۔

کمبوہ قوم کی قدیم تاریخ پر جس قدر مواد اس کتاب سے دستیاب ہوا ہے اتنا اور کسی کتاب سے نہیں ہوا۔ جنگ مہابھارت کا مفصل حال آپ پڑھ چکے ہیں اس کے علاوہ مہابھارت میں ایک کمبوہ راجہ "کمبوج راج کمٹھ" کا نام بھی دیا گیا ہے۔ مہابھارت کی جنگ سے پہلے کی بات ہے کہ جب پانڈوؤں نے جلاوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد اندر پرست شہر کی بنیاد رکھی تو یدھشٹر نے رسم افتتاح کے موقع پر بہت بڑے جشن کا اہتمام کیا اس میں رشیوں، برہمنوں، راجاؤں اور کھشتریوں کو مدعو کیا۔ معزز ترین مدعوئین کی فہرست میں 'کمبوج راج کمٹھ' کا بھی ذکر ہے۔

کچھ عرصہ بعد جب یدھشٹر نے راجسو یگیہ منایا تو اس میں بھی ملک کمبوج کے

راجہ کی طرف سے بھیجے گئے قیمتی تحائف ہاتھی گھوڑے' رتھ' انواع و اقسام کے اون کے ملبوسات اور قالینوں وغیرہ کا تفصیل سے ذکر ہے۔

مہابھارت میں دوسرے کمبوہ راجہ کا نام "کمبوج راج چندر ورما" ہے جسے حسن و جمال کا پیکر اور بدر منیر مانتے ہوئے اس کی پیدائش کی بڑی لمبی چوڑی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ راجہ سودکھشن کا باپ تھا۔ سودکھشن بھی خوبصورتی اور وجاہت کا مجسمہ تھا۔ وہ راجہ دروپد کی بیٹی کرشنا جو دروپدی کے نام سے مشہور ہے کے سوئمبر میں بھی شامل ہوا تھا جس میں ملکی غیر ملکی راجے' مہاراجے' برہمن اور کشتری مدعو تھے۔ دروپدی کے بھائی نے جن خاص خاص شخصیتوں کا دروپدی سے تعارف کرایا ان میں سودکھشن کا نام بھی مذکور ہے۔ (37)

شمشیر الٰہی کی تخلیق اور تفویض: مہابھارت میں ایک طویل تمثیلی داستان اس طرح شروع ہوتی ہے: ایک روز پانڈو کے بیٹے نکل نے اپنے گرو بھیشم پتامہ سے پوچھا کہ تلوار کی تخلیق کیسے ہوئی؟ بھیشم پتامہ نے اس کا پوری تفصیل سے جواب دیتے ہوئے کہا "یہ تمام دنیا پہلے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی' اس کے بعد برہما کی پیدائش ہوئی اور برہما نے پانچوں عناصر زمین' پانی' آگ' ہوا اور خلا کو پیدا کیا اور پھر آسمان' سورج' چاند' تارے اور دوسرے سیارے تخلیق کئے۔ پھر بہت سے رشی منی وغیرہ پیدا کئے گئے۔ اس کے بعد پر شکوہ فرزندوں کو پیدا کیا گیا۔ پراچیتا کے بیٹے کی ساٹھ بیٹیوں نے جنم لیا جن کی شادی مختلف رشیوں سے کر دی گئی۔ اور ان سے دیو' دیوتا' حوریں' راکھشش' پرند چرند' مچھلیاں غرض خشکی اور تری میں رہنے والے تمام جاندار' متحرک اور غیر متحرک یعنی جامد تمام چیزیں پیدا ہوئیں۔ اس طرح انسانوں کی ایک نسل وجود میں آ گئی تو برہما نے ویدک دھرم کی اشاعت شروع کی۔ اب ایک طرف عالم' پنڈت' دیوتا' رشی منی ویدوں کی تعلیم

---

(37) زمانہ قدیم میں ہندوستانی بادشاہ اپنی خوبصورت شہزادیوں کو شوہر منتخب کرنے کے لئے سوئمبر کا جشن منایا کرتے تھے۔ جس میں ان تمام راجوں' مہاراجوں' سرداروں کو مدعو کیا جاتا تھا' جو اس سے شادی کے خواہش مند ہوتے تھے۔ شہزادی اپنے شوہر کا خود انتخاب کرتی تھی۔

اور مطالعہ میں مصروف ہو گئے تو دوسری طرف حاسد' فریبی راکھشش اور دیو' برہما کی حکم عدولی کرتے ہوئے رعایا پر ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے لگے۔

"اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے برہما نے رشیوں کو ساتھ لیا اور کوہ ہمالیہ کی چوٹی پر بھاری یگیہ کیا جس کے دوران نیل کنول جیسی چمکدار' بھڑکیلی' خوبصورت' تیز دانتوں اور پتلی کمروالی' لمبے قد اور بہت جسیم اور طاقتور چیز برآمد ہوئی۔ اس سے زمین ہل گئی۔ سمندر میں طوفان آ گئے' چٹانیں چیخ گئیں' شجر حجر ریزہ ریزہ ہو کر گرنے لگے' چاروں طرف گردوغبار پھیل گیا اور گرم لُو کے جھونکے آنے لگے۔ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر رشی منیٰ اور دیوتا خوف زدہ ہو گئے۔ اس پر برہما نے کہا "ڈرو مت! یہ ایک طاقتور شمشیر ہے جو رعایا کی حفاظت اور راکھششوں کو تباہ کرنے کے لئے میں نے پیدا کی ہے۔" یہ تلوار جس ترتیب اور طریقے سے ملک کی عظیم ہستیوں کو تفویض ہوئی اس کا مختصر حال اس طرح ہے:

"برہما نے وہ تلوار بھگوان مہادیو کو دی۔ مہادیو نے بھیانک موت کی شکل اختیار کر کے اس تلوار سے راکھششوں کا قلع قمع کیا۔ پھر یہ تلوار وشنو بھگوان کو ملی' وشنو سے کئی واسطوں کے بعد اندر دیوتا کو تفویض ہوئی جس کے بعد لوک پال اور پھر منو کے پاس آئی۔ منو کے بعد یہ تلوار دست بدست دیوتاؤں' راجاؤں اور دھرم کے محافظوں سے ہوتی ہوئی بقول پی۔ ای پر جیٹر منو سے بارہویں پشت میں مہاراجہ کمبوج کو تفویض ہوئی۔ پھر کیے بعد دیگرے بیسویں واسطے سے یہ تلوار پانڈو کے بیٹے ارجن کے بھائی نکل کو ملی۔"

کوئی تعجب نہیں اگر اکثر لوگ اس قصے کو محض افسانہ یا تمثیل قرار دیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ابتدا میں (جسے پتھر کا زمانہ کہا جاتا ہے) ہتھیار پتھر سے بنتے تھے لوہے کی دریافت بہت بعد کی بات ہے۔ تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس حکایت میں جن شخصیات کے نام مذکور ہوئے ہیں وہ سب مشہور تاریخی اور مذہبی ہستیاں ہیں اور ان کے نام بہت سی دوسری معتبر کتابوں اور پرانوں میں بھی ملتے ہیں۔ اس حکایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جس کمبوہ مہاراجہ کے ہاتھ یہ تلوار آئی تھی وہ کورو پانڈو سے بیس پشت پہلے ملک کمبوج پر حکومت کرتا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے

کہ کمبوہ سلطنت کا وجود تقریباً ڈھائی سے تین ہزار سال قبل از مسیح ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ مزید براں مندرجہ ذیل نتائج بھی اخذ ہوتے ہیں:

الف۔ ہندو آریہ معاشرہ میں مذہب کے محافظ دیوتاؤں اور بلند پایہ مہاراجوں میں کمبوج کے مہاراجہ کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ وراثت کی بنیاد پر نہیں بلکہ خالصتاً استحقاق اور میرٹ کی بنیاد پر یہ تلوار ایک کمبوہ مہاراجہ کے سپرد کی گئی تھی۔

ب۔ بھارت کے ہندو آریوں سے کمبوجوں کے مذہبی' سماجی اور تمدنی تعلقات قدیم زمانہ میں عروج پر تھے اور کمبوجوں کو معاشرہ میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔

ج۔ راجہ سودکھشن کو کمبوہ قوم کا مورث اعلیٰ قرار دینا درست نہیں۔

د۔ مہاراجہ اجودھیا (دھندومار) سے مہاراجہ کمبوج کو تلوار الٰہی کا منتقل ہونا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ کمبوج سلطنت کی سرحدیں موجودہ یوپی تک ہونگی اور پورا پنجاب بشمول ہریانہ ان کی سلطنت کا حصہ رہا ہو گا۔

وشسٹھ اور وشوامتر کی لڑائی: ہندو ادب کے قصے کہانیوں میں ایک اور دلچسپ کہانی مہارشی وشسٹھ کی ہے۔ مہابھارت کے علاوہ اس کا ذکر بہت سے پرانوں میں بھی آیا ہے اور ٹاڈراجستھان کے مترجم منشی دوارکا پرشاد افق لکھنوی کے بقول رامائن میں بھی یہ کہانی بیان کی گئی ہے۔ (تاریخ کمبوہاں ص 69) پر جاپتی کے پوتے کش نابھ کا پوتا وشوامتر' بہت طاقتور راجہ تھا جس نے گردونواح کے تمام علاقے اپنے زیر نگیں کر لئے تھے۔ ایک دفعہ وہ اپنی تقریباً ایک لاکھ فوج جس میں ہاتھی' گھوڑے' رتھ سب شامل تھے ہمراہ لے کر اقصائے ملک کی سیر کو نکلا۔ ایک روز وہ مہارشی وشسٹھ کے آشرم میں جا نکلا۔ مہارشی نے مہاراجہ کا پرتپاک استقبال کیا اور فواکہات سے خاطر تواضع کے بعد اسے اور اس کی فوج کو کھانے کی دعوت دے دی پس و پیش کے بعد دعوت قبول کر لی گئی۔ مہارشی نے اپنی خاص گائے شبلا کو حکم دیا جس نے انواع واقسام کے کھانے تیار کر دیئے۔ مہاراجہ اور اس کی فوج نے جی بھر کر یہ عمدہ کھانے نوش جان کئے۔ مہاراجہ کو اس کرامات والی گائے کا علم ہوا تو وہ ہر قیمت پر اس کے حصول کی کوشش کرنے لگا۔ جب ہر قسم کا لالچ بیکار ثابت ہوا تو وشوامتر نے جبراً" گائے چھیننے کی دھمکی دے دی۔ مہارشی نے جا کر گائے سے کہا کہ میں اب بے بس ہو گیا ہوں تم خود اپنی حفاظت

کرو۔ "چنانچہ 'شبلا' جوش غضب سے ڈکارنے لگی اس کے منہ سے سورج کی طرح پر جلال اور پر شکوہ کمبوج پیدا ہوئے۔" اسی طرح تھنوں' پاؤں' گوبر اور پیشاب وغیرہ سے شک' یون' ہاریت وغیرہ دوسرے قبائل اسلحہ سے لیس نمودار ہوئے اور انہوں نے مل کر وشوامتر کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ اور وہ خود فرار ہو کر کوہ ہمالیہ پر چلا گیا۔ راجندر لال مترا نے اپنی کتاب انڈو آر ینیز ص 184-183 میں اس کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اس زمانے میں جانور اور زمین دونوں کو دولت سمجھا جاتا تھا اور ان دونوں کے لئے سنسکرت میں 'گو' کا لفظ استعمال ہوتا تھا اس لئے مصنفوں نے وشوامتر کی حریصانہ ذہنیت کو آشکار کرنے اور اس کی ہتک کرنے کے لئے اس مافوق الفطرت گائے کی کہانی تخلیق کر ڈالی۔" JASB جلد اول باب 43 ص 258-257 میں بھی انہی خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ جے میور نے لکھا ہے "کہانی کے مصنفین کا مقصد بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ ان قبائل کو مدد کے لئے پکارا جائے جو پہلے سے موجود تھے۔" (ص 488)

اس سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

(الف) وشوامتر نے مہارشی کی املاک پر قبضہ کرنا چاہا تو اس نے جن با اعتماد پڑوسیوں کو مدد کے لئے پکارا ان میں کمبوج سرفہرست تھے۔ اس سے ان کی عسکری مہارت اور برتری کا پتہ چلتا ہے۔

(ب) دوسرے قبائل کے برعکس کمبوہوں کو گائے کے منہ سے پیدا ہونا بتایا گیا ہے جس سے اس قوم کی عظمت اور تکریم کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح ان کو سورج کی طرح پر جلال اور پر شکوہ بتایا گیا ہے۔

(ج) مہارشی کا کمبوہوں کو مدد کے لئے پکارنا ان کے علم دوست اور عالم پرور ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

راجہ باہو کی معزولی اور سگر کا انتقام: یہ کہانی بہت سے پرانوں میں تقریباً ایک جیسے متن کے ساتھ منظوم صورت میں ملتی ہے البتہ وشنو پران میں اسے نثر میں بہت زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ کہانی بیان کرنے سے پیشتر ہم یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی کہ کمبوہ مہابھارت سے قبل' بہت قدیم زمانے میں ایک بہادر' شجاع اور فن حرب

میں ماہر قوم کے طور پر موجود اور مشہور تھے۔

ہندو عقیدہ کے مطابق دنیا کو چار زمانوں میں (جن کو یُگ یا جگ کہا جاتا ہے) تقسیم کیا گیا ہے۔ سب سے پہلا دور سنہری زمانہ' ست یُگ (سچائی کا دور) تھا۔ دوسرا تراتیہ اور تیسرا 'دواپر' جبکہ سب سے آخری دور کو کل یُگ یا کلجگ (بدترین زمانہ) کہا گیا ہے۔ مہابھارت میں ایک مقام پر کمبوجوں' یونوں' گندھاروں' بربروں کا ایک ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ لوگ ست یگ میں اس قدر مار دھاڑ اور شکست و ریخت نہ کرتے تھے اور نہ اس قدر لودہم مچاتے تھے جس قدر انہوں نے ست یگ کے بعد شروع کر رکھا ہے۔ اور شاید یہی تاثر لے کر ایک مشہور پیشین گوئی میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں آندھر' شک' کمبوج' باہلیک اور اہیر وغیرہ راجہ زمین کے حکمران ہوں گے۔

پانینی کی روایت کے مطابق ست یُگ اور تراتیہ یُگ کے درمیانی زمانہ میں مضبوط بازوؤں والے ایک راجہ ارجن اور پرشورام میں ایک خوفناک جنگ ہوئی تھی۔ جس میں ہے ہئیوں' کمبوجوں' شکوں وغیرہ نے ارجن کا ساتھ دیا۔ بڑا معرکے کارکن پڑا اور انجام کار پرشورام نے ارجن کے بازو کاٹ ڈالے اور غصہ میں آکر ہے ہئیوں اور ان کے اتحاوی کھشتری راجاؤں کی افواج پر اکیس بار حملہ کر کے ان کو زبردست نقصان پہنچایا۔ ان کھشتریوں میں کمبوجوں کا بہت جانی نقصان کیا۔ واضح ہو کہ یہ ارجن پانڈو کا بیٹا ارجن نہیں بلکہ کوئی اور راجہ ہے۔

اسی تراتیہ یگ میں اکشواکو (سورج بنسی) خاندان کا ایک راجہ باہو جو راجہ رام چندر سے چھبیس پشت پہلے ہو گزرا ہے اجودھیا پر حکومت کرتا تھا۔ یہ راجہ امور سلطنت انجام دینے اور رعایا کی خبر گیری کرنے کی بجائے اپنا وقت شکار کھیلنے' جوئے بازی اور عیاشی کے دیگر کاموں میں صرف کرتا تھا۔ دوسری طرف 'ہے ہے' جو ایک مشہور جنگجو قبیلہ تھے اور مالوہ کے حکمران تھے ایسے موقع کو کب ہاتھ سے جانے دیتے تھے' انہوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دوسرے دوست قبائل کمبوج یون پارو' کمس وغیرہ سے مدد لے کر اجودھیا پر حملہ کر دیا۔ ہے ہئیوں اور ان کے اتحاویوں نے باہو کو عبرت ناک شکست دے کر سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ باہو اپنی

بیوی کو لے کر جنگلوں کی طرف فرار ہو گیا اور افسردگی کے عالم میں وفات پا گیا۔ اس جنگ میں کمبوہوں نے اپنی شجاعت کے بے مثال جوہر دکھائے کچھ عرصہ بعد باہو کے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام سگر رکھا گیا۔ سگر نے مذہبی تعلیم کے ساتھ فنونِ جنگ میں بھی مہارت حاصل کر لی اور ایک عظیم فوج جمع کر کے اجودھیا پر حملہ کر دیا اس وقت ہے ہیئیوں کی حامی فوجوں کی اکثریت واپس اپنے ملکوں کو جا چکی تھی سگر نے ہے ہیئیوں کو نیست و نابود کر دیا اور اس کے بعد ان کے دوسرے اتحادیوں کمبوجوں' یونوں' پاروؤں وغیرہ سے انتقام لینے کی ٹھانی مگر اس زمانہ کے ایک مہارشی وشسٹھ کی مداخلت اور سفارش پر ان قبائل سے بعض شرائط پر جو زیادہ تر لباس۔ بالوں کی تراش خراش پر مشتمل تھیں صلح کر لی (واضح ہو کہ تاریخ میں مختلف اوقات میں وشسٹھ نام کے کئی رشی مہارشی گزرے ہیں۔)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالوہ کے حکمرانوں نے شمال مغربی سرحد کے جنگجو کھشتری قبائل سے دوستانہ مراسم قائم کر رکھے تھے اور بحالت جنگ ان سے استمداد پر بڑا انحصار کرتے تھے ان قبائل میں کمبوج' شک' درد' کھس' کیرل وغیرہ کئی اقوام شامل تھیں۔

باوجودیکہ یہ کہانی تقریباً سبھی پرانوں میں بیان کی گئی ہے اور اس لحاظ سے خاص تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن ڈاکٹر دنیش چندر سرکار اس کو تاریخی حیثیت دینے سے انکار کرتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر باہو اور سگر کے قصے کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دور دراز کے علاقوں سے کمبوجوں یونوں وغیرہ کو محض اس لئے جنگ میں شامل دکھلایا گیا ہے تاکہ ان جنگ آزما اقوام کی وجہ سے اس قصے کی اہمیت میں اضافہ کیا جا سکے۔

اس کے برعکس مشہور مؤرخ پی۔ ای۔ پارجیٹر نے JRAS مطبوعہ 1914 کے ص 28D-281 پر بڑے مضبوط دلائل سے اسے ایک تاریخی واقعہ قرار دیا ہے۔

اس قصہ کو اگر کلیتہً تاریخی واقعہ تسلیم نہ بھی کیا جائے تو بھی لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ (1) کمبوہ قوم کا راجہ رام چندر سے 26 پشت قبل موجود ہونا اس قوم کے بہت قدیم ہونے کا ایک واضح ثبوت ہے۔

(2) کمبوہ قوم کے ذکر کے بغیر شجاعت' جوانمردی اور جنگ آزمائی کے واقعات مکمل نہیں سمجھے جاتے تھے۔

(3) کمبوہ قوم کا ہندوستان سے بہت قدیم سے واسطہ ہے ان کو کلی طور پر ایرانی نہیں کہا جا سکتا اور انہیں اہل عرب قرار دینا تو کسی طرح بھی درست نہیں۔

بھارتی فاتحین عالم اور کمبوج: یہ عنوان کافی حد تک چونکا دینے والا ہے لیکن بھارتی ادب میں ان فتوحات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ہماری تحقیق کے مطابق ان کی تاریخی حیثیت متنازعہ ہے بلکہ اکثر غیر ملکی مؤرخین کے علاوہ ہندوستانی دانشوروں نے بھی ان کو مبالغہ پر مبنی قرار دیا ہے۔ تاہم یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی مصنف جب اپنے ممدوح کو بہت بڑا ہیرو بنا کر پیش کرتا ہے تو اس کی بات اس وقت تک قابل قبول اور دل پذیر نہیں بنتی جب تک وہ مقابل فریق کو اتنا ہی طاقتور اور اس کے ہم پلہ ثابت نہ کرے۔

بھارتی ادب میں جن چار اہم ترین شخصیتوں کو مختلف کتابوں اور مختلف اوقات میں فاتحین عالم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ارجن' للتادتیہ' رگھو اور مہاتمابدھ شامل ہیں۔ چونکہ ان کے میدان ہائے کارزار (بلکہ فرضی سفرنامے) کم و بیش ایک ہی نوعیت کے ہیں اس لئے طوالت کے خوف سے ہر ایک کی تفصیلی حکایت پیش کرنے کی بجائے مختصر خلاصہ یہ ہے کہ بھارت کے تمام علاقوں کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے شمال مغربی سرحد پر واقع گندھار' شک اور افغانستان کے علاوہ کمبوج پر بھی فوج کشی کی اور ان سب کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

مثال کے طور پر شاعر اعظم اور ڈرامہ نگار کالیداس نے اپنے ناٹک "رگھوونش" کے باب چہارم ص 170 پر رگھو کی شجاعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے" جس طرح رگھو کے ہاتھیوں کے کھینچنے سے اخروٹ کے درخت جھک گئے تھے اسی طرح بہادر کمبوج لوگ رگھو کے سامنے سرنگوں ہو گئے۔" یہ واقعہ' دوسرے اور تیسرے یگ کے وسط کا بتایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ رگھو کے لبادے میں سمدرگپت یا چندر گپت بکر مادتیہ کی فتوحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں ہر دو صورتوں میں یہ ایک خیالی افسانہ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پانڈو برادران میں ارجن سب سے زیادہ قوی اور بہادر تھا مگر اس کی فتوحات عالم کی کہانی کے فرضی اور ناقابل تسلیم ہونے کا ایک ثبوت یہ ہے کہ نویں صدی عیسوی میں نیپال سے ملنے والے مہابھارت کے ایک قدیم نسخہ میں ارجن کی ان فتوحات کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قصہ بہت بعد میں ایزاد کیا گیا۔ اسی طرح راج ترنگنی میں للتادتیہ کی کمبوج' گندھار اور افغانستان کے علاقوں پر فتوحات کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں۔

مہاتما بدھ کی زندگی میں ایران کا ہخامنشی خاندان پورے عروج پر تھا اور کمبوج گندھارا وغیرہ میں زرتشتی مذہب نے مکمل طور پر قدم جما لئے تھے۔ ایرانی بادشاہ فتوحات کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ پر بھی بہت توجہ دیتے تھے۔ اس لئے مؤرخین مہاتما بدھ کے تسخیر عالم کے افسانے کو تاریخی اہمیت نہیں دیتے البتہ یہ ممکن ہے کہ کچھ بدھ بھکشو بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے ان علاقوں میں پہنچے ہوں۔

ان مبینہ فتوحات سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ عہد قدیم میں کبوہ قوم کو ایک پروقار معاشرتی اور اعلی جنگی اہمیت حاصل تھی۔

ایران کا ہخامنشی خاندان اور کمبوج : قارئین کو معلوم ہے آٹھویں صدی قبل مسیح میں بہت سے قبائل معاش اور بہتر وسائل کی تلاش میں سرگرداں وسط ایشیا سے نقل مکانی کر کے افغانستان اور ایران وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ ان میں دو قبیلے پارسا اور یوتیا زیادہ مشہور تھے۔

ان قبائل کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر بدھ پرکاش نے اپنی کتاب PSMAP ص 105-106 اور 126 پر لکھا ہے کہ ان میں سے کچھ قبائل شمال مغرب کی طرف بحیرۂ کیسپین تک چلے گئے دوسرے حصہ میں پارسا نامی قبیلہ ایران میں آباد ہو گیا جبکہ قبیلہ یوتیا جس کے پڑوس میں کرو' کمبوج اور شک قبائل آباد تھے۔ افغانستان' گندھار اور آگے بڑھ کر پنجاب تک پھیل گیا یہ نقلِ مکانی طویل عرصے تک جاری رہی۔ اسی عرصہ میں کمبوج بھی اپنے اصل ملک پامیر اور بدخشاں سے مغرب میں ایران کے مشرقی حصوں اور جنوب میں کوہ ہندوکش عبور کر کے وادئی کنہار اور سوات اور اس سے آگے بڑھ کر ہزارہ اور مردان تک پھیل گئے تھے اس سے ہمارے اس عندیہ کو بہت

تقویت ملتی ہے کہ فی الحقیقت افغان بھی اسی آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس سے کمبوہ ہیں اور تاجکوں کی طرح غالباً" ان کا منبع و ماخذ اصل میں ایک ہی ہے۔

پارسا قبیلہ کے ایک سردار ہخامنش نے اپنے جنگ آزما دوست قبائل کرو' کمبوج اور شک وغیرہ کی مدد سے اپنی سلطنت کو وسعت دینا شروع کی اس کے بعد چشپائش کے لئے ان قبائل بالخصوص کرو اور کمبوج قبیلوں کی فوجی معاونت نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ چشپائش کے بعد تقریباً ایک سو سال تک ہخامنشی حکمرانوں اور گندھار' کمبوج وغیرہ کے مابین تعلقات معمول کے مطابق رہے لیکن کورس کبیر کے عہد میں گرہیں پڑنا شروع ہو گئیں کورس نے ان آزاد ریاستوں کو اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر اپنے عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے سے قبل ہی بعض مؤرخین کے مطابق سیتھین قبائل اور بعض کی رُو سے کمبوج افواج کے خلاف جنگ کرتے ہوئے 530 ق م میں مارا گیا۔ کمبوجیا دوم اور دارا اس جنگ میں کورس کے ہمراہ تھے۔

یہاں ایک لفظی پیچیدگی کی وضاحت ضروری ہے جس میں بعض مؤرخین بھی الجھ کر رہ گئے۔ چینی سیاحوں' ایرانی اور یونانی دانشوروں اور ان کی پیروی میں بعض ہندوستانی مؤرخین نے بھی اس زمانہ کے کمبوجوں کے لئے کئی جگہ اَش وَک (Ashwak) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر کاشی پرشاد جیسوال نے ہندو پالٹی ص 145 پر لکھا ہے اور کئی دوسرے علمائے تاریخ نے اس کی تائید کی ہے کہ اَش وَک کمبوجوں ہی کا دوسرا (عرفی) نام ہے اس موضوع پر انہوں نے بڑی تفصیل سے مدلل بحث کی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مہابھارت اور مہاراجہ اشوک کے کتبوں میں تینوں ملکوں یعنی یون کمبوج اور گندھار کا جس ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے اسی ترتیب سے اری ین اور میگا ستھنیز نے تائی سایا نیسی اوئی (یون) اشوک (کمبوج) اور پشکلاوتی (گندھار) کا ذکر کیا ہے جغرافیائی لحاظ سے بھی یہی ترتیب درست ہے۔ ایرین نے لکھا ہے کہ اشوکوں کی سلطنت میں مش کلوتی (نداگا یا مسک) نام کا ایک بہت بڑا شہر ہے جو اس کا دارالحکومت ہے (کلاسیکل اکاؤنٹس آف انڈیا ص 19-20) اس بحث کو سمیٹتے ہوئے ڈاکٹر جیسوال نے لکھا ہے "اس ساری بحث سے ہمیں کمبوج کا دوسرا نام اَش وَک مل جاتا ہے کمبوج لوگ اپنے گھوڑوں اور گھڑ سواری کے لئے

مشہور تھے اس لئے عوام الناس میں خاص کر پڑوسی ممالک میں اَشوک یعنی گھوڑے والے کے نام سے پکارے جاتے تھے۔"

یونانی مصنفین اور مؤرخین اکثر مقامات' اقوام بلکہ بعض جگہ شخصیات کے نام بھی اپنی زبان کے مطابق وضع کر لیتے تھے۔ جیسے کمبوجیا کے لئے کمبیسز اور دارا کے لئے داریوس یا ھخامنشی کے لئے ایکے مینین اختیار کئے گئے۔ سندھ بلوچستان کے لوگوں کو یونانی مؤرخ ارین نے Oxy-Dragy (بیل کی طرح موٹے تازے اور سانپ کی مانند لہراتے بالوں والے) کے نام سے یاد کیا ہے اس لئے کمبوجوں کو گھوڑے والے کے نام سے منسوب کرنا انہی کی اختراع ہے۔

کورس کبیر کا کمبوج پر حملہ: پکوساتی (Pakkusati) گندھارا' کشمیر اور موجودہ پنجاب کا ایک طاقتور راجہ تھا۔ اس نے مشرقی ممالک پر کورس کی یلغار کو تشویش کی نظر سے دیکھا اور کمبوجوں کو کورس کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے ہاتھیوں کی بڑی فوج ان کی مدد کے لئے بھیجی' ادھر کورس کی فوج میں بارہ ہزار گھڑ سوار' چھ لاکھ پیدل فوج اور بیشمار آٹومیٹک فلاخنیں (فلاخن یا گوپھن یا منجنیق بھاری پتھر پھینکنے کے کام آتی تھی اس سے قلعہ کی دیوار توڑنے کا کام بھی لیا جاتا تھا) پکوساتی کا مقصد تھا کہ اگر کورس گندھارا پر حملہ کرے تو کمبوج اس پر عقب سے حملہ کر دیں لیکن کورس نے پہلے کمبوجوں کے راجہ والئی مساگ پر حملہ کر دیا۔ مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ کورس نے صلح کی شرائط میں مساگ کی کمبوج رانی تامریکا کا مطالبہ کیا جسے بہادر غیور رانی نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اپنے بہادر بیٹے کو ایک جنگ آزما ہراول دستے کے ساتھ کورس کو مساگ سے کافی فاصلہ پر روکنے کے لئے بھیجا۔ بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی اور کمبوج شہزادہ گرفتار ہو گیا مگر کورس کے سامنے پیش ہونے سے قبل ہی شہزادے نے خود کشی کر لی اس پر کمبوج فوج پوری طاقت سے جنگ میں کود پڑی۔ بڑی خوفناک لڑائی ہوئی جب معرکہ پورے عروج پر تھا تو ایک ہاتھی سوار کمبوج سپاہی نے کورس کی ران پر ایسا بھرپور وار کیا کہ اس کی زندگی کی کہانی ختم ہو گئی۔ Ctesias Persica گلمور ایڈیشن (ص 133 تا 135) رانی بڑی بہادری سے لڑی اور ایرانی فوجوں کے منہ موڑ دیئے۔ ایک روایت کے مطابق رانی نے کورس کے سر کو خون میں ڈبوتے

ہوئے کہا "میں تجھے بھرپور خون دیتی ہوں۔" اس طرح کمبوجوں کو ختم کرنے والا کمبوجیا دوم کا باپ خود ختم ہو گیا (بدھ پرکاش۔ ہسٹری آف دی پنجاب ص 208)۔

کچھ مؤرخوں کا خیال ہے کہ کورس کمبوجوں سے جنگ کرتے ہوئے نہیں مارا گیا تھا۔ رومیلا تھاپر (اے ہسٹری آف انڈیا جلد اول میں) بحوالہ مکرنڈل Ancient India as described by Magasthenese and Arrian ص 183 پر لکھتے ہیں کہ کورس کبیر اپنی موت سے پہلے کمبوج، گندھار اور سندھ پار کے علاقوں سے خراج وصول کر چکا تھا۔

تاریخی کتب سے پتہ چلتا ہے کہ ملک کمبوج کی دوبارہ فتح کے بعد کمبوہ سپاہیوں کی شجاعت اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں سے متاثر ہو کر کورس کبیر کے بھتیجے اور کمبوجیا دوم کے چچا زاد بھائی دارا اول نے ان کو اپنی باقاعدہ فوج میں بھرتی کر لیا۔ اس کی وفات کے بعد بھی تقریباً دو سو سال تک وہ ایرانی فوج میں خدمات انجام دیتے رہے۔

کمبوج پر سکندر اعظم کی یلغار: نو عمر مگر فنون حرب میں یکتا، مقدونیہ (یونان) کے بادشاہ سکندر کو ایرانی حکومت کی زبوں حالی نے طالع آزمائی کی دعوت دی وہ ایک بلند ہمت اور اولوالعزم فاتح تھا۔ یونانی مؤرخین نے اس کے کردار کا صرف روشن پہلو ہی دکھلایا ہے مگر دکھ کی بات ہے کہ ان اوصاف کے باوجود وہ ایک تنگ نظر، حاسد، حریص اور معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے میں کمینگی کی حد تک گرا ہوا شخص تھا۔

سکندر نے مئی 334 ق م میں اپنی مہم کا آغاز کیا اور 330 ق م میں دارا سوم کو شکست دے کر ایران کے تخت پر قابض ہو گیا اس کے بعد تین سال تک وہ ایران کے مشرق میں واقع چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو زیر کرنے اور ہندوستان پر حملہ کی تیاری میں مصروف رہا۔ باختریا (بلخ) کی فتح کے بعد وہ کوہ ہندوکش میں واقع وادی کاؤشان عبور کر کے بامیان اور وادئی غور بند کی طرف بڑھا اور بالآخر جلال آباد کے قریب پہنچ کر اس نے ٹیکسلا اور دوسرے بھارتی علاقوں کے سربراہوں اور سرداروں کو پیغامات ارسال کئے۔ یہاں پر اس نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کو دریا کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ کیا اور خود شمال کی جانب دریائے کنہار کے ساتھ ساتھ باجوڑ اور سوات کے پہاڑی علاقوں کا رخ کیا۔ یہاں ایسے جنگجو کمبوہ قبائل آباد تھے جن

کو شکست دینا آسان کام نہ تھا۔ یہ قبیلے بھارتی تواریخ کی رُو سے (باون اور چوراسی) آشواین اور اشوکاین اور یونانی مؤرخین کے مطابق Aspasians اور Assakenois کے نام سے مشہور تھے۔ اول الذکر مغرب کی طرف اور مؤخر الذکر شمال مشرق کی طرف رہتے تھے ان کے وسط میں دریائے پنجکور پر انہی کی نسل کا ایک اور قبیلہ آباد تھا یہ سب قبیلے ان کمبوجوں کی نسل سے تھے جو ہخامنشی دور حکومت میں آزادی کو غلامی پر ترجیح دیتے ہوئے ہندوکش کے اس پار کے علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اری ین کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے کاشی پرشاد جیسوال نے ان لوگوں کو کمبوج تسلیم کیا ہے ڈاکٹر ای لموتے (Lamotte) نے Historie du Bouddhisme Indien ص 110 پر ان کے کمبوہ ہونے پر صاد کیا ہے۔ ڈاکٹر بدھ پرکاش نے لموتے اور دوسرے مصنفین کے حوالے سے اپنی کتابوں Punjab Past and Present ص 9-10 اور ہسٹری آف پورس ص 38 پر لکھا ہے:

" But the Macedonian Conqueror made short shrift of the arrangements of Darius and over-running the Achaemenian empire, dashed into Afghanistan and encountered the stiff resistence of the KAMBOJA tribes called Aspausians and Assakenois, known in Indian texts as Asvayana and Asvakayana."

لیکن مقدونیائی فاتح نے دارا کو سنبھلنے کی مہلت دیئے بغیر اس کے (دفاعی) انتظامات کو درہم برہم کر کے رکھ دیا وہ ہخامنشی سلطنت کو پامال کرتے ہوئے افغانستان پر چڑھ دوڑا اور کمبوج قبائل جو اسپاسین اور اساکینوئی کہلاتے تھے اور جن کو بھارتی کتابوں میں اسواین اور اسواکاین کہا جاتا ہے کی سخت مزاحمت کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔" ہمارے خیال میں یہ قبیلے کمبوجوں کے باون اور چوراسی گوتہ فرقوں پر مشتمل تھے۔ بعض بھارتی مؤرخ یوسف زئی قبیلہ کو "ایس پی سی' یا "اپی' قرار دے کر ان کو کمبوجوں سے ملاتے ہیں۔ ممکن ہے سوات' دیر' باجوڑ' شبقدر' چارسدہ وغیرہ میں آباد بعض قبائل اشواین یا اشوکاین نامی کمبوج قبائل کی اولاد سے ہوں بہت سے معقولیت پسند افغان مؤرخین نے بھی افغانوں کو سامی نسل یعنی یہودیوں سے منسلک کرنے کی

بجائے ان کو آریہ نسل سے ہونا ثابت کیا ہے' بہر حال ہمارے نزدیک یہ ایک نیا نظریہ ہے جو بہت زیادہ سنجیدہ اور گہری تحقیق کا مستحق ہے' ہم بھارتی مؤرخین اور محققین کی بہت سی تحقیقات کے معترف ہیں مگر یہ بھی مشاہدہ میں آیا ہے کہ بعض اوقات ان کے بلند بانگ دعوے محض اندازوں اور قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں بلکہ کبھی کبھی منطقی اور اصولی نتائج اخذ کرنے کی بجائے وہ جذباتیت کی رو میں بہ کر فیصلے صادر کر دیتے ہیں اس لئے ہم ایسی کسی بات کو اس وقت تک تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں جب تک اس نظریہ کی صحت پر سو فی صدی یقین نہ ہو جائے تاہم ایسے نظریات کو معقول دلیل کے بغیر یکسر قلمزد بھی نہیں کرتے ورنہ تحقیق کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔ تاریخی اور جغرافیائی حالات و واقعات کی روشنی میں خاصی معقول حد تک یہ اندازے مبنی بر حقیقت نظر آتے ہیں۔

ہم اپنی نئی نسل کے تعلیم یافتہ محبان قوم سے بالخصوص توقع رکھتے ہیں کہ وہ پاکستان اور افغانستان میں واقع ان علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کے حالات اور باشندوں کا ہر قسم کے دستاویزی' روایتی' معاشرتی' نسلی غرض ہر پہلو سے بنظر غائر مطالعہ کریں۔ ممکن ہے آئندہ دس بیس سال میں کسی فرزند قوم کی وساطت سے مزید حقائق سامنے آ جائیں۔

جس زمانے میں ان کمبوج قبائل نے مذکورہ علاقوں میں بستیاں بسائیں اسی کے لگ بھگ ہن (Hun) لوگ بھی سوات' دیر وغیرہ کے شمالی علاقوں میں آ کر آباد ہوئے وہ آجکل گوجر کہلاتے اور گوجری زبان بولتے ہیں جو ان علاقوں کی معروف زبان ہے۔

این کے شاستری نے 'اے کمپری ہینسو ہسٹری آف انڈیا' جلد دوم مطبوعہ بمبئی 1957ء کے ص 118 پر لکھا ہے۔ "چترال میں رہنے والے اسی ین اور گلگت کا قبیلہ لیش کن دراصل اشوکاین کی نسل سے ہی ہیں ان کا صدر مقام مسکلوتی یا Mazaga تھا۔ اشوائیوں کے خاندان سے تعلق رکھنے والے موجودہ زمانے کے وادیٔ کابل کے باشندے پکھائی' یا اپسی' ہیں جنہیں یوسف زئی بھی کہا جاتا ہے۔"

بی آر کمنہ نے ہسٹری آف انڈیا ص 84 پر لکھا ہے "اشوکاین حکومت کے پاس بڑی مضبوط فوج تھی۔ جس میں گھڑ سوار' پیادہ فوج اور ہاتھی بھی تھے۔ اس کا

دارالحکومت مساگا تھا جو درّہ ملاکنڈ کے شمال میں واقع تھا۔"

ڈاکٹر بدھ پرکاش نے ہسٹری آف دی پنجاب جلد اول ص 225 سے 232 تک ان حریت پسند کمبوج قبائل کی سکندر کی افواج سے معرکہ آرائیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے ہم یہاں ان کا صرف خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس سے قبل مختصر سا پس منظر بیان کرنا بھی ضروری ہے:

ملک کمبوج کے پڑوسی ملک گندھارا کا ایک سردار ششی گپت باختریا کے گورنر کا باجگذار تھا۔ اس نے کمبوج' گندھار اور پنجاب کی تمام ریاستوں کے باہمی نفاق اور خلفشار' ان کی فوجی طاقت' قلعہ بندیوں' مخصوص حفاظتی انتظامات اور جنگی چالوں سے متعلق تمام معلومات سکندر کو فراہم کر دی تھیں جس سے اس کو اپنی فوجی حکمت عملی مرتب کرنے میں بہت مدد ملی۔ اور وہ فتح پر فتح کرتا چلا گیا۔

دریائے کابل عبور کر کے سکندر نے اشواین لوگوں کے پہاڑی مورچوں اور شہروں پر حملے کرنے سے اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔ اس نے پہاڑی دستوں پر اچانک حملہ کر کے ان کو قلعہ بند ہونے پر مجبور کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ اتفاق سے پہلے ہی معرکہ میں سکندر کے کندھے پر ایک تیر آ لگا۔ جس سے وہ بری طرح زخمی ہو گیا۔ اس کے جرنیل تالیمی اور لیوناٹس بھی زخمی ہوئے تاہم یونانی فوج نے شہر کا محاصرہ جاری رکھا۔ دوسرے روز یونانیوں نے شہر کی فصیل توڑ کر زبردست حملہ کر دیا۔ کمبوج فوج اپنے آپ کو محصور پا کر دوسرے دروازے سے باہر نکلی اور پہاڑوں میں چلی گئی۔ سکندر کی فوجوں نے شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ ہزاروں بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر اور قیمتی اشیاء سمیٹ کر یونانی فوج نے دوسرے شہر' اندک' پر ہلّہ بول دیا مگر وہاں کے سرداروں نے کچھ شرائط کے ساتھ ہتھیار ڈال دیے۔ یہاں سے سکندر اش واینوں کے خاص قلعہ گورس (Gorys) کی طرف بڑھا' محافظ فوج نے لوگوں کو باہر نکالا اور شہر کو آگ لگانے کے بعد پہاڑوں پر چلی گئی۔ جنرل تالیمی نے تعاقب کر کے ان کو راستہ میں جا لیا۔ دست بدست لڑائی میں کمبوج سردار مارا گیا جس پر اشواین فوج نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا مگر عین وقت پر تالیمی کو سکندر کی فوج کی تازہ دم کمک مل گئی جس سے مقامی لوگ پہاڑوں میں چلے گئے۔ شہر پر قبضہ

کے بعد سکندر کی فوج نے اری گیون (Arigaion) شہر پر حملہ کیا تھوڑی سے مزاحمت کے بعد یہاں بھی اشواین پہاڑوں پر چلے گئے اس طرح شہر پر آسانی سے قبضہ ہو گیا۔ وہاں سے یونانی فوج آگے بڑھی تو ان کو دور فاصلے پر بہت سی روشنیاں نظر آئیں۔ یونانیوں نے اندازہ لگایا کہ یہاں اشواین فوج کا بہت بڑا اجتماع ہے سکندر نے فوج کے تین حصے کئے۔ قلب میں تھوڑی فوج رکھی اور زیادہ تر میمنہ اور میسرہ کو مضبوط کیا۔ سامنے آنے والی فوج کو دیکھ کر اشواین مغالطہ میں آ گئے۔ یہ لوگ تمام قبائل کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور اور زبردست جنگجو تھے۔ مگر کچھ اپنی طاقت کے زعم اور کچھ دشمن کی عددی کمزوری کو دیکھ کر کسی جنگی حکمت عملی کے بغیر بلا نظم و ضبط میدان میں آ گئے۔ دائیں اور بائیں سے سکندر اور لیوناٹس کی فوجیں بھی حملہ آور ہو گئیں۔ زبردست جنگ کے بعد اشواین کو شکست ہوئی۔ تالمی کے قول کے مطابق یہاں سے انہوں نے چالیس ہزار زراعت پیشہ افراد گرفتار کئے اور دو لاکھ تیس ہزار مویشیوں کے ساتھ یونان بھیج دئے۔

اشواین کی طاقت ختم کرنے کے بعد سکندر نے کمبوجوں کے دوسرے بڑے قبیلہ اشوکاین پر حملہ کی منصوبہ بندی کی۔ اسی دوران میں اس کو مزید کمک پہنچ گئی۔ اس علاقے میں رہنے والے اش وک گورین Gourians کہلاتے تھے۔ سکندر کی بھاری فوجوں کی آمد کی خبر سن کر ان لوگوں نے آخری دم تک لڑنے کا فیصلہ کیا۔ مختلف مقامات پر معرکہ آرائیاں ہوئیں آخر مشکلوتی (یا مساگ۔ یہ موجودہ مشکلاینڈ سے چوبیس میل کے فاصلے پر واقع ہے) کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ یہاں بھی سکندر نے وہی چال چلی یعنی اپنی تھوڑی سی فوج کے ساتھ پسپا ہونا شروع کر دیا۔ اشوکاین قلعہ چھوڑ کر بے ڈھنگے پن سے آگے بڑھے مگر سکندر نے پلٹ کر ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تاہم وہ لڑتے بھڑتے قلعہ کے اندر چلے گئے۔ اشوکائیوں نے قلعہ کی چاردیواری سے تیروں کی بوچھاڑ کر دی ایک تیر سکندر کے ٹخنے میں آ لگا اس نے فوراً" کھینچ کر تیر نکالا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا مگر جلد ہی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی۔ کہتے ہیں سکندر نے اس وقت بڑی رقت سے کہا "لوگ مجھے دیوتا (ZEUS) کا فرزند سمجھتے ہیں لیکن میرے ٹخنے سے بہنے والا خون دیوتاؤں کا خون نہیں

بلکہ موت کا پیغام ہے۔ انسان غرور میں آ کر خدائی کے جو دعوے کرتا ہے وہ مصیبت اور غم و اندوہ کے وقت سب ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں پھر موت کے قریب اسے اپنی بے بسی اور کمزوری کا علم ہوتا ہے۔"

دوسرے روز یونانی فوج شہر کی فصیل توڑنے میں کامیاب ہو گئی مگر محافظ فوج نے سخت نقصان پہنچا کر ان کو باہر دھکیل دیا۔ اس کے بعد یونانی فوج نے نو دن میں تیار کردہ ایک بہت بڑی مچان پر کھڑے ہو کر شہر پر شدید گولہ باری کی مگر اس بار بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی طرح اگلے دن یونانی فوج کو سخت ہزیمت ہوئی اور یونانی کافی نقصان اٹھا کر پسپا ہو گئے۔ پانچویں روز یونانیوں نے شدید گولہ باری کی اور توپ کا ایک گولہ لگنے سے اشوکانیوں کا سردار جس کا نام یونانیوں نے "اس ساکے نوس' لکھا ہے ہلاک ہو گیا اس سے فوج میں بیدلی پیدا ہو گئی اور محصورین نے اپنا ایک قاصد سکندر کے پاس بھیجا۔ معاہدہ طے پا گیا جس کے مطابق فوج اور شہر کے لوگوں کو قلعہ اور شہر خالی کرنا پڑا۔ ابھی وہ ایک میل ہی باہر گئے ہوں گے کہ سکندر نے معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے فوجیوں اور عام شہریوں کو چاروں طرف سے گھیر کر تہ تیغ کر ڈالا۔ عہد' انصاف اور رواداری کے خلاف قبائلیوں نے سخت غصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا: "دیوتاؤں کی قسم کھا کر باقاعدہ دستخط شدہ معاہدہ کی خلاف ورزی بہادروں اور جوانمردوں کا کام نہیں ہوتا" مگر سکندر نے کمال ڈھٹائی سے جواب دیا "معاہدہ صرف شہر کے اندر سے نکلنے کے لئے تھا۔ یہ کوئی مستقل معاہدہ نہ تھا۔" بدھ پرکاش نے لکھا ہے کہ پلوتارچ کے بیان کے مطابق سکندر کو پانچ روز کی جنگ میں بھاری نقصان اٹھانا پڑا تھا اس نے از خود معاہدہ کی پیش کش کی تھی لیکن یہ معاہدہ دراصل ایک جھانسا تھا جس میں پھنس کر اشوکاین شہر سے باہر نکل گئے اور سکندر نے دھوکا دے کر ان پر حملہ کر دیا۔ اس نے لکھا ہے کہ "یہ بدعہدی سکندر کی شجاعت پر ایک بدنما داغ ہے اس پر سکندر کی سخت الفاظ میں ہجو کرنی چاہئے۔" (کلاسیکل اکاؤنٹس آف انڈیا ص 195)

غرض مساگ (مسکلوتی) کی فتح کے بعد ششی گپت اور دیگر مفتوحہ علاقوں کی تازہ دم افواج کو ساتھ لے کر سکندر نے اورا (ORA) اور وزیرا (موجودہ باجوڑ) کا قصد کیا یہاں پر بھی سخت خونریز جنگوں کے بعد سکندر کو فتح حاصل ہوئی۔ اپنی پوزیشن مزید

مستحکم کرنے کے بعد سکندر نے اورنس پر حملے کی زبردست تیاری کی اور 'ایم بولینا' شہر پر قبضہ کر کے اسے (اڈہ) یا بنیادی مرکز (Base) بنایا اور چاروں طرف افواج پھیلا دیں مگر کئی روز کی لڑائی کے باوجود قلعہ فتح کرنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی آخر ایک جانب لکڑی کی بہت بڑی چٹان (مچان) بنا کر قلعہ پر دھاوا بول دیا قلعہ بند فوج کو ایسی کارروائی کی توقع نہ تھی اس لئے انہوں نے صلح کی پیشکش کی جو قبول کر لی گئی مگر یہاں بھی سکندر نے اپنی فطری کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوج اور بیگناہ عوام کو قلعہ سے باہر نکلتے ہی تہ تیغ کر دیا۔ یہاں سے بڑھ کر سکندر نے کمبوجوں کے آخری قلعہ نائی سا کو فتح کر کے اس عظیم مگر منتشر اور غیر منظم قوم کی فوجی طاقت کو جو جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے کسی ایک مرکز کے تحت نہ تھی تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

یہاں سے فارغ ہو کر سکندر نے پہلے گندھار کے دارالحکومت پش کلاوتی کو فتح کیا پھر ٹکشلا پر چڑھائی کی مگر ٹکشلا کے راجہ امبھی نے بیش بہا تحائف پیش کر کے صلح کر لی اور سکندر کو فوجی مدد دے کر دو آبہ رچ (چناب اور جہلم کے درمیانی علاقہ) کے راجہ پورس اور ابھی سار کے راجہ پر جس کے ماتحت پورا کشمیر تھا۔ حملہ کی ترغیب دی۔ ابھی سار کے راجہ نے دوغلی پالیسی اپنائی۔ سکندر کی اطاعت بھی قبول کر لی اور پورس کو بھی فوجی مدد بھیجنے کا یقین دلایا۔ راجہ ابھی سار نے اس سے پہلے اشوکوں کی فوجی مدد بھی کی تھی اس لئے پورس کو اس کی یقین دہانی پر اعتبار آ گیا۔

ڈاکٹر رائے چودھری نے Political History of Ancient India ص 246-47 پر اور این کے سنہا اور این رائے نے A History of India ص 269-71 پر لکھا ہے کہ "ابھی سار (راجوڑی' پونچھ' کشمیر) اور ارسا (موجودہ اضلاع ایبٹ آباد' مانسہرہ اور کوہستان) کسی وقت قدیم کمبوج سلطنت کا ایک حصہ تھے۔"

ہسٹری آف انڈیا مصنفہ بی آر کمنہ مطبوعہ 1946ء ص 84 پر لکھا ہے:

Abhisara was an offshoot of the ancient Kingdodm of Kamboja."

"ابھی سار قدیم کمبوہ سلطنت کی ایک شاخ تھی۔"

لیکن ان مؤرخین نے ان علاقوں پر کمبوجوں کی حکومت کے زمانے کا تعین نہیں کیا اس لئے اس موضوع پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

موریہ سلطنت کے قیام میں کمبوجوں کی معاونت: سکندر نے واپسی سے قبل مفتوحہ علاقوں میں اکثر مقامات پر اپنے فوجی افسر اور گورنر متعین کر دیئے تھے مگر اس کی وفات کے بعد یونانیوں کے خلاف نفرت کے شدید جذبات ابھرنے لگے۔ اس کی وجوہات میں (1) ہندوستانیوں کو غیر مہذب کہہ کر حقارت سے دیکھنا (2) لاکھوں بے گناہوں کا خون (صرف جنوبی سندھ میں 80 ہزار افراد کا قتل) (3) قصبوں اور شہروں کی لوٹ مار اور تباہی (4) ہزاروں افراد کو غلام بنا کر یونان لے جانا وغیرہ شامل ہیں۔ اس لئے اس کے 19 ماہ کے حملوں کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا بلکہ خاص طور پر گندھار اور پنجاب میں جگہ جگہ بغاوتوں نے سر اٹھایا اور بیشمار یونانی افسر اور فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔ کمبوج میں سکندر نے اپنے فوجی یا سول نمائندے مقرر نہیں کئے تھے اس لئے وہاں کوئی ایسی بات نہ ہوئی تاہم اشوکوں (کمبوجوں) میں یونانیوں کے خلاف نفرت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔

سکندر کی آمد کے زمانہ میں مگدھ (بہار) پر نندہ خاندان حکمران تھا اس خاندان کے ایک سپوت چندر گپت (38) نے جس کی ماں کشتریوں کے مشہور موریہ خاندان سے تھی آخری نند راجہ کی فوج میں خاص مقام حاصل کر لیا۔ کسی واقعہ پر راجہ سے اس کی شدید ناراضگی ہو گئی وہ جان کے خوف سے بھاگ کر پنجاب پہنچا اور سکندر سے مدد کا خواہاں ہوا سکندر کو اس کی حرکات پر شبہ ہوا اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ موقعہ کی نزاکت بھانپ کر چندر گپت سرکاری کیمپ سے نکل بھاگا اور ٹیکسلا پہنچ گیا

---

(38) قارئین برہمنوں کی طرف سے کمبوجوں پر لگائے گئے الزامات کا مطالعہ کر چکے ہیں ان کے مذہبی تعصبات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ عوام کو تو درکنار انہوں نے فرمان روایان وقت کو بھی معاف نہیں کیا۔ برہمنی دھرم کی مخالفت کی وجہ سے نندہ خاندان کی کردار کشی کی گئی۔ نندہ بادشاہ مہاپدم کے متعلق کہا گیا کہ اس کا باپ حجام تھا جس نے شاہی خاندان کی رانی سے ناجائز تعلقات قائم کر کے حکومت پر قبضہ کیا۔ اسی طرح چندر گپت موریہ پر بھی بہت رکیک حملے کئے ہیں مثلاً اس کی ماں کو کبھی نیچ ذات کی عورت بتایا گیا اور کبھی مور پالنے والی حقیر خادمہ کہا گیا۔ اوم پرکاش نے اپنی کتاب 'دی پنجاب انڈر چندر گپت' میں اور جوشی نے تاریخ پنجاب ص 255 پر لکھا ہے "ایک روز کوٹلیہ نے اسے دیگر بچوں کے ہمراہ کھیلتے ہوئے دیکھا اور چاندی کے دس ہزار سکوں کے عوض خرید لیا اور اسے لے کر ٹیکسلا چلا گیا۔" وقس علی ذالک۔

حسن اتفاق سے اسے یہاں چانکیہ کی صورت میں ایک انتہائی چالاک' زیرک اور مدبر استاد اور مشیر مل گیا (چانکیہ کا اصل نام وشنو گپت تھا کوٹلیہ کے نام سے بھی مشہور ہے وہ ٹیکسلا یونیورسٹی میں سیاسیات کا ماہر استاد تھا) چندر گپت نے پنجاب میں بغاوتوں کی صورت حال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 322 ق م میں کوہ ہندوکش کے پہاڑی قبائل بالخصوص کمبوجوں' شکوں اور یونوں پر مشتمل کثیر فوج فراہم کرکے پنجاب میں اپنے قدم جما لئے۔ (اکرام علی ملک) مشہور مصنف وشاکھ دت' نے اپنی تصنیف مدرا راکھش' میں چندر گپت کی فوج میں کمبوجوں کے بہادرانہ کارناموں کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پنجاب پر پورا تسلط حاصل کرنے کے بعد چندر گپت نے مشرق کا رخ کیا۔ اس مہم میں کمبوجوں نے نہ صرف سکندر کی تعینات کردہ یونانی فوجوں کا قلع قمع کرنے میں چندر گپت کی مدد کی بلکہ شمالی ہند کو زیر کر کے مگدھ کی فتح میں بھی چندر گپت کا پورا ساتھ دیا۔ چندر گپت نے ان فوجیوں کو بہت سی مراعات دیں۔ معلوم ہوتا ہے کمبوج عساکر نے اپنے ملک کو واپس جانے کی بجائے اسی علاقہ کو اپنا مستقر بنا لیا اور بہار اور بنگال میں اپنی مستقل بستیاں آباد کر لیں۔ یہیں سے کچھ کمبوجوں کا براستہ تری پورہ اور شمالی برما اپنی نو آبادی کمبوڈیا کو جانے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

چندر گپت موریہ کا وزیر اور مشیر چانکیہ ایک گھاگ' فکری اور عملی سیاستدان اور صحیح معنوں میں ہندوستان کا میکیاولی تھا۔ موریہ سلطنت کی پالیسی اور جملہ امور مملکت اسی کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ جنوب میں آندھرا اور شمال مغرب میں کمبوج' یون اور گندھار قبائل پر فوجی یلغار سے فتح تو حاصل کی جا سکتی ہے مگر ان آزادی پسند اور جنگجویانہ خصلتوں کے مالک قبائل پر حکمرانی کرنا مشکل ہی نہیں اپنی طاقت اور وقت کا ضیاع بھی ہے۔ چانکیہ نے ان میں آپس میں پھوٹ ڈال کر ان کو برباد کرنے کے بہت سے منصوبے آزمائے مگر انجام کار ان ریاستوں کو موریہ سلطنت کے اندر ایک محدود طریقے سے خود مختاری دیئے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا۔ چنانچہ جب سکندر اعظم کے جرنیل سیلوکس نکاتور نے چندر گپت پر حملہ کیا تو ان قبائل نے اس کو دریائے سندھ پر ہی روک لیا اور اسے شکست دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

چندر گپت کے بعد اس کا بیٹا 24 سال تک حکومت کرتا رہا۔ اس کی وفات پر

اشوک حکمران ہوا۔ اشوک کے زمانہ میں (274 ق م تا 232 ق م) موریہ سلطنت کو انتہائی عروج حاصل ہوا۔ اس کی حکومت بنگال سے لے کر کوہ ہندوکش تک اور جنوب میں ایک معمولی سے قطعہ کو چھوڑ کر پورے دکن پر محیط تھی اسے بجا طور پر اشوک اعظم کہا جاتا ہے۔ اپنے پڑوسیوں بالخصوص کمبوج' یون' گندھار وغیرہ کے ساتھ چانکیہ کی مرتب کردہ حکومتی پالیسی اشوک کے زمانے میں بھی برقرار رہی۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قبائل اشوک کی سلطنت کے اندر رہتے ہوئے بھی اس کی سلطنت کا عملی طور پر حصہ نہ تھے اگرچہ سیاسی اعتبار سے یہ کامیاب پالیسی تھی کہ ان قبائل سے مساویانہ اور فیاضانہ سلوک کر کے اپنے ساتھ ملا کر رکھا جائے اور بوقت ضرورت ان سے ہر طرح کی مدد حاصل کی جائے مگر فوجی لحاظ سے یہ حکومت کی کمزوری تھی چنانچہ جیسے ہی موقع ملا یہ قبائل آزاد ہو گئے۔

اشوک نے بدھ مذہب کی تبلیغ کے لئے بڑے نمایاں کارنامے انجام دئے۔ پورے ملک میں پتھر کے ستون اور سٹوپا تعمیر کرا کے ان پر بدھ مذہب کے اصول کندہ کرائے۔ ہم کمبوج' گندھار اور یون علاقوں میں نصب کردہ ستونوں کا مفصل ذکر کر چکے ہیں۔ اس زمانے میں ملک کمبوج کے باشندوں نے مکمل طور پر بدھ مذہب قبول کر لیا اور ایک مرتبہ پھر ایران کی بجائے ان کا مذہبی تعلق ہندوستان سے وابستہ ہو گیا۔

اشوک کے بعد ویریسین اور سوبھاگیہ سین کے عہد میں کمبوج' یون وغیرہ خود مختار ہو گئے اور موریہ سلطنت سمٹ کر مگدھ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ادھر باختریا (بلخ) میں یونانی یونوں نے اپنی مرکزی شام کی حکومت کے خلاف 250 ق م میں بغاوت کر کے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانا شروع کر دیا۔ بالآخر 208 ق م میں مرکز سے اپنی آزادی تسلیم کرا لی۔ 206 ق م میں باختریا کے شہزادے ایمطرائس Emetrios نے سوبھاگیہ سین کو شکست دے کر افغانستان کے مشرقی حصہ اور شمال مغربی ہندوستان پر قبضہ کر لیا اس سے ایک بات عیاں ہو گئی کہ ان علاقوں کا کوئی طاقتور محافظ نہ رہا تھا جس سے طالع آزما قوموں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

185 ق م میں موریہ خاندان کے آخری بادشاہ کو اس کے برہمن سپہ سالار پشیامتر نے تہ تیغ کر کے سنگا خاندان کی بنیاد رکھی۔ سنگا خاندان 112 سال اور اس کے بعد کنوا

خاندان 40 سال بر سر اقتدار رہا۔ ان کی حکومت صرف بہار اور لودھ تک محدود رہی اور افغانستان اور شمال مغربی ہندوستان پر یونانیوں نے قبضہ کر لیا۔ اس دور میں برہمنوں نے بدھ مذہب کی بیخ کنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ سنگا اور کنوا بادشاہوں کی برہمنی مذہب کے احیاء کی کوششوں کے باوجود کمبوج بدھ مذہب پر ثابت قدم رہے۔

دریائے ستلج سے لے کر پورے پاکستان اور افغانستان میں دوسری صدی قبل مسیح سے ہی طوائف الملوکی کا وہ دور دورہ رہا کہ ہندوستان' پاکستان اور افغانستان کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اتفاق سے چند ایک سیاحوں کے سفر ناموں کے سوا اس زمانے کی کوئی مستند تاریخی دستاویزات بھی دستیاب نہیں۔ کمبوج ایک عوامی جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے اپنے کسی راجہ یا سربراہ مملکت کے زیر سایہ نہ تھے اس لئے گروہوں میں بٹے ہونے کے باعث اس دور میں ان کی پوزیشن بہت ہی ناگفتہ بہ رہی ہے کبھی وہ آزاد ہوتے تھے کبھی ارد گرد کے علاقوں پر بھی تسلط حاصل کر لیتے تھے اور کبھی یونانیوں' یوچیوں' شکوں' ہنوں وغیرہ کے محکوم ہو کر اپنی قومی شناخت بھی گنوا بیٹھتے تھے۔ اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ہمیں وسط ایشیا میں رہنے والے یوچی' شک' ہن وغیرہ جنگجو' آوارہ گرد اور بنجارے قسم کے قبائل کا جائزہ لینا ہو گا جو بالعموم بتقاضائے حالات نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔

ہُن: ان کے خروج کی ابتدا چین کے شمال میں واقع ملک منگولیا سے ہوتی ہے جہاں یہ قوم ہیون گنو (Hion-gannu) کے نام سے آباد تھی۔ یونانی میں ان کو (Unnoi) لاطینی میں ہنی (Hunni) اور ہندوستانی زبان میں ہن کہا گیا ہے۔ چینی روایات کے مطابق یہ لوگ منگول نہیں بلکہ ترکی النسل تھے اور اکثر چین پر حملے کرتے رہتے تھے چنانچہ چین کے بادشاہ سی ان' (Ts'in) کے عہد میں اس 'یاجوج ماجوج' صفت قوم کو روکنے کے لئے کئی سو میل لمبی دیوار بنائی گئی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔

یوچی: ادھر سے مایوس ہو کر ہنوں نے مغرب کی طرف سے ملک' کانسو' پر حملے شروع کر دیئے جہاں یوچی نام کی قوم آباد تھی۔ 176 ق م میں ہنوں نے یوچیوں پر ایک بھرپور منظم حملہ کر کے ان کو کانسو سے نکال باہر کیا۔ یوچیوں کے دو مشہور قبیلے تھے۔

بڑے قبیلے کا نام TA Yue Che یعنی یو چی کبیر اور چھوٹے کا نام Siao Yue che یعنی یو چی صغیر تھا۔ ان کا ذکر شک یاساکا قبائل کے ساتھ کیا جائے گا۔

یَوَن یا باختریائی یونانی: ان کو Indo Bactrian بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری تیسری صدی قبل مسیح میں باختریا (بلخ) ان کا دارالحکومت تھا۔ یونوں نے پہلے اردگرد کی حکومتوں کمبوج، گندھار، اراکوشیا (موجودہ قندھار) اور گدروشیا پر قبضہ کیا پھر پنجاب اور شمالی سندھ تک پھیل گئے۔ بعد میں اندرونی خلفشار کے باعث ان کی دو حکومتیں بن گئیں ایک کا دارالحکومت ٹکشلا اور دوسری کا سیالکوٹ تھا۔ مؤخرالذکر خاندان کے مشہور بادشاہ منندر (Menander) نے 155 ق م سے 130 ق م تک حکومت کی۔ بدھ مت کی اشاعت اور فروغ کے لئے اس نے بہت کام کیا۔ اس دور میں ملک کمبوج کا بہت بڑا حصہ دوسری شاخ جس کا دارالحکومت ٹیکسلا تھا۔ کے زیر نگیں تھا۔

ساکا یا شک: یہ قبائل دریائے تارم (Jaxartes) کے علاقہ میں رہتے تھے ساکا یا شک کہلاتے تھے۔ یہ سکاتھین یا سیتھین کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ یونانی میں ان کو سکوتھوئی Skuthoi، شاہی زبان میں اشکوزئی Ashkuzai، فارسی میں سک یا ساکا اور بھارتی کتابوں میں شک یا شاکا کہا گیا ہے یہ آوارہ گرد بنجارے قسم کے لوگ بھی اکثر نقل مکانی کرتے رہتے تھے۔ ان کے بے شمار قبائل تھے جن میں سے تین زیادہ مشہور ہیں۔ ایک قبیلہ 'سکاھوم ورکا' کہلاتا تھا جو فرغانہ کاشغر وغیرہ کے علاقوں میں آباد تھا۔ فارسی اور ہندوستانی ادب میں اسی قبیلہ کا ذکر ہے اور ہماری تاریخ کا تعلق بھی اس قبیلہ سے ہے۔ دوسرا قبیلہ 'سکاسگری کھودا' (یعنی نوکیلی ٹوپی والے شک) جھیل ارال کی جانب دریائے تارم کی زیریں وادی میں سکونت رکھتا تھا اور تیسرا 'سکاتردریا' جنوبی روس سے لے کر وسط ایشیا کے سٹیپ کے علاقوں میں پھیلا ہوا تھا۔

جب یوچی ہنوں سے شکست کھا کر کانسو سے نکلے تو انہوں نے آگے بڑھ کر شکوں کو ان کے علاقہ فرغانہ کاشغر وغیرہ سے بے دخل کر دیا اور 150 ق م تک یہاں خاصی مضبوط حکومت قائم کر لی۔ دریں اثناء ان کا تسلط دریائے آموں کی وادیٔ کمبوج پر بھی مضبوط ہو گیا۔ انہوں نے کمبوج کا نام بدل کر تخارستان رکھا ان کی حکمرانی کے دوران

میں یہ علاقہ تخارستان کے نام سے ہی مشہور رہا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے کابل اور شمال مغربی ہندوستان بھی فتح کر لیا۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یوچی بادشاہ کشان کے نام سے مشہور ہیں لیکن ہندوستانی ادب میں ان کو تشار' تکھار یا تخار کہا جاتا ہے۔ تاریخ راجپوتانہ (ص 141) میں ہن قوم کو کشان کی شاخ بتایا ہے جو غلط ہے۔ ادھر یوچیوں سے زک اٹھا کر شک باختریا پر حملہ آور ہوئے اور آخری یونان بادشاہ ہرمز کو شکست دے کر باختریا (بلخ) میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ جین مذہب کی کتاب 'ہری ونش' میں لکھا ہے کہ کمبوج ساکا حکومت کے معاون تھے۔ اس کے بعد شکوں نے جنوبی افغانستان اور بلوچستان کا رخ کیا اور اس علاقے میں اپنی ایک نو آبادی قائم کی جس کا نام سکائی ستھان رکھا جو اب سیستان کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان میں عدم استحکام کا فائدہ اٹھا کر شکوں اور کمبوجوں نے ہندوستان پر حملے کر کے صوبہ سرحد' پنجاب' سندھ' راجپوتانہ' یو پی وغیرہ فتح کر لئے اور اپنی دو سلطنتیں قائم کر لیں ایک کا دارالحکومت ٹیکسلا اور دوسری کا متھرا مقرر کیا۔ مالوہ فتح کر کے اُجین کو اس کا صدر مقام بنایا لیکن بکرما دتیہ نے 58 ق م میں ساکا حکومت کا اُجین سے خاتمہ کر کے بڑا جشن منایا اور فتح کی خوشی میں 57 ق م میں بکرمی سمت رائج کیا۔ (39)

---

(39) کننگھم' ڈاؤسن' فرنچی اور کینیڈی کا خیال ہے کہ بکرمی سمت کی بنیاد کنشک نے رکھی تھی۔ یہ ثابت کرنے کے لئے انہوں نے کنشک کا عہد حکومت 'کلاوتی سز اول' سے پہلے مانا ہے لیکن چینی حوالوں اور دوسرے شواہد سے اس خیال کی نفی ہوتی ہے۔

پروفیسر اکرام علی ملک نے تاریخ پنجاب جلد اول ص 29 پر مارشل' ڈاکٹر سمتھ وغیرہ کے تتبع میں کنشک کی تخت نشینی کی تاریخ 120ء بتائی ہے البتہ فرگوسن' تھامسن' آرڈی بینرجی' ریپسن اور دوسرے جدید مؤرخین کی رائے زیادہ معتبر ہے جس کی رو سے کنشک خود ساکا سال کا بانی تھا وہ 78ء میں تخت نشین ہوا تھا 120ء تک حکمران رہا۔

پہلی صدی قبل مسیح اور اس کے بعد عرصہ دراز تک کمبوہ قبائل ساکا قوم کے ہمراہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں آ کر آباد ہوئے۔ ان نئے آنے والوں کو کہیں صرف ساکا کہا گیا ہے اور کسی جگہ ساکا کی بجائے صرف کمبوج لکھا ہوا ملتا ہے جس سے ساکا اور کمبوجوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا ہے بعینہ ساکا اور پارتھین جن کا ہم آگے ذکر کر رہے ہیں۔ خلط ملط ہو گئے ہیں۔

پارتھین : یہ وحشی گھڑ سواروں کی قوم تھی جو بحیرہ کیسپین کے جنوب مشرق میں صحرائے فارس سے آگے رہتی تھی۔ 250 ق م میں ارساکس کی زیر قیادت پارتھیا والوں نے سیلوکس (یونانی) کے گورنر کے خلاف بغاوت کر کے فارس میں اپنی حکومت قائم کر لی بعد ازاں ان کے ایک بادشاہ متھراڈیٹس (171 ق م تا 136 ق م) نے ٹیکسلا پر قبضہ کر کے مغربی پنجاب کا بھی کافی حصہ اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ ان کی حکومت کشان لوگوں کی آمد تک قائم رہی۔ پارتھین اور ساکا اقوام بھی اس طرح خلط ملط ہو گئی ہیں کہ مؤرخین اور محققین کے لئے ان میں امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے اور جہاں کسی نے اپنے اجتہاد سے ایسی تمیز کی ہے وہ مصنوعی معلوم ہوتی ہے۔

یوچیوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جیالال نے بحوالہ انڈیا اینڈ سنٹرل ایشیا ص 19 (مصنفہ پروبودھ چندر باغچی) لکھا ہے کہ :

"ہندوستان کے شمال مغربی دروازے پر وسط ایشیا کا سب سے پہلا ملک تخارستان تھا۔ مختلف زمانوں میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پھیل جانے والے بہت سے خانہ بدوش لوگوں کی تہذیب و تمدن کا یہ مشترکہ علاقہ رہا تھا یہ وہ مقام تھا جہاں پر خانہ بدوش لوگ دوسرے ملک میں جانے سے پہلے پائیدار اور پرسکون زندگی گزارنے کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس طرح تخارستان ایک طرف بھارت اور دوسری طرف ایران اور توران کے درمیان ایک واسطہ کا کام انجام دیتا تھا۔ وسط ایشیا کے ساتھ ہندوستان کے تہذیبی تعلقات استوار کرنے میں اس علاقہ کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔

تخاروں کے عہد میں یہ سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی اور بقول چینی سیاح ہیون سانگ ملک کی 27 ریاستوں میں ایک 'کومی تو' یا کمبوج بھی تھی۔ اس کی تصدیق راج ترنگنی باب چہارم (صفحہ 163) سے بھی ہوتی ہے۔

کشان خاندان: بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ کشان شک قوم کا حصہ تھے بعض نے ان کو یوچی اور ہن بھی قرار دیا ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ خاندان مختلف قوموں کے باہمی اختلاط سے وجود میں آیا تھا۔ ان کی رائے کے مطابق جب

آٹھویں اور ساتویں صدی قبل مسیح میں وسط ایشیا سے نقل مکانی کرتے ہوئے کچھ قبائل جنوبی علاقوں پر حملہ آور ہوئے تو ان کے راستے میں پڑنے والے بعض کمبوج، شک اور یون تصادم سے بچنے کے لئے مغرب کی طرف فرغانہ کاشغر وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ ایک طرف بیرونی حملہ آوروں سے حفاظت کے خیال نے ان کو متحد ہونے پر مجبور کیا دوسری طرف صدیوں تک معاشرتی اور ثقافتی یگانگت کے باعث اختلاط اس حد تک بڑھا کہ خاندانی روابط استوار ہوتے گئے اور ایک نیا خاندان کشان کے نام سے معرض وجود میں آگیا۔

تین چار صدیوں کے بعد کشان کی مشرقی سرحدوں پر شک قوم نے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور تیسری صدی ق م تک فرغانہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسری صدی قبل مسیح میں پھر اکھاڑ پچھاڑ شروع ہوئی تو جیسا اوپر ذکر آ چکا ہے یوچیوں نے حملہ کر کے کشان کی مدد سے شکوں کو فرغانہ سے نکال دیا اور کمبوج پر حملہ کر کے اس کا نام تخارستان رکھ دیا۔ البتہ علاقے پر کمبوجوں کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ کشان قوم نے اپنی حکمت عملی اور سلطنت کے استحکام کی خاطر بتدریج یوچی قوم کا حصہ بننے کو ترجیح دی اس وقت یہ تمام ملک 27 یونٹوں میں منقسم تھا۔ نئے حکمرانوں نے ان کو متحد کر کے پانچ انتظامی وحدتوں میں تبدیل کر لیا۔ ان پانچ وحدتوں میں کمبوج شامل تھا مگر سب سے زیادہ منظم اور طاقتور قبیلہ کشان تھا اور انہی کو بالادستی حاصل تھی۔ کچھ عرصہ بعد کشان خاندان کے کلونی سز اول (Kadphises) نے پانچوں حصوں کو متحد کر کے مرکزی حکومت قائم کر لی۔ رفتہ رفتہ افغانستان اور پنجاب کے کچھ حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا بعد ازاں اس خاندان کے حاکموں نے پورے پنجاب اور وادی گنگا میں بنارس تک کا علاقہ فتح کر کے مضبوط کشان حکومت کی بنیاد رکھی اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ کنشک (78ء تا 120ء) تھا۔ اس نے کشمیر، کاشغر، یارقند، ختن وغیرہ فتح کرنے کے علاوہ سطح مرتفع پامیر عبور کر کے چینیوں کو بھی شکست دی۔ کنشک نے اجین کے ساکا (شک) بادشاہ کی مدد سے (جس کے خاندان والوں سے کشانوں کا جدی رشتہ بھی تھا) اپنی سلطنت کو بہت وسیع کر لیا (ہسٹری آف انڈیا اینڈ پاکستان ص 69) اشوک کے بعد کنشک کو بدھ مذہب کا سب سے بڑا مبلغ تسلیم کیا گیا ہے۔

کنشک کی حکومت کے دوران میں ملک کمبوج ایک انتظامی وحدت تھا۔ ساکا قوم کی طرح کمبوجوں نے بھی ہندوستان میں چھوٹی موٹی ریاستیں قائم کر رکھی تھیں جن کا ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ بہت سی قدیم بھارتی کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔

پنڈت بھگوان لال اندراجی کو 1869ء میں سیتلا مندر متھرا کی سیڑھیوں میں شیر کے سر کے نشان والا اہم کتبہ لگا ہوا ملا تھا۔ ماہرین کے مطابق یہ کتبہ پانچویں صدی عیسوی کے بعد کا ہے اس کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ کمبوجوں اور شکوں نے بھارت میں داخل ہونے کے بعد باہمی تعاون سے اپنی جدا جدا حکومتیں قائم کرلی تھیں۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ تخار قوم کی کمبوج پر بالادستی کے بعد بدخشاں سے لے کر کوہ ہندوکش کے مشرقی حصہ تک پورا ملک تخارستان کہا جانے لگا تھا لیکن کشان عہد میں تخارستان صرف بدخشاں تک محدود ہو کر رہ گیا اور سطح مرتفع پامیر کا علاقہ ایک بار پھر اپنے قدیم اصلی نام کمبوج سے پکارا جانے لگا۔ تاہم نام کی یہ تبدیلی عارضی ثابت ہوئی کیونکہ تخار دوبارہ اس علاقہ پر قابض ہو گئے اس دوران میں کمبوجوں نے بھی اپنا آبائی وطن مکمل طور پر خالی کر دیا تھا لہذا مدت دراز تک یہ علاقہ تخارستان ہی کہلاتا رہا (بھارتیہ اتہاس کی روپ ریکھا۔ ص 534)

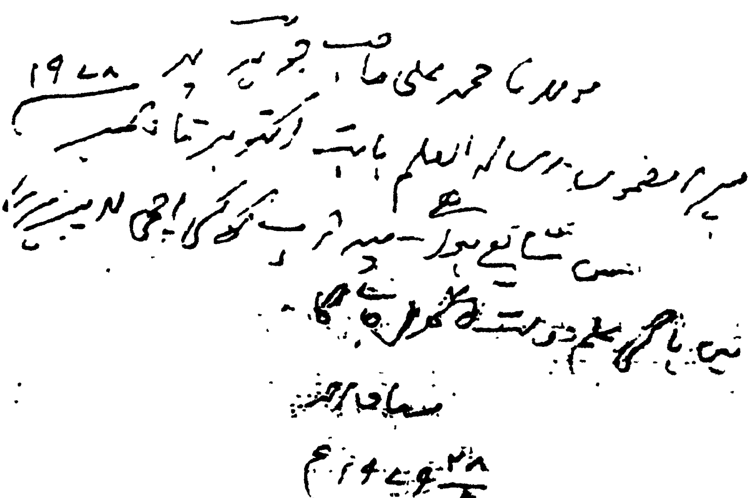
ان تمام حالات و واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر جیالال کمبوج نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

"قدیم کمبوج دیس اور وادئی کابل کا وہ علاقہ جہاں کمبوج لوگ آ کر آباد ہوئے تھے مختلف خانہ بدوش جنگلی قبیلوں کے لگاتار حملوں کی آماجگاہ بنا رہا۔ یون' کشان' سفید ہن اور ترک اس علاقہ پر مدت دراز تک حکومت کرتے رہے تھے۔ شک' پارتھین' سیتانی وغیرہ لوگ اس علاقہ پر کس قدر اثر انداز ہو سکے۔ اس کے بارے میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا تاریخ اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے البتہ اس امر میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ یوچیوں کے دباؤ سے شکوں کے ساتھ بہت سے کمبوج لوگ بھی اپنا آبائی وطن چھوڑ کر سیستان کی طرف جا بسے ہوں گے" (پراچین کمبوج' جن اور جن پد ص 300)

اوپر بیان کردہ قبائل کی وسط ایشیا' شمالی اور شمال مشرقی افغانستان اور شمال مشرقی

ایران سے نقل مکانی کا یہ سلسلہ مختلف اوقات میں کم و بیش آٹھ نو سو سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ کبوجوں کے قبائلی جمہوری نظام حکومت کی وجہ سے ان میں کبھی کوئی مرکزی پائیدار حکومت قائم نہ ہو سکی۔ اس لئے تاریخی حوالوں میں بعض جگہ ان کا دیگر مختلف قبائل کے تذکرہ میں ضمناً بیان کیا جانا قابل فہم ہے اس سلسلہ میں پاکستان کے قبائلی علاقہ مہمند، خیبر، کرم، تیراہ، وزیرستان وغیرہ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی کسی خاص راجہ کی بجائے صرف کبوہ قوم کی حکمرانی کا ہی ذکر ہے اس کی تفصیل اگلے باب میں بیان کی جائے گی۔

نوٹ: وقار الملک مولوی مشتاق حسین کے چھوٹے فرزند جناب مشتاق احمد کے (محمد یوسف حسن کے نام) ایک خط کی تحریر کا نمونہ۔ محررہ: 28-5-76 -



باب ہفتم / مختلف ادوار میں کمبوجوں کی ہندوستان اور نواحی ممالک میں آمد اور آباد کاری

بھارت کی تاریخ کا جائزہ لینے پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ زمانہ تاریخ کی ابتدا سے لے کر تیرھویں صدی عیسوی کے شروع میں پایہ تخت دہلی میں مسلمان حکومت کے قیام تک بھارت صرف شمالی ہندوستان یعنی بنگال کے مغرب' صوبہ ہریانہ کے مشرق اور دکن کے شمال تک محدود رہا ہے۔ موریہ خاندان (320 ق م تا 232 ق م) کے 88 سالہ عہد حکومت کے سوا پنجاب' سرحد' سندھ اور بلوچستان کسی دور میں ہندوستان کا حصہ نہیں رہے۔ چندر گپت موریہ نے ساکا اور کمبوج جیسی طاقتور اقوام کی مدد سے اپنی سلطنت کی بنیاد پنجاب سے رکھی تھی (تاریخ پنجاب اکرام علی ملک ص 26) اس لئے اس دور کا استثنا قابل فہم ہے ورنہ مغلوں کے عہد تک تو کشمیر بھی کسی سلطان ہند کے زیر تسلط نہیں رہا۔ پنجاب اور سرحد ہمیشہ چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹے رہے اس لئے یہ علاقہ یعنی پاکستان غیر ملکی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا۔

موریہ حکومت کے دور میں ملک میں امن و امان اور سیاسی استحکام رہا۔ آخری موریہ بادشاہ کو اس کے برہمن وزیر اعظم پشیامتر نے قتل کر کے مگدھ میں سنگا خاندان کی بنیاد رکھی مگر اس وقت تک شمال مغربی علاقوں پر مگدھ کی حکومت کا کنٹرول ختم ہو چکا تھا۔ پشیامتر ایک مضبوط اور طاقتور راجہ تھا۔ اس کے زمانے میں یونانوں نے راجپوتانہ میں قدم جمانے کے بعد اودھ تک یلغار کی مگر پشیامتر نے ان کو پسپا کر کے ان کی پیش قدمی روک دی۔ اس کے بعد 500 سال تک ملک طوائف الملوکی اور انتشار کی تاریکی میں ڈوبا رہا البتہ اس دوران میں یونان' ساکا' کمبوج اور کشان حملہ آوروں نے آ کر اپنی حکومتیں قائم کیں۔ ان میں سے یونان بادشاہ مِنندر (155 ق م تا 110 ق م) کمبوج شہنشاہ موگ یا موگس (88 ق م تا 63 ق م) اور کشان حکمران کنشک 78ء تا 120ء) زیادہ مشہور ہیں۔

320ء میں مگدھ گپتا خاندان کے زیر اقتدار آیا جس سے شمالی ہند میں ایک مضبوط حکومت قائم ہو گئی۔ سمدر گپت (330ء تا 375ء) نے کشان بادشاہوں سے تعلقات استوار کر کے شمال مغرب کی طرف سے حملے کا امکان ختم کر دیا اور اندرون ملک ہنوں کے حملے پسپا کئے۔ مہاراشٹر گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقوں میں ساکا اور کمبوجوں کی حکومتیں قائم تھیں۔ چندر گپت ثانی نے جسے بعض تاریخ دانوں نے افسانوی مہاراجہ وکرماوتیہ بھی کہا ہے ان علاقوں پر حملہ کر کے سب کو ختم کر دیا۔ وکرماوتیہ کی فتوحات کے ضمن میں ملک کمبوج پر قبضہ کا ہندو ادب میں خصوصی ذکر موجود ہے۔ تفصیل کے لئے پرانوں کا مطالعہ مفید ہو گا۔ البتہ ہم یہاں اس کا ذکر غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

پانچویں صدی کے آخر میں ہنوں نے پھر حملے شروع کر دیئے۔ سمدر گپت نے ان کو شکست دی مگر چند سال بعد ایک زبردست ہن سردار تورمن نے حملہ کر کے مغربی ہندوستان کا کچھ علاقہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اس میں اترپردیش کا مغربی حصہ' راجستھان' پنجاب اور کشمیر شامل تھے۔ 502ء کے قریب اس کا بیٹا مہرگل بادشاہ بنا۔ وہ سخت جابر' ظالم اور مکار حکمران تھا۔ اس نے اپنی حکومت کو گوالیار تک وسعت دی وہ پہلے بدھ مت کا پیرو تھا مگر بعد میں برہمنوں سے ساز باز کر کے اس نے اپنی قلمرو میں بدھ مذہب کا کوئی نشان تک باقی نہ رہنے دیا اس سے عوام میں ہنوں کے خلاف نفرت پھیل گئی۔ مگدھ کے گپت بادشاہ نرسمہالا دتیہ نے 530ء میں مہرگل کو شکست دے کر قید کر لیا۔ لیکن اپنی ماں کے حکم پر اسے معاف کر دیا۔ اس کے باوجود مہر گل اپنی ظالمانہ حرکات سے باز نہ آیا۔ ایک چھوٹی سی ریاست منڈا سور کے حاکم نے اسے شکست فاش دی اور وہ بھاگ کر کشمیر چلا گیا۔ بادشاہ کشمیر نے نہ صرف اسے پناہ دی بلکہ خسروانہ الطاف و اکرام سے پیش آیا لیکن مہر گل تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے محسن کو قتل کر کے کشمیر کا بادشاہ بن گیا۔ اس کی موت کے بعد ہن حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ڈاکٹر سمتھ کے قول کے مطابق ہنوں کے حملوں سے ہندوستان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی میں بڑا انقلاب رونما ہوا۔ ایک تو گپت خاندان ختم ہو گیا۔ دوسرے اس کے کھنڈرات پر بیشمار چھوٹی چھوٹی حکومتیں معرض وجود میں آ گئیں۔ سیاسی اور معاشرتی انقلاب کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

" **They marked a revolution culminating to the rise of the so called Kshatriya Rajputs.**"

"انہوں نے ایک ایسے انقلاب کو جنم دیا جو نام نہاد کشتری راجپوتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوا" اس زمانے میں (606ء تا 647) ہرش ہی ایک طاقتور بادشاہ ہوا ہے۔ بعد کے دور (650ء تا 1200ء) کو راجپوتوں کا عہد کہا جاتا ہے۔ راجپوتوں کی اصل ایک متنازعہ مسئلہ ہے مغربی مصنفین کے مطابق راجپوت کئی اقوام یعنی ساکا' کمبوج پارتھین ' کشان' ہن اور گوجر کی اولاد ہیں جو طوائف الملوکی کے دور میں شمال مغرب سے وارد ہو کر زیادہ تر پنجاب اور راجپوتانہ میں آباد ہو گئے تھے وقت کے ساتھ ساتھ وہ ہندو معاشرہ میں جذب ہوتے گئے اور اس طرح اپنا اصل قبائلی تشخص برقرار نہ رکھ سکے ان کا برتر طبقہ (Upper rank) جو عسکری زندگی سے وابستہ رہا کشتری راجپوت کہلانے لگا۔ دوسرے پیشوں سے متعلق لوگ گوجر' جاٹ' اہیر وغیرہ کہلائے انگریز مصنفین مثلاً وی اے سمتھ وغیرہ نے اس نظریہ کی تائید کی ہے۔ بعض ہندو مصنفین کے نزدیک راجپوت اصل آریہ ہیں مگر اکثریت کا خیال ہے کہ غیر آریہ اقوام ہن' پارتھین' ساکا وغیرہ کو برہمنوں نے کشتری ورن میں شامل کر کے سورج بنسی' چندر بنسی وغیرہ خطابات سے نوازا تاکہ وہ بدھ مذہب کے خلاف برہمن ازم کے مفادات کا تحفظ کریں اب کئی دوسرے ہندو مصنفین بھی ان قوموں کی اصل آریہ ہی بتانے لگے ہیں۔

بھارتی تاریخ کی اس جامع مگر مجمل تمہید کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ 1000 ق م سے لے کر 800 ق م تک ہندوستان پر آریہ لوگوں کے حملے جاری رہے۔ شمال مغرب سے مختلف قبائل یکے بعد دیگرے حملہ آور ہو کر ملک کو پامال کرتے رہے۔ ایک قبیلہ آتا اور پہلے سے آباد لوگوں کو مغلوب کر کے یا تو محکوم بنا لیتا یا آگے وسطی اور جنوبی ہندوستان کی طرف دھکیل دیتا وہ خود ابھی ٹھیک طرح سے پاؤں نہ جما سکا ہوتا کہ ایک اور حملہ آور اس کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو اس نے پہلے لوگوں سے کیا ہوتا۔ یوں یہ ملک نئے نئے حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا۔ غیر ملکی لوگ ہندوستان کے مختلف حصوں بالخصوص پنجاب' سندھ' راجستھان' مہاراشٹر' کاٹھیاواڑ' مالوہ' اترپردیش' اودھ' بہار وغیرہ میں آباد ہوتے رہے۔ یہ

بات ہنوز حل طلب ہے کہ یہ حملہ آور آریوں کی کس ذیلی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور یہ بھی کہ کمبوج کس کس زمانے میں وارد ہند ہوئے اور انہوں نے کن علاقوں میں اپنی بستیاں، آباد کیں اس سلسلہ میں ہم ڈاکٹر بدھ پرکاش کی رائے لکھ چکے ہیں جس کی رو سے آٹھویں صدی قبل مسیح میں کمبوج اپنے اصل وطن پامیر اور بدخشاں سے بڑھ کر مغرب میں ایران کے کچھ حصوں پر اور مشرق میں کنہار اور سوات کی وادیوں میں بلکہ ان کو بھی عبور کر کے کافی آگے دور تک پھیل گئے تھے۔ یقینی بات ہے کہ اس زمانے میں کچھ کمبوہ قبائل پنجاب اور کشمیر میں بھی آباد ہوئے ہوں گے۔ (40)

"قدیم دور میں پنجاب کی سرحدیں شمال میں کوہ ہندوکش اور پیر پنجال تک محیط تھیں۔ شمال مغرب میں واقع گندھارا اور کمبوجہ کی ریاستوں میں بھی ہندوستانی اور پنجابی تہذیب کے اثرات ملتے ہیں۔" (تاریخ پنجاب اکرام علی ملک ص 3)

چوتھی صدی قبل مسیح میں جو کمبوہ افواج چندر گپت موریہ کی ہمراہی میں ہندوستان پر حملہ آور ہوئیں وہ مگدھ کے قرب و جوار میں آباد ہو گئیں۔ بعض کتبوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ملک میں طوائف الملوکی پھیلنے پر کمبوہ سرداروں نے اپنی چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لی تھیں۔

یونوں کو جب ان کے وطن سے نکال دیا گیا تو انہوں نے وادئی کابل اور ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر قبضہ کر کے تقریباً ایک صدی تک حکومت کی۔ اسی دوران میں ساکا اور کمبوج اپنے علاقے سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔ ان کا ایک حصہ براستہ کوہستان پامیر کشمیر میں آباد ہو گیا اور دوسرا بڑا ریلا بلخ سے اراگوشیا یعنی قندھار اور بلوچستان کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر جیسوال اور ڈاکٹر تھامسن کا خیال ہے کہ شک 160 ق م سے بہت پہلے سکستھان (سیستان) میں آ کر آباد ہو چکے تھے۔ یہ علاقہ سی جستھان اور انڈوسکائی تھیا کے نام سے بھی مشہور ہے۔

---

(40) تمام مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ کمبوہ اپنے ملک کمبوج میں دسویں صدی قبل مسیح بلکہ اس سے بھی بہت پہلے موجود تھے۔ زیر نظر بیان کے مطابق ان کے بہت سے قبائل کی کئی ممالک کی طرف نقل مکانی آٹھویں صدی ق م میں شروع ہو گئی تھی۔ جبکہ تاریخ کمبوہاں (چوہدری وہاب الدین) نے اس نقل مکانی سے دو ڈھائی سو سال بعد پیدا ہونے والے ایرانی ہخامنشی بادشاہ کمبوجیا کو کمبوہ قوم کا مورث اعلیٰ قرار دینے پر پورا زور قلم صرف کیا ہے۔

شکوں اور کمبوجوں کی دوسری اور پہلی صدی قبل مسیح میں ہندوستان آمد کے سلسلہ میں مؤرخین نے زیادہ تر دو کتابوں پر انحصار کیا ہے۔ البتہ بعد میں برآمد ہونے والے کتبوں۔ تانبے کی تختیوں اور سکوں سے تحقیق کو نیا مواد میسر آیا جس سے بڑے کارآمد اور مفید نتائج حاصل ہوئے ہیں۔ ہم ان تفصیلات میں جانے کی بجائے صرف خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں 'کتھا سارت ساگر' اور 'ورہت کتھا منجری' کی رو سے جب ساکا قوم کے بادشاہ نے گجرات' کاٹھیاواڑ' مالوہ وغیرہ فتح کر کے اجین کو اپنا دار حکومت بنایا تو ان تمام معرکوں میں کمبوج ان کے ساتھ تھے۔ ان میں 'کتھاسارت ساگر' کا وہ بیان مبنی برمبالغہ اور تعلی آمیز ہے جس میں راجہ بکرماجیت یا وکرماوتیہ کا کوہ ہندوکش پار کر کے شکوں اور کمبوجوں پر حملے کا ذکر ہے اس کے برعکس 'ورہت کتھا منجری' کا بیان زیادہ متوازن اور صداقت پر مبنی معلوم ہوتا ہے اس کے مطابق کمبوجوں کا ایک بہت بڑا حصہ شکوں کے ساتھ ہندوستان کے مختلف حصوں یعنی پنجاب' سندھ' سوراشٹر (گجرات کاٹھیاواڑ) مالوہ وغیرہ میں آ کر آباد ہو گیا تھا۔ جب شکوں نے ان علاقوں میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تو انہوں نے اجین پر چڑھائی کر دی۔ اس معرکہ میں کمبوج افواج نے اپنی شجاعت کا ایک مرتبہ پھر لوہا منوایا لیکن اجین کی فتح کے صرف چار سال بعد ہی وکرماوتیہ نے 57 ق م میں کثیر تعداد فوج کے ساتھ اجین پر دوبارہ قبضہ کر کے بڑا جشن منایا اور فتح کی خوشی میں بکرمی سال کا آغاز کیا۔ بکرمی سمت سن عیسوی سے 57 سال آگے ہے۔ تاہم 135 سال بعد پھر شکوں نے اجین پر بھرپور حملہ کیا اور وکرماوتیہ کے خاندان کو ختم کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔

ہندوؤں کی بہت سی کتابوں مثلاً "ورہت سن ہتا" مصنفہ براہمی ہری (پیدائش 505ء) "مارکنڈے پران" "راج ولاس" "گروڑ پران" وغیرہ میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ کمبوہ سندھ' سووریٰ پاتال' سوراشٹر' گجرات' کچھ' کرناٹک وغیرہ میں آباد ہو گئے تھے اور بعض مقامات پر انہوں نے اپنی حکومتیں بھی قائم کر لی تھیں۔ کمبے یا کھمبایت' گڑھ گجنی کو مبنور وغیرہ مقامات کمبوہوں کی حکومتوں کی یاد دلاتے ہیں۔ اودھ بہاری لال اوستھی نے اس کی تائید کی ہے یہ گڑھ گجنی اور کمبے وہی علاقے ہیں جن کا ذکر 'سفینہ ملیری' آئینہ کھیم کرن اور تاریخ شب جانکی میں کیا گیا ہے' جوگندر چندر گھوش کا خیال

ہے کہ وہ مقام جہاں سے کمبوج بنگال میں آئے "کورم پر ان" میں مذکور دریائے نربدا کے قریب کمبے ہے جو لفظ کمبوج سے بگڑ کر بنا ہے۔ ڈاکٹر ایچ اے روز (گلا سری ص 444-443) اور ایس کے آئنگر نے Ancient India ص 7 پر گجرات کاٹھیا واڑ میں کمبوہ قوم کے علاقوں کی موجودگی کی تصدیق کی ہے۔

گندھارا کی کمبوہ حکومت: ڈاکٹر شین کونو Dr. Stein Konou نے متھرا کے ہنگھ کپال کتبہ کا ازسرنو مطالعہ کر کے کچھ نئی معلومات حاصل کیں۔ اس سے مزید تحقیق کی راہ ہموار ہوئی ان کی تفصیل کے لئے پوری کتاب درکار ہے خلاصہ یہ ہے کہ گندھار کا مشہور بادشاہ جسے ٹیکسلا کی تانبہ کی تختی میں موگس اعظم اور اس کے چاندی کے سکوں پر شہنشاہ اعظم موگس لکھا ہوا ہے کمبوہ تھا۔ وی اے' سمتھ نے ارلی ہسٹری اف انڈیا ص 242 پر اسے پارتھو کہا ہے بعض مؤرخین کے خیال میں موگ (موگس) وغیرہ شک حکمران تھے لیکن ان کے شک' (ساکا) ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس خیال کا محرک ایک شک سردار راجل' کا موگ کے وارث خروشٹ کمبوہ کی بیٹی سے شادی کرنا ہے حالانکہ یہ شادی محض سیاسی ضرورت کے تحت کی گئی تھی۔ مدعا یہ تھا کہ چونکہ خروشٹ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لئے اس کی وفات کے بعد گندھار کی حکومت راجل کو مل جائے گی۔

البتہ ارٹ اور اس کے بیٹے خروشٹ کے کمبوہ ہونے پر کسی کو اعتراض نہیں اور محققین نے بیشمار دلائل کے ساتھ اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ C.I.I. جلد دوم حصہ اول ص 36 پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے مقالہ نگار نے لکھا:

" It is impossible to speak with confidence about these matters. I shall only add that if Khroshta and his father Arta were Kambojas, the same may have been the case with Moga, and we understand why the Kambojas are sometimes mentioned with the Sakas and Yavanas."

"ان امور پر وثوق سے کچھ کہنا ناممکن ہے۔ میں صرف اس قدر اضافہ کروں گا کہ اگر خروشٹ اور اس کا باپ ارٹ کمبوہ تھے تو یہی بات موگ پر بھی صادق آتی ہے۔

اس اصول سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ بعض اوقات کمبوجوں کو شکوں اور یونوں کی ساتھ کیوں بیان کیا جاتا ہے۔"

قصہ یہ ہے کہ کمبوجوں اور یونوں' کمبوجوں اور شکوں اور شکوں اور پہلوؤں (پارتھین) میں اس قدر گہرے تہذیبی اور ثقافتی رشتے موجود تھے کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا اکثر بڑا مشکل ہو جاتا ہے (پراچین کمبوج' جن اور جن پد ص 308) مثال کے طور پر اشوک کے کتبوں میں یونوں' کمبوجوں اور گندھاروں کا ذکر تو موجود ہے مگر شکوں کا کوئی ذکر نہیں جس سے محققین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو شک اس زمانہ میں وادئی کابل میں رہتے ہوں گے ان کو کمبوج ہی کہا جاتا ہو گا (کے پی جیسوال ہندو پالٹی ص 144) دوسری طرف سیستان کو صرف شکوں کا وطن بتایا جاتا ہے اور اس میں رہنے والے پہلوؤں اور کمبوجوں کو بھی شکوں میں شمار کیا جاتا ہے (ایس چٹوپادھیا۔ دی ساکاز ان انڈیا ص 14) اسی طرح متھرا کے علاقہ میں شک بہت بڑی تعداد میں آ بسے تھے اور وہاں ان کا دارالحکومت بھی تھا اس کے باوجود مہابھارت میں یونوں اور کمبوجوں کو ہی متھرا کے علاقہ میں رہنے والا بتایا گیا ہے۔ شکوں کا ذکر نہیں ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شکوں کو یہاں کمبوجوں اور یونوں کے ساتھ ہی شمار کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ریپسن نے اس کمبوہ خاندان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ انتی لکی تس (Antilikitus) ٹیکسلا کا مشہور کمبوہ راجہ تھا اسکے بعد اس کے ولی عہد آرکیوی اس (Arkevius) نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی اس کی وفات پر موگ بادشاہ بنا اور اس نے اپنی سلطنت کو بہت وسعت دی۔ اس کی سلطنت جہلم سے لیکر وادئی کابل تک پھیلی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر چارو چندر گپتا نے موگ کا عہد حکومت 88 ق م تا 60 ق م لکھا ہے اور کہا ہے کہ وادئی سوات' ہزارہ' کوہستان فتح کرنے کے بعد اس نے ٹیکسلا پر بھی قبضہ کر لیا البتہ یگ پران کے مطابق 100 سال ق م میں موگ نے گندھارا اور وادی سوات کے یونوں کو شکست دی تھی۔ چینی ذرائع کے مطابق بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس خاندان کے باقی حالات پر لاعلمی اور تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

جنوبی پنجاب میں کمبوہ حکومت: برصغیر میں سابق صوبہ پنجاب (یعنی موجودہ صوبہ ہریانہ' مشرقی پنجاب اور پاکستانی پنجاب) کمبوہ آبادی کے سب سے بڑے مراکز ہیں۔ قیام

پاکستان سے پہلے متحدہ پنجاب میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سبھی مذاہب کے کبوہ آباد تھے۔ 1947ء میں پاکستانی پنجاب سے ہندو سکھ شرنارتھی بنکر ہندوستان چلے گئے اور ہندوستانی علاقوں خاص کر مشرقی پنجاب اور یوپی سے مسلمان کبوہ پاکستان کے صوبہ جات پنجاب اور سندھ میں آباد ہو گئے۔ چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں جنوبی پنجاب میں ایک کبوہ حکومت موجود تھی جہاں ڈھوٹ (ڈھڈی) گوت کے کبوہ راجہ حکمران تھے۔ اجودھن (موجودہ پاک پتن) سے تعلق کی بناء پر وہ اجودھنی کبوہ کہلاتے تھے۔ ابتدا میں ان کے ایک سردار سی رام نے پاک پتن کے ارد گرد کافی علاقے پر تسلط جما کر بوریوالہ (ضلع وہاڑی) کے قریب اپنے ولی عہد کھوتارام کے نام پر ایک شہر آباد کیا اور حفاظتی اقدام کے طور پر کھوتے وال کے نواح میں سات مزید قلعہ نما دیہات آباد کئے۔ ان میں سے دو قصبات شبہ انگ پال اور امرپورہ ڈھڈیاں کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ 1947ء تک امرپورہ ڈھڈیاں ڈھڈی ہندو کبوہوں کے قبضہ میں رہا۔

راجہ سی رام کی نسل سے ساتویں صدی کے آخر میں راجہ مہی پال کھوتے وال کا حکمران تھا اس کی پہلی شادی چونیاں کے رتن پال گوت کے ایک کبوہ رئیس کی بیٹی سے ہوئی جس کے بطن سے ایک بیٹا راجکمار مہاں چاور اور ایک بیٹی تولد ہوئے راجہ مہی پال کے عہد میں کبوہ حکومت کو کافی وسعت اور استحکام حاصل ہوا تھا اس لئے سندھ کے راجہ داہر نے اس سے تعلقات استوار کرنے کی خاطر اپنی یا خاندان کے کسی دوسرے اعلیٰ رکن کی بیٹی مہی پال کے عقد میں دی تھی، اس رانی سے سدھ پال سمیت گیارہ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔

راجہ مہی پال کی وفات کے بعد سدھ پال تخت نشین ہوا۔ محمد بن قاسم نے ملتان فتح کرنے کے بعد اپنے ایک سردار ابن العاص کو کھوتے وال فتح کرنے کی مہم پر مامور کیا۔ دونوں افواج آمنے سامنے ہوئیں گھمسان کا رن پڑا کبوہوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر مختصر سی مسلمان فوج پسپائی پر مجبور ہو گئی۔ ان کو فرار ہوتے دیکھ کر کبوہوں کے فتح مند لشکر نے مسلمانوں کا تعاقب کیا تو مسلمان دلوں میں شوق شہادت لئے پلٹے اور ایک زبردست معرکہ کے بعد کبوہ فوج پر غالب آ گئے۔ راجہ سدھ پال گرفتار ہو گیا، مگر زرفدیہ کی ادائیگی کی شرط پر رہائی حاصل کر لی، تا ادائیگی رقم اپنے سوتیلے بھائی

راجکمار مہاں چاور کو بطور یرغمال مسلمان سپہ سالار کے سپرد کر دیا۔ راجہ کی بدعہدی اور عدم ادائیگی تاوان کے باعث اسے دارالخلافہ بھیج دیا گیا۔ وہاں پر مہاں چاور نے اسلام قبول کر لیا اور واپس کھوتے وال آ کر دین اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ ان کی روز افزوں مقبولیت سے خائف ہو کر راجہ نے مہاں چاور کو شہید کرا دیا۔ اس حادثہ فاجعہ کی خبر سن کر والئے ملتان نے لشکر کشی کر کے کھوتے وال کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں لوگ مارے گئے باقی فرار ہو گئے اس طرح یہ حکومت اپنے حکمرانوں کی غلطیوں کے باعث تباہ و برباد ہو گئی۔

گجرات کاٹھیاواڑ میں کمبوہ راج: پنجاب، مگدھ، اجین وغیرہ کی طرح کمبوجوں نے گجرات کے بعض علاقوں پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ گجرات میں واقع خلیج کمبے یا کھمبایت کمبوہوں کے نام کی مناسبت سے مشہور ہے اس علاقے میں انہوں نے بہت سی نئی بستیاں آباد کیں۔ ان میں بیجاپور، ورنگر، وربا، و لبھی جیسے شہروں کے علاوہ گجنی نام کا مشہور قلعہ بھی تھا جسے عام طور پر گڑھ گجنی کہتے ہیں۔ سفینۂ مالیری میں تاریخ ہندوستان مؤلفہ ذکاء اللہ پروفیسر الہ آباد کالج اور ٹاڈ راجستھان کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک دشمن (دشمن کا نام، مذہب اور واقعہ کا سن مذکور نہیں) جو فن حرب میں مہارت کی بجائے دغا بازی میں چالاک تھا۔ گڑھ گجنی کو فتح کرنے نکلا (یقیناً یہ قطب الدین ایبک نہیں ہو سکتا) بار بار حملوں کے باوجود ناکام و نامراد رہا تو اس نے دام تزویر بچھایا اور کمبوہوں کے پروہت جے چند برہمن کو لالچ دے کر یہ راز معلوم کر لیا کہ:

"کمبوہ لوگ سلونو تہوار کے دن غیر مسلح ہو کر پرستش میں مصروف ہوں گے اگر اس وقت ان پر حملہ کر دیا جائے تو کامرانی تمہارے قدم چومے گی" چنانچہ اس نے سلونو (رکھڑی بندھن) کے دن حملہ کر کے کمبوہوں کا قتل عام اور شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ بچے کچھے کمبوہ جان بچا کر دہلی اور سرہند کے وسطی علاقہ یعنی کرنال، سنام سلانہ وغیرہ میں آباد ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ باقی کمبوہوں کے برعکس اس علاقے کے ہندو کمبوہ سلونو کا تہوار نہیں مناتے اور شادی میں پھیروں کے وقت پروہت لوگ ساکھو چار میں کمبوہوں کا "گڑھ گجنی نکاس گھگر باس" پکارتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ کمبوہ لوگ گڑھ گجنی سے بے آباد ہو کر دریائے گھگر کی وادی میں بس گئے تھے۔ اگرچہ سنام

اور اس کے گردونواح کے تمام ہندو کمبوہوں کا اسی روایتی بیان پر یقین ہے مگر مؤلف تواریخ شب جاتی کا دیاکھیان کچھ اور ہے وہ ص 50-49 پر لکھتے ہیں۔

"قطب الدین ایبک نے (سلطان شہاب الدین محمد غوری کے قتل کے جرم میں) 1263 ب میں ان (کمبوجوں) کی گرفتاری کا مکرر حکم دے دیا۔ کمبوجی متفق ہو کر مشورہ کرنے لگے نتیجہ یہ نکلا کہ ست 1265 ب کے ماہ اساڑھ میں لشکر شاہی سے دوچار ہوئے قریب تھا کہ نقارے کی چوٹ ان کی فتح کا ڈنکا بجائے شب دیجور نے مطلع اقبال پر پردہ ڈال دیا تمام رات کمبوجی ہرہ کی تالی بجاتے رہے کہ پروہت کمبوجیاں دام طمع میں الجھ بیٹھا اور مخالفوں کو یہ تازہ سبق دیا کہ ساون سدھی 15 کوسلونو کے روز یہ لوگ ستر اوٹھانا ممنوع سمجھتے ہیں۔ (سلونوکے دن) تیرہ ہزار مسلح سوار ہر طرف سے جوق در جوق ٹوٹ پڑے۔ اب یہ بیچارے پاپیادہ خالی ہاتھ کیا کر سکتے تھے تاہم چپقلس ولکد کوب و کشتی سے ہزاروں کو کھیت رکھا (یعنی مکوں گھونسوں لاتوں سے اور کشتی کر کے ہزاروں مسلح سوار مار ڈالے)

"اب کمبوجوں کو ہندوستان میں ظاہر رہنا دشوار ہوا اور تا دوران حکومت قطب الدین خموش و ساکت رہے" (40 الف)

اس بیان کی کوئی تاریخی وقعت نہیں ہے عقل سلیم بھی ایسے بے سروپا بیان کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ لالہ شب چند نے ص 119 پر اپنے جد اعلیٰ کا گڑھ گجنی سے نکل

(40 الف) تمام ملکی اور غیر ملکی مصنفین اور مؤرخین نے قطب الدین ایبک کی بے مثال شجاعت، باکمال جنگی مہارت، مدبرانہ انتظامی صلاحیت، ہندوؤں سے عمدہ ترین سلوک اور حاتم سے بڑھ کر سخاوت کا بڑی فراخدلی سے ذکر کیا ہے ڈاکٹر ایشوری پرشاد نے لکھا ہے کہ "وہ ہندوؤں سے نہایت مہربانی سے پیش آتا تھا۔" پروفیسر بی آر کمنہ اور پروفیسر دھرم پال نے ہسٹری آف انڈیا ص 148 پر ایبک کی بہت تعریف کی ہے منجملہ دو فقرے ملاحظہ ہوں۔

"He was tolerant to his Hindu subjects whom he treated with generosity. All writers extol his generosity and large - heartedness."

"وہ اپنی ہندو رعایا سے بڑی رواداری سے پیش آتا تھا ان کے ساتھ اس کا سلوک فیاضانہ تھا۔ تمام مصنفین نے اس کی فیاضی، کریم النفسی اور وسیع القلبی کو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے" برا ہو تعصب کا جو ایسے پاکیزہ صفات شخص کو بھی کیچڑ سے آلودہ کر دیتا ہے۔

کر دہلی میں آباد ہونا لکھا ہے حالانکہ دہلی تو قطب الدین ایبک کا پایہ تخت تھا۔ دوسری بات یہ کہ گجرات کا علاقہ قطب الدین نے 1252 بکرمی میں فتح کر لیا تھا اس لئے گڑھ گجنی والا واقعہ کسی اور دور میں ہوا ہو گا۔ اس کے بعد کے مبینہ واقعات (؟) جو تاریخ کمبوہاں ص 135-136 پر بھی بغیر تصدیق نقل کر دیئے گئے ہیں تحقیق کی روشنی میں فرضی ثابت ہوتے ہیں۔ البتہ سفینہ مالیری کا بیان مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

بنگال میں کمبوج: کمبوہ افواج نے مہابھارت کی عظیم جنگ، راجہ باہو کی سلطنت چھین کر اپنی حکومت قائم کرنے اور چندر گپت موریہ کی حمایت میں پنجاب کی مختلف چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور اس کے بعد مگدھ کے نندہ بادشاہ کے خلاف فوج کشی میں کثیر تعداد میں حصہ لے کر نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ واقعات سے تصدیق ہوتی ہے کہ ہر جنگ کے اختتام پر یہ لوگ وطن واپس جانے کی بجائے ہندوستان میں ہی آباد ہو گئے۔ بعض جگہ نئی بستیاں بسا کر اپنی سرداریاں قائم کر لیں۔ اس کے بعد بڑے بڑے گروہوں اور قبیلوں کی شکل میں ساکا قوم کی ہمراہی میں ایک طرف کشمیر اور دوسری طرف سیستان کے راستے وارد ہند ہو کر پنجاب، سندھ، سوراشٹر، مالوہ وغیرہ میں پھیل گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ نئی جگہوں کی تلاش میں بنگال، بہار اور اڑیسہ میں بھی جا کر آباد ہو گئے۔ ایم آر سنگھ نے A Critical Study of the Geographical data in early Puranas ص 168 پر برہم پران کے حوالے سے آسام اور نواحی پہاڑی علاقوں میں ایک معروف قوم کمبوہ کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔

دیوپاڑا اور دیناج پور کے کتبوں نیز چمبا اور اردا نامی تانبے کے تختیوں کی تحریروں پر علمائے تاریخ نے بہت تحقیق کی ہے جس میں مشرقی اور شمالی بنگال میں کمبوجوں کی سرگرمیوں، ان کی حکومت اور ان تحریروں میں مندرج بعض متنازعہ الفاظ پر کئی کئی مقالات لکھے گئے ہیں۔ ان ماخذوں کے علاوہ پال خاندان کے وقف ناموں اور دوسری دستاویزات سے بھی بنگال میں کمبوہوں کے پے در پے حملوں، طاقت اور قبضہ کے حوالہ جات حاصل ہوئے ہیں۔ جن دانشوروں نے ان تحقیقات میں حصہ لیا ہے ان میں بی سی سین، رمیش چندر موجمدار، این جی موجمدار، آر کے ڈکشت، کیل ہارن، بی پی سنہا، آر پی چاندا، جے سی گھوش، ڈی سی سرکار، ایچ سی رے، پی سی باگچی وغیرہ خصوصیت

سے قابل ذکر ہیں۔ یہاں ان کی تحقیقات کی تفصیل کی گنجائش نہیں۔
ایک اور اہم سوال جو اس تحقیق کے دوران میں موضوع بحث بنا یہ ہے کہ کمبوج بنگال میں کب اور کس طرف سے وارد ہوئے۔ پہلا خیال یہ ہے کہ وہ شمال کی طرف سے آئے دوسرا یہ کہ وہ مشرق کی طرف سے داخل ہوئے تیسرا نظریہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی طرف سے آکر آباد ہوئے۔
ڈاکٹر فوشے (Foucher) اور ان کے ہم نواؤں ایس' سی' چیٹرجی' رام پرشاد چاندا وغیرہ نے دیناج پور کتبے' انڈیا آفس لائبریری (لندن) کی دو تحریروں اور بعض دیگر شواہد کی بنیاد پر تبت کو کمبوج دیس تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ کمبوج شمال کی طرف سے بنگال میں آئے تھے اور ان کا تعلق تبتی' چینی اور منگول نسل سے تھا۔ پربودھ چندر باگچی نے اس خیال کی تائید میں شمالی بنگال کے کمبوجوں کا تعلق تبت کے علاوہ کمبوڈیا سے بھی جاملایا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے تبت' نیپال' لداخ اور شمالی بنگال کے تاریخی حوالوں اور ان ملکوں کی باہمی چپقلش کو موضوع بحث بنا کر مقالات لکھے ہیں مگر جیسا کہ ہم دوسرے تیسرے باب میں ذکر کر چکے ہیں حقائق ان بیانات کی تائید نہیں کرتے۔ گو شمالی علاقوں میں کمبوج نامی قبیلہ اب بھی آباد ہے مگر وہ تبتی نہیں۔ دوسرے نظریہ کے مطابق کمبوہ مشرق کی طرف یعنی برما اور وادئی میکانگ میں واقع ملک کمبوڈیا سے آئے تھے۔ ڈاکٹر ہیم چندر رائے نے تبت کی ایک تصنیف کے اس بیان کو بہت اہمیت دی ہے کہ بنگال اور برما کے وسط میں کمبوتسا نام کا ایک ملک واقع ہے ڈاکٹر آر سی موجمدار اور ڈاکٹر بی' آر' چیٹرجی نے لکھا ہے کہ برما کے شمال میں واقع ین نان اور زیک وان (Yannan and Szechwan) نامی علاقہ کے ساتھ ہندوستانیوں کی ایک نو آبادی گندھار تھی ممکن ہے کمبوج نو آبادی اس کے ساتھ ہی واقع ہو۔ انہوں نے لکھا ہے کہ برہما پران میں کمبوج دیس کا ذکر' بارہویں صدی عیسوی میں کمبوج سنگھ نام قبیلہ یا جماعت کی موجودگی' ایک موقع پر کمبوجوں کی مدد کے لئے گرجروں کا بنگالہ پر حملہ وغیرہ اس علاقہ میں کمبوجوں کی موجودگی کا بین ثبوت ہیں۔
ساسن ونس نامی ایک پرانی کتاب میں کمبوجوں کا کافی ذکر ملتا ہے ایک جگہ لکھا ہے کہ سن 26-1623ء میں برما مختلف خطرات میں گھرا ہوا تھا اس وقت کمبوج دیس کے

راجہ سری ہنسوا نے ہزاروں بدھ بھکشوؤں کو مروا ڈالا اور رتن پور کے علاقے میں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ ڈاکٹر چیٹرجی نے بعد میں یہ نظریہ پیش کیا کہ شمالی بنگال میں کمبوج کمبوڈیا سے آئے تھے لیکن یہ نظریہ درست نہیں کیونکہ ایک ہزار سال تک ایک دوسرے سے الگ رہنے کے باعث بنگال اور کمبوڈیا کے کمبوہوں کے رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں واضح تفاوت اس کی نفی کرتا ہے نیز ایک برہمن ازم کے اور دوسرے بدھ مت کے پیرو تھے۔

اب رہا تیسرا نظریہ اس کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ کمبوج اپنے ملک سے آ کر براہ راست پال راجاؤں کی فوج میں بھرتی ہو گئے ہوں گے کچھ لوگوں نے بسلسلہ تجارت بنگال میں آنے کے بعد یہیں آباد ہونے کو ترجیح دی ہو گی۔ اور ممکن ہے بتدریج بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو گئے ہوں۔ اس کے بعد موقع ملنے پر ان میں سے کسی نے آزاد کمبوج حکومت کی بنیاد ڈال دی ہو۔ اس خیال کو ڈاکٹر رائے نے انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی جلد 15 حصہ چہارم ص 511 پر اس طرح بیان کیا ہے:

" But I must admit, however, that they (Kambojas) must have also come from the northwest as mercenaries and then grown into independent cheifs by successful rebellion.

(لیکن مجھے تسلیم ہے کہ وہ (کمبوج) شمال مغربی سمت سے فوج میں بھرتی ہونے کے لئے آئے ہوں گے اور کامیاب بغاوت کے ذریعے خود مختار حاکم بن گئے ہوں گے)

ڈھاکہ یونیورسٹی سٹڈیز جلد اول نمبر 2 ص 132 پر مقالہ نگار نے یہی خیال یوں ظاہر کیا ہے "خواہ کچھ بھی ہو' ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ بنگال میں کسی کمبوج راجہ کی سلطنت کا قیام اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ یا تو کمبوج قبائل نے براہ راست بنگال پر حملہ کیا یا اس قبیلہ کے کسی مقامی سردار نے یا بڑے عہدیدار نے بنگال میں کامیاب بغاوت کی رہنمائی کر کے کمبوج سلطنت قائم کی۔"

اس کے برعکس دی انڈین ہسٹاریکل کوارٹرلی کے اسی ص 511 پر لکھا ہے کہ کمبوج بنگال میں گرجروں (گوجروں) کی فوج کے ہمراہ آئے تھے" اس نظریہ کا یہ دوسرا پہلو زیادہ قرین قیاس اور قابل قبول ہے۔ جس وقت گرجروں اور کمبوجوں نے مل کر

کچھ علاقے فتح کر لئے تو پال راجاؤں نے سخت مزاحمت کے بعد ان کو شکست دی۔ گرجر پسپا ہو کر واپس مالوہ اور سوراشٹر وغیرہ میں آ گئے لیکن کمبوج بنگال میں ہی مقیم رہے اور آخر کار بنگال میں اپنی مضبوط حکمت عملی سے وہاں کے حکمران بن گئے۔
"The Dynastic History of Northern India' کے ص 310-11 پر مرقوم ہے " راشٹرکوتوں کے حملہ سے شکست کھا کر گرجروں کی طاقت بنگال میں ختم ہو گئی لیکن کمبوج شمالی بنگال کے مالک اور حاکم بن گئے" یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ گرجروں کے زوال اور کمبوجوں کے عروج کے زمانہ میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ قیاسات اور امکانات کے خول سے باہر نکل کر گردوپیش کے حالات و واقعات پر مبنی حقائق پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ مردان کوہسار ہونے کے باعث کمبوہ قناعت پسند نہیں بلکہ ایک مہم جو قوم تھے۔ غلامی سے نفرت اور آزاد روی ان کی سرشت میں شامل تھی۔ دوسری جانب وہ ایک بار وطن عزیز کو خیر باد کہہ کے نئی دنیا بسانے نکل پڑے تھے تو پیچھے مڑ کر دیکھنا ان کی فطرت کے خلاف تھا۔ چنانچہ چندر گپت موریہ کی مدد کے لئے جو افواج آئیں ان میں سے کچھ لوگ پنجاب اور ہریانہ میں آباد ہو گئے لیکن زیادہ نے مگدھ تک چندر گپت کا ساتھ دیا۔ یہاں آباد ہونے والوں کی مرفہ الحالی دیکھ کر بہت سے اور قبیلے مگدھ اور اس سے ملحقہ علاقوں' بنگال اور آسام' میں آباد ہوتے گئے پہلے یہ لوگ اپنے قبائلی رواج کے مطابق مشاورتی کونسلوں کے ذریعے جمہوری انداز میں حکومتی کاروبار چلاتے رہے لیکن بعد میں کونسل کے چیئرمین یا پردھان کو راجہ کہا جانے لگا۔ در حقیقت یہی لوگ تھے جو مغربی بنگال کو اپنی آبادکاری کے لئے زیادہ موزوں سمجھ کر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں سے ہی انہوں نے برما کے علاقوں پر حکمرانی کی اور یہیں سے وادئی میکانگ میں آتے جاتے رہے مغربی بنگال میں واقع ملک کمبوج انہی نو آبادکاروں کی ہمت مردانہ کا نتیجہ تھا۔

آیئے اب بنگال کی تاریخ کا تھوڑا سا پس منظر بھی ملاحظہ کریں۔ 650ء سے 750ء یعنی کامل ایک صدی تک بنگال ابتری اور عدم استحکام کا شکار رہا جس سے غیر ملکی حملہ آوروں کو طالع آزمائی کے مواقع ملتے رہے اس دوران میں بنگال کے شمال مغرب کی طرف کمبوجوں نے گردونواح کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر غلبہ حاصل کر کے اپنی فوجی قوت خاصی مستحکم کر لی تھی دوسری طرف راجپوتانہ سے اٹھ کر ہنوں اور گرجروں نے

وسطی ہند کا بیشتر علاقہ زیر نگیں کر کے بنگال کا رخ کیا۔ اور چند مغربی اضلاع پر تسلط حاصل کر لیا۔ دکن سے راشٹر کوتوں نے بھی دندان آز تیز کئے اور بنگال کی طرف چڑھ دوڑے۔ پال خاندان کے بانی گوپال (770-750ء) نے عنان حکومت سنبھال کر نہ صرف ملک کو اندرونی خلفشار سے نجات دلائی بلکہ بیرونی حملہ آوروں کا بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کر کے مشرقی اور مغربی' پورے بنگال' میں اپنی پوزیشن مضبوط کر لی۔ اس کے بعد دھرم پال (810-770ء) تخت نشین ہوا۔ اسے پال خاندان کا عظیم ترین بادشاہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ گرجروں کا عروج جہاں پال حکمرانوں کے لئے باعث تشویش تھا وہاں راشٹر کوت بھی ان کو اپنے لئے خطرہ عظیم سمجھتے تھے اگرچہ تاریخ دانوں کے مطابق گرجر کمبوجوں کی مدد کے لئے آئے تھے مگر حقیقت میں وہ بنگال سے لے کر پشاور تک پورے شمالی ہند پر بلا شرکت غیرے اپنی حاکمیت اعلیٰ کا جھنڈا گاڑنا چاہتے تھے۔ دھرم پال کی خواہش تھی کہ کمبوجوں سے نمٹنے سے پہلے وہ گرجروں اور راشٹر کوتوں کی طاقت ختم کر لے اس طرح کمبوجوں کو شمالی بنگال میں قدم جمانے کا موقع مل گیا اور وہ بتدریج اپنی قوت بڑھاتے رہے۔ ممکن ہے اس زمانے میں کچھ کمبوج براستہ لداخ اور تبت بھی شمالی اور مشرقی بنگال میں پہنچے ہوں۔ لیکن زیادہ تر وہ لوگ تھے جو کافی عرصہ پہلے یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے سب سے پہلے دھرم پال نے گرجر راجہ وتس راج پر حملہ کیا مگر شکست کھائی لیکن وتس راج کو اپنی فتح کے ثمرات سے مستفید ہونے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ راشٹر کوتوں نے بہت بڑا حملہ کر کے گرجروں کو راجپوتانہ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا دھرم پال کی قوت ہنوں' راشٹر کوتوں اور گرجروں سے لڑائیوں کی وجہ سے کافی کمزور ہو گئی اگرچہ کمبوجوں نے بھی بنگال پر کئی بار حملے کئے لیکن دھرم پال نے بنگال کے کسی حصہ پر کمبوجوں کا قبضہ نہ ہونے دیا۔

دھرم پال کے بعد دیوپال (850-810ء) نے بنگال کی عنان حکومت سنبھالی اس نے پہلے اپنی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کیا پھر شمال میں آسام اور جنوب میں اڑیسہ فتح کرنے کے بعد ہنوں' گرجروں اور دراوڑوں کا زور ختم کیا۔ اس کے بعد وہ شمال مغرب کی طرف متوجہ ہوا جہاں سے کمبوج مسلسل حملے کرتے رہتے تھے اگرچہ بقول آر۔ آر دیواکر "دیوپال کمبوجوں کی سرحدوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا" Bihar through the Ages مطبوعہ 1958ء ص 312) مگر وہ کمبوجوں کو شکست نہ دے سکا۔

دیوپال کے بعد اس کا بھتیجا وگرہ پال چار سال حکمرانی کر کے اپنے بیٹے نرائن پال کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ اس کے آخری عہد میں مگدھ پالوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور گرجروں نے شمالی ہند میں اپنا اقتدار اعلیٰ قائم کر لیا۔ مہندر گرجر اور چندیلہ سردار نے شمالی بنگال پر بھی حملے کئے اس طرح پالوں کی طاقت مزید کمزور ہو گئی۔ نرائن پال نے 50 سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد راجپال دوم کے آغاز حکومت میں کمبوجوں نے بنگال پر فیصلہ کن حملے شروع کر دئے اور بتدریج پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ بنگال کی تاریخ میں راجپال کے بیٹے گوپال دوم اور پوتے وگرہ پال دوم کا کوئی ذکر نہیں ملتا کیونکہ اس تمام عرصہ میں بنگال پر کمبوہ بادشاہ حکمران رہے 966ء کی ایک تحریر کے مطابق اس دور میں بنگال میں کمبوجوں کا مکمل قبضہ تھا۔

1934ء تک بنگال میں کمبوج حکومت کے متعلق مؤرخین کی معلومات کا انحصار زیادہ تر دیناج پور کے کتبے کی تحریر پر تھا اس کے مطابق بنگال میں کونجر گھشاورش نامی ایک کمبوج راجہ حکومت کرتا تھا۔ اس راجہ نے گوڑپتی (شاہ بنگال) کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اس کتبے میں مذکور ہے کہ اس کمبوج گوڑ پتی نے بھگوان شیو کا مندر تعمیر کرایا تھا۔ بعض مؤرخین کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے بی سی سین نے Some Historical Aspects of Insc. of Bengal ص 399 پر پورے دلائل سے صراحت کی ہے کہ "وہ کمبوج تھا۔"

پہلے مؤرخوں کا خیال تھا کہ پال راجاؤں کے کمزور دور حکومت میں صرف شمالی بنگال میں کمبوجوں کا غیر مستقل قبضہ رہا تھا لیکن 1934ء میں اردا نام کی تانبے کی تختی دریافت ہونے کے بعد کافی تحقیقاتی کام کیا گیا ہے جس سے کمبوجوں کے بارے میں بڑے تفصیلی اور معلومات افزا حالات معلوم ہوئے ہیں۔ بی' سی' سین۔ آر' این' مترا۔ رام پرشاد چاندا وغیرہ بہت سے مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ دسویں صدی کے دوسرے نصف حصہ میں کمبوج بنگال میں ایک آزاد سلطنت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس تختی میں کمبوجوں کے مفتوحہ علاقوں' ان کے راجاؤں کے پشت در پشت ناموں' طرز حکومت اور مذہب کے بارے میں بھی ذکر موجود ہے۔

کمبوہ سلطنت کی وسعت اور اس کی حدود کے متعلق قطعی ثبوت تو موجود نہیں تاہم دیناج پور کتبہ کی رو سے گوڑ (وسطی بنگال) کمبوجوں کے زیر نگیں تھا اور کمبوجوں

نے چندر خاندان سے پوھڑوردھن کا علاقہ بھی چھین لیا تھا۔ اردا تختی سے پتہ چلتا ہے کہ شمالی بنگال' وسطی بنگال' مغربی بنگال کا وہ علاقہ جس میں وردھ مان بھکتی (ضلع بردوان)' ونڈ بھکتی (ضلع مدناپور کا جنوبی اور جنوب مغربی علاقہ) نیز بالا سیر کے دریا سون ریکھا کا جنوبی حصہ بھی کمبوہ سلطنت میں شامل تھا۔ اس کے علاوہ راڑھ (دار جیلنگ وغیرہ) کا علاقہ بھی کمبوجوں کے زیر نگیں تھا۔

اردا تختی میں راجپال' نرائن پال' نیپال دیو اور دھرم پال نامی کمبوہ راجاؤں کا ذکر موجود ہے راج پال کو کمبوہ سلطنت کا بانی ظاہر کیا گیا ہے۔ بنگال کے پال حکمران بدھ مذہب کے پیرو تھے مگر کمبوجوں کا مذہب سناتن دھرم (برہمن ازم) تھا۔ آر' سی' موجمدار نے دی ہسٹری آف بنگال' جلد اول ص 281 پر لکھا ہے "کمبوہ بادشاہوں کے پروانہ ہائے عطیات میں سب سے نمایاں بات پروہتوں (برہمن پجاریوں) کا ذکر ہے اس سے نظام حکومت کے مذہبی اور معاشرتی پہلوؤں پر ان بادشاہوں کے تعلق خاطر کی وجہ سے ان امور کی بہت بڑی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔" اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہندو ازم کے کٹر پیروکاروں میں سے تھے۔ کمبوج حکمران پرم پرمیشور' پدم بھٹارک' مہاراج ادھیراج (شہنشاہ) کے لقب استعمال کرتے تھے۔ اردا تختی میں 'پریگو' کو کمبوہ حکومت کا صدر مقام بتایا گیا ہے۔ اختصار کے خیال سے دارالحکومت پریگو کا نقشہ اور اس کی تعریف میں لکھے ہوئے بیان کا اقتباس قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو گا۔

"اس شہر میں اونچے اونچے مندر ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کی کوشش میں تھک کر اپنی زبانوں سے جو پرچم کی طرح بل کھا رہی ہیں بادلوں کو چاٹ رہے ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں یگیہ سے اٹھا ہوا دھواں آسمان پر بادلوں کے دَل کی شکل میں چکر لگا رہا ہے۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اندر دیوتا بادلوں کی سواری میں تشریف لا رہے ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں چمکتے آسمان میں سنہری سیج پر بادل آرام کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جس نے پُر شکوہ راجہ کے درشنوں سے رونق اختیار کر لی ہے' یہ وہ عجیب و غریب خوشحال شہر ہے جس کے اوصاف روبہ ترقی ہیں۔ یہ پریگو نام کا شہر ہے جو عادل اور بہادر راجاؤں کا دارالحکومت ہے اور جہاں سے یہ فرمان جاری ہوا۔" اب بنگال کے کمبوہ راجاؤں کی تعریف میں ایک ادبی شہ پارہ یا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

اس شہر میں کمبوج ونش تلک سلطنت کا بانی' پرشکوہ جاہ و جلال کا مالک' فیاضی اور

سخاوت کا سمندر' شہ زور اور راجاؤں کا راجہ راج پال نام کا ایک راجہ ہوا۔ وہ ایک وسیع' خود مختار' آزاد مملکت کا حکمران تھا اور اس کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام بھاگ دیوی تھا جو خوش مزاج' خوش کلام اور پاروتی دیوی کی طرح اپنی رعایا میں پوجی جاتی تھی۔ اس بہادر بیٹے نے اپنے شفاف پانی جیسے ناخنوں سے دشمنوں کے ماتھے پر لکھے ہوئے غلط اور بدشگون حروف کی سطروں کو بالکل دھو ڈالا۔ جس نے صرف اپنے جلال سے ہی دشمنوں کے غصے کو جو ان کے جسم پر ورم کی طرح جم گیا تھا اور جو غرور اور طاقت کے زعم میں پھولے ہوئے تھے ایک دم ختم کر دیا اس راجہ کے راج میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسان نہیں بلکہ دیوتا لوگ آسمان سے آ کر زمین پر جنت کی طرح سوم رس پی کر آرام سے پر لطف زندگی گزار رہے ہوں اس راجہ کو کوئی بھی دشمن شکست نہیں دے سکتا۔ وہ راجہ بھگوان باسو دیو کے کنول جیسے قدموں کی پوجا کرتا ہے اور وہ سری نرائن پال نام کا عادل راجہ ہے جس طرح "مہاتمانز' نرائن کا" کرشن بلرام کا اور ارجن یدھشٹر کا چھوٹا بھائی تھا اسی طرح نیپال دیو اس کا بھائی تھا۔ اپنے بھائی سے تقویت پا کر اور سلطنت حاصل کرنے کے بعد وہ اس طرح رونما ہوا جس طرح چاند کے چھپ جانے کے بعد سورج اپنی تیز چمک سے آسمان اور زمین کو جگ مگ کر دیتا ہے اور وہ ناقابل تسخیر ہوتا ہے جس نے اپنے طاقتور دشمنوں کی کبھی پرواہ نہ کی اور نہ کبھی اپنے دوستوں کی مخالفت کی جس نے تن تنہا اپنے مضبوط و توانا بازوؤں سے سمندر جیسی فوجوں کی لڑائی میں اسے مسل کر رکھ دیا۔ اور سینکڑوں فتوحات حاصل کیں۔"

تخت و تاج سے محروم ہو جانے کے بعد حکمران پال خاندان کے افراد ملک بہ ملک پھرتے رہے تاکہ دوسرے حکمرانوں کی مدد سے اپنی گم گشتہ سلطنت حاصل کر سکیں مگر راجپال' گوپال اور وگرہ پال یہی حسرت دل میں لئے راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کے بعد مہی پال دوم نے گردونواح کے حکمرانوں سے از سر نو رابطے قائم کر کے ایک کثیر فوج جمع کر لی۔ اس نے عہد کیا کہ وہ کمبوجوں سے حکومت چھین کر رہے گا۔ اس کی انگیخت پر چندیلوں نے راڑھ پر حملہ کر کے کمبوجوں کو جنگ میں الجھا لیا مؤرخین کہتے ہیں کہ جس طرح چندیلہ سردار یشو ورمن کے بنگال پر حملے سے کمبوجوں کے لئے بنگال میں اپنی حکومت قائم کرنے کی راہ ہموار ہو گئی تھی اسی طرح اس کے بیٹے گھنگ کا راڑھ پر حملہ ان کی طاقت کمزور کر کے ان کی سلطنت ختم کرنے کا موجب بنا۔ اس صورت

حال سے فائدہ اٹھا کر مہی پال نے کمبوجوں کے خلاف باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔ مہی پال کو وقفے وقفے سے تازہ فوجی کمک ملتی رہی۔ کمبوجوں نے کافی مدافعت کی مگر شمالی بنگال میں کمبوج حکومت کمزور پڑنے سے پہلے وسطی بنگال اور اس کے بعد گیارہویں صدی عیسوی کے شروع میں شمالی بنگال بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مہی پال کی فتح کے متعلق نیو ہسٹری آف انڈو پاکستان ص 124 پر لکھا ہے :

"The expulsion of the Kambojas was a great achievement of his reign. "کمبوجوں کا اخراج اس کے عہد کا عظیم کارنامہ ہے۔" تاہم کمبوج بعد میں بھی اپنے علاقہ میں اقتدار قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ ایک تحریر کے مطابق 1114ء میں راجہ دھرم پال کمبوہ نے پالوں کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے چول خاندان کے بادشاہ راجندر چول سے فوجی مدد حاصل کی تھی اور خیر سگالی کے طور پر اسے ایک قیمتی ہیرا پیش کیا تھا۔ مشہور مؤرخ منہاج الدین نے تیرہویں صدی عیسوی میں آسام وغیرہ میں کمبوجوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ ایس کے چیٹرجی نے "بنگالی زبان کی ابتدا اور ترقی کی تاریخ" میں ص 69 پر لکھا ہے :

"... During the Moslem times the Koces (Kambojas under their Hinduised Kings had a powerful state in North Bengal and West Assam, which continued till the middle of the 17th century."

"مسلمانوں کے عہد میں شمالی بنگال اور مغربی آسام میں اپنے ہندو دھرم کے پابند بادشاہوں کے تحت کمبوہوں کی ایک طاقتور حکومت موجود تھی جو سترہویں صدی کے وسط تک قائم رہی" اس رائے سے سمتہ' چاندا' بینرجی' ای گیٹ' ہیم چندر گو سوامی وغیرہ بہت سے تاریخ دانوں نے اتفاق کیا ہے۔

ہمارے خیال میں بھارتیہ کمبوج سبھا کے کارکنوں کو بنگال' آسام اور بہار جا کر تازہ ترین معلومات حاصل کرنی چاہئیں۔ اسی طرح ان صوبجات کی تمام رپورٹ ہائے مردم شماری از 1881ء تا حال سے بھی کچھ نہ کچھ مفید معلومات حاصل ہونے کا امکان ہے۔

سری لنکا میں کمبوج : سری لنکا ہندوستان کے عین جنوب میں ایک سرسبز و شاداب' نہایت خوبصورت اور دلکش مناظر سے بھرپور چھوٹا سا جزیرہ ہے جو چائے' ناریل اور

گرم مصالحوں کی پیداوار کے لئے بہت مشہور ہے' چائے پیدا کرنے والے ممالک میں اسے نہ صرف معیار کے لحاظ سے اعلیٰ مقام حاصل ہے بلکہ مقدار کے لحاظ سے بھی یہ دنیا بھر میں دوسرے نمبر پر ہے۔ سارک (SAARC) تنظیم کا رکن ہونے کی وجہ سے پاکستان سے اس کے بہت قریبی روابط ہیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ سری لنکا میں آباد کمبوہوں کے متعلق ہماری معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔

سری لنکا کا قدیم ہندوستانی نام سنہل (41) تھا جسے عربوں نے سیلون بنا دیا۔ یہاں کے ستر فیصدی سنہالی ہیں۔ یہی ان کی زبان کا نام ہے جو ہندی' پنجابی' سندھی کی طرح آریہ زبان کہلاتی ہے۔ شمال مشرقی علاقوں میں تامل ناڈو بھی آباد ہیں جنوبی ہند کے یہ علیحدگی پسند لوگ آج کل سری لنکا میں امن و امان کا مسئلہ بنے ہوئے ہیں اور سنہالیوں اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔

سنہالی بھی سری لنکا کے اصل باشندے نہیں بلکہ قدیم زمانے میں ہندوستان سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ اسی طرح کمبوج بھی قدیم زمانے میں بھارت سے آ کر سری لنکا میں آباد ہوئے لیکن وہ بھارت کے کس علاقے سے آئے اور الگ الگ آئے تھے یا باہم مل کر' اس پر آگے چل کر اظہار خیال کیا جائے گا۔ آرکیالوجیکل سروے آف سیلون کے رجسٹر میں نمبر 516'1045'1050'1118 پر درج پتھر کی چار سلوں پر کندہ تحریروں میں سری لنکا میں کمبوجوں کا واضح ذکر موجود ہے (ہسٹری آف سیلون جلد اول حصہ اول ص 88 مصنفہ پرن وتان) ایک تاریخی واقعہ کے مطابق سری لنکا میں یونوں نے بھی غالباً" چوتھی صدی قبل مسیح میں انورادھاپور میں ایک علاقہ آباد کیا تھا۔ یون کمبوجوں کے پڑوسی تھے اس لئے ان کا سری لنکا میں آنا قابل فہم ہے۔ کمبوجوں کی سری لنکا میں آمد کا صحیح زمانہ تو متعین نہیں کیا جا سکا تاہم دوسری صدی قبل مسیح میں ان کا سری لنکا میں موجود ہونا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ ہسٹری آف سیلون کے ص 89 پر لکھا ہے:

(41) ہندی زبان میں ان الفاظ کا تلفظ سنگھل اور سنگھالی سے ملتا جلتا ہے مگر اردو میں سنہل اور سنہالی ہی مستعمل ہیں جو ہندی لفظ سے غیر مانوس نہیں۔

" It has thus to be accepted as a historical fact that some Kamboja people had found their way to Ceylon, and were living as a distinct social group, constituted into a Corporation in the second Century B.C."

"اس لئے یہ بات ایک تاریخی حقیقت کے طور پر قبول کرنا پڑے گی کہ کچھ کمبوج لوگ سیلون میں وارد ہو کر ایک نمایاں سماجی گروپ کے طور پر آباد تھے اور دوسری صدی قبل مسیح میں بحیثیت اوارہ یا جماعت اس گروپ کی تشکیل عمل میں آچکی تھی۔"

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سری لنکا کے قدیم ادب، کتبوں اور دستاویزات میں سنہالیوں کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ اکثر محققین کے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سنہالی بذات خود کسی قوم کا نام نہیں یعنی یہ نسبی نہیں بلکہ مقامی یا علاقائی نام ہے بعض مؤرخین کے نزدیک سنہل ان کا جد امجد تھا جس کے نام سے یہ جزیرہ موسوم ہوا اور اسی پر ان کی زبان کا نام رکھا گیا ان کا اندازہ ہے کہ وہ بدھ مذہب کی ابتدا یعنی چھٹی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں سمندری راستے سے اس جزیرہ میں پہنچا ہو گا۔ سری لنکا کی قدیم تاریخ میں اگر نسبی اہمیت کا کوئی نام ملتا ہے تو وہ صرف کمبوج ہے البتہ ایک جگہ پر یونوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ سنہل پہلے شخصی نام تھا پھر اسی پر قوم کا نام پڑ گیا۔

یہی وجہ ہے کہ محققین اور مؤرخین کو قابل یقین نتائج اخذ کرنے کے لئے سنہالیوں کے رسم و رواج، قدیم روایات، سنسکرت ادب اور پالی کہانیوں پر برسوں غور و خوض کرنا پڑا ہے ہمارے پاس ان تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں اس لئے ہم متفق الیہ نتائج پیش کرتے ہیں۔

سنہالی ہندوستان کے شمال مغربی حصے میں آباد تھے ان کا آبائی ملک سنگھ پور تھا اور اسی نام کی مناسبت سے وہ سنگھالی یا سنہالی کہلاتے تھے۔ چینی سیاح ہیون سانگ نے سنگھ پور دیس کی نشاندہی کی ہے جس کے مطابق یہ ملک ٹیکسلا سے 117 میل جنوب مشرق میں واقع تھا اور اس کی مغربی سرحد دریائے سندھ پر واقع تھی۔ قدیم زمانے میں دریائے سندھ موجودہ گزر گاہ سے کافی مشرق کی طرف بہتا تھا اور ایک شاخ رن آف کچھ میں آکر گرتی تھی۔ اس لحاظ سے سنگھ پور گجرات کاٹھیاواڑ میں واقع تھا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں کمبوج بھی کافی تعداد میں آباد تھے اور اپنے نام پر انہوں نے کمبے یا

کمھابیت آباد کیا تھا۔ سنہالی زبان آریہ زبانوں کے خاندان سے تھی۔ ڈاکٹر Geiger نے "اے گرامر آف سنہالیز لینگوایج" ص 7 اور 12 پر ماہر لسانیات محمد سعید اللہ کا بیان بطور سند پیش کیا ہے۔

کمبوجوں میں سمندری سفر پر کوئی قدغن نہ تھی چنانچہ ایک طرف وہ کاٹھیاواڑ سے لے کر مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آخری جنوبی حد تک دیگر سامان تجارت کے علاوہ گھوڑوں کا بیوپار بھی کرتے تھے دوسری طرف خلیج فارس سے لے کر سری لنکا تک سمندری سفر بھی کرتے رہتے تھے اور تمام بندرگاہیں ان کی تجارتی منڈیاں تھیں۔ اسی دوران میں ان کے کچھ لوگ مغربی ساحلی علاقوں میں آباد ہو گئے اور ایک بڑی تعداد سری لنکا میں جا کر مستقل طور پر آباد ہو گئی اس معاملہ میں مؤرخین متفق ہیں کہ خشکی کے سفر میں سنہالی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سنہالی سنگھ پور کے باشندے تو تھے مگر نسلی اعتبار سے ان کو کس زمرہ میں شمار کیا جائے۔ معاشرتی رسم و رواج بالخصوص سر منڈوانے اور چھوٹے بال رکھنے کے معاملہ میں وہ شک، یون اور کمبوج قوموں کی طرح تھے ان کی سکونت بھی انہی لوگوں کے علاقہ میں تھی۔ نسلی اعتبار سے ان کا جداگانہ تشخص بھی نہ تھا۔ اس مسئلہ پر غور کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شک اور یون ہندوستانی نسل سے نہ تھے بلکہ ان کا تعلق وسط ایشیا سے تھا۔ ان کی زبان بھی آریہ لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ قدیم براہمی تحریروں میں شک اور یون لوگوں کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے برعکس کمبوج ایک ایسی قوم تھے جن کی زبان سنسکرت آریہ زبان تھی۔ ان میں چھوٹے بالوں کا رواج تھا ان کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ کتبوں اور لاٹوں پر کمبوجوں کا ذکر موجود ہے۔ جبکہ سنہل نام کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ مؤرخین کی رائے ہے۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود تو اپنے آپ کو کمبوج کہتے تھے مگر سری لنکا کے اصل باشندے ان کو سنگھ پور سے آنے کی وجہ سے سنہالی کہتے تھے۔" (بعض دفعہ ایک ہی قوم کے لوگ بھی ایک مخصوص گروپ کو کسی دوسرے نام سے پکارنے لگتے ہیں۔) ہمارے خیال میں یہ نظریہ مزید توجہ اور تحقیق کا مستحق ہے۔

زمانہ وسطیٰ کے کتبوں میں بھی کمبوجوں کا ذکر موجود ہے۔ کچھ عرصہ قبل برآمد ہونے والے ایک کتبہ میں تدارا کیا' شہر کا ذکر ہے۔ ڈاکٹر بی سی لا نے اسے سنسکرت لفظ

'دوارکا' کی بگڑی ہوئی صورت قرار دے کر کہا ہے کہ "معلوم ہوتا ہے کمبوج اپنے پرانے شہر کی یاد بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے" (ہسٹاریکل جیوگرافی آف اینشنٹ انڈیا ص 53)- 1887ء میں ایس ایم برورس کو 12 کتبے ملے تھے ان میں سے ایک میں بادشاہ کی طرف سے تیار کرائے گئے ایک بڑے مسافر خانے کا ذکر ہے جس کے جنوبی دروازہ کا نام کمبوج دروازہ ہے (رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی سیلون برانچ کا جرنل جلد 10 نمبر 34 ص 67-64) اسی طرح کے ایک اور کتبہ نساتکا ملا میں جو 1187ء اور 1196ء کے درمیان لکھا گیا بادشاہ کی طرف، سے جنگلی حیات کے تحفظ کے لئے کمبوجوں کو سونا' کپڑے اور دیگر اشیاء دے کر جانوروں کے شکار سے منع کرنے کا ذکر ہے۔

لفظ کمبودین (Combodian) سے بعض مؤرخین کو شبہ ہوا کہ شاید یہ کمبوج کمبوڈیا سے آئے ہوں گے مگر اس شبہ کا ازالہ یوں ہوتا ہے کہ کمبوڈیا کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو تھے جبکہ سری لنکا کے کمبوجوں کا اس مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا دوسرے' کسی تصنیف یا کتبے سے کمبوڈیا کے لوگوں کا سری لنکا میں آباد ہونے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ ڈاکٹر لانگ ون کے مطابق 'کم بوئی آ' نام کے مشہور ارامئی لوگ کمبوج تھے۔ زمانہ وسطیٰ کے عرب جغرافیہ دانوں نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کو بہادر اور بڑی اہمیت کے لوگ کہا ہے۔

آٹھویں صدی کے بعد جب اس علاقہ پر عربوں کا اثر بڑھ گیا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ اوپر ایک کتبہ میں پرندوں کا شکار کرنے والے جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ دراصل یہی مسلمان کمبوہ تھے۔

آخر میں ای ملر (E. Muller) کے بیان (مطبوعہ JRAS جلد 15 ص 171) کے ساتھ یہ بحث ختم کی جاتی ہے اینسی کلوپیڈیا برٹانیکا جلد دوم نمبر 13 ص 76 پر اس بیان کی تصدیق کی گئی ہے:

" The descendents of the first mentioned Kambojas had adopted the Mussalman creed and used to trade all along the west coast of India from the Persian Gulf down to Ceylon and probably further east, while the Kambojas of farther India were devout Buddhists,

I think Vickrama Singhe is correct in stating that the Kambojas mentioned in Nissanka Malla's Inscription "belonged to the former class" "مقدم الذکر کمبوجوں کی اولاد نے مسلمان مذہب اختیار کر لیا تھا۔ وہ ہندوستان کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ خلیج فارس سے لے کر سیلون تک بلکہ غالباً اس سے بھی آگے مشرقی ساحل تک تجارت کرتے رہتے تھے۔ جبکہ ماورائے ہند کے کمبوج بدھ مذہب کے کٹر پیرو تھے۔ میرے خیال میں وکرما سنگھے کا یہ بیان درست ہے کہ نسانکلا نامی کتبہ میں جن کمبوجوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اسی پہلے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔"

کمبوڈیا۔ جزیرہ نمائے ہند چینی کی قدیم کمبوہ سلطنت

یہ مضمون تحریر کرنے میں متعدد کتابوں کے علاوہ ذیل کے دو اہم اور مستند مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے:

(1) 'کمبوجا دیسا' شائع کردہ مدراس یونیورسٹی: سر ولیم میئر لیکچر شپ پروگرام 1942-43ء کے زیر اہتمام مدراس یونیورسٹی میں ڈاکٹر آر' سی' موجدار نے 'کمبوڈیا میں قدیم ہندو نو آبادی' کے عنوان سے چھ مبسوط لیکچر دئے تھے جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ممالک ہند چینی' چین' بھارت اور برما کی تواریخ کا وسعت نظر سے مطالعہ کیا اور کمبوڈیا سے برآمد ہونے والے 187 قدیم کتبوں پر کندہ عبارات پر محققانہ غور و خوض کیا جس سے ان خطبات کی افادیت اور صداقت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ موجدار کی دو اور تصانیف Ancient India مطبوعہ 1964ء اور The Age of Imperial Kanauj مطبوعہ 1971ء بھی کافی معلومات فراہم کرتی ہیں۔

(2) ڈاکٹر جیالال پروفیسر دہلی یونیورسٹی نے 'کم بھج اور کمبوج' کے عنوان سے ایک معلومات افزا تحقیقی مضمون لکھا ہے جس میں ایس لیوی' جے اے فیرنڈ' فرگوسن' بدھ پرکاش' بی آر چیٹرجی' پی سی باگچی اور Spacht جیسے نامور علمائے تاریخ کی تصانیف سے خوشہ چینی کے علاوہ بمبئی گزیٹیر' ایپی گرافیا انڈیکا' جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی

اور اس کی سیلون برانچ کے جرنل سے مدد لی گئی ہے۔

چوہدری وہاب الدین نے اس موضوع پر سولہ صفحات میں خامہ فرسائی کی ہے دستیاب محدود معلومات کی بناء پر انہوں نے جو کچھ لکھا ہے نہایت قابل تحسین ہے (42) البتہ اب جدید تحقیقات سے کئی سربستہ حقائق منظر عام پر آئے ہیں جن کے اظہار کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے تاہم قارئین کی دلچسپی اور علم تاریخ کے شائقین کی رہنمائی اور علم میں اضافہ کی خاطر مختصر مگر ضروری کوائف پیش خدمت ہیں

جزیرہ نمائے ہند چینی ذیل کے چار ممالک پر مشتمل ہے:

1- ویت نام (Vietnam) سابقہ نام چمپا' پھر' انام۔ مشہور شہر ہنوئی اور ہوچی منہ سٹی (سیگاؤں) 2- لاؤس (Laos) دارالحکومت ونتیاں۔ 3- کمپوچیا۔ سابقہ نام کوک تھلوک پھر' کم بج بعد میں کمبوڈیا۔ صدر مقام نوم پنہہ۔ 4- تھائی لینڈ (منگول نسل کی تھائی قوم کا ملک) سابقہ سیام۔ صدر مقام بنکاک۔ان کے شمال میں چین کا صوبہ ین نان' مشرق میں خلیج ٹانکن اور بحیرہ چین جنوبی' جنوب میں خلیج سیام اور ملائیشیا اور مغرب میں خلیج بنگال اور برما واقع ہیں:

کمپوچیا کا رقبہ تقریباً ساٹھ ہزار مربع میل ہے دریائے میکانگ ملک کے لئے نعمت عظمیٰ ہے یہ کمپوچیا میں آکر ڈیلٹا بناتا اور علاقے کو سرسبز و شاداب کر کے سمندر میں جا گرتا ہے جو قدر و منزلت نیل کی مصر کے لئے اور گنگا کی شمالی ہند کے لئے ہے

---

(42) تاریخ کمبوہاں (1972ء) میں کمبوڈیا کو کمبوہ قوم سے منسوب کرنے پر اپریل 1973ء کی ایک اشاعت میں روزنامہ نوائے وقت کے مدیر سرراہے نے چوہدری وہاب الدین کو بلا وجہ ہدف تمسخر بنایا۔ اس کے بعد 12 نومبر 1973ء کی اشاعت میں ایک نام نہاد تبصرہ نگار نے پوری کتاب پر فرضی اور قیاسی ہونے کا فتویٰ عاید کر کے اپنی علمی کم مائیگی اور ذہنی دیوالیہ پن کا برملا اظہار کیا۔ تبصرہ نگار کا مرکزی اعتراض کچھ یوں تھا کہ "یہ کیسے ممکن ہے کہ کمبوہ قوم کے افراد آریہ بھی ہوں کھشتری اور سورج بنسی بھی' سکھ اور ہندو بھی ہوں اور مسلمان بھی' پنجابی' سندھی' بنگالی' بھی ہوں اور کمبوڈین بھی' پاکستانی بھی ہوں اور ہندوستانی بھی" حالانکہ کمبوہ قوم تو کیا ہر ہندی قوم کے افراد اپنی اپنی جگہ ان تمام زمروں میں شامل ہو سکتے ہیں۔

وہی میکانگ کی کمپوچیا کے لئے ہے۔ "ہندوستانی تارکین وطن نے اس کا نام مائی گنگا رکھا تھا جو بتدریج میکانگ بن گیا" (Cambodge مصنفہ لیکلیر Leclere ص 2 حاشیہ 1)

ابتدا میں مؤرخین کا خیال تھا کہ کم بج اور شمال مغربی پاکستان کی سرحد پر واقع ملک کمبوج کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ بحری راستے کے ذریعے جنوب میں سری لنکا سے اور شمال کی طرف سے تبت اور آسام سے براستہ خشکی آنے والے کمبوجوں نے لفظی مناسبت سے فائدہ اٹھا کر کم بج سے کمبوج بنا دیا۔ جب اٹھارہویں انیسویں صدی میں استعمار پسند یورپی طاقتوں نے علاقے پر اپنا تسلط جمایا تو ان کے ہمراہ کچھ دانشور، ماہرین آثار قدیمہ، تاریخ دان اور ماہرین لسانیات بھی آئے جنہوں نے برسہا برس کی محنت شاقہ اور دماغ سوزی کے بعد بہت سی نئی معلومات فراہم کر کے دھندلے بلکہ بعض تاریک نقوش کو اجاگر کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جب جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے ساتھ ہندوستان کے تعلقات قائم ہونے شروع ہوئے تو معلوم ہوا کہ ان ممالک میں رہنے والوں کے مذہبی عقائد، زبان، رسم و رواج اور معاشرت کے علاوہ بعض مقامات کے نام مثلاً ایودھیا، کیلاش، اونتی، گندھار، کسم پور وغیرہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس خطہ کا ہندوستان سے یقیناً بہت گہرا تعلق ہے اسی طرح کمپوچیا کے دارالحکومت کا نام اندر پرستھ پوری کے نام پر انتھ پتھ پوری رکھا جانا وہاں کے باشندوں کی ہندوستان سے قلبی وابستگی ظاہر کرتا ہے۔ ڈاکٹر بی سپونر نے JRAS 1915ء ص 447 پر ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

" May I not also note that the very name Kambodia seems reminiscent of the Persian Borderland Kamboja."

"کیا میں یہ بھی وضاحت نہ کر دوں کہ کمبوڈیا کا نام ہی فارس کے سرحدی علاقے کمبوجا کی بازگشت معلوم ہوتا ہے۔" اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے بمبئی گزیٹئر جلد اول حصہ اول ص 491 پر لکھا ہے "مجمع الجزائر ملایا اور شمال مغربی ہندوستان کے مابین براہ راست تاریخی تعلق کا سراغ لگانے میں جاوا اور کمبوڈیا کی روایات اور شہروں اور جگہوں کے نام یعنی کمبوج، گندھار، ٹیکسلا اور راملیش ایک مضبوط بنیاد فراہم کرتے

ہیں۔" ڈاکٹر وارتھ اور ڈاکٹر بدھ پرکاش نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔
کمبوڈیا کی آبادی کے دو بڑے ہندوستانی عنصر' کھمیر اور مون (Mon) تھے ان کی آمد سے پہلے مقامی آبادی کے تمام مرد و زن بالکل برہنہ رہتے تھے۔ چینی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے کمبوج بادشاہ کے عہد میں عورتوں کو لباس پہننے پر آمادہ کیا گیا۔
کمبوڈیا کی حدود مختلف زمانوں میں بدلتی رہی ہیں۔ سلطنت کی وسعت کے دور میں کمبوڈیا' سیام' لاؤس' کوچین چائنا کے علاوہ ویتنام اور میکانگ کی وادیاں بھی سلطنت کمبوڈیا کا حصہ تھیں۔ لیکن خاص کمبوڈیا صرف کمبوڈیا اور کوچین چائنا پر مشتمل تھا جس میں دریائے میکانگ کی وادی کا زیریں حصہ' جزیرہ کھانگ کا جنوبی حصہ اور ڈنگرک کی پہاڑیاں شامل تھیں لیکن اب ڈنگرک کی پہاڑیوں پر تھائی لینڈ کا قبضہ ہے۔
دوسری صدی قبل مسیح میں باختر (بلخ) میں متعین چینی سفیر کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ین نان اور سیزچوآن کی مصنوعات شمال مشرقی افغانستان اور باختر وغیرہ میں شمالی ہندوستان کے راستے آتی تھیں کمبوج اہم تجارتی شاہراہوں کا مرکز تھا اس سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ تجارت اور عسکری مہم جوئی وغیرہ عوامل نے کمبوجوں کو ین نان اور اس کے ساتھ کوک تھلوک (کمبوڈیا) میں جا کر قسمت آزمائی کرنے پر راغب کیا ہو گا۔
برما کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمینی راستے سے برما کا تعلق مشرقی ہندوستان سے بھی تھا اور سیام' انام اور کمبوڈیا سے بھی۔ اسی طرح جزیرہ نمائے ہند چینی اور چین کے لوگوں کا خشکی کے راستے افغانستان تک آنا جانا ثابت ہے۔ مشہور سیاح ہیون سانگ اسی راستے سے آیا تھا اس نے اپنے سفرنامے میں کمبوجیا کے بادشاہ ایسان ورمن کے نام پر آباد شہر ایسان پورہ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے یہ بادشاہ 639-619ء کے درمیان حکومت کرتا تھا۔ زمینی راستے کی سہولت سے ایک بھارتی عالم تاریخ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے پوری سنجیدگی سے نظریہ قائم کر لیا کہ بنگال میں پال خاندان کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کرنے والے کمبوج یقیناً کمبوڈیا سے آئے ہوں گے۔
خشکی کے راستے کی سہولت پر جس قدر چاہیں زور دیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ کمبوجوں کے ان ممالک سے سمندری راستے سے بھی روابط قائم تھے' ایک تاریخی حوالے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں ہندوستانی بندرگاہوں سے

جزیرہ نمائے ملایا کی طرف جہازوں کی باقاعدہ آمدورفت ہوتی تھی۔ کئی چینی روایات سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ (کمبوجا دیسا۔ ص 17)

جس طرح کمبوڈیا میں دو ہندوستانی قومیں آباد ہوئیں اسی طرح وہاں ان کی دو بادشاہتیں قائم ہوئیں ایک فونان (Fu-nan) دوسری کمبوجا۔ موجمدار نے مقامی روایات کے حوالے سے بتایا ہے کہ جنوبی کمبوڈیا میں پہلی کمبوہ سلطنت کی بنیاد پہلی صدی عیسوی میں رکھی جا چکی تھی۔ کمبوڈیا کی بنیاد رکھنے والے کمبوہ راجہ کے متعلق کئی ناقابل یقین دیومالائی داستانیں مشہور ہیں مگر ان کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔ ایک نسبتاً سنجیدہ روایت Bakesai Cankron نامی کتبہ مرقومہ 947ء کی رو سے عظیم رشی کمبوسوایم بھوُ کی شادی ہارا دیوتا نے حسین ترین اپسرا 'میرا' سے کرائی تھی کمبوڈیا کے بادشاہ اسی کی اولاد سے ہیں۔ اس سے ایک بات بالکل واضح ہے کہ جس شخص نے کمبوڈیا کی بنیاد رکھی وہ یقیناً کمبوہ قوم کا فرد تھا۔ اگر ہم کمبوڈیا کی تاریخ لکھنے لگیں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان سے ہند چینی جا کر نو آبادی قائم کرنے والے کمبوج بھارت کے کس علاقے سے' کن راستوں سے اور کب ہند چینی پہنچے۔

ان سوالات کا جواب چنداں مشکل نہیں۔ قارئین کو معلوم ہے وسط ایشیا اور افغانستان کے علاقوں میں بدامنی پھیلنے اور ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے پر بالادستی حاصل کرنے کے بعد اس کو ملک سے باہر دھکیل دینے کا مسلسل عمل تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح سے قبل شروع ہو چکا تھا۔ اسی اکھاڑ پچھاڑ کے دور میں کچھ کمبوہ قبائل اپنے ملک واقع پامیر بدخشاں سے کابل' گندھار اور کچھ کشمیر' لداخ تبت تک پہنچے۔ دوسری طرف شکوں' یونوں' پارتھیوں کے ساتھ انہوں نے پنجاب' سندھ' گجرات کاٹھیاواڑ' راجستھان' جنوبی ہند' یوپی' بہار اور بنگال تک پھیل کر اپنی بستیاں آباد کر لیں یہی لوگ ہندوستان کے ساحل کے ساتھ ساتھ سری لنکا اور پھر آگے بڑھ کر ملایا اور ہند چینی کی طرف گئے۔ ہند چینی میں انہوں نے اپنی فوجی صلاحیتوں کے بل بوتے پر مقامی لوگوں کو مغلوب کر کے اپنا اقتدار قائم کیا۔

بمبئی گزیٹیر باب چہارم (جلد اول حصہ اول) ص 440 کے مطابق جاوا اور کمبوڈیا میں نو آبادی قائم کرنے والے ہندوستانی لوگ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں

گجرات کاٹھیاواڑ کے سمندری ساحلوں سے جہازوں میں سوار ہو کر وہاں گئے تھے لیکن اکثر مؤرخین کی یہ رائے زیادہ معتبر ہے کہ یہ عمل پہلی صدی عیسوی میں شروع ہو گیا تھا۔ البتہ یہ امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ چھٹی ساتویں صدی میں جانے والے کمبوہوں کی کمک ملنے پر کمبوڈیا کی کمبوہ حکومت کو فونان حکومت پر برتری حاصل ہوئی ہو۔ عین ممکن ہے اسی زمانہ میں خشکی کے راستے تبت اور برما سے ہو کر کمبوہ شمال کی طرف سے بھی حملہ آور ہوئے ہوں۔ فرگوسن کی رائے میں کمبوج آبادی قائم کرنے والے لوگ چوتھی صدی میں سری لنکا سے بحری جہازوں پر ہند چینی گئے ہوں گے (ہسٹری آف انڈین اینڈ ایسٹرن آر کیٹیکچر ص 665) لیکن کمبوڈیا کے تاریخی واقعات کی رُو سے ابتدائی سفر پہلی صدی میں کیا گیا ہو گا۔

ڈاکٹر پربودھ چندر باگچی نے 'انڈیا اینڈ سنٹرل ایشیا' ص 117 پر لکھا ہے: "کمبوجوں کے دوسرے قبیلے کوہ ہمالیہ کے دوسری طرف سے تبت کے مشرقی حصہ اور میکانگ کی وادی میں داخل ہوئے ہوں گے۔ مسٹر سپیکٹ کا خیال ہے" وہ لوگ جو پنجاب اور کشمیر کے مذہبی اعتقادات اور صنعت کاری کے اثرات کو بھارت کے شمال سے کمبوڈیا میں لے آئے تھے وہ اب بھی خود کو کھمیر نام سے پکارتے ہیں۔ کمبوڈیا کے مندروں' جھیلوں اور پلوں کی تعمیر کی خوبصورتی انہی لوگوں کی مرہون منت ہے اس جزیرہ نما کے ادب اور فنون لطیفہ میں کھمیر نام ایک تعریفی لفظ بن گیا ہے۔ کمبوڈیا اور وادئ کابل کے صنعتی اور مصوری انداز فکر میں یکسانیت پائی جاتی ہے ۔ چینی عالموں کی تصانیف کمبوج یعنی وادئ کابل کے ان مایہ ناز صنعت کاروں کی یاد دلاتی ہیں جو بت سازی' سنگ تراشی' سونے' چاندی' تانبے اور پیتل کے خوبصورت ظروف اور زیورات بنانے میں ماہر تھے " (جرنل ایشیاٹک جلد دوم ص 333 حاشیہ نمبر3)

"1290ء کے لگ بھگ مارکوپولو اور رشید الدین کے سفر ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ تبت کے جنوب مشرق میں (ین نان) میں بسنے والے لوگ سفید ہن اور کیدار معلوم ہوتے ہیں" (بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ اول ص 599) ڈاکٹر بدھ پرکاش نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "عیسوی سن کے آغاز سے لے کر وادئ کابل یا قدیم کمبوج سے کمبوجوں کے ساتھ ہنوں اور یوچیوں وغیرہ قبائل کا ہند چینی میں داخلہ خشکی کے

راستے سے ہی رہا ہے۔ ' انگ کور' زمانہ کی تحریروں اور کتبوں سے ہند چینی میں کمبوجوں کے ساتھ شکوں کی آمد کا بھی ثبوت ملتا ہے" (انڈیا اینڈ دی ورلڈ ص 153) (43)

ڈاکٹر جیالال نے تاریخی حوالے دے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے "کمبوڈیا کی نو آبادی قائم کرنے والے کمبوہ لوگ خشکی کے راستے سے سیام اور لاؤس میں سے ہو کر کمبوڈیا میں آئے تھے ابتدا میں کمبوڈیا کے شمال مشرقی گوشے سے لاؤس کے اندر واسک کے قریب وات فو پہاڑی کے نواحی علاقہ کا نام ہی کم بج یا کمبوڈیا تھا۔ تاریخی اعتبار سے پہلا کمبوہ راجہ شروت ورمن تھا اس کے بعد اس کے بیٹے سریشٹ ورمن نے حکومت سنبھالی اس طرح کمبوڈیا میں کمبوج شاہی خاندان کی بنیاد رکھی گئی" (پراچین کمبوج' جن اور جن پد۔) (44)

خلاصہ کلام یہ کہ اس امر سے قطع نظر کہ کمبوڈیا کی بنیاد رکھنے والے کمبوج بحری جہازوں کے ذریعے سری لنکا سے ہوتے ہوئے جنوب کی طرف سے وارد ہوئے تھے یا تبت اور سیام سے ہو کر خشکی کے راستے شمال سے آئے تھے اس بات سے کسی مؤرخ کو انکار نہیں کہ قدیم ملک کوک تھلوک کو کمبوڈیا بنانے والے کوہ ہندوکش میں واقع ملک کمبوج کے باشندوں کے سوا کوئی دوسرے لوگ نہ تھے۔ وہ مختلف اوقات میں سمندری راستے سے بھی کمبوڈیا میں آئے اور خشکی کے راستے بھی گروہ در گروہ کمبوڈیا میں داخل ہوتے رہے تھے۔

---

(43) کوارچ ویلز (Quaritch Wales) نے اپنی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب (The way to ankor) میں نیا نظریہ پیش کیا ہے وہ لکھتا ہے "کمبوج (کمبوڈیا) کے لوگ یقینی طور پر بھارت سے آئے ہوئے ہیں جو ملائیشیا سے بذریعہ Takola Mart خشکی کے راستے وہاں پہنچے تھے (سٹڈیز ان انڈین ہسٹری مصنفہ کے ایم پانیکر ص 42)

(44) ورمن یا ورما کا لفظ ملک کمبوج کے راجہ استعمال کرتے رہے ہیں راجہ سود کھشن کے والد کا نام چندر ورما تھا۔

کمبوڈیا کی تاریخ ایک وسیع مضمون ہے اس کا مختصر سا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے ابتدا میں کمبوڈیا فونان کے ماتحت ایک باجگزار ملک تھا۔ فونان میں بھارت سے آئے ہوئے برہمن حکومت کرتے تھے۔ چھٹی صدی کے وسط میں کمبو راجہ بھوورمن نے ملک کو ہر لحاظ سے مضبوط کیا۔ بعد ازاں اس کے بھائی مہندر ورمن (چترسین) نے فونان کے راجہ رُدر ورمن کو شکست دے کر دارالحکومت پر قبضہ کر لیا۔ 639ء میں ایسان ورمن نے فونان حکومت کا مکمل خاتمہ کر کے اس کا نشان تک مٹا دیا اور اپنے نام پر ایسان پور شہر آباد کیا مگر 647ء میں جے ورمن اول کے ساتھ ہی اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

موءرخین نے کتبوں کی مدد سے اس خاندان کے نظم و نسق اور نظام حکومت کی بہت تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی وجہ کمبوج حکمرانوں کی علم دوستی اور کوٹلیہ کے ارتھ شاستر پر عمل پیرا ہونا ہے (کمبوجا دیسا ص 65-63)

جے ورمن دوم کے پچاس سالہ دور حکومت میں ملک بہت مضبوط ہو گیا اور ہر طرف خوشحالی نظر آنے لگی اس نے انگ کور کے علاقہ میں اپنی راجدھانی بنائی اور کمبوج سامراج کی بنیاد رکھی۔ کئی عرب سیاحوں، مؤرخوں اور اہل قلم کی تحریروں سے اس عہد کی تاریخ، ثقافت اور معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ یعقوبی (875ء) کھمیر حکومت کو ایک عظیم اور طاقتور سلطنت ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے ارد گرد کے بہت سے راجے اس کے ماتحت تھے۔ ابن رُشد نے لکھا ہے کہ کمبوڈیا میں اسی (80) جج ہیں اگر بادشاہ کا بیٹا بھی ان کی عدالت میں پیش ہوتا ہے تو اسے بھی برابری کی سطح پر سمجھا جاتا ہے کئی عرب قلمکاروں نے لکھا ہے کہ کمبوڈیا کے لوگ شراب نوشی اور بدمعاشی سے پرہیز کرتے ہیں۔ The Age of Imperial Kanauj (ص 419)

877ء میں اندرورمن نے ملکی حدود میں مزید توسیع کی اس کے بعد یشوورمن نے گو صرف گیارہ سال حکومت کی مگر اس نے بیشمار فوجی یلغاریں کر کے کمبوڈیا کی طاقت کا لوہا منوایا۔ وہ علم دوست اور مذہبی خیالات کا بادشاہ تھا اس نے کئی مندر تعمیر کرائے اور یشودھ پور آباد کر کے اسے اپنی راجدھانی بنایا۔ راجندرورمن (69-944) اس خاندان کا سب سے زیادہ طاقتور راجہ تھا اس نے علاقہ کی باقی ماندہ ریاستیں فتح کر کے کمبوڈیا کو طاقتور ترین سلطنت بنا دیا ویت نام پر کامیاب حملہ کیا اور وسطی سیام تک کا علاقہ زیر

تنگیں کر لیا۔ اس کے عہد میں جنوب مشرقی ایشیا میں چین کا اثر و رسوخ بالکل ختم ہو گیا۔

1113ء میں سوریہ ورمن دوم گدی نشین ہوا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ انگ کورواٹ نامی مندر کی تعمیر ہے جو دنیا کے سب سے بڑے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اس میں پختہ پتھر کے 532 ستون ہیں۔ سنگتراشوں اور معماروں کا کمال ہے کہ ستونوں اور فرش کے پتھروں میں جوڑ تک معلوم نہیں ہوتے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب Discovery of India (1967ء) ص 214 پر دس لاکھ آبادی والے اس شہر کو Angkor the Magnificent اور قیصر کے روم سے بڑا اور پُرشکوہ شہر لکھا ہے۔

سوریہ ورمن کی وفات کے بعد پھر خانہ جنگی نے جنم لیا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ویت نام نے حملہ کر دیا اس کے نتیجہ میں ایک طویل لڑائی کا آغاز ہو گیا۔ 1199ء میں جے ورمن ہفتم نے حالات پر قابو پا لیا اس نے ویت نام کو پوری طرح فتح کر کے سیام کو بھی شکست دی اور برما کا وسطی اور جنوبی حصہ بھی کمبوڈیا میں شامل کر لیا۔ ان فتوحات کے بعد کمبوڈیا کی حدود مشرق میں بحیرہ چین اور مغرب میں خلیج بنگال تک پھیل گئیں۔ اس نے ایک نیا شہر کمبو پوری تعمیر کرایا جو اب انگ کور تھوم' کے نام سے مشہور ہے چینی سیاحوں نے اس شہر کو بغداد اور روم کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔

جے ورمن ہشتم (1243-1295ء) نے شمالی سیام فتح کرنے کے بعد چین کا جنوبی صوبہ ین نان بھی فتح کر لیا۔ 1295ء میں جے ورمن کی تخت سے دستبرداری کے ساتھ ہی کمبوڈیا کا زوال شروع ہو گیا سب سے پہلے تھائی لوگوں نے سیام کو آزاد کرایا تاہم اس زمانے میں بھی کمبوڈیا میں اتنی سکت موجود تھی کہ چین کے بادشاہ نے خراج کا مطالبہ کیا تو شاہ کمبوڈیا نے صاف انکار کر دیا اور چین کے بادشاہ کو کسی فوجی کارروائی کی ہمت نہ ہوئی۔

پندرھویں صدی میں ویت نامیوں نے کمبوڈیا سے مسلسل جنگ شروع کر دی سیام کے تھائی بھی باغی ہو گئے اس طرح یہ علاقہ ساڑھے چار سو سال تک میدان کارزار بنا رہا۔ 1849ء میں شاہ سیام نے کمبوڈیا پر تسلط حاصل کر کے اسے اپنا باجگزار بنا لیا۔ اسی

زمانہ میں مغربی سامراجی قوموں نے جاوا' سماٹرا' ملایا اور ہند چینی کے ممالک پر اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑ لئے۔ 1862ء میں فرانس نے کمبوڈیا کو اپنے Protectorate میں (زیر حفاظت) لے لیا۔ بعد ازاں 1904ء اور 1907ء میں فرانس اور سیام میں معاہدات کی رو سے کمبوڈیا کا کچھ شمالی حصہ سیام کو مل گیا اور باقی پورا ملک فرانس کے قبضہ میں آ گیا۔ کمبوڈیا کی بادشاہت برائے نام رہ گئی۔

بیسویں صدی میں مشرقی ممالک کے عوام میں آزادی کی ہمہ گیر تحریک شروع ہوئی' بیداری کے اس شعور سے کیمونسٹوں نے خوب فائدہ اٹھایا' دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں نے اس علاقہ میں پیش قدمی شروع کر دی اور مفتوحہ علاقوں میں سابقہ نظام برقرار رکھا فرانس نے جاپانیوں کے اثر و نفوذ کو کم کرنے کے لئے کمبوڈیا کے آخری شاہی خاندان کے ایک 19 سالہ شہزادے پرنس نروتم سہانوک کو مرغ دست آموز سمجھ کر بادشاہ بنا دیا کہ وہ اپنی شخصیت اور اعتدال پسندانہ خیالات کی بناء پر آزادی کی تحریک کو دبا دے گا مگر نروتم سہانوک نے غیر ملکی سامراج کا آلہ کار بننے کی بجائے ان کی توقعات کے برعکس کمبوڈیا کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ جاپانیوں کی پے در پے فتوحات نے فرانس' ہالینڈ اور پرتگال کو یہ علاقے خالی کرنے پر مجبور کر دیا مگر امریکہ نے ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم گرا کر جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور یورپی ہوس کار ایک بار پھر اپنے ممالک محروسہ میں آ دھمکے لیکن آزادی کی تحریکوں نے ان کے پاؤں نہ جمنے دیئے۔ 1953ء میں کمبوڈیا' لاؤس اور ویت نام کے کیمونسٹوں نے فرانس کے خلاف بغاوت کر دی اسی سال نومبر میں فرانس نے کمبوڈیا کو آزادی دینے کا اعلان کر دیا۔

1954ء میں فرانسیسی ہند چینی کے مستقبل کے متعلق منعقدہ جنیوا کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ ویت نام' لاؤس اور کمبوڈیا میں آزادانہ انتخابات کے ذریعے نظام حکومت کے بارے میں عوام کی رائے معلوم کی جائے۔ ستمبر 1955ء میں کمبوڈیا میں عام انتخابات ہوئے پرنس نروتم سہانوک کی پاپولر پارٹی نے تمام کی تمام 91 نشستیں جیت لیں کیمونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیوں کو ایک بھی سیٹ نہ مل سکی۔ سہانوک کے والد سرامرت جی کمبوڈیا کے صدر منتخب ہوئے اور پرنس نے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالا۔ 3 اپریل 1960ء کو سرامرت جی وفات پا گئے تو 29 جون 1960ء کو نروتم سہانوک سربراہ

مملکت ہو گئے۔

مارچ 1955ء میں نروتم سہانوک سرکاری دورہ پر بھارت آئے جہاں ان کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ بھارتی لوک سبھا میں تقریر کرتے ہوئے پرنس نے اعلان کیا کہ "وہ اپنے ملک میں عوام کی مرضی کے مطابق حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔" اس بیان کا پنڈت جواہر لال نہرو نے پر زور الفاظ میں خیر مقدم کیا۔ آل انڈیا کمبوج مہاسبھا کی خواہش اور پرنس کے اظہار آمادگی پر بھارتی حکومت کو معزز مہمان کے مقررہ پروگرام میں تبدیلی کرنا پڑی۔ چنانچہ جب 18 مارچ 1955ء کو پرنس نروتم سہانوک کمبوج سبھا دہلی کے عصرانہ میں شریک ہوئے تو دونوں جانب سے نہایت گرم جوشی اور والہانہ محبت کا منظر دیکھنے میں آیا۔ کمبوج مہاسبھا کی طرف سے ڈاکٹر گنگا سنگھ کمبوج نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ پرنس نے اپنی بھارتی کمبوج برادری کی طرف سے اظہار اخوت اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا "ہمارا اور آپ کا خون ایک ہے۔ ہم کئی صدیوں سے بچھڑے ہوئے تھے آج میں اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اپنے بھارتی کمبوہ بھائیوں کے دیدار کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔"

پرنس نے اکھل بھارتیہ کمبوج مہاسبھا کے وفد کو کمبوڈیا آنے کی دعوت دی۔ اگلے سال جب یہ وفد کمبوڈیا گیا تو اسے پورا شاہی پروٹوکول دیا گیا اور واپسی پر اراکین وفد کو قیمتی اور یادگاری تحائف پیش کئے گئے۔

جنگ عظیم کی فتح میں امریکہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اب اس نے لوریا، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا اور تھائی لینڈ (سیام) وغیرہ کی طرف حریصانہ نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا اور امداد کے بہانے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کی کوشش کی پرنس سہانوک نے امداد لینے سے معذرت کر دی۔ اشتراکیت کو فروغ حاصل ہونے کی وجہ سے ان ملکوں میں بادشاہت کمزور پڑ چکی تھی۔ ادھر روس اور چین بھی امریکی عزائم سے بےخبر نہ تھے۔ خاص طور پر چین اس علاقہ میں امریکہ کے اثر و نفوذ کو اپنی سلامتی کے لئے خطرہ سمجھتا تھا نظریاتی جنگ رفتہ رفتہ باقاعدہ اسلحہ کی جنگ پر منتج ہوئی۔

1965ء میں ویت نام کی جنگ نے خوفناک صورت اختیار کر لی۔ بادشاہ سہانوک کی پالیسی غیر جانبدارانہ تھی وہ امریکہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا اور چین سے بھی

زیادہ گہرے تعلقات نہ رکھنا چاہتا تھا۔ جب ویت نام کے گوریلے پناہ کی خاطر کمبوڈیا میں داخل ہوئے تو امریکی ایئرفورس نے ان کو کچلنے کے لئے کمبوڈیا پر بمباری کر دی جس سے نروتم سانوک نے امریکہ سے سفارتی تعلقات منقطع کر لئے اس نے 1967ء میں چین کو بھی دھمکی دی کہ گو وہ وزیراعظم چواین لائی کو اپنے والد کے برابر سمجھتے ہیں تاہم اگر چین نے انقلابیوں کے کمبوڈیا میں داخل ہونے سے لاتعلقی کا اظہار نہ کیا تو وہ اس سے بھی سفارتی تعلقات ختم کر لیگا۔ 1969ء میں اس نے امریکہ کو متنبہ کیا کہ اگر اس کی ایئرفورس نے کمبوڈیا کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کی تو وہ کیمونسٹ گروپ میں شامل ہو جائے گا شاہ سانوک ملکی مفاد کی خاطر یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ امریکہ ایشیا سے نکل جائے کیونکہ اس طرح کمبوڈیا کی آزادی کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا دراصل اس کے اپنے الفاظ میں وہ "امریکہ کو کیمونسٹوں کے خلاف کارڈ کے طور پر استعمال کرنا چاہتا تھا لیکن اب شاہ سانوک امریکہ کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہا تھا۔ انہوں نے اس کی بادشاہت کا تختہ الٹنے کے لئے بہت سے حربے استعمال کئے آخر 1970ء میں ایک کٹھ پتلی جرنیل لون نول کے ذریعے سانوک حکومت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ دنیا بھر کے ممالک کے اندازوں کے برعکس شاہ سانوک نے فرانس کی بجائے چین میں پناہ حاصل کی اور وہاں اپنی جلاوطن حکومت قائم کر لی۔ ادھر ویت نام میں امریکہ نے اپنی افواج اور جدید ترین اسلحہ کا بے محابا استعمال کیا مگر محدود وسائل کے باوجود ویت نام کے عوام نے ہوچی منہ کی زبردست قیادت میں امریکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر دیا۔ ادھر 1973ء کے آخر تک کمبوڈیا کی 75 فی صدی آبادی کھیمروج حریت پسندوں کی پشت پر تھی عوام نے محسوس کر لیا تھا کہ نروتم سانوک کی لیڈر شپ میں وہ لون نول کی فوجی حکومت کا خاتمہ کر سکیں گے۔

1975ء میں کھیمروج نے ملک کو فوجی ٹولے سے نجات دلانے کے لئے بڑے منظم زبردست حملے کئے۔ ان کی رسدورسائل کے تمام راستے بند کر دئے یہ بڑے جذبے اور جوش سے نبرد آزما ہوتے تھے جبکہ لون نول کے فوجی اپنے افسروں کی لوٹ مار اور امریکی امداد کی خردبرد سے بد دل ہو چکے تھے۔ پرنس سانوک کی فوجوں کو امریکی ہتھیار اور ہوائی فوج بھی نہ روک سکی پرنس سانوک نے ان کی جنگ بندی کی اپیل

بھی مسترد کر دی آخر 17 اپریل 1975ء کو فوجی ٹولے نے پرنس سانوک کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح پانچ سال سے جاری خانہ جنگی اختتام کو پہنچی مگر اس کی وجہ سے کمبوڈیا کی تقریباً 15 فی صد آبادی ہلاک اور زخمی ہوئی ہزاروں مکان مسمار ہو گئے ملک کی معاشی حالت بالکل تباہ ہو گئی نصف آبادی بے گھر اور زراعت، صنعت، کاروبار سب تباہ ہو گئے۔

کیمبوج فوجوں نے فتح کے بعد نردتم سانوک سے انصاف نہیں کیا اسے جمہوری ملک کا صدر بنانے کے اعلان کے باوجود صدر نہ بنایا لیکن نردتم سانوک نے ہمت نہ ہاری آخر 1993ء میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی عام انتخابات عمل میں لائے گئے (اس نگران فوج میں پاکستانی فوجی دستے بھی شامل تھے) نردتم سانوک نے اب شہنشاہ کا لقب اختیار کر لیا ہے اور اقتدار سنبھالنے کے بعد ملک کی تعمیر نو اور ترقی کے لئے دن رات کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن کیمبوج ابھی تک امن و امان کا مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔

ہم چوہدری وہاب الدین کی اس رائے سے متفق ہیں کہ ہمیں "کمبوڈیا سے دلی لگاؤ اور جذباتی الفت ہے لیکن اب یہ الفت محض اس کے نام کی وجہ سے ہے ورنہ کمبوڈیا میں اب خالص کمبوج قوم موجود نہیں ہے۔ کمبوڈیا کے باشندے جو چینیوں، ملایاؤں، سیامیوں کے ساتھ مل کر مخلوط ہو چکے ہیں خالص کمبوج نہیں رہے۔ پھر بھی ان سے ہماری محبت، جذبات و تصورات کے لحاظ سے جائز و قدرتی ہے کیونکہ آخر ان کی رگوں میں بھی اسی خون کا حصہ ہے۔ جو ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے" (تاریخ کمبوہاں ص 120)

کافرستان اور کمبوہ : تاریخ کمبوہاں ص 81 تا 85 پر مسٹر الفنسٹن کی کتاب An Account of Kingdom of Kabul مطبوعہ 1814ء کے حوالے سے کافرستان میں جس کا افغانستان میں واقع حصہ اب نورستان کہلاتا ہے کمبوہ قوم کی موجودگی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مسٹر الفنسٹن نے واضح طور پر کہیں بھی کمبوج قوم یا ملک کمبوج کا ذکر نہیں کیا بلکہ لکھا ہے "کافروں میں یہ روایت مشہور ہے کہ مسلمانوں نے ان کو قندھار کے قرب و جوار سے بیدخل کیا اور وہ دربدر پھرتے پھراتے اس علاقے میں آ بسے" مزید لکھا

ہے' ان کے چار قبیلے ہیں: کوموز۔ بلاء۔ سلار اور کوموج۔ تین اول الذکر مسلمان ہو گئے چوتھا اپنے عقائد پر قائم رہا۔" (45)

کسی گروہ یا قبیلہ کو کسی بڑی قوم سے منسلک کرنے سے پیشتر اسے بہت سے ضروری حقائق اور لوازمات کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ان میں سب سے مقدم متعلقہ ذیلی قبیلوں کے علاوہ اس گروہ یا قوم کا اصل نام' آبائی وطن' نسل' زبان' ذریعہ معاش' رسم و رواج' تہذیب و تمدن وغیرہ بہت سے خصائص ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ جہاں کہیں حروف کاف اور میم دیکھے وہیں بغیر سوچے انگلی رکھ دی کہ ' یہ ہیں کمبوہ' اور بزعم خود تحقیق کا حق پورا کر دیا۔ ہم نے مختلف کتابوں اور سفرناموں سے افغانستان اور پاکستان میں آباد سرخ اور سیاہ کافروں میں مروج معاشرت اور موجود خصوصیات کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ تاریخی اور واقعاتی اعتبار سے معروف مؤرخ اور سیاح آقائے محمود دانشور ایرانی کا سفرنامہ 'کافرستان' سب سے زیادہ قابل اعتماد اور پر از معلومات نظر آیا ہے۔ فاضل ایرانی نے خود کو غیر مسلم ظاہر کر کے چترال کے آخری کونے میں واقع سیاہ کافروں کے انتہائی دشوار گزار پہاڑی علاقہ کا تفصیلی دورہ کیا۔ ایک ایک گاؤں میں کئی کئی روز قیام کر کے ان کے رسم و رواج' مذہب' معاشرت' لباس' اشیائے خورد و نوش مردوزن کے خاص تعلقات بلکہ جزئیات سے بھی پوری آگاہی حاصل کی آقائے محمود نے لکھا ہے کہ "کافرستان کے دو حصے ہیں اپنے قدیم مذہب پر قائم سیاہ کافر پاکستانی علاقہ چترال میں رہتے ہیں۔ یہاں تقریباً تین ہزار سرخ کافر بھی ہیں جو سب مسلمان ہیں مگر سیاہ کافروں میں گھرے ہونے کے باعث ان کے رسم و رواج میں اسلام کی کوئی جھلک نہیں۔ باقی سرخ کافر کوہ کیلاش کی دوسری سمت افغانستان میں رہائش پذیر ہیں وہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں" آقائے محمود لکھتے ہیں۔ "جب مسلمانوں نے افغانستان کو اپنے تصرف میں لیا تو ایک قبیلہ جو کیلاش کہلاتا تھا بھاگ کر چترال آ مقیم ہوا اور

---

(45) (i) خود الفنسٹن کا بیان ہے کہ "مسلمانوں نے ان کو قندھار سے بیدخل کیا" تاریخ کمبوہاں کا اجتہادی بیان اس واقعہ کو بارہ سو سال پیچھے نقل کر رہا ہے۔

(ii) یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں کمبوہ قوم رہا کرتی تھی اور ارد گرد کے علاقوں کو ... یہ لمبوج ملا آتا تھا۔

اس سیاہ پوش قبیلے نے بمبورت' رمبور اور بریر پر قبضہ کر لیا آج اس علاقے کو کافرستان کہتے ہیں (ص 58)-

"ان لوگوں کا مذہب بہت قدیم ہے اس کا اندازہ صرف رسوم سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب اور قوم کے بارے میں نہ کوئی کتاب ہے اور نہ کوئی ریکارڈ' اس لئے صحیح طور پر تاریخ کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا" (ص 154)

کیلاش قوم کے دو قبیلوں کے نام کوموز اور کوموج ہونے کے علاوہ کمبوہوں اور کافروں میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ کیلاش قوم کا آبائی وطن دیار عرب بتایا جاتا ہے ان کے مشرکانہ عقائد کی بناء پر عربوں نے ان کو کافر کا نام دیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت انہوں نے شرک اور بت پرستی کو ترجیح دی اور عرب سے فرار ہو کر قندھار کے قریب آ بسے۔ حضرت امیر معاویہؓ (661-689ء) کے عہد خلافت میں عرب فوج نے مہلب کی سرکردگی میں ایک سخت خونریز جنگ کے بعد پہلے قندھار فتح کیا پھر کابل کو فتح کرتی ہوئی درہ خیبر کی راہ سے سرزمین ہند میں داخل ہوئی (تاریخ اسلام۔ ڈاکٹر حمید الدین ص 174) ان علاقوں میں جن لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچا۔ وہ اس کی حقانیت پر ایمان لے آئے لیکن دور دراز علاقوں میں کفر کے پیشواؤں نے اسلامی تعلیمات کی غلط تاویل اور مسلمانوں کے ظلم و ستم کے من گھڑت افسانے اس انداز سے بیان کئے کہ جاہل اور اکثر لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت پھیل گئی اور وہ گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ اور یہ کیلاش یا کافر بھی اسی زمانے میں عراق سے قندھار اور وہاں سے نکل کر اس علاقے میں جا کر آباد ہو گئے جسے کمبوہ قوم تین چار صدیاں پیشتر خالی کر گئی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کمبوہ لوگ تعلیم یافتہ' نیزہ بازی' گھڑ سواری اور سپہ گری میں یکتائے زمانہ' مذہب کے معاملہ میں فراخ دل' نئی نئی مہمات سر کرنے کے دلدادہ اور ہمسایہ اقوام کے ساتھ دوستانہ روابط استوار کرنے میں پیش پیش رہتے تھے تواریخ میں ان کو جنگ جو مگر مہذب اور متمدن اقوام میں شمار کیا گیا ہے ان کے مقابلہ میں کیلاش یا کافر قوم بیسویں صدی میں بھی قطعی ان پڑھ بلکہ تعلیم سے گریزاں' سپاہیانہ خصائص سے محروم' مذہبی لحاظ سے سخت کٹر (Rigid) اور باہر کی دنیا سے الگ تھلگ' اپنی محدود

دنیا میں مگن رہنے کی وجہ سے کمبوہ قوم کی بالکل ضد ہے۔ کمبوہ جہاں بھی گئے۔ بنگال ہو یا کمبوڈیا گجرات کاٹھیاواڑ ہو یا سری لنکا اپنا نام کمبوہ ساتھ لے کر گئے کیلاش یا کافر نہیں کہلائے کافروں کے دو چھوٹے قبیلوں کے نام میں معمولی لفظی مناسبت سے ان کو کمبوہ کہنا تاریخی دیانت کے خلاف ہے۔ تاریخ کمبوہاں کے محترم مؤلف نے کمبوہ قوم کو ہخامنشی خاندان کے بادشاہ کمبوجیا دوم کی اولاد ثابت کرنے کے جوش میں زمان و مکان کی رعایت بھی ملحوظ نہیں رکھی اور یہ بھی سچ ہے کہ کافروں نے کسی زمانہ میں کسی بھی موقعہ پر خود کو کمبوہ یا کمبوج نہیں کہا۔ تاریخ کمبوہاں کا بیان ہے:

"ہماری رائے یہ ہے کہ ان (کافروں) کی آبائی روایتوں میں جس قندھار کا ذکر آتا ہے وہ ریاست گندھارا ہے۔ شہنشاہ دارا نے کمبوج کی اولاد کو مغلوب کرنے کے لئے حملہ کیا تھا اس لحاظ سے ان کا وہ دشمن جس نے ان کو قندھار سے بیدخل کیا شہنشاہ دارا تھا۔ مسلمان نہیں تھے۔"

اس بیان میں لطیفہ یہ ہے کہ دارا کے عہد اور کافر قوم کے قندھار سے نکلنے میں بارہ صدیوں کا فرق ہے۔ گویا دارا نے جو حملہ ان لوگوں پر تقریباً 522 ق م میں کیا تھا اس کے نتیجہ میں یہ لوگ 668 عیسوی میں (1190 سال بعد) قندھار سے بے دخل ہو گئے تھے۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ دنیا بھر کے مؤرخوں اور خود کیلاش قوم کے بیانات اور روایات کے برعکس چوہدری صاحب نے ان کو کیلاش یا کافر لکھنے کے بجائے ہر جگہ کمبوج لکھا ہے۔

کتاب کے بارہ باب لکھے جا چکے تھے کہ ایک افغان مہاجر بھائی نے ہمیں رسالہ "آئینہ نورستان" لا کر دیا۔ ذیل میں اس کے کچھ اقتباسات اور خلاصہ پیش ہے:

"نورستان صوبہ بدخشاں کے جنوب میں صوبہ کنڑ اور لغمان کی تین وادیوں پر مشتمل ہے۔ مغرب میں پنج شیر (صوبہ کاپیسا) اور مشرق کی جانب پاکستان کا علاقہ چترال اور دیر ملا ہوا ہے یہ علاقے زیادہ تر پہاڑوں پر مشتمل مشہور سلسلہ کوہ ہندو کش کے دامن میں واقع ہیں۔

"نورستانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ نسلاً خاندان قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تہذیب و تمدن، عادات اور مزاج اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آبائی طور پر عرب مہاجرین

ہیں۔ اس دعویٰ پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اپنی تہذیب کے لحاظ سے یہ قوم اپنے ارد گرد کے قریبی علاقوں کی قوموں سے بالکل مختلف ہے فتح مکہ کے وقت غلبہ اسلام سے خائف ہو کر (یہ بدوی) عراق میں داخل ہوئے۔ صحابہ کرام نے تعاقب کیا تو بھاگتے ہوئے کابل کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ مجاہدین اسلام جب حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کی کمان میں کابل تک آئے تو انہوں نے جلال آباد کے نواح میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد مقامی لوگوں سے تعلقات کشیدہ ہوئے تو وہاں سے فرار ہو کر ان وادیوں میں پناہ لی اور یہیں کے ہو رہے۔ لیکن اب بھی دوسرے افغانوں سے بالعموم الگ تھلگ ہی رہتے ہیں۔"

"آج سے تقریباً ایک صدی پیشتر تک یہ لوگ بت پرست تھے جنات سے امداد طلب کرتے گویا جس طرح عرب قبائل مشرک اور بت پرست تھے۔ یہی حال ان کا تھا" دشمن کے حملوں سے بچنے کے لئے انہوں نے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائی ہوئی تھیں بالآخر 1896ء میں امیر عبدالرحمٰن والئی افغانستان نے پے در پے حملے کر کے ان قبائل کو زیر کر لیا "تقریباً دو سو افراد کو اپنے ساتھ کابل لا کر ان کو دینی تعلیم دلائی اور پھر مبلغ بنا کر نورستان لا کر چھوڑ دیا۔ مگر بعض قبائل نے ان میں سے کچھ مبلغین کو قتل کر دیا۔ حکومت حرکت میں آئی تو فرار ہو کر پاکستانی علاقہ بمبورت، رمبور، گابور اور دروش کے علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے۔"

یہ تمام حالات و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ کافر قوم کا کمبوجوں سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔

باب ہشتم

عرب فتوحات۔ ابتدائی اسلامی عہد میں کمبوہ

سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ 9 ربیع الاول بروز پیر (20 اپریل 571ء کو) عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرماہوئے (سیرۃ النبیؐ علامہ شبلی جلد اول ص 163) خالق کائنات نے چالیس سال کی عمر میں آپ کو خلعتِ نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ نے اہلِ مکہ کو اسلام کی دعوت دی جس پر تمام قبائل حتیٰ کہ حضور ﷺ کے قریب ترین رشتہ دار بھی آپ کے جانی دشمن ہو گئے۔ تیرہ سال کی مسلسل اشاعت دین کے باوجود حالات اس قدر نازک ہو گئے کہ آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن اس کے بعد دس سال کے قلیل عرصہ میں آپ کی تعلیمات عالیہ اور اخلاق صالحہ کی بدولت پورا عرب آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہی حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔ 12 ربیع الاول سن 11ھ بروز دوشنبہ مطابق 8 جون 632ء حضور خاتم النبیین ﷺ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد قبائلی سرشت کے مطابق چند قبائل نے بغاوت کر دی بعض نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا۔ سب سے بڑا فتنہ جھوٹے مدعیان نبوت کا تھا۔ چنانچہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ڈھائی سالہ دور خلافت زیادہ تر فتنوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں (634ء تا 645ء) مسلمانوں نے حیرت انگیز فتوحات حاصل کر کے اسلامی حکومت کو بہت وسعت دی۔ ایران، شام اور مصر انہی کے دور میں فتح ہوئے۔ ایران کی فتح میں رے، ہمدان، طبرستان، فارس، کرمان، خراسان، سیستان، مکران، آذربائیجان، آرمینیا وغیرہ کے علاقے تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے۔ ان فتوحات سے شمال کی طرف مسلمانوں کی پیش قدمی کے لئے فضا سازگار ہو گئی۔ اگرچہ فاروق اعظمؓ کی ایرانی

فتوحات (جن کا درجہ جنگی اور سیاسی اعتبار سے یونان کے سکندر اعظم کی فتوحات سے بہت بلند ہے) کا ذکر ہماری تاریخ کے موضوع سے کافی حد تک غیر متعلق ہے لیکن سیاق کلام کی خاطر ہم یہاں صرف تین معرکوں کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

1- **جنگ قادسیہ :** بویب کے مقام پر شکست فاش کے بعد ایران میں کہرام مچ گیا۔ انہوں نے ملکہ آزرمی دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو بادشاہ بنایا اور رستم کو مجبور کیا کہ وہ خود جا کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ رستم نے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے بڑے زور شور سے تیاریاں شروع کر دیں اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر عراق کے مطیع قبائل نے بھی بغاوت کر دی۔

"حضرت عمرؓ رستم کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج کی کمان خود سنبھالنا چاہتے تھے مگر مجلس شوریٰ اس رائے کے حق میں نہ تھی اس لئے سعد بن ابی وقاصؓ کی سپہ سالاری میں مجاہدین کی ایک تازہ دم فوج بھیجی جس میں حضرت طلحہؓ حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جیسے معزز صحابہ بھی موجود تھے" امیر المومنین کے سفیر کو شاہ ایران نے حقارت سے جواب دئے اور کہا "جاؤ ہمیں تمہاری شرائط منظور نہیں۔ رستم آ رہا ہے وہ تم سب کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دیگا" "رستم کے پاس ایک لاکھ بیس ہزار فوج تھی مگر وہ مسلمانوں کا سامنا کرنے سے گریز کرتا تھا" دو دن گھمسان کی جنگ ہوئی "پہلے روز ایرانی ہاتھیوں نے مسلمانوں کا بڑا نقصان کیا دوسرے دن عربوں نے اونٹوں کو کالے برقعے پہنا کر ہیبت ناک بنا دیا۔ میدان عربوں کے ہاتھ رہا۔

تیسرے دن مسلمانوں نے ہاتھیوں پر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ وہ بد حواس ہو کر اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے "چوتھے روز ایرانی فوج میں پسپائی کے آثار نظر آئے تو رستم خود مقابلے کے لئے آیا مگر زخم کھا کر بھاگ چلا کہ نہر میں کود کر جان بچا لے مگر بلال نامی ایک مسلمان غلام نے پانی سے باہر کھینچ کر قتل کر دیا۔" ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی اور ان کے تیس ہزار آدمی میدان جنگ میں کام آئے۔"
(تاریخ اسلام مرتبہ ڈاکٹر حمید الدین ص 110 تا 112)

2- **فتح مدائن :** قادسیہ کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ آس پاس کے سرداروں کو مطیع

کرتے ہوئے ایران کے پایہ تخت مدائن کی طرف بڑھے۔ راستے میں دریائے دجلہ حائل تھا ایرانیوں نے پل توڑ دیا مگر حضرت سعدؓ نے بلا تامل اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ باقی مجاہدین نے ان کی پیروی کی اور اسلامی فوج باتوں باتوں میں پار اتر گئی۔ ایرانیوں نے یہ تماشا دیکھا تو چلا اٹھے "دیواں آمدند۔ دیواں آمدند" چنانچہ شہر بلا مزاحمت حضرت سعدؓ کے حوالے کر دیا (تاریخ اسلام ص 112)

3- معرکہ نہاوند: شاہ ایران شہر شہر بھاگتا پھر رہا تھا۔ خوزستان کی فتح کے بعد اس نے ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جرار نہاوند روانہ کیا اتنی بڑی تازہ دم فوج کا مقابلہ آسان کام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود مجلس شوریٰ نے ایک بار پھر آپ کو میدان جنگ میں جانے سے منع کیا تو حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرنؓ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ نہایت خونریز جنگ ہوئی حضرت نعمانؓ شہید ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کو وہ فتح نصیب ہوئی کہ ایرانیوں کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور یکے بعد دیگرے وہ تمام شہر فتح ہو گئے جن کا ہم نے اوپر دوسرے پیراگراف میں ذکر کیا ہے۔ (تاریخ اسلام ص 113)

حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دور اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں نے بحری راستہ سے بلوچستان اور سندھ کی بندرگاہوں پر فوج کشی کی۔ بحرین کے گورنر نے عمان کے راستے ایک بحری بیڑا روانہ کیا جس نے تھانہ (ضلع بمبئی) اور بھروچ پر حملہ کیا ایک دوسرا بیڑا مغیرہ بن ابی العاص کے تحت سندھ کی بندرگاہ دیبل پر حملہ آور ہوا لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے ہندوستان پر باقاعدہ حملہ کی اجازت نہ دی اور یہ مہمات واپس ساحل مکران پر آ گئیں۔

ہم پچھلے ابواب میں بیان کر آئے ہیں کہ کمبوہ قوم وقتاً فوقتاً کبھی تلاش معاش کے سلسلہ میں، کبھی فوجی مہمات میں حصہ لینے کی غرض سے اور کبھی بیرونی حملہ آوروں کے دباؤ کی وجہ سے اپنے اصلی وطن سے نقل مکانی کرتی رہی ہے۔ تاریخی واقعات کی رُو سے یہ سلسلہ جنگ مہابھارت سے بھی بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ یہ لوگ جن علاقوں میں آئے عام طور پر وہیں کے ہو کر رہ گئے چنانچہ ان کی کثیر تعداد کابل، غزنی، گندھارا ہوتی ہوئی سیستان، چترال، کشمیر، پنجاب اور اس سے آگے بڑھ کر سندھ، مہاراشٹر، جنوبی اور شمالی ہند کے علاوہ بہار اور بنگال تک پہنچ گئی اور ملک کمبوج

تخار قوم کے غلبہ کی وجہ سے تخارستان کے نام سے مشہور ہو گیا۔
حضرت عثمانؓ کے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ایران کے کئی مفتوحہ علاقوں میں بغاوت کے آثار پیدا ہونے لگے ایران کا مفرور بادشاہ یزدگرد ابھی زندہ تھا اس نے اپنی سلطنت کی بازیابی کے لئے کوششیں تیز کر دیں۔ ابن عامر حاکم بصرہ اور سعید بن العاص حاکم کوفہ نے بالترتیب فارس اور طبرستان کی بغاوتوں کو کچل ڈالا اس کے بعد خراسان اور نیشاپور پر دوبارہ تسلط حاصل کیا یزدگرد نیشاپور میں تھا وہ مایوسی کے عالم میں فرار ہونے لگا تھا کہ ایک دیہاتی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد ابن عامر کے سرداروں نے تخارستان' غزنی اور کابل فتح کر کے ہندوستان کی سرحد تک کا علاقہ زیر نگیں کر لیا۔
ایران کے مشرق میں عربوں نے جو علاقے فتح کئے وہ مرکز سے کافی دور تھے ان پر اپنی حکومت قائم کرنے کی بجائے عرب سردار وہاں کے حکام کو ہی اطاعت اور فرمانبرداری کے وعدے پر حکومت سونپ دیتے تھے۔ جن علاقوں میں اپنے عمال مقرر بھی کئے۔ وہاں ملکی نظم و نسق قائم رکھنا تو درکنار خود ان کی حفاظت کے لئے معقول تعداد میں فوج میسر نہ تھی۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ موقع ملتے ہی مقامی حکام اور سردار خود مختاری کا اعلان کر دیتے چنانچہ امیر معاویہؓ کے عہد حکومت میں ایک بار پھر ہندوستان پر فوج کشی ہوئی۔ ایک فوج کابل کو فتح کرتی ہوئی درۂ خیبر کی راہ سے سرزمین ہند میں داخل ہوئی اور دوسری براستہ مکران سندھ پر حملہ آور ہوئی۔ اسی اثناء میں مسلمانوں نے خونریز لڑائی کے بعد قندھار پر بھی قبضہ کر لیا۔ کافر لوگ غالباً" اسی زمانہ میں یہاں سے بھاگ کر وادی کیلاش میں آباد ہوئے ہوں گے۔
اگرچہ ہنوں کے حملوں کے بعد شک اور کمبوج اقوام کو کابل اور قندھار خالی کر کے سیستان' صوبہ سرحد اور پنجاب میں پناہ لینا پڑی تھی مگر قرائن بتاتے ہیں کہ حالات سازگار ہوتے ہی انکے کچھ لوگ دوبارہ کابل اور اس کے جنوبی حصوں میں جا بسے ہونگے۔ سیستان میں کمبوہوں کی ایک معقول تعداد آباد تھی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں سیستان فتح کرنے کے بعد خراج کی ادائیگی کی شرط پر یہاں کی ترک حکومت بحال کر دی گئی تھی۔ مگر 74ھ (693ء) میں وہاں کا ترک جرنیل زنبیل باغی ہو گیا۔ سیستان دشوار گزار پہاڑی علاقہ تھا۔ حاکم خراسان کو اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔

زنبیل نے اسے روکنے کی بجائے آگے بڑھنے دیا حتیٰ کہ وہ پہاڑوں کے درمیان اس طرح گھر گیا کہ "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" والی بات ہو گئی۔ آئندہ کے لئے حملہ نہ کرنے کی شرط پر صلح ہو گئی۔ 78ھ میں حجاج بن یوسف نے عبیداللہ بن بکر کو سیستان پر چڑھائی کا حکم دیا مگر زنبیل نے پھر وہی چال چلی اور عبیداللہ نے 7 لاکھ درہم دے کر جان چھڑائی۔ 80ھ میں حجاج نے اپنے مشہور جرنیل عبدالرحمن بن اشعث کو سیستان فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ابن اشعث نے دو سابقہ شکستوں کے اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے نئی حکمت عملی اختیار کی جس سے زنبیل اطاعت پر مجبور ہو گیا۔ مگر ابن اشعث نے اس کی معذرت قبول نہ کی اور اپنے حسن تدبر سے سیستان کا بہت سا علاقہ فتح کر لیا۔ گو سیستان ملک کبوج کی طرح سرسبز و شاداب نہ تھا۔ مگر دشوار گزار پہاڑوں' دروں اور ندی نالوں کے لحاظ سے اس خطہ میں کافی مشابہت تھی اسلئے ساکا قوم کے ساتھ کبوہ بھی کافی تعداد میں یہاں آ کر بس گئے تھے۔ ترکوں کے تسلط کے بعد وہ کہیں اور چلے گئے یا یہیں مقیم رہے اس کا تاحال کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

لیفٹیننٹ کرنل جیمز ٹاڈ نے راجستھان اور راجپوت قوم کے متعلق سالہا سال کی انتھک محنت سے بہت سی نادر اور قیمتی معلومات حاصل کیں اور ان کو یکجا کر کے کتابی صورت میں پیش کیا لیکن کئی مقامات پر بے سروپا اور من گھڑت باتیں لکھ کر ایک محقق یا مؤرخ کے طور پر اپنی شخصیت کو متنازعہ بنا لیا اور اپنی تحقیقات کی ثقاہت' معیار مطلوبہ تک نہ رکھ پائے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر مؤرخین کرنل ٹاڈ کو "راجپوتوں کا بھانڈ" تصور کرتے ہیں۔ منشی دوار کا پرشاد افق لکھنوی کے قول کے مطابق ٹاڈ نے اوٹ پٹانگ' بے تکی' جھوٹی' برانڈی کے نشے میں باتیں بھی کتاب میں بھر دی ہیں۔ منجملہ ریاست جیسلمیر کی تاریخ بھی ہے جس کا وجود عنقا ہے اور بقول چوہدری وہاب الدین ریاست جیسلمیر کی تاریخ معلوم نہیں "ٹاڈ صاحب کو کہاں سے ہاتھ آ گئی جس کا انہوں نے ہم غریب ہندوستانیوں کو درشن بھی نہیں کرایا بلکہ اپنی جیب میں رکھ کر اس کو فرنگستان میں لے گئے پھر اپنے گوروں بھائیوں کو بھی اس کے دیدار سے محروم رکھا" (تاریخ کمبوہاں حاشیہ ص 77)

ماسٹر ہربنس سنگھ تھند نے کامبوج اتہاس میں اور ماسٹر جگن ناتھ ایم اے نے

کمبوج اتہاس میں سفید جھوٹ کا ایک شاہکار ہے کی بیان کردہ تاریخ جیسلمیر کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ اس کا ذکر مناسب تو نہ تھا لیکن اول کمبوہ قوم کی دو تاریخوں میں اسے بیان کیا گیا ہے دوسرے تفنن طبع کے لئے ہی سہی ہم اس کا من و عن ترجمہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں عنوان ہے' افغانستان میں کمبوج راج " متن میں لکھا ہے۔

"سن 654ء کے قریب مسلمان بادشاہوں (46) نے کابل کے کمبوہ راجہ سباہو (SOBAHO) پر پہلا حملہ کیا دونوں میں کوئی فتح یاب نہ ہو سکا۔

"کچھ عرصہ بعد سباہو وفات پا گیا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے وجھ یا وجے کو حکومت ملی۔ وجے ایک طاقتور راجہ تھا۔ مسلمان بادشاہوں نے سردار فرید شاہ خراسانی سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک بھاری فوج حملہ کرنے کے لئے بھیجی۔ دونوں افواج کا مقابلہ گنج نامی مقام پر ہوا' بڑی خوفناک جنگ ہوئی۔ اس لڑائی میں تیس ہزار مسلمان فوج اور چار ہزار کمبوج سپاہی مارے گئے۔ راجہ وجے بھی زخمی ہوا لیکن

---

(46) حوالہ جات کی متابعت میں بعض جگہ سن ہجری لکھے گئے ہیں اور بعض جگہ سن عیسوی۔ قارئین کی سہولت کے لئے ہم بعض اہم واقعات کے دونوں سن درج کر رہے ہیں۔
حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ خلافت = 13 تا 24 ہجری مطابق 634ء تا 645 جنگ قادسیہ 14ھ (635ء) حضرت عثمانؓ کا دور خلافت = 24 تا 35 ھ مطابق 645 تا 656ء آرمینیا اور آذربائیجان کی سرکشی اور دوبارہ اطاعت 25ھ (646ء) اسی عہد میں خراسان دوبارہ فتح ہوا۔ ابن عامر کی سرکردگی میں تخارستان' سیستان اور کابل کی فتح - خلافت حضرت علیؓ 35 تا 40 ھ (656 تا 660ء) حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت 41ھ تا 60 ھ (661 تا 680ء) مہلب کی سرکردگی میں کابل سے بڑھ کر درہ خیبر کے راستے ہندوستان پر حملہ اور قندھار کی فتح۔ اہل روم کے ساتھ جنگیں - واقعہ کربلا 61ھ (681ء) عبدالملک بن مروان 65 ھ تا 86 ھ (684ء تا 705ء) رومیوں سے لڑائیاں - ترکستان اور سیستان کی فتح 74ھ (693ء) اور 80ھ (699ء) ولید بن عبدالملک 86 تا 96ھ (705 تا 715ء) بخارا' سمرقند اور چین کی فتح' سپین پر قبضہ' فتح سندھ 92ھ (711ء) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ 99 تا 101 ھ (717 تا 719ء) سپین کے بعد فرانس پر حملہ=

نوٹ : 654ء حضرت عثمانؓ کا دور خلافت تھا۔ مسلمانوں کا 680ء تک کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اس حقیقت کو تمام مغربی مؤرخین اور مستشرقین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں کہیں کوئی مبالغہ یا صداقت کا اخفا نہیں ہے۔ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد سربراہان مملکت خلیفہ ہی کہلاتے تھے مگر جمہوریت کا رنگ ختم ہو گیا تھا۔

فتح کمبوج افواج کی ہوئی۔ اس جنگ کے بعد بھی راجہ وجے نے بارہ سال تک کابل پر حکومت کی۔

"مہاراجہ وجے کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا گز' کابل کا راجہ بنا۔ ادھر شاہ خراسان نے دو مرتبہ کمبوہ راجاؤں سے شکست کھا کر بادشاہ روم سے مدد طلب کی اور شاہ روم سے ملک کابل میں اشاعت اسلام کی خواہش کا بھی اظہار کیا۔ اس نے جہاد کے لئے لوگوں کو بھڑکایا۔ راجہ گز نے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے غزنی شہر سے سات کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قلعہ گڑھ گز نام سے تعمیر کرانا شروع کیا۔ ابھی قلعہ کی تعمیر مکمل نہ ہوئی تھی کہ خراسان اور روم کے بادشاہ چڑھائی کر کے آ گئے گڑھ سے 20 کلومیٹر دور دلھاپور میں گھمسان کی جنگ ہوئی راجہ گز نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان کی فوجیں میدان سے فرار ہو گئیں۔ شاہ روم بھی میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اس جنگ میں سات ہزار کمبوہ نوجوان اور 25 ہزار دشمن کے فوجی مارے گئے فتح راجہ گز کی ہوئی۔

"اس کے بعد راجہ گز نے کئی مغربی ممالک کو فتح کیا۔ کشمیر کے راجہ کمدوھ (Kammdudh) کو اطاعت گزاری کے لئے کہا جواب نہ ملنے پر راجہ گز نے کشمیر پر چڑھائی کر دی اسے شکست دے کر اس کی بیٹی سے شادی کر لی۔ گز کے ہاں سالباہن نام کا بیٹا پیدا ہوا۔ ابھی راجکمار بارہ سال کا تھا کہ خراسانیوں نے کابل پر پھر چڑھائی کر دی۔ راجہ گز نے راجکمار سالباہن' رانیوں اور امیروں کو تھوڑی سی فوج کے ہمراہ پنجاب میں بھیج دیا۔ اب راجہ گز ان سے آخری فیصلہ کن جنگ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے گز نے قلعہ غزنی کو اپنے چچا سدیو کے حوالے کر دیا اور خود کمبوج فوج کی سربراہی کرتا ہوا لڑائی کے میدان میں چلا گیا۔

"خراسانی فوجوں نے کمبوجوں پر پانچ طرف سے حملہ کیا اس خوفناک لڑائی میں راجہ گز اور شاہ خراسان دونوں مارے گئے۔ صرف پندرہ گھنٹے کی جنگ میں ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے اور تیس ہزار ہندو کمبوج سورگ سدھار گئے۔ جیت کمبوجوں کی ہوئی۔

"کچھ عرصہ بعد شاہ خراسان کے بیٹے نے غزنی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ 30 دن محاصرہ جاری رہا۔ گز کے چچا سدیو نے بڑی جوانمردی سے جنگ لڑی۔ انجام کار مسلمانوں نے

سن 725ء میں کئی ملکوں کی افواج کی مدد سے گڑھ غزنی پر قبضہ کر لیا۔

"راجکمار سالباہن اپنے رشتہ داروں کے پاس پنجاب میں آگیا تھابالغ ہونے پر اس نے پنجاب میں اپنا راج قائم کر لیا۔ اس نے سیالکوٹ کے شہر کو آباد کیا پھر راجہ سالباہن نے گڑھ غزنی پر چڑھائی کردی وہ اپنے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا دشمن کی کئی ہزار فوج مقابلے میں آکھڑی ہوئی بڑا گھمسان کا رن پڑا مگر فتح راجہ سالباہن کی ہوئی اس نے غزنی پر قبضہ کر لیا مگر یہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ راجہ سالباہن کی حکومت کا آگے چل کر کیا بنا' تاریخی لحاظ سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس طرح گڑھ گجنی کی حکومت کھو کر کمبوج آہستہ آہستہ پورے پنجاب بالخصوص ضلع کرنال وغیرہ علاقوں میں پھیل گئے۔ وہاں سے ان کا نکاس دوسرے علاقوں میں ہوتا رہا۔" فقط

شاید کرنل ﷺ اس کے بعد یہ لکھنا بھول گئے کہ "اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی' کیونکہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو لکھا افسانہ ہے" زیادہ افسوس ہمیں بھارتی کمبوہ بھائیوں پر ہے۔ جو سوچ سمجھے بغیر ﷺ کے جال میں پھنس گئے۔ ہم ان بھائیوں کی نیت پر شک نہیں کر رہے مگر تاریخ کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں۔

اس بے بنیاد افسانہ کے جواب میں محض اتمام حجت کے لئے اصل واقعات کا تذکرہ پیش قارئین ہے۔

(1) مکران' سیستان' ایران' آذربائیجان' آرمینیا' شام' مصر وغیرہ بہت سے ممالک سن 645ء سے پہلے خلیفہء ثانی حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہو چکے تھے۔ ان دو درجن سے زیادہ معرکوں میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد بیس ہزار سے بھی کم تھی۔ جبکہ یہاں صرف تین لڑائیوں میں ایک لاکھ پچپن ہزار مسلمان شہید بتائے گئے ہیں اور مقابلہ میں مرنے والے کمبوہوں کی تعداد اکتالیس ہزار لکھی ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ایک لڑائی کے سپاہ سالاروں' سرداروں اور معروف جانبازوں کے نام اور شہدا کی تعداد تک موجود ہے۔

(2) حضرت عثمانؓ (645ء تا 656ء) کے دور خلافت میں مختلف صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں۔ فارس اور خراسان کی بغاوت حاکم بصرہ ابن عامر نے فرو کی اور دونوں جگہ نئے حاکم مقرر کئے۔ ظاہر ہے والئی خراساں تو خود باغی ہو گیا تھا اور مسلمانوں کے ہاتھوں

شکست کھا کر معزول ہو چکا تھا وہ کابل پر کس طرح حملہ کر سکتا تھا؟ جب ابن عامر خراسان کا گورنر مقرر ہوا تو اس کے سرداروں نے کرمان' غزنی' کابل' تخارستان (سابق کمبوج) فتح کر کے ہندوستان کی مغربی سرحد تک کا علاقہ زیر نگیں کر لیا یہ تمام علاقے 654ء سے پہلے مسلمانوں کے قبضہ میں آچکے تھے۔

(3) ساکا' کمبوج' پارتھین ' یوچی وغیرہ اقوام یکے بعد دیگرے اپنے علاقے خالی کر کے پانچویں صدی عیسوی سے بہت پہلے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں سکونت اختیار کر چکی تھیں۔ سب سے آخر میں آنے والے ہن پانچویں صدی کے آخر میں بلائے بے درماں بن کر ان اقوام کو آگے دھکیلتے ہوئے اور بعض کو محکوم بناتے ہوئے پنجاب پر قابض ہوئے۔ اس لئے ساتویں صدی میں کابل اور غزنی پر کمبوجوں کی حکومت خارج از بحث ہے۔ اس زمانے میں کابل' غزنی اور اس سے بھی آگے سیستان پر ترک حکمرانی کرتے تھے جہاں تک کمبوہ راجہ گز (یا گج) کے غزنی کے قریب قلعہ گزھ گجنی آباد کرنے کا تعلق ہے اسی قسم کا دعوی نون خاندان والے بھی کرتے ہیں۔ (47)

(4) روم کا بادشاہ عیسائی تھا۔ رومیوں اور مسلمانوں میں آغاز اسلام سے ہی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ روم کے بادشاہ کا اسلام کی خاطر جہاد میں شامل ہونا مضحکہ خیز ہے۔

(5) مسلمانوں کی (حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے مابین) خانہ جنگی کی خبریں سن کر بعض ممالک باغی ہو گئے تھے۔ اسلئے امیر معاویہؓ کے دور میں سپہ سالار مہلب نے قندھار' کابل وغیرہ دوبارہ فتح کئے اور درہ خیبر تک پہنچ گیا بعض کے مطابق وہ ملتان تک آگیا تھا۔

(6) خراسان خود مختار ریاست نہ تھی بلکہ صوبہ عراق کے ماتحت تھی۔ عراق کا گورنر خلیفہ کے حکم سے کرمان' سیستان' سندھ اور خراسان کے لئے حاکم مقرر کرتا تھا جو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ کابل اور غزنی کا کنٹرول براہ راست حاکم بصرہ (عراق) کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔

---

(47) تاریخ قوم راجپوت ص 67 پر تحریر ہے "نون بھٹی راجپوتوں کی شاخ ہیں۔ ان کا مورث اعلیٰ راجہ گج یا گج پت بھٹی تھا جس نے موجودہ راولپنڈی کے قریب گجنی یا غزنی کا شہر تعمیر کرایا تھا بعد ازاں خراسان کے حملہ آوروں کے ہاتھوں مارا گیا"۔

(7) 694ء سے 714ء تک حجاج بن یوسف عراق کا حاکم تھا وہ نہایت سفاک اور جفا جو تھا مگر زبردست منتظم بھی تھا۔ ہر مہم پر کڑی نظر رکھتا تھا چنانچہ:

(i) جب قتیبہ بن مسلم چین کی دو لاکھ فوج کو شکست دے کر بخارا پر حملہ آور ہوا اور محاصرہ نے طول پکڑا تو حجاج نے نقشہ منگوا کر خود ہدایات دیں اور قتیبہ نے اہل بخارا' ترکوں اور سغدیوں کی متحدہ افواج کو شکست دی۔

(ii) سندھ کے راجہ داہر نے عرب عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا تو محمد بن قاسم کو داہر کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس کی مختصر سی (15 ہزار) فوج نے قلیل عرصہ میں پورا سندھ اور پنجاب فتح کر لیا۔ حجاج کے عہد میں غزنی اور کابل میں ایک مرتبہ 25 ہزار اور دوسری مرتبہ ایک لاکھ مسلمانوں کا شہید ہونا تو درکنار ایک ہزار مسلمان بھی شہید ہو جاتے تو حجاج دشمن سے ایسا سنگین بدلہ لیتا کہ تاریخ میں یادگار رہتا۔

(8) سیالکوٹ حضرت مسیح سے کئی سو سال پہلے سیاسی' علمی اور تجارتی مرکز تھا اسے راجہ رسالو بھٹی راجپوت کے باپ راجہ سالباہن نے آباد کیا تھا (تاریخ قوم راجپوت ص 65) جبکہ مسٹر ٹاڈ کا فرضی راجہ سالباہن کمبوہ آٹھویں صدی عیسوی میں تھا۔

مذکورہ تجزیہ سے صاف عیاں ہے کہ ساتویں آٹھویں صدی میں کابل یا غزنی میں ایسی کوئی مستحکم حکومت نہ تھی جو عربوں سے ٹکر لے سکتی۔ ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا ہوتا تو ٹاڈ کے علاوہ دس بیس نہ سہی ایک آدھ مورخ نے تو اس کا ذکر کیا ہوتا۔ کابل پہلے 654ء میں بغیر کسی مزاحمت کے فتح کیا گیا اس کے بعد دو مرتبہ بغاوت ہوئی تو پہلے مہلب نے اور پھر قتیبہ نے آسانی سے اسے فرو کیا۔ (48)

---

(48) تاریخ سے ظاہر ہے کہ مہلب (فاتح قندھار' غزنی کابل وغیرہ) جب باغی حکمرانوں کی سرکوبی سے فارغ ہوا تو اسے حاکم خراسان مقرر کر دیا گیا اسی سے مرعوب ہو کر وسط ایشیا کے بہت سے امراء نے بھی اطاعت کر لی بعد میں جب مصری سردار قتیبہ بن مسلم خراسان کا حاکم مقرر ہوا۔ تو اس نے اردگرد کے باغی سرداروں کی سرکوبی کر کے خاقان چین کو اطاعت پر مجبور کیا اور ترکستان' بخارا' سمرقند وغیرہ فتح کئے۔ اب مہلب اور قتیبہ ہی وہ حاکمان خراسان ہو سکتے ہیں جن کو کرنل ٹاڈ نے غزنی اور کابل کے "کمبوہ حکمرانوں" کے ہاتھوں عبرت ناک شکست سے دوچار کرنے کا افسانہ تراش کر پیش کیا۔ اور سادہ لوحوں نے اسے درست تسلیم کر لیا۔

تاریخ کمبوہاں ص 162 پر مہلب حاکم خراسان کو حاکم کابل لکھا ہے۔ مہلب نے کابل فتح ضرور کیا تھا مگر خراج کی ادائیگی اور اطاعت گزاری کے وعدے پر حکومت سابق ترک حکمران کو واپس کر دی تھی۔

فصل دوم

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد

فتح سندھ :- زمانہ قدیم سے بحری راستوں کے ذریعے عربوں کا ہندوستان سے تجارتی رابطہ قائم رہا ہے۔ مکران کے ساحل سے لے کر جنوب مغربی ہند اور سری لنکا بلکہ اس سے بھی آگے تک کے ساحلی علاقوں سے وہ لوگ تجارت کا سامان لاتے اور لے جاتے تھے انہی تاجروں کے تعاون سے مہاراشٹر کے کمبوہ بھی ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع تجارتی منڈیوں سے کاروبار کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں کچھ مسلمان تاجر سری لنکا میں جا کر آباد ہو گئے ایک مرتبہ عرب تاجروں کا ایک جہاز جس میں زیادہ تر عورتیں اور بچے سوار تھے جزائر لنکا سے عرب جا رہا تھا کہ دیبل کی بندرگاہ کے قریب (دیبل کراچی کے نواح میں واقع تھا) سندھ کے بحری قزاقوں نے حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ ولید بن عبدالملک کے عراق میں متعین گورنر حجاج بن یوسف ثقفی کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے داہر کو لکھا کہ مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور خواتین اور بچوں کو بحفاظت بصرہ بھیج دیا جائے۔ راجہ داہر نے جواب دیا کہ بحری قزاق میرے قابو سے باہر ہیں اس لئے آپ خود آ کر ان سے نپٹ لیں' (بعد کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ تمام خواتین اور بچے دیبل میں راجہ داہر کی اپنی قید میں تھے) حجاج نے دو مہمات راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے روانہ کیں مگر ان کو شکست فاش ہوئی اور ان کے سپہ سالار مارے گئے۔ اب حجاج نے اپنے داماد عماد الدین محمد بن قاسم کو جس کی عمر سترہ سال تھی مگر اپنی شجاعت کے باعث اس کا شمار نامور سپہ سالاروں میں ہوتا تھا سندھ پر لشکر کشی کا حکم دیا اس وقت سندھ کی عمل داری میں موجودہ مغربی پنجاب کا بڑا حصہ اور بلوچستان اور مکران کے مشرقی حصے بھی شامل تھے۔ انتظامی سہولت کے لئے کل مملکت چار حصوں میں منقسم تھی (1) سیوان (2) برہمن آباد (3) اُچھ (4) ملتان۔ دارالحکومت موجودہ سکھر کے قریب

اروڑ (یارلوڑ) تھا (آب کوثر ص 21)

محمد بن قاسم چھ ہزار گھڑ سوار اور چھ ہزار شتر سوار فوج لے کر چلا راستے میں اسے والئی مکران سے بھی کمک مل گئی اس نے 711ء میں 15 ہزار فوج کے ساتھ دیبل پر حملہ کر دیا۔ ایک ماہ کے طویل محاصرہ کے بعد شہر فتح ہو گیا اور قیدی عورتوں اور بچوں کو رہائی ملی۔ اس کے بعد محمد بن قاسم حیدر آباد کی طرف بڑھا وہاں کے حاکم نے لڑائی کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر سیوان کی باری آئی جہاں داہر کا بھتیجا حاکم تھا اس نے مزاحمت کی مگر وہاں کے لوگوں نے بغاوت کر کے محمد بن قاسم سے صلح کر لی۔ آگے راجہ داہر نے دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر 50 ہزار فوج کے ساتھ محمد بن قاسم کا راستہ روک لیا بڑی خون ریز لڑائی ہوئی آخر داہر اور اس کے بیٹے جے سنگھ کو شکست فاش ہوئی داہر مارا گیا جواں ہمت سپاہ سالار برہمن آباد اور اروڑ فتح کرتا ہوا ملتان پر حملہ آور ہوا۔ 731ء میں سخت مقابلہ کے بعد ملتان بھی فتح کر لیا۔

ملتان کی فتح کے بعد داہر کی حکومت کا تقریباً" خاتمہ ہو گیا۔ تاہم سیاسی اور انتظامی لحاظ سے پنجاب کا باقی حصہ بھی زیر تسلط لانا ضروری تھا۔ سندھ کے مقابلہ میں پنجاب زیادہ عریض ہے اس لئے محمد بن قاسم نے وسطی پنجاب فتح کرنے کے لئے خود کمان سنبھالی اور دائیں بائیں یعنی گرد و نواح کی حکومتوں کو زیر کرنے کے لئے مختلف سرداروں کی ماتحتی میں الگ فوجی دستے روانہ کئے۔

جیسا کہ گزشتہ باب میں ذکر کیا جا چکا ہے ملتان کی شمال مشرقی سمت کھوتے وال خاصی مستحکم ریاست تھی جہاں کے راجہ سدھ پال کمبوہ نے ملتان کی جنگ میں محمد بن قاسم کے خلاف راجہ ملتان کی کمک کے لئے فوج بھیجی تھی اس لئے ملتان سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نے اپنے ایک سردار ابن العاص کے ذریعے اس ریاست کو بھی مغلوب کر لیا۔

محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ ملک گیری کی ہوس کا نتیجہ نہ تھا بلکہ راجہ داہر کے ظلم و ستم کے خلاف انضباطی اقدام تھا۔ داہر نے بے گناہ مسلمان خواتین اور بچوں کو قید کیا اور رہا کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ان کو رہائی دلانے کے لئے آنے والی افواج کے نامور سپہ سالاروں عبیداللہ اسلمی اور بدیل کو بیدردی سے قتل کیا۔ چچ نامہ

میں محمد بن قاسم پر ہندوؤں کے ساتھ نازیبا سلوک کرنے کے الزامات عائد کئے گئے ہیں اس کے برعکس ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں:

"مسلمان فاتح نے مفتوحوں کے ساتھ دانشمندی اور فیاضی کا سلوک کیا' مال گزاری کا پرانا نظام قائم رہنے دیا اور قدیمی ملازموں کو بحال رکھا۔ ہندو پجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پوجا کرنے کی اجازت دی ان پر ایک خفیف سا محصول عاید کیا جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا زمینداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ مندروں اور برہمنوں کو حسب سابق محاصل ادا کرتے رہیں" (مختصر تاریخ اہل ہند انگریزی ص 122-123)

گوجر قوم کے مؤرخ علی حسن چوہان نے چچ نامہ کے بیانات کی پر زور تائید کرتے ہوئے محمد بن قاسم کے خلاف رکیک زبان استعمال کی ہے۔ سردار ہربنس سنگھ اور ماسٹر جگن ناتھ نے اپنی کتاب میں "پنجاب میں کمبوج راج" کے زیر عنوان مضمون میں بعض باتیں حقائق کے خلاف لکھی ہیں گو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں مگر ان سے تاریخی واقعات کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً"

(1) "محمد بن قاسم بصرہ کا حاکم تھا" حقیقت یہ ہے کہ وہ حاکم بصرہ حجاج بن یوسف کا داماد اور اس کی فوج کا سترہ سالہ نوجوان سردار تھا۔

(2) "راجہ مہی پال اور اس کا بیٹا ملتان کے حاکم تھے"۔

(3) "کہوتے وال کا قلعہ ملتان کے نواح میں تھا" اصل بات یہ ہے کہ مہی پال وغیرہ ملتان کے نہیں کہوتے وال کے حاکم تھے جو ضلع وہاڑی کی آخری شمالی تحصیل بورے والا کے نواح میں ملتان سے ڈیڑھ پونے دو سو کلو میٹر دور ہے۔

(4) "کہوتے وال پر محمد بن قاسم نے حملہ کیا تھا" یہ حملہ ابن قاسم کے ایک سردار ابن العاص نے کیا تھا۔

غزنوی اور غوری: تاریخ میں ساتویں صدی سے غزنی اور کابل پر ترک بادشاہوں کی حکمرانی کا پتہ چلتا ہے مسلمان مؤرخ اس خاندان کو ترک شاہیہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ نویں صدی عیسوی کے شروع میں ترک شاہیہ حکمران کے برہمن وزیراعظم کلر (Kallar) نے بغاوت کر کے ہندو شاہیہ خاندان کی بنیاد رکھی 871ء میں

عرب جرنیل یعقوب نے حملہ کر کے ہندو شاہی راجہ کو مار بھگایا وہ لوگ پہلے گردیز' پھر ملتان اور آخر میں دیہبند میں اپنا دارالحکومت منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ للیا اور راجہ بھیم اس خاندان کے مشہور حکمران تھے۔ دسویں صدی میں ان کی حکومت افغانستان کے علاقوں سے ختم ہو کر پنجاب تک محدود ہو گئی۔ گیارہویں صدی کے شروع میں اس خاندان کے مشہور بادشاہ جے پال اور پھر اس کے بیٹے انندپال کو سلطان محمود غزنوی نے پے درپے شکست دی حالانکہ ان جنگوں میں تمیں ہزار گکھڑوں اور ملتان کے قرامطی حاکم ابوالفتح داؤد نے بھی جے پال کی مدد کی تھی (تاریخ پنجاب اکرام علی ملک ص 33 تا 36) جے پال اور انندپال کی مدد کرنے والوں میں کمبوہ افواج کی شمولیت کا بھی پتہ چلتا ہے مگر ان کا راجہ یا سربراہ کون تھا اور یہ کس علاقے میں حکمران تھے اس بارے میں تاریخ یا روایات سے کوئی معلومات میسر نہیں۔

انندپال کی وفات کے بعد اس کے بیٹے تری لوچن پال نے اپنا مستقر سرہند کو بنایا اور ملک بھر کے راجاؤں کا ایک متحدہ محاذ بنا کر سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ اور اس کا بیٹا ۔ بھیم پال ناکام رہے اور اس طرح بالآخر اس ہندو شاہیہ خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ کمبوہ برادری کی تاریخوں میں کابل پر کمبوہ قوم کے ایک ہزار سال تک قابض رہنے اور حکمرانی کرنے کے بلند بانگ دعوے موجود ہیں مگر یہ کسی ٹھوس شہادت پر مبنی نہیں صرف قیاسات ہیں۔ ہمیں تاحال ایسا کوئی معتبر اور مستند تاریخی یا ادبی ذریعہ نہیں مل سکا جس سے ہم اس دعویٰ کی تائید کر سکیں البتہ جہاں جے پال اور انندپال کی حمایت پر کمبوہ فوجیوں کی موجودگی مسلمہ ہے وہاں بعض ذرائع کا بیان ہے کہ کابل کے کچھ مسلمان کمبوہ محمود غزنوی کی فوج میں پنجاب بالخصوص ملتان آ کر واپس جانے کی بجائے یہیں اقامت گزین ہو گئے تھے۔

سلطان محمود کے تقریباً ڈیڑھ دو سو سال بعد غوریوں نے غزنی اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ سلطان غیاث الدین غوری نے اپنے چھوٹے بھائی معز الدین کو (جو ہماری تاریخ میں شہاب الدین محمد غوری کے نام سے مشہور ہے) 1173ء میں غزنی اور کابل کا گورنر بنا کر حکمرانی کے تمام اختیارات تفویض کر دیئے۔ محمد غوری پہلے پنجاب کی طرف متوجہ ہوا جہاں اس نے یکے بعد دیگرے کئی حملوں میں پشاور' لاہور' سیالکوٹ' ملتان اور اوچہ

قبضہ کر لیا۔ والئے لاہور خسرو ملک غزنوی خاندان کا دم بھرتا تھا۔ اس نے گکھڑوں کی مدد سے سیالکوٹ پر قبضہ کر لیا۔ محمد غوری ان کی طرف متوجہ ہوا اور ان کو شکست دے کر لاہور دوبارہ اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اسی دوران میں دہلی اور اجمیر کے راجہ پرتھوی راج چوہان نے جو رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے غزنویوں سے ہانسی (ضلع حصار) اور بھٹنڈہ کے علاقے چھین کر یہاں مضبوط قلعے قائم کر لئے تھے۔ محمد غوری خود کو غزنویوں کا وارث سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے 91-1190ء میں بھٹنڈہ پر قبضہ کر لیا۔ محمد غوری نے غزنوی خاندان کے تمام حکمرانوں کو ختم کر کے اپنے حاکم مقرر کر دیئے تھے تاکہ کسی جگہ پر سرکشی کا خدشہ باقی نہ رہے۔

اس تمام صورت حال نے راجہ پرتھوی راج کو چوکنا کر دیا اس نے اندازہ لگا لیا کہ محمد غوری کے عزائم محمود غزنوی سے بالکل مختلف ہیں۔ غوری ہندوستانی علاقے فتح کر کے واپس جانے کی بجائے مستقل طور پر یہاں مسلمانوں کی مضبوط حکومت قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے چنانچہ اس نے ملک بھر کے راجاؤں کو اس خطرہ سے آگاہ کر کے اپنی حمایت پر آمادہ کر لیا۔ ایک سو کے قریب ہندو حکمرانوں کی ایک متحدہ تازہ دم فوج جس میں 2 لاکھ گھڑ سوار اور تین ہزار جنگی ہاتھی شامل تھے تیار کر کے محمد غوری کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

دریائے جمنا کے مغربی علاقے یعنی اضلاع کرنال' انبالہ وغیرہ میں آج بھی کمبوہ کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ اپنی خاندانی روایات کے مطابق کمبوہ قوم کے کئی سرداروں نے اس جنگ میں پرتھوی راج کا بھرپور ساتھ دیا۔

ادھر محمد غوری کو اس فوج کی روانگی کا علم ہوا تو اس نے غزنی واپس جانے کی بجائے دہلی کا رخ کیا۔ کرنال سے سولہ کلومیٹر دور ترائن یا تراوڑی کے مقام پر دونوں میں زبردست رن پڑا۔ تازہ دم ہندو افواج نے دائیں بائیں اور سامنے سے اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے اس قدر زور دار حملے کئے کہ محمد غوری کی تھکی ماندہ فوج کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دیا افغان اور خلجی سپاہی میدان سے بھاگ نکلے سلطان نے سب کو جمع کر کے پھر بلہ کیا اور پرتھوی راج کے سپہ سالار کھانڈے راؤ پر جو ہاتھی پر سوار تھا نیزے کا وار کر کے کئی دانت توڑ دیئے مگر اس نے جوابی حملہ میں پھرتی دکھائی سلطان کو

کاری زخم لگا وہ گھوڑے سے گرنے ہی والا تھا کہ ایک باوفا ترک غلام نے اسے سنبھالا دیا اور اس کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر بسلامت دشمن کے نرغے سے نکال لیا۔ مسلمان فوج بد دل اور منتشر ہو کر بھاگ نکلی پر تھوی راج کی فوج نے پچاس میل تک مسلمانوں کا تعاقب کیا اور بہت سے فوجیوں کو قتل کر ڈالا (تاریخ فرشتہ جلد اول ص 220) تاریخ کبوہاں میں تاریخ شب جانگی کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد غوری ایک کبوہ جال باز کے حملے سے زخمی ہوا تھا مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت دستیاب نہیں۔ لالہ شب چند نے ایسی ہی اور بھی اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں۔

ڈاکٹر تارا چند نے لین پول کی تاریخ Mediaeval India کا حوالہ دیکر لکھا ہے:

"Never had the armies of Islam been so worsted by the Hindus."

(اسلامی افواج کو ہندوؤں کے ہاتھوں اس سے بدتر شکست کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا) شہاب الدین محمد غوری بھی چند ہفتے لاہور رکنے کے بعد سیدھا غزنی پہنچا اور دوبارہ حملہ کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ اگلے سال 1192ء میں اس نے ایک لاکھ بیس ہزار گھڑ سوار اور دس ہزار تیر اندازوں کے ہمراہ ہندوستان پر حملہ کر دیا۔ پر تھوی راج نے مقابلہ کی پوری تیاری کر لی تھی اور راجہ جے چند والئی قنوج کے سوا (جس سے اس کی پرانی دشمنی تھی) 150 راجے مہاراجے اس کی فوج میں شریک ہو گئے تھے۔ تاریخ فرشتہ کے مطابق ہندو فوج تین لاکھ گھڑ سوار اور تین ہزار ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ اور مزید فوج کی آمد جاری تھی۔ اس جنگ کو ترائن کی دوسری جنگ کہا جاتا ہے۔ (تاریخ فرشتہ جلد اول ص 223)

محمد غوری کو ہندو فوج کی بہادری اور کثرت تعداد کا اندازہ تھا۔ اس لئے اس نے نئی حکمت عملی اختیار کی اس نے فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا ایک حصے کو میدان میں مقابلے کے لئے بھیج کر باقی تین کو ریزرو میں رکھا کچھ عرصہ کی معرکہ آرائی کے بعد پروگرام کے مطابق اس حصہ نے اس طرح پسپائی اختیار کرنی شروع کر دی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مسلمان فوج' شکست کھا کر بھاگ رہی ہے اس پر ہندو فوج نے بدنظمی کے ساتھ ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو فوج افراتفری میں بری طرح تتر بتر ہو کر پیچھا کر رہی ہے اور اپنے ریزرو دستے بھی بالکل

قریب ہیں تو وہ ایک دم پلٹے ان کے ساتھ ہی فوج کے باقی تین حصوں نے بھی دائیں بائیں اور عقب سے یکبارگی حملہ کر کے منتشر ہندوؤں کو تلوار کی باڑھ پر رکھ لیا۔ ہندو افواج سراسیمگی کے عالم میں حواس باختہ ہو کر بھاگنے لگیں مگر ہزاروں نہیں لاکھ سے زیادہ گاجر مولی کی طرح کٹ کر کھیت رہے کچھ فرار ہو کر جان بچانے میں کامیاب ہو گئے مگر بہت سے گرفتار کر لئے گئے۔ (نیو ہسٹری آف انڈو پاکستان از کے علی ص 172) گرفتار شدگان میں بخت مل وغیرہ بہت سے کمبوہ سردار بھی تھے (سفینۂ مالیری ص 35) پرتھوی راج فرار ہو رہا تھا کہ ایک مسلمان فوجی نے گرفتار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ (تاریخ فرشتہ ص 224 اور تاریخ پنجاب اکرام علی ملک ص 38) لالہ شب چند نے لکھا ہے "محبوسین میں کرپارام' سورج مل' بخت رائے' ماہی سنگھ وغیرہ کمبوہ تی مشہور اور معروف۔ جرار پابجولاں قلعہ غزنی میں پہنچانے گئے (ص 48) چوہدری وہاب الدین نے بجاطور پر قیدیوں کو غزنی لے جانے کی تردید کی ہے۔ ان کو دہلی کے قریب کسی جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔

صاحب سفینہ مالیری نے لکھا ہے کہ پرتھوی راج کی حامی کمبوہ افواج کا سربراہ ایک معزز سردار راجہ کمودر جھام تھا۔ کمبوہ اپنے سرداروں کی زیر کمان بڑی شجاعت سے لڑے۔ راجہ کمودر مارا گیا باقی گرفتار ہوئے اور چند سال تک جیل میں محبوس رہے۔ آخر انہوں نے نائب داروغہ جیل دلاور خاں کماچی کو اپنا پیروکار مقرر کیا جس نے دربار شاہی سے ان کی معافی اور رہائی کا حکم حاصل کر کے آزاد کرایا (ص 35) چوہدری وہاب الدین نے ص 135 پر راجہ کمودر وغیرہ سے متعلق بیان تاریخ شب جانکی (ص 48) سے منسوب کیا ہے جبکہ شب جانکی میں کہیں راجہ کمودر کا ذکر نہیں۔ البتہ شب چند نے دلاور خان کماچی کو میراسیوں کی طرح کمبوہ برادری کا بھانڈ لکھا ہے۔ شب جانکی ص 50 یہ ایک محسن کی کردار کشی کے مترادف ہے۔ جیل میں محبوس کمبوہ سرداروں کا ذکر لالہ شب چند نے بالکل نرالے انداز میں کیا ہے جس کا کسی تاریخ سے سراغ نہیں ملتا۔ اس ایک واقعہ کو انہوں نے تین مختلف رنگوں میں پیش کیا ہے جو محض ان کے اپنے ذہن کی اختراع ہیں اور بھارتی کمبوہ تاریخ نویسوں نے ان کو سند مان لیا ہے۔

غرض پرتھوی راج کی شکست سے دہلی اور اجمیر پر محمد غوری کا قبضہ ہو گیا اس کے

بعد سلطانی افواج نے سرسوتی' سلانہ' کہرام (گھڑام' مسکن)' ہانسی اور دیگر ملحقہ علاقے فتح کر لئے۔ غزنی واپس جانے سے قبل محمد غوری نے اپنے بہادر جرنیل قطب الدین ایبک کو اپنے مفتوحہ علاقوں کا نائب سلطنت مقرر کر دیا۔ (پنجاب انڈر دی سلطانز ص 12) قطب الدین ایبک نے (موجودہ) پٹیالہ سے 24 کلومیٹر جنوب میں واقع کہرام (گھڑام) میں اپنا دارالحکومت قائم کیا اور ایک قلیل عرصہ میں میرٹھ' کول' (موجودہ علی گڑھ) وغیرہ فتح کر لئے اس کے بعد 1194ء میں دہلی کو اپنا پایہ تخت بنا لیا (تاریخ مبارک شاہی ص 91) (49)

اسی سال محمد غوری پھر ہندوستان آیا پہلے اس نے قطب الدین ایبک کی مدد سے جے چند والئی قنوج کو شکست دی اور پھر بنارس فتح کر لیا پروفیسر ایس آر شرما کے مطابق جے چند کی شکست نے محمد غوری کو ہندوستان کے سیاسی اور مذہبی دارالحکومت یعنی قنوج اور بنارس کا مالک بنا دیا۔ محمد غوری کی واپسی کے بعد قطب الدین ایبک نے فتوحات کا عمل جاری رکھا۔ گوالیار' گجرات' کالنجر وغیرہ فتح کر لئے۔ ان فتوحات سے ملک بھر میں مسلمانوں کا ایسا دبدبہ قائم ہوا کہ کسی راجہ مہاراجہ کو مخالفت کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس کی ایک نادر مثال قطب الدین ایبک کے جرنیل بختیار خلجی کی بنگال کی فتح سے ملتی ہے۔ بہار فتح کرنے کے بعد وہ چند سو سواروں کے ساتھ بنگال پر حملہ آور ہوا جہاں پال خاندان حکمران تھا یہ پر اعتماد جرنیل اس قدر عجلت میں تھا کہ جب وہ بنگال کے دارالحکومت پر حملہ آور ہوا تو صرف 18 سوار اس کے ہمراہ تھے۔ پال خاندان کا راجہ لکشمن سین کھانا کھا رہا تھا۔ لیکن حملہ کی خبر سن کر وہ بدحواسی کے عالم میں عقبی دروازہ سے فرار ہو گیا۔ (نیو ہسٹری آف انڈو پاکستان ص 174)

---

(49) لالہ شب چند نے لکھا ہے "شہاب الدین کی ظفرمندی بھارت ورس کے لئے آثار سعادت (مراد ہے شقاوت یعنی سنگدلی) تھا۔ بائیس صوبوں کے اندر جو اول ہی اول اعلان و فرمان دیا گیا اس کا مضمون اسی قدر تھا کہ عموماً" کمبوجی لوگ گرفتار ہو کر داخل جیل ہونے لگے" (شب جانکی ص 48) کسی قدیم یا جدید تاریخ' دستاویز ادبی یا تحقیقی مضمون سے اس قسم کے فرمان کا پتہ نہیں چلتا۔ دوسرے پرتھوی راج بائیس صوبوں کا مالک نہ تھا کہ اس کی شکست کے ساتھ ہی یہ صوبے محمد غوری کے تابع فرمان ہو جاتے۔ لالہ جی نے ان 22 صوبوں کی کوئی نشان دہی بھی نہیں کی۔

اپنے بھائی کی وفات کے بعد محمد غوری نے 1204ء میں وسط ایشیا کے حاکم خوارزم شاہ پر حملہ کر دیا مگر شکست کھائی اس خبر سے کئی علاقے باغی ہو گئے جن میں غزنی اور ملتان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ لیکن بدترین سرکشی گکھڑوں کی تھی جنہوں نے اپنے سردار رائے سال کی سرکردگی میں دوآبہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور لاہور پر قبضہ کی کوشش کی۔ 1205ء میں محمد غوری نے آخری بار پنجاب کا رخ کیا اور قطب الدین ایبک کی مدد سے گکھڑوں کو عبرتناک شکست دی ان کی بڑی تعداد جنگ میں ماری گئی۔ زاں بعد اس نے لاہور میں عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ قطب الدین ایبک کو ملک کا خطاب دے کر ہندوستان میں اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ ضروری انتظامات کے بعد وہ واپس غزنی جا رہا تھا کہ دم یک (ضلع جہلم) کے قریب 15 مارچ 1206ء کو اسے قتل کر دیا گیا۔ قاتل کون تھے؟ اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔

(1) مغرب کی نماز کے دوران میں گکھڑ قبیلے کے ایک مکار جنونی فرد نے حملہ کر کے ہلاک کر دیا (نیو ہسٹری آف انڈو پاکستان ص 194)

(2) حملہ اس قدر اچانک تھا کہ محافظ بھی حیران رہ گئے۔ (تاریخ فرشتہ مترجمہ جان برگز ص 185) تاریخ فرشتہ ترجمہ عبدالحی جلد اول ص 230-229 یہ قتل بیس گکھڑوں نے بڑی زبردست منصوبہ بندی سے کیا تھا۔

(3) تین ہندوؤں نے دریا کے راستے حملہ کر کے قتل کر دیا (تاریخ جہانکشا از جوینی مترجمہ ایلیٹ اور ڈاؤسن جلد دوم ص 393)

(4) گکھڑوں اور شیعہ مسلمانوں نے سازش کر کے قتل کیا۔ فرخیش سنگھ، پنجاب انڈر دی سلطانز ص 22)

(5) اپنے خیمہ میں ایک اسمٰعیلی کے ہاتھ سے رات کے وقت شہید ہوا (آب کوثر ص 19) مؤرخین کا اجماع اسی روایت پر ہے۔

(6) شاہ ممدوح کو کسی نا معلوم الاسم نے قتل کر دیا اس کا الزام کمبوجیوں پر عائد ہوا (تاریخ شب جاتی ص 48)

اس آخری الزام کو جس کا کسی مؤرخ نے ذکر تک نہیں کیا بنیاد بنا کر لالہ شب چند نے ایک نہایت بھونڈی کہانی وضع کر ڈالی کہ قتل کا بدلہ لینے کے لئے بزول، مکار اور

فن حرب سے عاری قطب الدین ایبک نے کمبوجوں پر حملہ کر دیا۔ چوہدری وہاب الدین نے بغیر تحقیق اس کو ص 136 - 135 پر بیان کر دیا اور پھر بھارت کے ہندو سکھ کمبوہ تاریخ نویسوں نے بلکہ بعض نے مرچ مصالحہ لگا کر پیش کیا۔

لالہ شب چند کی وضع کردہ کہانی کا واقعہ محمد غوری کی آمد سے بہت پہلے کمبے یا کھمبایت میں رونما ہوا تھا۔ جب شجاعت سے عاری کسی مکار دشمن نے کمبوہوں کے خلاف مروجہ دو بدو جنگ میں ناکامی کے بعد ان کے پروہت سے ساز باز کر کے سلونو تہوار کے روز ان کا قتل عام کیا تھا اور وہ وہاں سے فرار ہو کر وادئی جمنا میں آ بسے تھے (سفینہ مالیری ص 16- 15) شب چند نے بڑی عیاری سے اس واقعہ کو 1208ء میں قطب الدین ایبک سے منسوب کر دیا مگر لالہ جی نے نہ میدان کارزار کا نام لکھا نہ کمبوہ فوج کی تعداد اور ان کے سردار کا نام۔ اور کمال یہ کہ کمبوہ فرار ہو کر آتے بھی ہیں تو اس علاقے میں جو قطب الدین کا پایہ تخت تھا۔

دوسری طرف تمام مؤرخ قطب الدین ایبک کی بہادری اور عدل پروری کے گن گاتے نظر آتے ہیں۔ " اس نے محکمہ مال کلی طور پر ہندوؤں کے ہاتھ میں دے رکھا تھا بلکہ اس کی فوج میں بہت سے ہندو سپاہی بھی تھے" (کے علی)

بی آر کمنہ اور دھرم پال نے ہسٹری آف انڈیا ص 248 پر لکھا ہے۔

"Brave and energetic, sagacious and just and as the founder of a large Kingdom on a foreign soil among races whose martial power is well known, he ranks among the greatest pioneers of Muslim conquest in India."

"وہ (قطب الدین ایبک) بہادر' باہمت' زیرک اور عادل تھا۔ غیر ملکی سرزمین پر ایک وسیع سلطنت کے بانی کی حیثیت سے اسے ایسی اقوام سے نبرد آزما ہونا پڑا جن کی فوجی قوت اور جنگی مہارت شہرہ آفاق ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی فتوحات کے ضمن میں اس کا شمار ایک عظیم ترین پیش رو کی حیثیت سے کیا جاتا ہے" نیز ملاحظہ ہو زیر نظر کتاب کا باب ہفتم "گجرات کاٹھیاواڑ میں کمبوہ راج"

قطب الدین ایبک کو اپنے چار سالہ دور حکومت میں چند ماہ ہی دہلی میں رہنے کا موقعہ ملا تھا ورنہ ملکی مصالح کے تحت اس کا بیشتر وقت لاہور میں گزرا اور وہیں وفات

پائی اگر کمبوہ محبوسین کا معاملہ اس کے پیش ہوا ہوتا تو ناممکن تھا کہ یہ قیدی جیلوں میں بند رہتے۔ یہ وہ محبوسین تھے جو دوسری جنگ ترائن میں پرتھوی راج کی شکست کے بعد گرفتار ہوئے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ایک نیک دل اور کمبوہوں کے خیر خواہ نائب داروغہ جیل دلاور خان کمانچی کی مساعی سے ان کو رہائی ملی۔

دلاور خان ایک معزز خوددار سرکاری اہلکار تھا اس نے یہ کام کسی لالچ کے خیال سے نہ کیا تھا اس لئے کوئی انعام و اکرام لینا پسند نہ کیا۔ شب چند نے اس کی خدمات کا اعتراف بھی کسی مہذب انداز میں نہیں کیا۔

پرتھوی راج والئی دہلی و اجمیر اور جے چند حاکم قنوج ہندوستان کے آخری طاقتور ہندو مہاراجے تھے۔ ان کی شکست اور موت کے بعد ملک میں مسلمان حکمرانوں کے دور کا آغاز ہو گیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے تخت دہلی پر ترک سلاطین کے خاندان کی بنیاد رکھی۔ (50) اور اس کے بعد سے کمبوہ قوم کے من حیث القوم حکومت وقت کے خلاف کسی فوجی اقدام' بغاوت یا کسی معرکہ میں حصہ لینے کا کسی تاریخی حوالے سے سراغ نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے قوم نے جو عہد سلطان شمس الدین التمش سے دربار دہلی میں حاضری کے وقت کیا تھا اس کی پاسداری کرتے ہوئے قوم کی اکثریت زراعت' تجارت' صنعت اور سول ملازمت کے پیشوں کی طرف راغب ہو گئی۔ انفرادی حیثیت میں فوج کی ملازمت کو اس لئے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکومت وقت کی اپنی فوج میں بھرتی ہو کر ملک اور قوم کی خدمت کے خیال سے کی جاتی رہی ہے۔ جیسا کہ تاریخ سے ظاہر ہے سلاطین دہلی بلکہ شہاب الدین غوری کی فوج میں بھی ہندو شامل تھے۔

---

(50) تاریخ میں غلطی سے ان ترک سلاطین کو غلام کہا جاتا ہے۔ بادشاہ بنتے وقت ان میں سے کوئی بھی غلام نہ تھا۔

باب نہم

کمبوہ قوم کا قبول اسلام

جس طرح قدامت کے لحاظ سے کمبوہ قوم کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اسی طرح برصغیر کی آریہ اور غیر آریہ اقوام میں شمع اسلام کی ضیاء پاشی سے بہرہ یاب ہونے میں اولیت کا فخر بھی کمبوہ قوم کے ایک شہزادے کو حاصل ہے۔ ہماری مراد راج کمار مہاں چاور المعروف حضرت دیوان چاولی مشائخؒ سے ہے جو راجہ مہی پال کے فرزند اور سدھ پال کے بھائی تھے ان کا کچھ ذکر باب ہشتم میں آ چکا ہے جب آپ کو بطور یرغمال دارالخلافہ دمشق بھیج دیا گیا تو اُموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جوہر قابل سمجھ کر اس خوبرو' زریں مُو' گبھرو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ مٹی زرخیز ہو' بیج عمدہ ہو اور پانی بھی وافر ہو تو سرسبز و شاداب فصل کا پروان چڑھنا یقینی ہوتا ہے۔ اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر شہزادے نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ عہد کیا کہ وطن واپس جا کر اپنی زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دیگا۔ چنانچہ عرب' عراق' ایران وغیرہ میں مقامات مقدسہ کی زیارت اور حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد آپ واپس کھوتے وال تشریف لائے اور اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ بہت سے کفار کے سینے نور حق سے منور کئے لیکن کفر ازل سے حق و صداقت سے ستیزہ کار رہا ہے۔ اعیان حکومت نے راجہ کے کان بھرے' مخلوقِ خدا کا آپ کے گرد ہجوم راجہ کے لئے بھی تشویش کا باعث بنا چنانچہ 114ھ (732ء) میں آپ کو شہید کر دیا گیا آپ کی ہمشیرہ کنگن برہم نے (جن کے نام سے کنگن پور ریلوے سٹیشن موسوم ہے) محل کی کھڑکی سے بھائی کی نعش پر کود کر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی اس عفیفہ کا مزار بھی دیوان صاحبؒ کے مزار کے پاس ہی موجود ہے۔ یہ خبر ملتان پہنچی تو حاکم ملتان نے کھوتے وال پر لشکر کشی کی۔ بہت سے مسلمان اور ہندو کمبوہ اس زمانے میں کھوتے وال اور اس کے گردونواح سے نقل مکانی کر کے پاک پتن' دیپالپور' چونیاں وغیرہ علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ دیوان صاحب کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے۔ یہاں ہر سال محکمہ

اوقاف کے زیر اہتمام جولائی کے آغاز میں عرس منعقد ہوتا ہے۔ زائرین دور دراز سے شرکت کے لئے آتے ہیں یہ جگہ بورے والا (ضلع وہاڑی) سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے دیوان صاحب کی شہادت کے پانچ چھ سو سال بعد بھی کمبوہ حکومت کے دارالریاست کھوتے وال کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے والد بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں اس شہر کے مفتی (جج) تھے۔ کھوتے وال کو حضرت بابا فرید الدینؒ اور مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ (مزار کلیر شریف انڈیا۔ ولادت 1195ء) جیسے بزرگ اولیائے کرام کے مولدو منشا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ اور آپ کے خلفاء سید جلال الدین منیر شاہ بخاریؒ اور حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے یہاں حاضر ہو کر کسب فیض کیا۔ بابا گورونانک دیو نے بھی یہاں پر چلہ کشی کی تھی۔ جہانگیر بادشاہ نے اس مقام پر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی۔ (51)

عیسائی مبلغین' مغربی دانشوروں اور کئی مستشرقین کا یہ الزام کہ اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی' اور جسے ہندو تاریخ نویسوں نے بھی خوب اچھالا اب قطعی طور پر فرسودہ اور جھوٹ کا پلندہ ثابت ہو چکا ہے خود مغربی مفکرین اور محققین کی بہت بڑی تعداد نے جن کی رائے عوامی اور تاریخی مسائل پر اتھارٹی تسلیم کی جاتی ہے۔ پر زور اور مسکت دلائل سے اس بے بنیاد الزام کی تردید کی ہے۔ ان کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو آج پورا یورپ مسلمان ہوتا۔

ہندوستان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ قطب الدین ایبک کی تخت دہلی پر حکمرانی کے آغاز 1206ء سے لے کر اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات 1707ء تک پانچ سو سال

---

(51) چوہدری وہاب الدین نے (تاریخ کمبوہاں ص 129 اور 179) کنبولہ (قبولہ) کو ریاست کھوتے وال کی راجدھانی لکھا ہے جو کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا۔ قبولہ غیاث الدین تغلق نے اپنے معتمد سپہ سالار ملک قبول کے نام پر 1324ء میں آباد کیا تھا (اکرام علی ملک ص 83) تاریخ کمبوہاں ص 180 پر بعض نام غلط لکھے گئے ہیں مثلاً حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کو بہاؤ الحق ذکریاؒ اور منیر شاہ کو شیر شاہ لکھا ہے اسی طرح کمبوہ کو اس باب میں کمنبوہ لکھا گیا ہے نون اور میم کا بگھراؤ بعید از فہم ہے۔

کے عرصہ میں اگر کسی مسلمان بادشاہ نے پانچ سال کے لئے بھی ہندوؤں کو بالجبر مسلمان بنایا ہوتا تو برہمنوں نے جو حشر بدھ مت کا کیا تھا ہندوؤں کا انجام بھی اس سے کم نہ ہوتا اور آج یوپی' سی پی' دکن' مہاراشٹر' راجپوتانہ' ہریانہ وغیرہ میں ایک فی صدی ہندو بھی نظر نہ آتے۔

711ء میں محمد بن قاسم نے سندھ اور جنوبی پنجاب پر قبضہ کیا اور غیر مسلم آبادی سے نہایت فراخدلانہ سلوک کیا۔ اسلام کی ترویج کے لئے اس نے کسی پر جبر نہ کیا۔ اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف سے سندھ کے لوگوں کو عربوں کے برابر حقوق کی پیشکش کے نتیجے میں متعدد افراد نے (بشمول راجہ جے سنگھ) اسلام قبول کر لیا مگر یہ تبدیلی جس سے دنیاوی مفادات متاثر ہوتے تھے۔ دیرپا ثابت نہ ہوئی اور بہت سے افراد منحرف ہو گئے۔ عرب مفتوحہ علاقوں میں جگہ جگہ بغاوتوں نے سر اٹھایا۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے ان کی سرکوبی کے لئے جنید کو گورنر بنا کر بھیجا جس سے یہ لوگ اور مشتعل ہو گئے مگر جنید نے تمام اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد مارواڑ پر لشکر کشی کر کے اسے فتح کر لیا البتہ گجرات میں علاقہ کی متحدہ افواج (جس میں بیجا پور' ورنگر اور دلبھی کے کمبوہ حکمرانوں کی افواج بھی شامل تھیں) کے مقابلہ میں جنید کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے نتیجہ میں سرحدی علاقوں سے فوجیں پیچھے ہٹانا پڑیں جنید کی واپسی کے بعد حالات مزید ابتر ہو گئے۔ اور گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز تک ہمیں اشاعت اسلام کے سلسلہ میں کوئی پیشرفت یا سنجیدہ کوشش نظر نہیں آتی۔ بقول مصنف 'آب کوثر' اسلام کو ملتان سے دہلی پہنچنے میں کوئی پونے پانچ سو سال لگے (ص 189)

883ء کے بعد اسماعیلیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچایا بلکہ 997ء میں ملتان پر بھی قرامطی ملحدوں کا قبضہ ہو گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد سلطان محمود غزنوی نے ملتان اور منصورہ میں اسماعیلی حکومت کا خاتمہ کر کے وسطی ایشیا سے مسلمان علما و فضلا کی آمد کی راہ ہموار کر دی غزنوی دور میں جو بزرگان دین وارد ہند ہوئے۔ وہ تقریباً تمام وسطی اور جنوبی پنجاب میں آباد ہوئے۔

ہم پڑھ آئے ہیں کہ کمبوہ قوم کی اکثریت چھٹی صدی عیسوی تک اپنے آبائی ملک کمبوج کو خالی کر کے پاکستان اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں آباد ہو چکی تھی۔

پنجاب میں ان کی اکثریت ملتان سے لاہور تک کی مشرقی پٹی یعنی وہاڑی' بورے والا' عارف والا' پاک پتن' ساہیوال' دیپالپور' چونیاں اور قصور کے علاقوں میں تھی۔ یہی علاقے ہیں جو اولیائے کرام کا مسکن رہے ہیں۔ اس لئے ان کے قبول اسلام کا کچھ خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

لاہور کے پہلے مبلغ اسلام شیخ محمد اسماعیل بخاریؒ غالباً" 1021ء میں تشریف لائے اور 36 سال لاہور میں قیام فرمایا آپ کے وعظ میں اس قدر تاثیر ہوتی تھی کہ اختتام پر دو ڈھائی سو ہندو اسلام قبول کر لیتے تھے۔ آپ کی وفات کے چند سال بعد (1061 یا 1068ء) میں حضرت داتا گنج بخشؒ تشریف فرمائے لاہور ہوئے۔ آپ کے مشفقانہ انداز بیان سے جہاں بہت سے ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے وہاں غزنوی کے حملوں سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مغائرت بلکہ نفرت کی جو خلیج پیدا ہو گئی تھی اسے پاٹنے میں بڑا کارنامہ انجام دیا۔ آپ نے کافی توجہ مسلمانوں کو شعائر اسلام کی پابندی کرنے پر بھی مرکوز کی۔ سید یعقوب صدر دیوان زنجانیؒ غالباً" 1141-1142ء میں لاہور تشریف لائے آپ کا لنگر بہت وسیع تھا ہزاروں لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ غزنوی دور میں جنوبی پنجاب میں آنے والوں میں سخی سرور سلطانؒ اور شاہ محمد یوسف گردیزیؒ زیادہ مشہور ہیں۔ سخی سرور سلطانؒ (اصل نام سید احمد) نے حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے فیض حاصل کیا کچھ عرصہ سودھرا اور دھونکل میں قیام کے بعد شاہ پور (ڈیرہ غازی خاں) میں آباد ہو گئے کوئی طالب آپ کے در سے نامراد نہ جاتا تھا۔ دوسرے بزرگ شاہ محمد یوسف گردیزیؒ تھے جو ملتان کو اپنا مستقر بنا کر دین کی اشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس دوران میں بہت سے صوفیائے کرام اشاعت اسلام کی بجائے مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی ترقی پر زیادہ زور دیتے رہے جس سے غیر مسلموں کے ترک مذہب کا سلسلہ بے حد ست رہا۔ ترک بادشاہوں (خاندان غلاماں) کے عہد میں دو نہایت مقتدر بزرگان دین یعنی بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے اشاعت اسلام کے لئے یادگار کردار ادا کیا۔ حضرت بابا فرید الدینؒ۔ حضرت بختیار الدین کاکیؒ اور خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت بختیار کاکیؒ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ ہانسی (ضلع حصار) پھر

کھوتے وال اور آخر میں اجودھن (پاک پتن) میں مقیم ہو گئے۔ آپ نے علاقے کے بے شمار قبائل کو مشرف بہ اسلام کیا۔ آپ کے خلفا میں نظام الدین اولیاؒ‘ خواجہ علاؤالدین صابرؒ‘ شیخ جمال ہانسویؒ اور دیگر کئی بزرگان دین شامل تھے۔ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے (پیدائش کوٹ کروڑ سن 1172ء) بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بیعت کی اور انہی کی ہدایت پر ملتان آ کر سلسلہ رشد و ہدایت جاری کیا۔ آپ کے مواعظ حسنہ اور اخلاق جلیلہ سے متاثر ہو کر ہزاروں ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ جن میں عامتہ الناس کے علاوہ متمول تاجر اور کئی والیان ریاست بھی شامل تھے۔ آپ کے مریدوں بالخصوص آپ کے فرزند شیخ صدر الدین عارف‘ پوتے شیخ رکن الدین اور مریدین سید جلال الدین منیر شاہ بخاری (اوچ شریف) اور لال شہباز قلندرؒ (سیہون شریف) نے بھی اسلام کے فروغ کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کے بعد شیخ رکن الدین رکن عالمؒ کے خلیفہ اور منیر شاہ بخاری کے پوتے مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے بھی کثیر تعداد میں ہندوؤں کو اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کیا۔

پنجاب کے کئی دوسرے قبائل کی مانند کمبوہ قوم کسی ایک خطہ یا ضلع میں آباد نہ تھی۔ وہ لوگ مغربی پنجاب میں ملتان کے انتہائی جنوبی علاقہ سے لے کر لاہور‘ گوجرانوالہ‘ شیخوپورہ تک اور مشرقی پنجاب اور ہریانہ میں امرتسر‘ فیروزپور‘ جالندھر‘ کپور تھلہ‘ مالیر کوٹلہ‘ سلانہ‘ سنام‘ کہرام (پٹیالہ)‘ انبالہ‘ کرنال‘ تھانیسر وغیرہ بے شمار شہروں‘ قصبات اور دیہات میں آباد تھے اس لئے ان کے کسی ایک بزرگ سے یا کسی ایک زمانہ میں قبول اسلام کا حوالہ نہیں ملتا یہ بات 136 قبیلوں کی اس قوم کے سلسلہ میں بعید از فہم نہیں۔ مثال کے طور پر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے اثر سے سیال‘ وٹو اور دیگر متعدد قبیلے مسلمان ہوئے۔ جوئیہ راجپوت شیخ رکن الدینؒ کے دست مبارک سے‘ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تلقین سے آٹھ مختلف قبائل مثلاً کھرل اور نون وٹیرہ اور سید منیر شاہ بخاری کے فیض سے اوچ کے گردونواح کے کئی راجپوت قبائل نے اسلام قبول کیا۔ درحقیقت یہی وہ زمانہ تھا جب کمبوہ قوم کے افراد نے اپنے اپنے علاقہ کے بزرگان دین کی تبلیغ سے متاثر ہو کر وقتاً فوقتاً اسلام قبول کیا۔

ہمارے خیال میں حضرت بہاؤالدین زکریاؒ اور ان کے خانوادہ کے اولیائے کرام‘

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور ان کے خلفائے عظام' حضرت جمال تونسویؒ' سید یعقوب زنجانیؒ، حضرت شیخ محمد اسماعیل بخاریؒ اور حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ جیسی برگزیدہ ہستیوں نے اپنے اپنے حلقہء اثر میں کمبوہ قوم کو راہ ہدایت دکھائی۔ یوپی کے بہت سے کمبوہ ملتان سے نقل مکانی کر کے مختلف شہروں میں آباد ہوئے تھے۔ چنانچہ میرٹھ' سنبھل' بریلی' امروہہ' علی گڑھ' گوالیار وغیرہ کے کمبوہوں کا ذکر کرتے ہوئے کاشف الاستار میں مذکور ہے۔

"ایں فریق کمبوہاں از قدیم در ملتان و آں حدود توطن داشتہ اند... گروہے درابتدا ازیں فریق بردست مخدوم بہاؤالدین زکریاؒ پسرایشاں صدر الدین قدس سرہما بشرف اسلام مشرف شدند"۔

(یوپی کے) "کمبوہوں کی یہ قوم زمانہ قدیم سے ملتان اور اس کے نواح میں سکونت پذیر تھی ... شروع میں اس قوم کے ایک گروہ نے مخدوم بہاؤالدین زکریاؒ اور ان کے بیٹے صدر الدین قدس سرہما کے دست مبارک پر اسلام سے مشرف ہونے کی سعادت حاصل کی۔"

کچھ کمبوہ جو چھٹی ساتویں عیسوی تک اپنے کمبوہ حملہ آور بھائیوں کے ہمراہ وارد ہند نہیں ہوئے تھے اور افغانستان کے وسطی حصوں میں سکونت اختیار کر چکے تھے افغانستان کی دوسری اقوام کی مانند حلقہ بگوش اسلام ہو گئے بعض روایات کے مطابق سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ آنے والی فوج میں کچھ کمبوہ بھی تھے جو پنجاب خاص کر ملتان میں رہ گئے اور یہیں کی بودوباش اختیار کر لی۔ یو پی کے بعض کمبوہ ان کی اولاد سے ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جو مبنی برصداقت معلوم ہوتا ہے۔

کمبوہ آبادیوں کے مختلف علاقوں میں اور بھی کئی بزرگان دین نے شمع اسلام فروزاں کی'ان میں لاہور کے شیخ ابواسحاق گازرونیؒ (عرف میراں بادشاہ' مدفن اندرون مسجد وزیر خاں) شیخ عزیز الدین عرف پیر کمیؒ۔ سید ابی غفارؒ (جو اپنی شیریں گفتاری کے باعث سید مٹھا مشہور ہو گئے تھے) شاہ کاکو چشتیؒ' شیخ عبدالجلیل (چوہڑ بندگیؒ) شاہ ابوالمعالی قادریؒ۔ اوچہ کے سید عبدالقادر ثانیؒ' ملتان کے سید شیر شاہؒ اور حضرت موسیٰ پاکؒ (جن کو لنگاہ قبیلہ کے افراد نے شہید کر دیا تھا) شیر گڑھ کے شیخ داؤد کرمانی اور سرہند

شریف کے حضرت مجدد الف ثانیؒ خصوصیت سے ذکر کے قابل ہیں۔

یہاں ہم ایک نکتہ کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں مذکورہ بالا تقریباً تمام بزرگان دین چودھویں صدی عیسوی کے اختتام سے قبل اپنا مشن مکمل کر کے اس دار فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ سکھ قوم مغلوں کے آخری دور یعنی سترہویں صدی کے آخر میں وجود میں آئی اس دوران میں ہمیں کوئی ایسی بزرگوار ہستی نظر نہیں آتی جس نے ترویج دین کی کوئی سعی فرمائی ہو اس لئے کسی شخص کا یہ ادعا کہ اس کا خاندان سکھ سے مسلمان ہوا ہے محل نظر ہے کیونکہ یہ دور تو مسلمانوں پر ابتلا اور زبوں حالی کی حکایت بیان کرتا ہے مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا احمد علی لاہوری ایک دو استثنا ضرور ہیں ورنہ جابر حکمرانوں کی قوم کے افراد خستہ حال رعایا کا مذہب کیونکر قبول کر سکتے تھے؟ ہاں البتہ یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ بعض علاقوں میں مسلمانوں کو سکھ بنا لیا گیا ہو مگر ہمارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

انگریزی دور میں کی گئی مردم شماری کے اعداد و شمار کلی طور پر قابل اعتماد نہیں کیونکہ بہت سے کمبوہوں نے خود کو کہیں ارائیں، کہیں جاٹ، کسی جگہ راجپوت اور بعض حالات میں گوت ہی کو قوم لکھوایا (جیسے لیہ کے تھند کمبوہ) بلکہ ہندو کمبوہوں نے خود کو کھتری ظاہر کیا تاہم جو اعداد و شمار 1921ء کی مردم شماری سے حاصل ہوئے ہیں وہ علاقہ اور مذہب وار بطریق ذیل ہیں:

علاقہ جات	ہندو	سکھ	مسلمان
مشرقی پنجاب (انگریزی علاقہ)	14908	13738	21441
ریاستیں (ماسوائے بہاولپور)	3680	22506	24582
میزان	18588	36244	46023
مغربی پنجاب (انگریزی علاقہ)	14730	47297	34861
ریاست بہاولپور	384	00	608
میزان	15114	47297	35469

نوٹ: (1) سابقہ مشرقی پنجاب اور ریاستوں کی جگہ اب صوبہ ہریانہ۔ پنجاب اور ہماچل پردیش بن گئے ہیں۔ (2) یہ اعداد و شمار یقیناً غلط معلوم ہوتے ہیں کیونکہ اتنی

تعداد میں کمبوہ تو لاہور کے دو محلوں اچھرہ اور گڑھی شاہو میں ہوں گے۔ (3) اسی طرح مشرقی پنجاب کے شہر مالیرکوٹلہ میں 60 ہزار مسلمان کمبوہ آباد ہیں۔

ان اعداد و شمار میں قابل توجہ امور حسب ذیل ہیں۔

1- ریاستہائے پٹیالہ' نابھہ' سنگرور' کپور تھلہ' فرید کوٹ' مالیرکوٹلہ وغیرہ میں مسلمان کمبوہ آبادی سب سے زیادہ تھی۔ مجموعی طور پر کمبوہ 26 فی صد ہیں۔

2- پورے مشرقی پنجاب میں مسلمان کمبوہ تقریباً 46 ہزار اور سکھ 36 ہزار تھے جبکہ مغربی پنجاب میں مسلمان کمبوہ تقریباً 36 ہزار اور سکھ 47 ہزار تھے۔

3- پٹیالہ' نابھہ' کپور تھلہ وغیرہ سکھ ریاستوں میں مسلمان کمبوہ سکھ کمبوہوں سے زیادہ تھے۔ 1947ء میں ان ریاستوں میں نصف کے قریب مسلمان کمبوہ شہید ہو گئے تھے باقی یا تو پاکستان آ گئے یا سابق ریاست مالیر کوٹلہ میں آباد ہو گئے۔ اس وقت بھارتی پنجاب میں مالیر کوٹلہ مسلمان کمبوہوں کا سب سے بڑا مرکز ہے۔

بلاشبہ اُمت مسلمہ افضل ترینِ اُمم ہے۔ اس اُمت عالیہ میں کمبوہ قوم کو احترام کا جو مقام حاصل ہوا ایک مدحیہ نظم کے اس شعر میں اس کی صراحت یوں کی گئی ہے۔

چہ قومے کہ افضل ترینِ اُمم
چہ قومے کہ کمبوہ بُود محترم

باب دہم

فصل اول

مسلمان اور انگریز عہد میں ہندو کمبوہ

وسط ایشیا کے قبائل کی جنوبی علاقوں کی طرف نقل و حرکت حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے چھ سات سو سال قبل ہی شروع ہو چکی تھی۔ یہ سلسلہ وقفے وقفے سے بارہ تیرہ سو سال تک جاری رہا۔ اس اکھاڑ پچھاڑ کے نتیجے میں جہاں چھوٹے چھوٹے قبیلے بڑے قبیلوں میں ضم ہو کر اپنا تشخص ختم کر بیٹھے وہاں کئی بڑے قبائل بھی اپنی مرکزیت سے محروم ہو گئے۔ ان متوخرالذکر قبیلوں میں کبوہ قوم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ یہ لوگ ملک کمبوج سے نکلے تو کسی ایک جگہ قدم نہ جما سکے۔ اگر ایک طرف انہوں نے گلگت' چترال' باجوڑ' کنٹر' جلال آباد' غزنی اور سیستان کو اپنا مستقر بنایا تو دوسری جانب پنجاب کے مشرقی' وسطی اور جنوب مغربی حصوں کشمیر' تبت' یو پی بہار' بنگال' مہاراشٹر وغیرہ میں اپنی آبادیاں قائم کر لیں۔ اس طرح منتشر ہو جانے سے ان کی عسکری حیثیت بری طرح متاثر ہوئی تاہم کئی مقامات پر انہوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں۔ جنوب مشرقی پنجاب میں واقع کھوتے وال اور مہاراشٹر کی کئی ریاستوں کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کمبوہ قوم کے نام سے موسوم کمبے یا کھمبانیت میں واقع گڑھ گجنی سے جو کمبوہ بچ بچا کر وادئی جمنا میں آ کر آباد ہوئے انہوں نے جنگلوں کو صاف اور ویرانوں کو آباد کر کے علاقے کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔ وادئی جمنا میں کمبوہوں کی پہلے بھی کئی سرداریاں موجود تھیں۔ نئے آنے والے سرداروں نے بھی اپنی جاگیرداریاں مستحکم کیں اور خاندانی روایات کے مطابق فوجی ادارے بھی قائم کئے۔

ترائن کی پہلی اور دوسری جنگ میں ان کمبوہوں نے پرتھوی راج چوہان کی حمایت میں سلطان محمد غوری کے خلاف بھرپور حصہ لیا پرتھوی راج کو شکست ہوئی تو ہلاک شدگان کے علاوہ قوم کے تمام قابل ذکر سردار اور بہت سے فوجی گرفتار ہو کر جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ کمبوہوں کی فوجی طاقت شکستہ حال اور منتشر ہو گئی۔ دشمنوں نے کمبوہوں میں افواہ پھیلا دی کہ محبوسین کو غزنی پہنچا دیا گیا ہے حالانکہ وہ دہلی کے قرب

وجوار میں ہی قید تھے۔ قوم کی بے حسی کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنے آدمیوں کی رہائی کے لئے حکمرانوں سے براہ راست تو کجا حکومت کے کسی اہلکار کی معرفت بھی سلسلہ جنبانی کی ہمت نہ ہوئی انہیں خوف لاحق تھا کہ کہیں ان کو بھی گرفتار نہ کر لیا جائے۔ دوسرا المیہ یہ ہوا کہ قطب الدین ایبک چند ماہ دہلی میں قیام کے بعد 1206ء میں ہی لاہور چلا گیا اور اپنی وفات تک وہیں مقیم رہا۔ ورنہ ممکن ہے یہ قیدی اسی کے دور میں آزاد ہو جاتے اگر قطب الدین ایبک یا محمد غوری کے خلاف الزامات میں ذرہ بھر بھی صداقت ہوتی تو ہم ان کی مذمت میں اپنے ہندو کمبوہ تاریخ نویس بھائیوں کی ہمنوائی میں پیچھے نہ رہتے لیکن عظیم کمبوہ قوم کے ایک راست گو ادنیٰ فرد کی حیثیت سے صریح باطل تو درکنار باطل کے ساتھ تلبیس حق اور کتمان حق ہر دو کو فعل شنیع گردانتے اور قومی اخلاقیات اور انسانی اقدار کے منافی سمجھتے ہیں۔

قصہ مختصر' سلطان شمس الدین التمش تخت نشین ہوا تو اس کے چار سال بعد نائب داروغہ جیل کو ان بیکس قیدیوں پر ترس آیا۔ اس نے ان کے لواحقین کی طرف سے ایک محضر نامہ بصورت معذرت و اظہار وفاداری لکھوا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا دریا دل حاکم نے ان کے معافی نامہ کو ان لوگوں کی توقعات اور تصورات سے بڑھ کر پذیرائی بخشی جب یہ لوگ تحفے تحائف لے کر دربار شاہی میں حاضر ہوئے تو اراکین وفد کو خلعت ہائے فاخرہ سے نوازا۔ سرداروں کی عزت افزائی کرتے ہوئے ان کو جاگیریں عطا کیں جن کے قبالہ جات آج تک ان کی اولاد کے پاس محفوظ ہیں یہ لوگ کمبوہوں کی 84 گوتہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ابتک ان کی اکثریت کا تعلق ہندو یا سکھ قوم سے ہے۔

مجموعی طور پر مسلمان عہد میں ہندو کمبوہوں کی کوئی قابل ذکر ریاست نہ تھی اس لئے اس زمانے میں ان کے عسکری کردار کا ایک واقعہ کے سوا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

رائے بنسی داس کمبوہ: مسلمان عہد میں جہاں عام ہندو کمبوہ زراعت جیسے پیشوں سے منسلک رہے تعلیم یافتہ اور اہل ہنروفن ہندو سول سرکاری ملازمتوں مثلاً محکمہ مال' خزانہ' سپلائی اور شعبہ درس و تدریس سے وابستہ ہو کر کسب معاش کرتے رہے۔ فوجی ملازمت کے دروازے بھی ان پر بند نہ تھے۔ وہ اکثر بادشاہی یا راجپوت راجاؤں کی

فوجوں میں بھرتی ہو کر خدمات انجام دیتے اور ان کے بازوئے شمشیر زن کہلاتے تھے۔ ہمیں کسی نمایاں ہندو فوجی افسر کا علم نہیں ہو سکا۔ البتہ عہد اکبری میں ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے ضمناً" شہباز خاں کے ساتھ رائے بنسی داس کا ذکر آیا ہے۔

واقعہ یہ تھا کہ امیر الامرا خان زمان علی قلی خاں اور اس کے بھائی بہادر خاں نے جو پنج ہزاری منصب رکھتے تھے شہنشاہ جلال الدین اکبر کے خلاف سرکشی کی راہ اختیار کی۔ شہنشاہ اکبر نے بذات خود ان کے خلاف لشکر کشی کی علی قلی خاں مارا گیا اور بہادر خاں کو گرفتار کر کے اکبر کے حضور پیش کیا گیا۔ اکبر نے اسے شہباز خاں اور رائے بنسی داس کے سپرد کر دیا۔ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں بہادر خاں کا انجام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ شہباز خاں اور بنسی داس کمبو کو حکم ہوا تو انہوں نے تلوار کی ضرب سے اس کی گردن کو سر کے بوجھ سے ہلکا کر دیا۔ تاریخ فرشتہ جلد اول ص 710 پر لکھا ہے "اس کے وجود کو حکومت کے لئے غیر مفید سمجھتے ہوئے بادشاہ کی اجازت کے بغیر قتل کر دیا۔" اغلب خیال یہی ہے کہ شہباز خاں کی فوج میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو کمبوہ بھی شامل تھے۔

منشی ہرکرن - ادیب اور مصنف: اگرچہ مسلمان بادشاہوں کے دور میں شروع سے ہی فارسی زبان کا رواج تھا مگر اکبر بادشاہ کے عہد میں فارسی کو سرکاری حکم کے ذریعے دفتری زبان قرار دیا گیا۔ کمبوہ خواہ وہ ہندو تھے یا مسلمان علم و فضل میں کسی سے کم نہ تھے۔ بہت سے ہندوؤں کو فارسی کے علاوہ عربی زبان پر بھی کافی دسترس حاصل تھی۔ ملتان علم کا گہوارہ تھا۔ یہاں کے ایک ہندو منشی ہرکرن کو عربی اور فارسی زبان پر پورا عبور حاصل تھا۔ ان کی باقی تصانیف کا تو پتہ نہیں چل سکا البتہ علم انشاء پر ان کی تصنیف انشائے ہرکرن کو انگریزی تسلط تک مستند ترین کتاب مانا گیا ہے جس سے ان کو علم انشا پردازی میں یکتائے زمانہ ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس تصنیف سے اعلیٰ پایہ کے فرمان نویس' ادیب' منشی' وثیقہ نویس وغیرہ مدتوں استفادہ کرتے رہے ہیں۔ مصنف نے کتاب کے شروع میں اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

"فقیر حقیر، ہیچمدان ، اضعف من عباد اللہ الصمد ہرکرن ولد متھرا داس کنبو ملتانی"
(52) تاریخ کمبوہاں ص 145 پر جلی قلم سے عنوان تحریر ہے "دیوان متھرا داس کمبو مصنف انشاء ہرکرن" چودھری صاحب کے مطابق یہ کتاب انہوں نے خود دیکھی ہے مگر کتاب اور مصنف کا نام دونوں غلط لکھے ہیں۔

اداسی سنت بابا بھومن شاہ: اسلام کے برعکس ہندو مذہب میں ترک دنیا، نفس کشی اور ترک لذات کو بلند مقام حاصل ہے۔ اس معاملہ میں ہندو کمبوہ سنت، سادھو اور فقیر بڑی عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان سے استدراج کے بہت سے محیر العقول واقعات منسوب ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عام دنیا دار سادھوؤں کی طرح ہوس اور حرص کے بندے نہ تھے بلکہ ذات الٰہی سے لو لگانے اور اپنی ہستی مٹا کر اسی کی ذات میں جذب ہو کر "من توشدم تو من شدی" کا نمونہ ہوتے تھے۔ ان بے شمار پرشوں میں سوامی اروندانند، بابا چھجو جی تھند، مہاتما سدھ نتھو جی، سنت بابا بلھاجی اور سنت مانک سنگھ جی خاص شہرت کے مالک تھے۔ البتہ ان میں جو مقام بابا بھومن شاہ کو حاصل ہوا وہ ایک منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ آپ بہلول پور (نزد حجرہ شاہ مقیم) میں ایک بہت بڑے زمیندار حسا کمبوہ کے ہاں 14 اپریل 1687ء کو پیدا ہوئے والدین کا اکلوتا فرزند ہونے کی وجہ سے بڑے لاڈ پیار سے پرورش ہوئی۔ آپ کے نیک دل والد اپنی آمدنی کا ایک معقول حصہ غریبوں اور سادھوؤں کی خدمت گزاری میں صرف کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھومن بچپن سے ہی رام نام جپنے اور گیان دھیان کی طرف مائل ہو گئے مسیں پھوٹیں تو سرخ و سپید رنگت اور سنہری گیسوؤں والے اس خوب رو گبھرو پنجابی نوجوان کی سج دھج ہی اور تھی۔ عنفوان شباب میں روحانیت کے غازہ نے چار چاند لگا دئے۔

---

(52) یعنی بے علم، فقیر، باری تعالیٰ کی بے نیاز ذات کے بندوں میں کمزور ترین، ہرکرن پسر متھرا داس کمبوہ ساکن ملتان۔

مغل حکومت کی طرف سے تحصیل دیپالپور کا خاصا علاقہ سردار لکھے خاں ونو کی عملداری میں تھا۔ حویلی لکھا اسی کے نام سے منسوب ہے۔ لکھے خاں نے اپنے فرزند قطب خاں کے نام پر موضع کوٹ قطب کی بنیاد رکھی اسی زمانے میں بھومن شاہ بھی پھرتے پھراتے اس موضع میں جا پہنچے اور وہاں مستقل طور پر ڈیرہ جما دیا۔ اب ونو ان کو گاؤں سے نکالنے پر تل گئے مگر ان کی خرق عادت کرامت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ پورا گاؤں جس کا رقبہ چار ہزار گھماؤں تھا بابا صاحب کی نذر کر دیا۔

بابا بھومن شاہ نے 25 دسمبر 1761ء کو رحلت فرمائی ان کی سادھ کوٹ قطب (حال موضع بھومن شاہ) تحصیل دیپالپور ضلع اوکاڑہ میں واقع ہے نہر بھومن شاہ مائنز اس علاقہ کو سیراب کرتی ہے۔ سکھوں نے گوردوارہ ایکٹ کے تحت سادھ پر قبضہ کی کوشش کی تھی مگر وہ عدالت میں اپنا موقف صحیح ثابت کرنے میں ناکام رہے' اس وقت اس سادھ کے نام آٹھ ہزار ایکڑ اراضی وقف تھی۔ یہاں کے گدی نشیں مہنت گردھاری داس بی اے پنجاب صوبائی اسمبلی کے ممبر رہ چکے تھے وہ روشن خیال تعلیم یافتہ شخص تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ضلع سرسہ (ہریانہ) میں آباد ہو گئے جہاں ان کو 1600 ایکڑ اراضی الاٹ ہوئی ہر سال ماہ دسمبر میں دہلی کے قریب دریائے جمنا کے کنارے بابا جی کی یاد میں لنگر تقسیم کیا جاتا ہے۔ 12 جولائی 1995ء کو موجودہ گدی نشیں مہنت امرداس پسر گردھاری داس نے دامن ہمالیہ میں واقع کیندریہ آشرم (ضلع دہرہ دون) میں سالانہ میلہ بڑے تزک و احتشام سے منایا۔

راجہ بھیم سنگھ کمبوہ: اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جہاں مغل حکومت کے انتشار کا آغاز ہوا وہاں سکھوں کی مفسدہ پردازی' قتل و غارت گری اور دہشت گردی میں ناقابل برداشت اضافہ ہو گیا۔ یوں تو اہل پنجاب نے بڑے بڑے صدمے جھیلے ہیں لیکن تقریباً 1680ء سے لے کر 1830ء تک ڈیڑھ سو سال کا عرصہ پنجاب کے تمام عوام کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے خاص طور پر ایک ایک دن قیامت صغریٰ کا سماں پیش کرتا رہا اس کی ہلکی سی جھلک 1947ء میں مشرقی پنجاب میں دیکھنے میں آئی۔ انسانیت سوزی کے لحاظ سے تمام تاریخ نویسوں نے اسے تاریک ترین دور قرار دیا ہے لالہ کنہیالال نے تاریخ پنجاب میں کافی حد تک غیر جانبدارانہ تصویر کشی

کی ہے۔ مسٹر ولیم ارون نے The Later Mughals میں محمد قاسم کی تاریخ کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کیا ہے جسے چوہدری وہاب الدین مرحوم نے تاریخ کمبوہاں ص 151 پر نقل کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ عبدالصمد خاں گورنر لاہور بندہ بیراگی کو عبرتناک شکست دینے کے بعد ایک اور مہم میں مصروف ہو گیا تو سکھوں نے پھر سر اٹھایا چنانچہ گجرات' ایمن آباد' پسرور' پٹی وغیرہ کے آٹھ فوجداروں اور راجاؤں نے اپنی اپنی فوجیں اکٹھی کر کے متحدہ کمان میں بندہ بیراگی کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا ان آٹھ حاکموں میں راجہ بھیم سنگھ کمبوہ کا بھی ذکر آتا ہے مگر اس کی ریاست کا نام کہیں مذکور نہیں۔ چوہدری وہاب الدین کی مزید تحقیق بتاتی ہے کہ وہ غالباً "سرکپ" کا راجہ تھا قوی اندازہ ہے کہ سرکپ پٹی کے جنوب مشرق کی طرف دریائے بیاس کے دائیں کنارے پر واقع تھا۔ ایک روایت کے مطابق اس علاقے میں راجہ بھیم سنگھ شجاعت' ہیبت' دبدبہ اور تہور کے باعث کافی مشہور تھا۔

رائے کھیم کرن اور ان کا خاندان: کھیم کرن پرگنہ پٹی کا مشہور قصبہ قصور سے سات میل بجانب مشرق واقع ہے۔ 1947ء تک یہ قصبہ ضلع لاہور کا حصہ تھا مگر ریڈ کلف ایوارڈ کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث پٹی پرگنہ کا پورا علاقہ ضلع امرتسر میں شامل کر دیا گیا۔ 1965ء کی جنگ میں اس قصبہ پر پاکستانی فوج کے قبضہ کے باعث اسے بہت شہرت حاصل ہوئی لاہور کے بعض منچلے جو کھیم کرن دیکھنے جاتے تھے کچھ اشیا (بطور یادگار) بھی اپنے ساتھ لے آتے تھے۔ اسی زمانہ میں ہمیں آئینہ کھیم کرن کے چند بوسیدہ اوراق دستیاب ہوئے زیر نظر مضمون اس کتاب کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے۔

اس قصبہ کے مورث اعلیٰ رائے جادو رائے کے بزرگ بہت بڑے رئیس تھے جن کی بائیس پالکیاں نکلا کرتی تھیں جادو رائے بھی مسلمان بادشاہوں کے دربار میں اچھی پوزیشن کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی جاگیر میں رائے پور نام سے گاؤں آباد کیا۔ ان کا پوتا رائے بدھی چند خلف رائے نرائن داس شہنشاہ اکبر کے منتخب امرا میں سے تھا شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں بھی اس کا شمار سلطان کے عمائدین میں ہوتا تھا بدھی چند نے جاگیر کو کافی وسعت دی اور گاؤں کا نام رائے پور بدھی چند مشہور ہو گیا۔ اس کا بڑا بیٹا رائے دلپت رائے وزارت شاہی کے منصب پر فائز تھا اس کا ارادہ تھا کہ رائے پور

کی جگہ اپنے خاندان کے شایان شان نیا شہر آباد کیا جائے۔ سرکاری معروفیات کی وجہ سے اسے زیادہ تر دہلی اور آگرہ اور بعض اوقات لاہور میں رہنا پڑتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ کام اپنے چھوٹے بھائی رائے کھیم کرن کے سپرد کر دیا۔ رائے کھیم کرن نے ارد گرد کی کافی زمین خلجی اور مسلمان کھچی راجپوتوں سے خرید کر پہلے شہر پناہ کے لئے فصیل تیار کرائی وسط میں کشادہ چوک اور چاروں طرف چار دروازے رکھے گئے۔ درمیان میں شاہی طرز کے عالی شان محلات تعمیر کرائے۔ بیعنامہ کے کاغذات میں رائے کھیم کرن کا نام "رفعت و امانت پناہ' عالی سرکار' امین وفوجدار" وغیرہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ رائے بدھی چند کی جائیداد شرع محمدیؐ کی رو سے دلپت رائے اور کھیم کرن کو دو دو حصہ اور بیٹی راموں کو ایک حصہ کے حساب سے تقسیم ہوئی دستاویز پر قاضی معزالدین کے دستخط ثبت ہیں۔ دلپت رائے اور کھیم کرن کے حصے میں بائیس بائیس گاؤں اور بی بی راموں کو آٹھ گاؤں ملے تھے راموں کی اولاد سے رائے رایان سنگت رائے بہت مشہور ہوا ہے اس کا بھائی رائے رایان راجہ روشن رائے مغل بادشاہ محمد شاہ کے وزیراعظم نواب قمرالدین کا دیوان اور ان کی ریاست کا مدارالمہام تھا۔

رائے دلپت رائے نے لاہور میں کمبوہ واڑہ کے نام سے دو محلے آباد کرائے۔ ایک کمبوہ محلہ سوتر منڈی میں آباد کرایا۔ محلہ بلی ماراں دہلی میں ان کا ایک شاندار محل تھا ان کے بیٹے نرپت رائے نے چاندنی چوک میں ایک حویلی خریدی تھی۔ دلپت رائے کے پانچ بیٹوں میں سے دو لاولد تھے۔ باقی تین ہسپت رائے۔ بھوپت رائے اور گجپت رائے کی اولاد آج تک موجود ہے۔ گجپت رائے ایک اعلیٰ فوجی افسر تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا اسلامی نام نواب عبدالمعبود خاں تھا وہ لاہور کے محلہ کمبوواڑہ میں اپنے والد کی تعمیر کردہ شاندار حویلی میں منتقل ہو گئے اس محلہ میں اور مسلمان بھی رہائش پذیر تھے۔ دوسرے کمبوواڑہ میں صرف ہندوؤں اور سکھوں کی سکونت تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مقبرہ جہانگیر کی تعمیر بھی رائے دلپت رائے کے زیر اہتمام تکمیل کو پہنچی تھی جس کے بعد مسجد وزیر خاں اور پھر شاہی مسجد کی تعمیر بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی۔ ہسپت رائے کا پوتا سردار لکھا سنگھ ولد مولراج بڑا صاحب اقبال

تھا۔ اس نے اپنی جاگیر میں بہت بڑا اضافہ کیا (53) اس کی ایک حویلی لاہور میں تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ یہ حویلی کنور نونہال سنگھ کے لئے خریدنا چاہتا تھا مگر لکھا سنگھ نے اس کی قیمت وصول کرنے سے انکار کر دیا۔ بڑی رد وکد کے بعد آخر مہاراجہ نے اس حویلی پر بلا معاوضہ قبضہ کر کے یہاں نئی حویلی تعمیر کرائی۔ برطانوی دور میں میدان بھائیاں میں واقع اس حویلی میں وکٹوریہ گرلز ہائی سکول قائم کر دیا گیا۔
سکھ دور کے آغاز میں کھیم کرن کے رایان کی اولاد نے سکھ مذہب اختیار کر لیا تھا۔

فصل دوم

ہندو کمبوہ عہد حاضر میں

موجودہ دور میں بھی کئی ہندو کمبوہوں نے برادری کی تاریخ میں اپنے لئے ایک خاص مقام بنایا ہے جس قدر معلومات دستیاب ہو سکی ہیں ان کا مختصر ذکر ذیل میں درج ہے۔

چوہدری دیس راج: کرنال کے نامور وکیل، راست باز لیڈر اور برادری کے مخلص خیر خواہ ہیں۔ 1977ء میں جنتا پارٹی کے ٹکٹ پر ہریانہ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہریانہ میں وزیر تعلیم بھی رہ چکے ہیں۔ بعد میں کانگریس میں شامل ہو گئے۔

کامریڈ ودھاوا رام: بی اے پاس کرنے کے بعد سیاست کی وادی میں قدم رکھا جاگیرداری کے سخت مخالف پکے کیمونسٹ لیڈر ہیں۔ برطانوی دور میں کئی بار گاؤں میں نظر بند رہے، آزادی کے بعد بھی کئی سال جیل یاترا کی، 1949ء میں ساتھیوں کے ہمراہ سرنگ لگا کر جیل سے فرار ہو گئے۔ 1952ء میں پٹیالہ جیل سے ہی حلقہ فاضلکا سے پنجاب اسمبلی کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہوئے۔

---

(53) سردار لکھا سنگھ کے حالات کے لئے بارھواں باب ملاحظہ فرمائیں۔

شریمتی کملا ورما: 1929ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئیں۔ گریجوایشن کے بعد آیورویدا اور وید اچاریہ کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1947ء کے بعد بھارت میں ڈاکٹری کی پریکٹس کی۔ آیورویدک طب میں نام پیدا کیا پھر سیاست میں آ گئیں۔ 1975ء کی ایمرجنسی میں اندرا سرکار نے 19 ماہ جیل میں رکھا۔ ڈی آئی آر کے تحت ان کے خاوند کو بھی قید کر دیا گیا۔ پہلے جن سنگھ میں تھیں پھر جنتا پارٹی میں شامل ہو گئیں۔ جنتا پارٹی کی حکومت کے دوران میں وزیر صحت رہ چکی ہیں۔ لیکن جب 1980ء میں ان کا گروپ کانگریس میں شامل ہو گیا تو وزارت سے استعفیٰ دے دیا مگر اپنے ضمیر کے خلاف کام نہ کیا۔

چوہدری ہرکشن لال: 1909ء میں ضلع ساہی وال کے ایک امیر زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے پہلے کافی عرصہ ساہیوال اور پھر فیروز پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر رہے۔ آزادی کے بعد ضلع سرسہ میں زمین الاٹ ہوئی۔ کانگریس کے ٹکٹ پر ہریانہ اسمبلی کے ایم ایل اے منتخب ہوئے۔ 1973ء میں دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہوئے۔ ان کے فرزند سروحترا ایک ذہین اور ممتاز وکیل ہیں تعلق کانگریس سے ہے سیاسی اور قومی امور میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

چوہدری لچھمن سنگھ: 1946ء میں کرنال میں پیدا ہوئے۔ سترہ سال کی عمر میں دوستوں کے ہمراہ کسان مزدور تحریک میں پٹنہ (صوبہ بہار) جا کر حصہ لیا۔ دو ماہ جیل میں رہے 1977ء میں سیاست میں باقاعدہ حصہ لینا شروع کیا۔ 1982ء میں لوک دل کے ٹکٹ پر ہریانہ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ پارٹی بدلنے کے عوض میں ان کو وزارت اور 25 لاکھ روپے نقد کی پیش کش کی گئی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔ 1987ء میں دوبارہ ہریانہ اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔

چوہدری ہزار چند: 1919ء میں دیپالپور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کانگریس کسان تحریک میں 6 ماہ قید کاٹی اس کے بعد کئی بار جیل گئے۔ لوک دل ضلع سرسہ کے پردھان اور معروف لیڈر ہیں 1987ء میں سابق وزیر لچھمن داس اروڑہ کو ہرا کر ایم ایل اے منتخب ہوئے جو بہت بڑا کارنامہ تھا۔

سیٹھ کرتا رام: ہوزری کے کاروبار میں ان کا شمار چوٹی کے صنعتکاروں میں ہوتا ہے کل ہند کمبوج مہاسبھا کے صدر رہے ہیں۔ "شہید اودھم سنگھ ٹرسٹ" کے خزانچی ہیں۔ دہلی میں اودھم سنگھ بھون انہی کی زیر نگرانی تکمیل کو پہنچا۔

چوہدری ہردیال سنگھ کمل: دہلی کے کاروباری حلقوں میں بڑی شہرت کے مالک ہیں۔ آپ شاعر، مصنف اور سماجی رہنما بھی ہیں۔ ماہنامہ رسالہ کمبوج ہیتشی کے ایڈیٹر ہیں یہ رسالہ باقاعدگی سے دہلی سے ہندی زبان میں شائع ہو رہا ہے۔ اودھم سنگھ ٹرسٹ دہلی کے پردھان (صدر) ہیں اودھم سنگھ بھون کی تیاری میں بہت حصہ لیا۔

سری نانک چند: کل ہند کمبوج مہاسبھا کے جنرل سیکرٹری رہ چکے ہیں بڑے جوشیلے کارکن ہیں۔

سری کرتارچند تھند: تعلق ضلع سنگرور کے ایک دیہاتی غریب گھرانے سے ہے اپنی محنت اور خداداد قابلیت سے آج ان کا شمار بڑے صنعتکاروں میں ہوتا ہے۔ کرن میٹل ورکس، ستیا میٹل ورکس وغیرہ کئی کارخانوں کے مالک ہیں۔ ان کے بھائی سردار اندر سنگھ تھند نے بھی ان کی رہنمائی میں ذاتی کاروبار شروع کیا وہ مشہور کارخانہ ڈائمنڈ میٹل ورکس کے مالک ہیں۔ دونوں بھائی قومی کاموں میں بھی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔

ہندو کمبوہ تجارت، صنعت، وکالت، سیاست وغیرہ کے علاوہ علمی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھی پیچھے نہیں رہے۔ شاعری، افسانہ نگاری، گلوکاری اور فلم سازی میں ان کا اپنا حصہ ہے۔

سری رنجیت چودھری: خود بھی اداکار ہیں اور کمبوج فلم کمپنی کے مالک ہیں۔ ہریانہ کی بولی میں ان کی فلم "چودھری ہرپھول سنگھ" کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔

سری وید پرکاش: ہندی زبان کے مشہور ناول نگار اور ترقی پسند ادیب ہیں۔ متوسط اور غریب طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ نئی سوچ اور نئی اپروچ رکھتے ہیں۔ سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کو اس عہد کا منشی پریم چند کہا جاتا ہے۔ دہلی میں برادری کے کاموں میں بہت سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔

شیام لال اختر: غازی آباد (یوپی) کے اردو اور ہندی کے مشہور شاعر ہیں۔ ہندی میں کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

تیلو رام: مشہور ہندو مصنف اور صحافی۔ ان کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ہندی میگزین کی اشاعت 50 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

سری ملکھ راج تھند: راجستھان اسمبلی کے ممبر اور صوبائی حکومت میں ڈپٹی منسٹر رہ چکے ہیں۔

چودھری بلویر شرن: شاملی (یوپی) کے ضلع پریشد اور نگرپالکا کے چیئرمین اور پردھان رہ چکے ہیں۔ مشہور کبوہ لیڈر ہیں۔

چودھری دھرم سنگھ وکیل: کبوج برادری کے مشہور رہنما اور جمناگر (ہریانہ) کے چوٹی کے وکیل ہیں۔ دو دفعہ الیکشن میں حصہ لیا مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔

ڈاکٹر جیالال کبوج: قوم کے مایہ ناز فرزند ڈاکٹر جیالال کبوج کا تعلق ضلع کرنال (ہریانہ) سے ہے۔ طبیعت میں انکسار' قوم سے گہری محبت اور تعصب سے بالاتر ہیں۔ تعلیم ایم اے۔ پی ایچ ڈی اور پیشہ معلمی ہے۔ ہندو کالج دہلی میں سنسکرت کے پروفیسر ہیں۔ سنسکرت زبان خاص کر گرامر اور ویدوں کے ماہر استاد ہیں۔ کئی کتابوں اور مقالات کے مصنف ہیں۔ آپ کی بے مثال تحقیقی کتاب "پراچین کمبوج' جن اور جن پد" کبوہ قوم کی تاریخ میں بیش بہا اضافہ ہے۔ مارچ 1984ء کے نوائے کبوہ میں اس کتاب پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ (موصوف اور راقم کے درمیان خط کتابت ہوتی رہی ہے)۔

نرنجن سنگھ نور: پہلے ناقص تخلص کرتے تھے مگر پنجابی شاعری اپنانے کے بعد پنجاب کا نور بن گئے ان کی شاعری جہاں انسانی جذبات کی صحیح عکاسی کرتی ہے وہاں انقلاب کا عالمگیر درس بھی دیتی ہے۔ وہ پندرہ بیس سال سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔ ان کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں جو پنجابی ادب کا انمول خزانہ ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے صنعتی لحاظ سے ہندو کبوہ ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

دہلی، میرٹھ، سہارنپور، غازی آباد وغیرہ مقامات پر کئی صنعتی یونٹ قائم ہو چکے ہیں۔

لالہ شورام داس مہوک: اگرچہ ان کا ذکر سب سے آخر میں کیا جا رہا ہے مگر برادری کا یہ انمول ہیرا زندگی بھر تن من دھن سے کمبوج قوم کی خدمت میں انہماک کے باعث سرفہرست ہے۔ بھارت کی ہندو اور سکھ برادری کے خادموں اور قومی ترقی اور بیداری کے معماروں میں یہ نام کبھی بھلایا نہ جا سکے گا۔ سرب ہند کمبوج سبھا کا قیام ہو یا کسی رسم سدھار کمیٹی کی تشکیل، کسی کل ہند کمبوج کانفرنس کا انعقاد ہو یا رسالہ کا اجراء شورام داس کا نام سب سے آگے نظر آئے گا۔ تاریخ کمبوہاں مؤلفہ چوہدری وہاب الدین کی اشاعت دوم (1938ء) میں ان کی فوٹو اور تعارف اس کا بین ثبوت ہے۔ قوم کا یہ ہیرو اپنے کارناموں کی خاموش تاریخ رقم کر کے 1984ء میں داغ مفارقت دے گیا۔

- لالہ جی کے نام کے ساتھ کمبوہ کانفرنسوں کا ذکر آیا ہے تو ان کے لگائے ہوئے اشجار پر بہار کی رونق بھی ملاحظہ ہو:

بھارت میں منعقدہ کمبوہ کانفرنسیں: سن 1911ء کی مردم شماری کی رپورٹوں سے متاثر ہو کر لالہ شورام داس نے برادری کے سرکردہ اصحاب سے رابطے قائم کر کے اپنے شہر امرتسر میں 1914ء میں کمبوج رسم سدھار کمیٹی کی بنیاد رکھی اسی سال اس کا نام کل ہند کمبوج مہاسبھا میں بدل کر پہلی کانفرنس منعقد کی اور اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ کانفرنس کی ایک قرارداد کے مطابق ان کی ادارت میں پنجابی زبان کا اخبار کمبوج گزٹ جاری کیا گیا۔ سردار گنڈا سنگھ سپرنٹنڈنٹ پولیس (کیمبل کرنی) اس کے سرپرست تھے۔

دوسری کمبوج کانفرنس دسمبر 1919ء میں سردار کاہن سنگھ کمشنر بھوانی گڑھ (پٹیالہ) کی زیر صدارت امرتسر میں منعقد ہوئی اس کو کامیاب بنانے اور شاندار اجتماع کی شکل دینے میں لالہ شورام داس، سردار کشن سنگھ ڈپٹی کمشنر پٹیالہ اور ٹھاکر بھگوان سنگھ وزیر ریاست ریوا نے انتھک محنت کی۔

تیسری کل ہند کمبوج کانفرنس لالہ سدا نند ہال لاہور میں دسمبر 1920 میں کیپٹن رام

سنگھ مہوک ساکن سنام کی صدارت میں ہوئی۔
چوتھی کل ہند کمبوج کانفرنس جس کے صدر سردار گنڈا سنگھ رئیس اعظم کھیم کرن ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس فرید کوٹ تھے۔ دسمبر 1929ء میں پٹیالہ میں منعقد ہوئی۔
پانچویں کل ہند کمبوج کانفرنس کی صدارت کے لئے سردار جوالا سنگھ ساکن کھڈیاں ضلع قصور کو منتخب کیا گیا۔ انہوں نے گاؤں گاؤں' قصبہ قصبہ جا کر جلسے منعقد کئے اور بیداری کی لہر دوڑائی اور پھر تحصیل اور ضلع کی سطح پر انجمنیں قائم کیں۔ جنگ عظیم دوم کی وجہ سے مرکزی کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔
چھٹی سرب ہند کمبوج کانفرنس سردار بشن سنگھ کی فرمائش پر ان کے علاقہ راجپورہ ضلع پٹیالہ کے عوام کی خاطر دھرم گڑھ میں تقسیم ہند کے بعد منعقد ہوئی۔ صدارت کے فرائض سردار امر سنگھ اور جنرل سیکرٹری کے ماسٹر بشن سنگھ نے انجام دیئے۔ 1953ء میں شیبہ ضلع کپورتھلہ میں ڈاکٹر گنگا سنگھ کی زیر صدارت ایک شاندار تاریخی کانفرنس انعقاد پذیر ہوئی۔ اس کا تمام انتظام کمبوج نوجوان سبھا نے کیا۔ سردار ہربجن سنگھ کی مساعی سے 'ماہنامہ کمبوج سندیش' کا اجرا عمل میں آیا۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑی کانفرنس ماسٹر سندر سنگھ لانپوری کی صدارت میں 7- جی بی گنگا نگر (راجستھان) میں اور ایک سردار گنگا سنگھ کی زیر صدارت سہارنپور (یوپی) میں منعقد ہوئی۔ فروری 1959ء میں سنور (پٹیالہ) میں منعقدہ کانفرنس میں سردار پرتاپ سنگھ کیروں وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی ان سے مطالبہ کیا گیا کہ کمبوہ قوم کو پس ماندہ قوم شمار کیا جائے۔ حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے اس کا باقاعدہ نوٹی فیکیشن جاری کیا۔ اس کانفرنس میں سردار سادھو سنگھ چترتھ (ریٹائرڈ) ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز کو سرب ہند کمبوج مہاسبھا کا صدر اور چندر شیکھر سنگھ کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا۔
جون 1961ء میں بمقام سرسہ (ہریانہ) سرب ہند کمبوج کانفرنس ہوئی جس میں سردار سادھو سنگھ چترتھ کو مزید دو سال کے لئے صدر منتخب کیا گیا۔ اس کانفرنس میں کمبوڈیا کے بھکشو سری دھرماوراں (دھرم ویر) اور قونصل سری تھاگ ہم بھکشو اور سلاکانگ بھی شامل ہوئے۔

باب یازدہم

مسلم فرمانروایان ہند کے عہد میں مسلمان کبوہ

ہم نے آٹھویں اور نویں باب میں مسلمانوں کے عروج' ممالک شرقیہ بالخصوص افغانستان اور ہندوستان پر ان کے حملوں اور آخر میں ہندوستان میں باقاعدہ مسلمان حکومت کے قیام کا ایک سرسری سا خاکہ پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں کبوہوں کے قبول اسلام کا عمومی انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہمیں ترک سلاطین (خاندان غلاماں)' خلجی اور تغلق فرمانرواؤں کے دور حکومت میں' اعلیٰ سول یا فوجی منصب پر فائز کسی کبوہ شخصیت کا پتہ نہیں ملتا۔ اسی طرح کسی اعلیٰ ادبی' علمی یا دینی کبوہ بزرگ کا تذکرہ بھی دستیاب نہیں۔

آٹھویں صدی کے وسط یعنی دیوان چاولی مشائخ کی شہادت سے لے کر افغان حکمران بہلول لودھی کی تخت نشینی (1451ء) تک کا عرصہ اسی بناء پر کبوہ قوم کی تاریخ کے لئے تاریکی کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں ملکی یا بین الصوبائی اہمیت کے کوئی بزرگ تاریخ کے صفحات کی زینت نہیں بن سکے۔ یہی نہیں' صوبائی یا مقامی سطح کے کسی بزرگ کا نام بھی کسی تذکرہ میں موجود نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکمرانوں نے عام طور پر کلیدی عہدوں کی ذمہ داری افغانستان اور ایران سے آنے والے افراد کو سونپ رکھی تھی۔ مقامی لوگ اوسط درجے کی ملازمتیں ہی حاصل کر سکتے تھے اس لئے تذکرہ نگاروں کی نظر میں وہ قابل التفات نہ گردانے گئے جبکہ تذکرہ نگار بھی غیر ملکی ہی ہوتے تھے۔ ثانیاً ملکی حالات بھی مقامی ارباب دانش و حکمت اور اصحاب شجاعت و بسالت کے لئے سازگار نہ تھے۔ تاہم اپنے محدود دائرہ کار میں انہوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اس زمانے کے اساتذہ کرام اور علمائے دین کی سرگرمیوں کے مختصر تذکرے ملتے ہیں لیکن ان کی قومیت کا ذکر نہ ہونے کے باعث وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کس کس بزرگ کا تعلق کبوہ قوم سے تھا البتہ ملتان اور بعض دوسرے شہروں میں تعلیم و تدریس کے شعبے سے متعلق مسلمان کبوہ علما کی وابستگی کے اشارات ملتے ہیں۔ ملتان کے بہت سے تعلیم یافتہ کبوہ حضرات بہتر وسائل کی تلاش

میں یوپی کے شہروں مثلاً میرٹھ، مراد آباد، امروہہ اور دہلی میں جا کر آباد ہوتے رہے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے علاقے میں نمایاں مقام حاصل کئے۔

دارالسلطنت دہلی میں قاضی اور مفتی جیسی شرعی خدمات کا تعلق اکثر کمبوہ قوم سے رہا ہے اور مغل حکومت کے آخر تک وہ اہم عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ صاف ظاہر ہے یہ علماء، دین، اولیائے کرام، شعرائے عظام، مفتیان دین متین، صدر الصدور، مدبرین سلطنت یکایک تو پیدا نہیں ہو گئے تھے۔ ان کے بزرگوں کی صدیوں کی آبیاری کا نتیجہ تھا کہ قوم و ملک کو ان اشجار کے برگ و بار سے بہرہ ور ہونے کے مواقع میسر آئے۔

خلجی اور تغلق بادشاہوں کے آخری ادوار میں ملک طوائف الملوکی کا شکار رہا جس سے دہلی کی علمی اور روحانی مجلسیں اجڑ کر رہ گئیں۔ سلاطین کے زمانے میں پنجاب تین بڑے صوبوں یعنی لاہور، ملتان اور دیپالپور اور سات ذیلی صوبوں کہرام، سلانہ، ہانسی، بھٹنڈہ، سنام، سرہند اور جالندھر میں منقسم تھا۔ کبھی کبھار تھوڑی بہت ردوبدل بھی ہو جاتی تھی۔ کمبوہ قوم زیادہ تر انہی علاقوں میں آباد تھی۔

بہلول لودھی کے برسراقتدار آتے ہی دہلی کی اُجڑی ہوئی مجلسی رونق بحال ہو گئی اور دارالسلطنت دہلی ایک بار پھر علما، فضلا اور اولیائے کرام کا مرکز بن گیا۔

شیخ المشائخ مخدوم سماؤ الدین کمبوہ: دیوان چاولی مشائخ کے بعد کمبوہ برادری میں اصحاب طریقت و معرفت کے آفتاب درخشاں حضرت مخدوم شیخ سماء الدین کا نام نامی آتا ہے آپ 808ھ (1406ء) میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی شیخ بدہ فتح اللہ (54)

---

(54) مخدوم سماء الدین کے داماد اور مرید شیخ جمالی نے ان کے والد کا نام شیخ بدہ فتح اللہ لکھا ہے (سیر العارفین ص 289) چوہدری وہاب الدین نے ان کے والد اور پیر کا نام شیخ فخرالدین بتایا ہے (تاریخ کمبوہاں ص 182) سیر العارفین کے مترجم اور محقق محمد ایوب قادری نے حاشیہ میں لکھا ہے:
"تعجب ہے کہ زمانہ حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے شیخ سماء الدین کے باپ کا نام فخرالدین لکھ دیا ہے"
چوہدری وہاب الدین نے مخدوم صاحب کو زبیری کمبوہوں سے منسوب کیا ہے حالانکہ مخدوم صاحب اور ان کے لواحقین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میری ناخلف اولاد میری قومیت، میرے حسب نسب حتیٰ کہ میری ولدیت تک بدل کر رکھ دے گی۔ (یہاں ایک بات یاد آ گئی مخدوم سماء الدین نے شیخ فخرالدین عراقی کی مشہور کتاب "لمعات" پر حواشی تحریر کئے تھے شاید اسی سے مغالطہ ہوا ہو)

بھی صاحب کمال بزرگ اور شیخ الاسلام حضرت صدر الدین عرف سید راجو قتال" سے بیعت تھے۔ مخدوم سماء الدین نے علوم ظاہری شیخ شاہ الدین (یا سناہ الدین) سے حاصل کئے اور علوم باطنی میں خرقہ خلافت سید راجو قتال کے فرزند سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ کبیر الدین اسمٰعیل سے تفویض ہوا۔ ملتان سے ترک وطن کر کے آپ پہلے رنتھمبور اور پھر بیانہ میں مقیم رہنے کے بعد دارالحکومت دہلی میں تشریف لے آئے۔ سلطان بہلول لودھی آپ کا نہایت عقیدتمند تھا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر پندونصائح سے متمتع ہوتا تھا۔ اسی طرح سلطان سکندر لودھی بھی آپ کا بے حد معتقد تھا۔

شیخ جمالی کبوہ نے مخدوم صاحب" کا تعارف ان الفاظ سے کرایا ہے۔ "وہ حقائق کے مخزن' دقائق کے معدن' ذات اقدس کے جلوے کے سمندر' الوہیت کے سرور کے حامل' قناعت کے پہاڑ کے عنقا' آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہان تمکین کے آسمان تھے۔ قطب الملّت' شیخ سماء الملّت والدّین اگرچہ تمام مشائخ کبار میں آخری تھے لیکن علوم ظاہر و باطن کے اعتبار سے ان کے اطوار میں جنید" اور بایزید" کے آثار نمایاں تھے۔ آپ جذبِ خواطر میں بہت تصرف رکھتے تھے۔ جس بیمار پر نظر مبارک ڈال دیتے تھے اس کا سینہ امراض باطن سے پوری طرح صحت یاب ہو جاتا تھا۔" تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی کے مؤلف خواجہ نعمت اللہ ہروی نے مخدوم صاحب" کو "آسمان ہدایت کے درخشندہ ستارے" اور "قطب الاعظم" (ص 188' 189) اور صاحب طبقات اکبری نے "حضرت قطب الاقطاب" (ص 337) جیسے قابل احترام ناموں سے یاد کیا ہے۔ آپ کی کشف و کرامات کا تذکرہ سیرالعارفین کے علاوہ اخبار الاخیار اور سلسلۂ عالیہ میں بھی ملتا ہے۔ سلطان سکندر لودھی کی عقیدت کا ایک واقعہ بہت سی کتابوں میں مذکور ہے۔ حسام الدین راشدی نے ملا بدایونی کے حوالے سے مقدمہ سیر العارفین ص 56' 57 پر بھی اس واقعہ کا تفصیلاً" ذکر کیا ہے۔ لودھی اور سوری دور کے مؤرخ احمد یادگار کی تاریخ شاہی (مترجمہ سید نذیر نیازی) میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "جب بہلول لودھی مختلف علاقوں کو فتح کرتا ہوا مراجعت فرمائے دہلی ہوا تو اثنائے راہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ نوجوان شہزادہ نظام خاں' باپ کے استقبال کے لئے لشکر لے کر چلنے لگا

تھا کہ سلطان کی وفات کی خبر مل گئی۔ نعش لانے کا انتظام کر کے سیدھا حضرت مخدوم سماء الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بغرض حصول نیک شگون عرض گزار ہوا۔ "استاد محترم! میں آپ سے علم صرف کی کتاب میزان پڑھنا چاہتا ہوں۔" لہٰذا سبق شروع ہوا۔ مخدوم صاحبؒ نے پہلا جملہ پڑھا "اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین" یعنی خدا تجھے دونوں جہانوں میں نیک بخت کرے" (55) شہزادے نے کہا پھر فرمائیے۔ تین مرتبہ یہ جملہ دہرانے کے بعد کتاب بند کر دی اور کہا میرا مدعا حاصل ہو گیا اس کے بعد باپ کی وفات اور شاہی امرا کی طلبی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ مخدوم صاحبؒ سکندر لودھی کے اس اظہار عقیدت وارادت سے بہت خوش ہوئے اور نیک تمناؤں اور دعائے خیروبرکت کے ساتھ رخصت کیا۔

مخدوم صاحبؒ نے 17 جمادی الاول 901ھ (1496ء) کو بعمر نوے سال رحلت فرمائی۔ شیخ جمالی نے قطعہ تاریخ لکھا یہ قطعہ لکھنؤ کے مشہور بیرسٹر حامد علی خاں ولد حکیم امجد علی خاں کمبوہ نے 1324ھ میں پتھر پر کندہ کرا کے شیخ سماء الدین کے مزار پر نصب کرا دیا۔ List of Muhammadan and Hindu Monuments Vol:3, No. 92 آپ کا مرقد مُطہر دہلی میں حوض شمسی کے کنارے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار کے قریب واقع ہے۔

حضرت شیخ عبداللہ بیابانیؒ حضرت شیخ سماء الدینؒ کے فرزند اکبر اور ولئ کامل تھے۔ کچھ عرصہ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ میں معتکف رہے۔ سیرالعارفین ص 266 پر لکھا ہے "وہ بیشۂ ربانی کے شیر اور دریائے رحمانی کے نہنگ تھے" ایک روایت کے مطابق انہوں نے سلطان دہلی سے ایک جماعت کی رہائی کی سفارش کی مگر بادشاہ نے التفات نہ کیا تو وہ ناراض ہو کر جنگلوں میں چلے گئے کہ 'جہاں تیرے جیسا بادشاہ ہو وہاں رہنا حرام ہے' "عشق الٰہی میں سرشاری کا یہ عالم تھا کہ اسی (80) گرمیاں اور برساتیں اس طرح گزریں کہ کبھی مکان کا رخ نہ کیا۔ پانچوں وقت کی نماز بغیر غسل

---

(55) تاریخ کمبوہاں میں ارشدک اللہ' لکھا ہے جس کے معنی ہیں خدا تجھے ہدایت یافتہ کرے۔

کے نہ پڑھی تمام عمر جنگل کے پھلوں یا پتوں کے علاوہ کسی دوسری چیز سے روزہ افطار نہ کیا روزانہ ایک قرآن ختم کرنا ضروری تھا۔ جنگل کے جانور ان کے گرد جمع رہتے کوئی کسی کو گزند نہ پہنچاتا۔ آپ نے ایک سو سال عمر پائی۔

مخدوم سماء الدینؒ کے خاندان کے دوسرے افراد: یہ خاندان برکت و انوار الٰہی سے مشرف رہا ہے۔ آپ کے دوسرے فرزند شیخ نصیرالدین دہلوی "سلطان المحققین" علوم شرعیہ میں کامل اور سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں مستعد تھے۔ سلطان سکندر لودھی سے لے کر بابر بادشاہ کے عہد تک شیخ الاسلام کے عہدے پر فائز رہے۔ مخدوم صاحب کے بھائی شیخ اسحٰق جن کو جمالی نے ملک المشائخ و العلما لکھا ہے علوم دین اور اسرارِ معرفت کے ادراک میں ممتاز تھے۔ شیخ اسحٰق کے فرزند شیخ یحییٰ کو بادشاہِ وقت کی طرف سے کول (علی گڑھ) کی حکومت عطا ہوئی جو طویل عرصہ تک آپ کی اولاد کے تصرف میں رہی۔ ان میں سے محمد سعید خاں جاگیردار کول شاہ جہاں بادشاہ کے عہد میں اعلیٰ فوجی عہدہ پر رہے اور ان کے فرزند مظفر خاں صوبہ کشمیر اور آگرہ کے نائب گورنر رہے ان کی اولاد بھی ممتاز عہدوں پر فائز رہی ہے۔

مخدوم صاحب کے ایک پوتے شیخ عبدالغفور عرف لاڈن ظاہری اور باطنی علوم میں کامل تھے۔ بہت سے مشہور علما ان کے شاگرد تھے۔ (تذکرہ علمائے ہند ص 166) ایک مرتبہ مخدوم صاحب نے فرمایا عبدالغفور لاڈن ہمارے گھر کا چراغ ہے۔ شیخ نصیرالدین نے ان کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ شیخ نصیر الدین کے دوسرے بیٹے اور شیخ عبدالغفور کے بھائی مفتی جمال خاں کو بعض تذکرہ نگاروں نے اَعلم العُلَما لکھا ہے علوم عقلیہ خصوصاً" فقہ' کلام' عربیت اور تفسیر میں بے نظیر تھے ان کی تصانیف میں شرح عضدی' شرح مفتاح اور شرح انوار فقہ زیادہ مشہور ہیں (پیر حسام الدین راشدی مقدمہ ص 50) ابراہیم لودھی سے لے کر شیر شاہ سوری کے عہد تک دارالسلطنت دہلی کے مفتی رہے۔ 984ھ میں بعمر نوے سال فوت ہوئے۔ شیخ نصیرالدین کے ایک اور بیٹے مفتی العلما شیخ فتح اللہ علم و فضل میں ممتاز ہوئے ہیں۔ سلاطین واُمرا کی صحبت سے اجتناب فرماتے تھے تاہم سکندر لودھی سے لے کر شیر شاہ سوری کے عہد تک اہلیان دہلی اور حاکمان وقت آپ کو عزت و افتخار سے یاد کرتے رہے۔ شیخ عبدالغفور کے پڑپوتے نواب

ابو محمد خاں اور نواب بہادر خاں شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے اُمرا میں سے تھے۔ ابو محمد خاں یک ہزاری ذات اور چار صد سوار منصبدار تھے انہوں نے ہگلی بندر (شہر) فتح کیا۔(56) ایک نہر میرٹھ تک بنوائی۔ قلعہ میرٹھ میں کوٹلہ ابو محمد خاں ان کے نام سے موسوم ہے۔ ایک گاؤں ابو محمد پور آباد کیا۔ مختلف مقامات پر مساجد، مسافر خانے، تالاب اور نہریں تیار کرائیں۔ شیخ لالی کا شمار بھی میرٹھ کے کمبوہ رئیسوں میں ہوتا ہے، میرٹھ کا لالہ کا بازار انہی کا آباد کردہ ہے۔ مخدوم صاحب کے پوتے شیخ ہاشم خاں شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ڈھائی ہزاری منصبدار اور ان کے پوتے نواب عمادالملک محمد اعظم الدین خاں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں لاہور کے چیف جج اور اس کے بعد بہادر شاہ عالم اول کے دور میں ملتان اور لاہور کے حاکم رہے ان کا منصب پنج ہزاری تھا۔ شیخ ہاشم خاں کی اولاد سے مفتی ابوالبرکات دہلی کے جج تھے انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بھی حصہ لیا۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ کمبوہ بزرگوں نے فوجی خدمات کے علاوہ علمی میدان میں بھی اپنا سکہ بٹھایا ہوا تھا۔ خزانۂ عامرہ ص 177 مرقوم ہے "خدمات شرعیہ دارالخلافہ دہلی مثل قضا و افتا اکثر بہ قوم کنبوہ تعلق داشت و دارد" (دارالخلافہ دہلی کے شرعی عہدے مثلاً قاضی اور مفتی (جسٹس آف پیس اور جسٹس آف اسلامک لاء) اکثر کا تعلق قوم کمبوہ سے رہا ہے اور اب بھی ہے۔)

میاں احمد خاں بن بہبل بن جمال: ان کی تصنیف معدن الاخبار یا معدن اخبار احمدی شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں مکمل ہوئی۔ یہ تاریخ عالم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عہد جہانگیری تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ خواجہ نعمت اللہ ہروی

---

(56) الشاہیر ص 146 اور تاریخ کمبوہاں ص 216 پر نواب ابو محمد کو ہگلی کا فاتح قرار دینا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرنگیوں (پرتگالیوں) نے ہگلی میں اپنی بری اور بحری فوج کے ذریعے مستحکم قلعہ بندیاں تعمیر کر کے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ وہ نہ صرف مزید علاقوں پر تسلط حاصل کرنے لگے تھے بلکہ اس عرصہ میں دس ہزار سے زیادہ افراد کو عیسائی بنا چکے تھے۔ آخر قاسم الملک کے مدارالمہام نواب بہادر خاں کمبوہ کی زبردست جنگی حکمت عملی اور بے مثال شجاعت و بسالت سے طویل جنگ کے بعد فرنگیوں کو خشکی اور سمندر میں شکست فاش ہوئی، مؤرخ صالح محمد کمبوہ نے اس جنگ کا پوری تفصیل سے ذکر کیا ہے (شاہ جہاں نامہ ص 464 تا 472)

مصنف 'تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی' نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں صرف کتاب کا نام اور مصنف کا نام لکھا ہے مثلاً خواجہ نظام الدین ہروی کی تاریخ نظامی' لیکن معدن الاخبار اور مصنف کا نام اس طرح لکھا ہے "مشائخ اسلام و اولیائے کرام کے چشم و چراغ حضرت میاں احمد خاں بن میاں بہبل خاں کنبوہ کی معدن اخبار احمدی جو سن 1020ھ میں (57) لکھی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے بہت سے معتبر اور معیاری منابع و ماخذ سے معلومات و حقائق کے موتی جمع کر کے اس کتاب کو ایک بیش بہا خزانہ بنا دیا ہے اور جتنی خوبیاں اس تاریخ میں جمع ہو گئی ہیں وہ ہمیں کسی اور کتاب میں نظر نہیں آتیں" (ص 36) (ص 516 پر ان کا نام "فاضلِ روزگار جناب میاں احمد کنبو دہلوی" لکھا ہے۔ تاریخ شاہی کے مصنف احمد یادگار نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے ایک جگہ لکھا ہے "راویان اخبار اور واعیان آثار نے معدن الاخبار کے گلستان سے یوں گل چینی کی ہے" اس کتاب کا ایک خطی نسخہ برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے جو ڈاکٹر Rieu کی مرتبہ فہرست کتب خطی جلد دوم ص 888 پر درج ہے۔

معدن اخبار احمدی ایک معتبر اور مستند تاریخ ہی نہیں بلکہ ایک قیمتی یادگار ورثہ اور نادر و شیفتہ ہے' اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے اردو سائنس بورڈ کو اس کا ترجمہ کروا کے شائع کرانا چاہئے۔

شیخ جمالی: شیخ حامد بن فضل اللہ جمالی دہلوی (58) حضرت شیخ سماء الدینؒ کے داماد اور مرید تھے۔ ولادت غالباً 842ھ میں نواح دہلی میں ہوئی۔ اگرچہ ان کے اساتذہ کا

(57) ڈاکٹر محمد بشیر حسین مترجم تاریخ خان جہانی نے تالیف کی تاریخ 1021 اور سید نذیر نیازی مترجم تاریخ شاہی نے 1023ھ لکھی ہے۔)

(58) مقام حیرت ہے بعض مستند کتابوں میں بھی آپ کا نام غلط بیان کیا گیا ہے۔ اخبار الاخیار' تذکرہ روز روشن' خزینۃ الاصفیاء' آب کوثر وغیرہ میں آپ کا نام جلال خاں لکھا ہے تذکرہ حسینی میں لکھا ہے' حاجی جلال خاں' خزانۂ عامرہ اور مجمع النفائس (مرتبہ خاں آرزو) میں شیخ فضل اللہ دہلوی' نتائج الافکار میں شاہ فضل اللہ جمالی اور سپرنگر نے اودھ کیٹلاگ میں جمالی فضل اللہ بتایا ہے۔ لیکن شیخ جمالی نے سیر العارفین (مطبوعہ مطبع رضوی دہلی 1311ھ) میں خود اپنا نام یوں لکھا ہے۔ "معتقد اہل اللہ' حامد بن فضل اللہ' الراجی الی حضرۃ التعالی المعروف بہ درویش جمالی" یہی نام تمام قلمی نسخوں میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دنیا بھر کے تذکروں میں ان کو دہلوی لکھا ہے البتہ چوہدری وہاب الدین نے ان کو ملتانی ظاہر کیا ہے۔

علم نہیں تاہم "دینی اور دنیوی علوم میں کامل مہارت اور دسترس حاصل تھی یہی سبب تھا کہ سفر میں اپنے دور کے جید علما' مشائخ اور شعرا سے برابری کی حیثیت سے ملتے رہے اور ان سے دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے" (مقدمہ سیرالعارفین ص 29) سیرو سیاحت کا بے حد شوق تھا۔ ایران' عراق' عرب' مصر' روم' شام غرض تمام بلاد اسلامیہ' زیارات مقدسہ اور حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ دوران سفر میں شیخ عبدالعزیز جامی۔ ملا حسین واعظ کاشفی۔ مولانا جلال الدین محمد دوانی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شاعر بے مثل مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامی سے ملاقات ہوئی۔ مولانا جامی سے ان کی پہلی ملاقات بڑے بے ڈھب طریقے سے ہوئی۔ ان کے کلام کی شہرت آغاز سفر سے پہلے ہی دنیائے اسلام میں پہنچ چکی تھی۔ گھر کا پتہ دریافت کر کے مولانا جامی کے دولت کدہ پر پہنچے۔ وہ اپنے احباب کے ساتھ کمرے میں تشریف فرما تھے۔ جمالی کا گردوغبار سے اٹا ہوا برہنہ تن تھا فقط لنگ (تہ بند) باندھے تھے۔ سفید براق چاندنی پر کف پا سے نقش بناتے سیدھے جامی کے پہلو میں مسند پر جا براجمان ہوئے۔ جامی جیسا نازک مزاج تیز طبع شاعر یہ حرکت کس طرح برداشت کر سکتا تھا۔ بگڑ کر پوچھا "میان شما و خرچہ قدر تفاوت است" (تم میں اور گدھے میں کس قدر فرق ہے) انہوں نے بالشت درمیان میں رکھدی۔ جواب دیا "بقدر یک وجب" (ایک بالشت کے برابر) مولانا جامی ٹھٹکے اور کہا "کیستی؟" (کون ہو) انہوں نے کہا "از خاکسارانِ ہند" پوچھا "از سخنانِ جمالی چیزے یاد داری؟" (جمالی کے کلام سے کچھ یاد ہے) انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

دوسہ گز کے بوریا و پوستکے - دلکے پُر ز دردِ دوستکے
لُنگکے زیرو لنگکے بالا - نے غمِ دُزد و نے غمِ کالا
ایں قدر بس بود جمالی را - عاشقِ رندولا اُبالی را

نوٹ : محمد حسین آزاد نے دربار اکبری میں دوسہ گز کے بوریا لکھا ہے۔ مگر رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں موجود نسخہ میں پہلے شعر کا پہلا مصرعہ یوں ہے۔

غ ۔ دو گزک بوریا و پوستکے

"دو تین گز ٹاٹ اور کھال کا ٹکڑا" دوست کی محبت سے بھرا ہوا چھوٹا سا دل۔

چھوٹی سی لنگی کمر میں اور وہی اوپر نہ چور کا خطرہ نہ مال اسباب جانے کا ڈر۔ جمالی جیسے بے فکر عاشق رند کے لئے یہی کافی ہے۔" جامی اور زیادہ متوجہ ہوئے پوچھا "طبع شعر داری؟" (یعنی کچھ شعر کہتے ہو) ایک آہ بھری اور حسب حال مطلع پڑھا:

مارا ز خاک کویت پیراہن است برتن
آں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

(ہمارے جسم پر تمہارے کوچہ کے گرد و غبار کا پیراہن ہے۔ وہ بھی آنسوؤں سے دامن تک سو ٹکڑے ہو گیا ہے!) یہ کہا اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بدن پر تمام گرد پڑی تھی سینہ پر آنسو جو گرے گرد چاک چاک ہو گئی۔ گویا سچ مچ کا پیراہن تار تار ہو گیا۔ مولانا جامی سمجھ گئے اٹھ کر گلے ملے۔ حمام کرایا لباس فاخرہ پہنایا اور ایک عرصہ تک اپنے ہاں رکھا۔ خوب محفلیں جمتی رہیں۔

سلطان سکندر لودھی خود باذوق شاعر تھا۔ شیخ جمالی سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ مخزن افغانی کے مصنف نے لکھا ہے "سلطان (سکندر لودھی) کو شیخ جمالی کے ممالک اسلامیہ کے سفر سے واپس وطن پہنچنے کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ انہوں نے "مہرولہ" نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ تو ملاقات کا بے حد اشتیاق پیدا ہوا اور ایک شوقیہ قطعہ اپنے دستخط خاص سے "معارف دستگاہ و حقائق آگاہ" کی خدمت میں دہلی بھیجا۔ سلطان خود سنبھل میں تھا قطعہ کے دس اشعار میں سے تین شعر بطور نمونہ ذیل میں درج ہیں:

اے مخزنِ گنج لا یزالی - وے سالکِ راہِ دیں' جمالی
جانم بہ جمالِ تو طپان است - دل مرغ مثال درفغان است
من سکندر و توخضر مالی - آن بہ کہ سوئے ما بیائی

قطعہ پڑھ کر جمالی نے فرمایا "فقرا کو اغنیا کی مجالس سے کیا احتیاج!" وہ خود نہ گئے جواب میں منظوم رقعہ اور مثنوی مہرولہ ۔ بھیجدی بادشاہ کو ملاقات کا شوق تیز تر ہو گیا ان کے مرشد شیخ سماؤ الدین ؒ سے سفارش کر کے آخر جمالی کو سنبھل بلا لیا۔ جمالی جب قریب پہنچے تو سلطان نہایت شوق سے تین میل آگے استقبال کو نکل آیا اور پھر ایسا باہمی انس ہوا کہ آخر حیات تک ایک دوسرے کے انیس اور جلیس رہے (تاریخ خان جمالی ص 225-227)

جمالی نے اپنے اور بادشاہ کے تعلق کی نوعیت اس طرح بیان کی ہے۔

میانۂ من و تو دوستی زبہر خدا است
نہ از برائے متاع زمانۂ غدار

شیخ جمالی کے کلام کی اثر انگیزی کی ایک جھلک تاریخ خان جہانی کے مصنف کے قلم سے ملاحظہ ہو:

"سلطان (سکندر لودھی) کی وفات کے بعد شیخ نے قصائد، ترکیب اور مرثیے رقم فرمائے ہیں۔ اہل فضل اور ارباب کمال مدت مدید تک ان کو پڑھتے تھے اور آنسوؤں کی بجائے ان کی آنکھوں سے خون کی جھڑیاں لگتی تھیں" گنجائش ہوتی تو چند شعر ضرور پیش کئے جاتے۔ مولانا جمالی نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس کا یہ شعر بے مثل ہے۔

موسیٰ ؑ زہوش رفت بہ یک پر تو جمال
تو عین ذات می نگری در تبسمی

شیخ عبدالحق محدث لکھتے ہیں "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں یہ بیت بہت مشہور ہے اور بعض صالحین کو خواب میں اس شعر کی مقبولیت کی بشارت ملی ہے۔" علامہ اقبال ؒ اس شعر کو نعت کا بہترین شعر کہا کرتے تھے" (آب کوثر ص 464) سکندر لودھی کی وفات پر شیخ نے ایک مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر تھا۔

اے سلیمانِ زمان! آہ کجائی آخر؟
تا کنم پیش تو از فتنۂ دیواں فریاد

یہ در اصل رد عمل تھا اس بدترین سلوک کا جو ابراہیم لودھی نے سلطان سکندر کے اعیان و اراکین سلطنت کے ساتھ رکھنا شروع کیا۔ بقول حسام الدین راشدی:

"ابراہیم کے مصاحب شہر کے اوباش، سفلے، فتنہ پرداز، کج خلق اور نہایت ہی پست درجے کے لوگ تھے۔ بادشاہ کا استاد فرید، فتنہ میں اپنا جواب آپ تھا اس نے سلطان سکندر کے ایک معزز و مقتدر وزیر کو قید کر کے سخت اذیتیں دیں جہاں اس کا انتقال ہو گیا اس شخص نے ابراہیم کو جمالی کے خلاف بھی خوب بھڑکایا کہ آپ کو دیو کہا گیا ہے۔ اسی لفظ پر افغان اُمرا کو الگ بھڑکایا۔ اگرچہ ابراہیم جمالی کی منزلتِ عزت اور اثرات کی بناء پر

حضرت تو نہ پہنچا سکا مگر دل میں کدورت بیٹھ گئی۔" (مقدمہ ص 62) اس دور میں اسی پرانی غیر ملکی افضلیت کی عصبیت کے دیو نے پنجے گاڑ دیئے۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کو پیچھے دھکیلنے کی روش عام ہو گئی۔ چنانچہ جب پانی پت کی جنگ میں بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دی تو شیخ نے امیر کی مدح میں قصیدہ لکھا۔

"بعد کے تذکرہ نویسوں نے "سیرالعارفین" سے کافی استفادہ کیا ہے تاریخ فرشتہ کے آخر میں مشائخ کے جو حالات شامل ہیں وہ اس کی کامیاب تلخیص اور انتخاب ہے۔ آب کوثر اور بزم صوفیہ میں مشائخ کے حالات کے لئے یہ تذکرہ خاص ملخذ رہا ہے۔"
(مقدمہ سیرالعارفین ص 22)

ملا جمالی کہئے یا مولانا جمالی' شیخ جمالی کہہ کر یاد کریں یا درویش جمالی' وہ مرجع خواص و عوام تھے۔ شیخ موسیٰ شیروانی کی اولاد میں کم و بیش پندرہ صوفیائے کرام گذرے ہیں ان میں سے شیخ احمد گکھور' شیخ سلیمان دانا' شیخ ملکی قتال' (جو بالترتیب حضرت بہاؤالدین زکریاؒ شیخ صدر الدین عارفؒ اور شہباز قلندرؒ کے مرید تھے) شیخ محمود حاجی' شیخ راجو اور شیخ بایزید زیادہ مشہور ہیں۔ شیخ راجو شیخ جمالی کے مرید تھے اور شیخ بایزید کو ان کے بیٹے شیخ گدائی کمبوہ سے خرقہ ارادت تفویض ہوا تھا۔ شیخ راجو ریاست مالیر کوٹلہ کے بانی شیخ صدر الدین صدر جہاں کے رشتہ کے چچا اور بایزید ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ شیخ صدرالدین کے پیر طریقت کون تھے؟ مخزن افغانی یا کسی اور تذکرہ سے علم نہیں ہوسکا۔

شیخ جمالی کی باکمال شخصیت کے متعلق پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ابراہیم لودھی کے عہد میں دہلی کو خیر باد کہہ کے گجرات چلے گئے تھے۔ وہیں 10 ذی قعدہ 942ھ کو وفات پائی۔ جسد خاکی دہلی لایا گیا اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قبرستان میں اپنی بنوائی ہوئی قبر میں دفن کئے گئے۔ بدایونی نے جو اس خانوادے کا سخت بدگو تھا خاص کر گدائی کو اس نے بے محابہ رگیدا ہے جمالی کی بہت تعریف کی ہے تاریخ وفات بھی لکھی ہے۔ "دریں سال جمالی کنبوی دہلوی از عالم فنا بعالم بقا رسید و خسرو ہندبودہ تاریخش یافتہ اند" آپ کی تصانیف میں مثنوی مرآۃ المعانی' دیوان (اس کے صرف دو نسخوں کا پتہ چل سکا ہے)' مثنوی مہوماہ اور سیرالعارفین ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے محض نام کی یکسانیت سے دھوکہ کھا کر جمالی اردستانی کی تصانیف کو آپ

سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ اس نے اپنی کتابوں میں صرف ایرانی صوفیا کا ذکر کیا ہے۔ وہ مذہب کے لحاظ سے شیعہ تھا جبکہ جمالی صحیح العقیدہ سنی تھے ہم جمالی ہی کے اس شعر کے ساتھ یہ تذکرہ ختم کرتے ہیں جس میں انہوں نے خود کو دنیا کا مرشدِ دیں کہا ہے۔

بحمد اللہ' زفضلِ لا یزالی　　　　جہاں را مرشدِ دیں شد' جمالی

صدر الصدور شیخ گدائی: حسام الدین راشدی نے مقدمہ سیرالعارفین ص 78 پر لکھا ہے۔ "شیخ جمالی کے بڑے بیٹے تھے۔ تخلص سے ہی مشہور ہیں۔ کسی تاریخ یا تذکرہ میں ان کا نام نظر سے نہیں گزرا صرف محمد عارف بدخشی نے تاریخ محمدی میں عبدالرحمٰن نام لکھا ہے جس طرح ان کے والد سکندر لودھی کے جلیس' ہمراز اور ہم نشیں تھے اور جیسے ان کے چھوٹے بھائی عبدالحی سلطان سلیم کے مقرب خاص الخاص تھے اسی طرح گدائی ہمایوں بادشاہ کے دامن دولت سے وابستگی رکھتے تھے۔" دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی صرف تخلص اور جمالی کے بڑے بیٹے لکھا ہے البتہ چوہدری وہاب الدین نے نام عبدالصمد اور جمالی کے چھوٹے بیٹے بتایا ہے۔ نام ممکن ہے عبدالصمد ہی درست ہو مگر وہ جمالی کے فرزند اکبر تھے جب شیر شاہ سوری نے ہمایوں پر غلبہ پایا تو شیخ گدائی دہلی چھوڑ کر گجرات میں آ کر گوشہ نشیں ہو گئے۔ بیرم خان خانخاناں شیر شاہ سے نجات حاصل کر کے گجرات پہنچا تو شیخ گدائی نے اس کے ساتھ نہایت غیر معمولی عمدہ سلوک کیا۔ مہمانداری اور مروت و مؤدت کے تمام لوازمات سرانجام دیئے اور بیرم خاں کو ہمایوں کی خدمت میں بھیجنے کا تسلی بخش انتظام کیا اس کے بعد شیخ گدائی حرمین شریفین چلے گئے۔ پندرہ سال بعد وطن واپس آئے تو دوبارہ برسراقتدار آنے کے بعد ہمایوں کا انتقال ہو چکا تھا۔ اکبر کی کم عمری کے باعث تمام معاملات سلطنت خاں خاناں کے ہاتھ میں تھے۔

طبقات اکبری جلد دوم ص 240 کے مطابق اکبر کی تخت نشینی کے تیسرے سال اور اکبر نامہ (ابوالفضل) جلد دوم ص 20 کی رُو سے گدائی پہلے سال دہلی آ گئے۔ تاریخ شیر شاہی ص 262 پر ہے کہ خانخاناں نے اتنے احسانات کئے کہ اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی کیفیت جلد دوم ص 540 پر بیان کی گئی ہے مختصراً یہ کہ شیخ

گدائی کا مرتبہ خانخاناں کے برابر تھا۔ تمام ملی اور ملکی معاملات ان کے مشورے سے طے پاتے تھے۔ ان کا عہدہ صدر الصدور وزیراعظم کے برابر تھا۔ تمام سرکاری فرمان اور منشور ان کے دستخط اور مہر کے بعد ہی اجرا ہو سکتے تھے۔ جاگیروں کا عطا کرنا' ان میں کمی بیشی کرنا یا ضبطی کا حکم دینا ان کی صوابدید اور فرائض میں شامل تھا۔ ان کو بادشاہ کے لئے تسلیم اور کورنش بجالانا معاف تھا۔ سرکاری مجلسوں میں سادات اور علما پر ان کو ترجیح حاصل تھی۔ بحالت سواری بادشاہ سے ہاتھ ملا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ انھیں شہزادوں سے بھی زیادہ عزت اور قدرت حاصل تھی (مقدمہ ص 81)

مسلمان بادشاہوں خاص کر تغلق' لودھی اور شیر شاہی دور میں بہت سے غیر ملکیوں کو بغیر کسی اہلیت یا استحقاق کے گرانقدر وظیفے اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئی تھیں۔ سادات کی قدر و منزلت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ بے شمار لوگ بغیر کسی ذاتی خوبی کے محض سید زادہ ہونے کے ناطے جاگیریں سنبھالے بیٹھے تھے۔ شیخ گدائی نے ان کا محاسبہ شروع کیا تو بے شمار گھپلے اور بے ضابطگیاں نظر آئیں انہوں نے بے دھڑک ایسی جاگیروں کی ضبطی یا ان میں کمی کے احکامات جاری کئے اس سے یہ لوگ شیخ کے سخت مخالف ہو گئے انہوں نے سفارشیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تو ان پر رشوت لے کر جاگیریں عطا کرنے اور ضبطی کے احکامات کی منسوخی کے الزامات عائد کئے۔ محاسبے کے اس سخت گیرانہ رویے سے تمام امرا اور اہل دربار ان سے بیزار اور پورا ماحول ان کے خلاف ہو گیا۔ یہاں تک کہ یہ گروہ اکبر کو بھی ان سے بدظن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اکبر ان کے بعض اقدامات کو شاہی وقار کے منافی سمجھنے لگا۔ یہاں سے ہی اکبر اور خانخاناں کے تعلقات میں فرق آنا شروع ہوا بالآخر جب خانخاناں کا اقتدار ختم ہوا اور معزول ہو کر عازم حج ہوا تو شیخ گدائی بھی اپنے مربی کے ساتھ گجرات تک گئے خانخاناں کے قتل کے بعد گدائی کافی عرصہ دہلی سے باہر رہے۔

حالات معمول پر آئے تو واپس دارالسلطنت میں آ گئے۔ ان کے وہ مخالفین' جنہوں نے ان کے خلاف بے ہودہ ہجویں لکھی تھیں' مسجدوں کی دیواریں تک بے ہودہ اشعار سے سیاہ کر دی تھیں' ایک دفعہ پھر سرگرم ہو گئے۔ "لیکن بادشاہ نے مراحم خسروانہ سے کام لیتے ہوئے ان کو رہنے کے لئے سرکاری مکان دلوایا اور تاحیات وظیفہ بھی جاری ہو گیا۔ امان تو مل گئی مگر دربار میں دوبارہ نفوذ حاصل نہ کر سکے۔ بہر حال پھر

بھی شیخ گدائی شہری زندگی میں اعزاز و اکرام سے رہے۔ ایک امیر خوش باش اور خوش حال شہری کی طرح بزرگوں کے عرائس' دعوتیں اور مجالس منعقد کر کے ایک طرف اپنی انفرادیت کو قائم رکھا اور دوسری طرف روحانی سلسلہ میں جو باپ کے زمانے سے ان کے خاندان کا خاصہ تھا اپنی شخصیت کو ختم نہیں ہونے دیا" (مقدمہ ص 83-84)

بعض تذکرہ نگاروں نے خانخاناں سے تعلق کی بناء پر ان کا مذہب شیعہ لکھا ہے حالانکہ وہ سلسلہ چشتیہ سہروردیہ کے پیر طریقت تھے۔ گجرات سے دہلی واپسی کے بعد آپ تقریباً آٹھ سال زندہ رہے اور بڑے ٹھاٹ سے امیرانہ زندگی گزار کر 976ھ میں وفات پا گئے۔ ان کی قبر شیخ جمالی کے مقبرے میں اب تک موجود ہے۔ میرٹھ اور امروہہ میں ان کا خاندان معززین میں شمار ہوتا ہے گو ابوالفضل بھی ان کے مخالف تھے مگر سید نعمت اللہ' ملا بدایونی نے ان کے خلاف بہت ہرزہ سرائی کی ہے حتیٰ کہ ان کی وفات پر نہایت مکروہ الفاظ میں تبصرہ کیا جن کا ذکر کرنا بھی شائستگی کو زیب نہیں دیتا۔

شیخ عبدالحی حیاتی: شیخ جمالی کے چھوٹے بیٹے تھے۔ نہایت خوش ذوق اور اعلیٰ درجے کے شاعر' فی البدیہہ کہنے میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ اخبار الاخیار ص 228 میں آپ کو مجموعہ مکارم اخلاق' مجمع محامد لوصاف اور اپنے عہد کے مجمع الفضلا لکھا ہے اور کہا ہے کہ "اگر زندگی ان کا ساتھ دیتی تو نہ جانے کتنے غیر معمولی آثار ان سے ظہور میں آتے۔" افسوس ان کی شاعری کا پورا ذخیرہ ضائع ہو گیا "دوست نوازی' عام میل ملاقات اور بے تکلف رہن سہن کی وجہ سے عام و خاص میں غیر معمولی مقبولیت حاصل تھی۔ غم و فکر اور اندوہ سے بے نیاز تھے۔ دسترخوان نہایت کشادہ تھا۔ مہمانداری میں نہایت خوش سلیقہ اور وسیع القلب تھے۔ جتنے اہل فن' شاعر' قلندر' طالب علم ایران توران سے وارد ہوتے سب سے پہلے ان کے دسترخوان پر مہمان ہوتے اور ہر ایک ان کے حسن سلوک' فراخ حوصلہ اور کشادہ پیشانی سے خوش ہو کر آگے جاتا۔ گھر پر مہمانوں اور ملنے والوں کا انبوہ لگا رہتا۔" (مقدمہ ص 75'76)

اخبار الاخیار (ص 229) میں ہے کہ "باپ سے ترکہ میں جو بے شمار مال و دولت ملا تھا اس پورے اثاثے کو انہوں نے سیر و سفر' دوست نوازی' مہمانداری اور دسترخوان کی فراوانی پر خرچ کر ڈالا۔" شیخ عبدالحی سلطان سلیم شاہ سوری (952 تا 962ھ) کے

ندیم اور مصاحب خاص تھے۔ سلیم شاہ (اسلام شاہ) علم دوست' سخن شناس اور اہل فن کا قدر دان تھا (بدایونی جلد اول ص 410) "اس فضیلت مآب بادشاہ کے مصاحبین میں سے قدوۃُ المتقین عبدالحئ برادر شیخ گدائی کنبو بھی تھے جو اکثر اوقات بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے۔ شیخ مذکور ظرافت اور لطیفہ گوئی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ انہوں نے متعدد بار بڑے بلند پایہ قصیدے بھی اسلام شاہ کی مدح میں لکھے" (مخزن افغانی ص 277) سلیم شاہ کے باپ سلطان شیر شاہ سوری سے بھی شیخ کے تعلقات تھے۔ شیر شاہ سوری کے ساتھ موانست' مجالست اور مصاحبت کا ایک واقعہ طبقات اکبری' تاریخ شیر شاہی' بدایونی' تاریخ خانجہانی وغیرہ بہت سے تذکروں میں مذکور ہے۔

وقائع نگاروں نے لکھا ہے کہ ملوخان جو ابتدا میں غلام تھا قادر شاہ لقب سے مالوہ کا حاکم بن بیٹھا اور شیر شاہ کے خلاف بغاوت کی تیاری کرنے لگا شیر شاہی افواج کی آمد کی خبر سن کر اس نے اطاعت قبول کر لی۔ شیر شاہ سوری نے عفو و درگزر کے بعد اسے خلعت اور انعام و اکرام سے نوازا۔ مگر ایک رات وہ انجانے خوف کے تحت مع اہل و عیال و خزانہ فرار ہو گیا۔ "جب یہ خبر شیر شاہ کے گوش گزار کی گئی تو اس نے فیض مآب شیخ عبدالحی بن شیخ جمالی کنبو دہلوی سے مخاطب ہو کر کہا "ملو غلام گیدی بلاچہ کرد دیدی۔" یہ سن کر شیخ عبدالحی نے گرہ لگائی اور دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا۔

ع قویت مصطفیٰ ؑ راٗ لاخیر فی العبیدی (59)

(تاریخ خان جہانی ص 242)

فضائل علمی و شعری سے آراستہ' صاحب سجادہ شیخ عبدالحئ چھتیس سال کی عمر میں اس دارفانی سے رخصت ہوئے ان کی قبر باپ کے مقبرے سے باہر چبوترے پر ہے۔

لودھی اور سوری دور کے دیگر کمبوہ زُعما: اس دور کی کئی کتابیں آج کل ناپید ہیں۔ دستیاب کتابوں کی ورق گردانی سے کچھ کمبوہ بزرگوں کا پتہ چلتا ہے مثلاً خان

---

(59) شعر کا مطلب ہے "تم نے ملاحظہ کیا بزدل ملو غلام نے ہمارے حسن سلوک کے عوض کیا حرکت کی ؟" رسول کریمؐ کا قول ہے غلام سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہوتی" تاریخ شاہی میں دوسرا مصرعہ یوں ہے "راست است ایں حکایت لاخیر فی العبیدی"۔"

جہان عماد الملک سکندر لودھی کے عہد میں میر عدل تھے۔ نواب اعتماد الملک سنبھل کے امیر کبیر اور مدبر و مخیر بزرگ تھے شیر شاہ سوری کی فوج میں ملازمت اختیار کرنے کے بعد اپنی شجاعت' اہلیت اور وفاداری کے باعث شیر شاہ کے مشیر خاص مقرر ہوئے۔ ہمایوں سے جنگ کے دوران میں ان کا بیٹا بہادر خان شہید ہو گیا۔ ہمایوں کو ہزیمت دینے کے بعد شیر شاہ تخت دہلی پر متمکن ہوا تو نواب اعتماد الملک کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ سنبھلی کمبوہوں کے مشہور صاحب منصب افراد ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔

مولانا جمن کمبوہ سلطان سکندر لودھی کے حاجب تھے۔ اودنتگر کے قلعہ کی مہم میں بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ اس قلعہ پر مجاہد خاں سپہ سالار اور دوسرے سرداروں کی مدد کے لئے سکندر لودھی نے خود رمضان المبارک 912ھ میں حملہ کیا اور آخر محرم 913ھ میں قلعہ فتح کر لیا۔ سلطان نے قلعہ مجاہد خاں کے سپرد کر دیا مگر مجاہد خاں نے راجہ سے رشوت لے کر وعدہ کیا کہ وہ سلطان کو یہاں سے واپس کر دیگا۔ سلطان کو سازش کا علم ہوا تو مجاہد خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا اور سازش میں ملوث ہونے کے الزام میں حاجب مولانا جمن کو گرفتار کر کے قلعہ ملک تاج الدین کمبوہ کے سپرد کر دیا (مخزن افغانی ص 270) ملک تاج الدین کے آباؤاجداد' اولاد' مسکن وغیرہ کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چل سکا ہماری معلومات یہیں تک محدود ہیں۔ بلا شبہ اور بھی ایسے کئی دُرِ مکنوں ہوں گے' جو اگر دستیاب ہوتے تو ہم ان کو اپنی سلک مروارید میں پرو لیتے۔

تاریخ کمبوہاں میں بحوالہ المشاہیر (ص 202) شیخ عبدالعزیز کو سلطان ابراہیم لودھی کا مدارالمہام (وزیر اعظم) لکھا ہے اور یہ کہ سلطان کے باغی بھائی جلال خاں کو شیخ عبدالعزیز کے فرزند نے گرفتار کیا تھا۔ تاریخ شاہی (احمد یادگار) اور تاریخ خان جہانی میں ابراہیم لودھی کے حالات پوری تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مگر شیخ عبدالعزیز کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ جلال خاں کی گرفتاری کا حال اس طرح مذکور ہے "جلال خاں مالوہ سے فرار ہو کر جا رہا تھا کہ راستے میں بھیل قوم کے ایک جتھے کے ہتھے چڑھ گیا۔ جنہوں نے اسے پکڑ کر سلطان ابراہیم کے دربار میں پیش کر دیا (تاریخ خان جہانی ص 200) ایسی صورت میں شیخ عبدالعزیز کا وزیر اعظم ہونا تحقیق طلب ہے۔

خواجہ حسن ملتانی: آپ سکندر لودھی کے عہد حکومت میں ملتان سے مارہرہ آئے

اور قلیل عرصہ میں اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا دی۔ شیرشاہ سوری نے خواجہ حسن کو پرگنہ مارہرو کی چودھراہٹ عطا فرمائی۔ تاریخ میں خواجہ حسن دہلوی کا ذکر بھی ملتا ہے غالباً وہ کوئی اور صاحب تھے۔ خواجہ حسن ملتانی کے پڑپوتے محمد خاں حاکم مارہرو کی شادی نواب شہباز خاں کمبوہ امیر دربار اکبری کی دختر سے ہوئی تھی۔ (60)

نواب شہباز خاں کمبوہ: سرزمین پنجاب کے اس مایہ ناز فرزند شیر اللہ کمبوہ کا وطن لاہور اور خطاب شہباز خاں تھا۔ وہ حضرت بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی کے مرید حاجی اسماعیل کی چھٹی پشت میں پیدا ہوئے۔ (61) آپ کے اجداد ملتان سے آ کر لاہور میں آباد ہو گئے تھے۔ اسی لئے شہباز خاں کمبوہ لاہوری کہلائے اس زمانے میں کسی ہندی مسلمان کا بام عروج پر پہنچنا انتہائی دشوار تھا۔ حاجی اسماعیل اکثر اپنے پیر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک فقیر نے حضرت بہاؤالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: "حضرت! راہِ خدا" مجھے ہر پیغمبر کا نام لینے پر ایک اشرفی مرحمت فرمائیں۔" پیغمبوں کی تعداد کے پیش نظر حضرت تذبذب میں پڑ گئے۔ حاجی اسماعیل حضرت کی اجازت سے فقیر کو اپنے گھر لے آئے۔ فقیر پیغمبوں کے نام بولتا رہا اور فی نام ایک اشرفی لیتا رہا۔ بارہ پندرہ نام لینے کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ حاجی صاحب سے معذرت کی اور دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوا (آئین اکبری حرترجمہ ایچ بلا کمین ص 436)

---

(60) تاریخ کمبوہاں ص 225 پر المشاہیر کے حوالے سے لکھا ہے "خواجہ حسن 908ھ بمطابق 1502ء میں بعد سلطنت ہمایوں بادشاہ ملتان سے ترک سکونت کر کے قصبہ مارہرہ میں آ کر آباد ہوئے۔ ہمایوں پہلی بار 936ھ (1530ء) میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ اس لئے 908ھ میں اس کے عہد کا حوالہ مبنی بر صداقت نہیں یہ سکندر لودھی کا عہد تھا۔

(61) اس عہد کے کسی مورخ نے نواب شہباز خاں کے باپ، دادا یا پردادا کا نام نہیں لکھا البتہ چھ واسطوں سے حاجی اسماعیل ملتانی کی اولاد ظاہر کیا ہے (آئین اکبری حرترجمہ بلاکمین) سلسلہ عالیہ کے مصنف کے مردم خیز دماغ نے زبیری ثابت کرنے کے لئے ان کا نام نظام الدین بن صدر الدین بن بہاؤالدین بن حاجی جمال الدین وضع کر ڈالا۔ اور لکھا کہ جمال سرزمین عرب سے وارد ہوئے تھے۔ ان کے لاہوری ہونے سے بھی اعراض کیا ہے۔ حالانکہ طبقات اکبری وغیرہ میں کئی ذی علم اور نامور لاہوری اصحاب مثلاً شمس خاں کمبوہ، ملا ہاشم کمبوہ، نورالدین کمبوہ وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ حاجی اسماعیل نے حضرت صاحب سے شکایت کی کہ ان کی قوت فہم و ادراک کمزور ہے۔ آپ نے دعا کی۔ کہا جاتا ہے اس دعا کے اثر سے، ہندوستان کے کمبوہ فراست اور معاملہ فہمی میں بہت تیز واقع ہوئے ہیں۔

شہر اللہ کمبوہ لاہوری نے ملازمت کا آغاز کوتوال کے عہدہ سے کیا اور اپنے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے کہ اکبر بادشاہ نے زمرہ اُمرا میں شامل کر کے میرتوزک (کوارٹر ماسٹر) مقرر کر دیا۔ 981ھ میں میر بخشی لشکر خاں نے بر سردربار ایسی نازیبا حرکت کی کہ بادشاہ نے اسے سخت ترین سزا دے کر قید کر دیا اور شہر اللہ کو میر بخشی کا عہدہ اور شہباز خان کا خطاب تفویض ہوا۔ بخشی گری کے زمانہ میں اس نے داغ کا قانون نافذ کیا جس سے تمام بے قاعدگیوں کا خاتمہ ہو کر فوج کو ایک منظم اور مستقل ادارہ کی حیثیت حاصل ہو گئی ورنہ پہلے ہنگامی طور پر گھوڑے حاصل اور سپاہی بھرتی کر کے فوج تیار کر لی جاتی تھی شہباز خان ایک زیرک' مدبر' دلیر اور آزمودہ کار جرنیل تھا۔ اکبری عہد کی اکثروبیشتر لڑائیوں میں شہباز خاں نے اپنی شجاعت اور مہارت کا سکہ بٹھلایا۔ ابتدائی دور میں جودھ پور کے باغی راجاؤں پر فتح یابی اور بہار کے بہت بڑے زمیندار گجپتی' اس کے بیٹے راجہ رام اور حاکم اڑیسہ داؤد خاں جس نے بنگال پر حملہ کر دیا تھا' کی سرکوبی کے بعد وہ دربار میں حاضر ہوا تو اس کی بہت پذیرائی ہوئی۔ 986ء میں مغرور اور سرکش رانا پرتاپ کے خلاف چڑھائی کر کے کومبھل میر کا قلعہ فتح کر لیا' رانا پرتاپ سنیاسی فقیر کے بھیس میں فرار ہو گیا۔ شہباز خاں نے قیام امن کے لئے پورے علاقہ میں 85 تھانے قائم کئے۔ اجمیر' جہاں اکثر بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں' کی تسخیر بھی شہباز خاں کی مرہون سپہ گری ہے۔ بنگال میں بغاوت نے سر اٹھایا تو شہباز خاں کو بہار جانے اور مرزا عزیز کوکہ کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا لیکن بقول بلاکمین (آئین اکبری ص 438) شہباز خاں کسی کی ماتحتی میں کام کرنے کو تیار نہ تھا' اکیلے ہی لڑائی شروع کر دی' پہلے عرب خان کو شکست دی اس کے بعد معصوم خاں فرنخودی' عرب خاں اور نیابت خاں کی متحدہ افواج کو ایسی عبرتناک شکست دی کہ ان کی فوج تتر بتر ہو گئی اور وہ پھر سر نہ اٹھا سکے یہ جنگ شہباز خاں کی جنگی تدبیر اور فن حرب میں مہارت کا عمدہ نمونہ تھی۔ غرض کوئی بھی جنگ ہو دریائے سندھ اور دکن سے لے کر برہم پتر تک

پورا ملک اس کی جولانگاہ تھا۔ بنگال پر حملہ کے دوران میں اس کی فوج میں 9 ہزار سوار تھے۔

اکبر نامہ، تاریخ فرشتہ اور سیر المتاخرین میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ جب اکبر بادشاہ نے امیر الامرا خان زمان علی قلی خاں اور اس کے بھائی بہادر خاں پر کہ دونوں پنج ہزاری منصب پر فائز تھے) لشکر کشی کی تو شہباز خاں بادشاہ کے ہمراہ تھے۔ علی قلی خاں قتل ہوا اور بہادر خاں گرفتار ہو گیا۔ اکبر نے اسے شہباز خاں اور جسی داس کمبوہ کے سپرد کیا جنہوں نے اس کا سر قلم کر کے ایک بڑے فتنہ کا راستہ مسدود کر دیا۔ (62)

ابتدا میں اکبر بڑا پارسا، متقی اور شعائر اسلام کا پابند تھا مگر درباری علما کی فرقہ پرستی، فروعی مسائل پر جنگ و جدل، اور تنگ نظری، ہندوؤں کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ اور ابوالفضل و فیضی کی مشاورت اور خوشامدانہ سرگرمیوں نے اکبر کو دین اسلام سے اس حد تک برگشتہ کر دیا کہ اس نے نیا مذہب دین الٰہی رائج کر لیا جس کا کلمہ لاالٰہ الا اللہ اکبر خلیفتہ اللہ اور سلام مسنونہ کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کے الفاظ وضع کر لئے تھے۔ دو تین علما اور چھ سات اُمرا کے علاوہ سب اِسی کفر کے رنگ میں رنگے گئے۔ شہباز خاں راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھے۔ اس دام میں نہ پھنسے بلکہ برملا بر سر دربار مخالفت کر دیا کرتے تھے۔ دو مرتبہ انتہائی سخت اور تند و تیز کلمات ادا کرنے کی پاداش میں جیل بھی جانا پڑا۔ اکبر نے قطب الدین کوکلتاش (خان اعظم) اور شہباز خاں کے علاوہ باقی سب مخالفین کو کسی نہ کسی طرح مروا دیا۔

ابوالفتح گیلانی نے شہباز خاں کی جنگی امور میں مہارت تامہ اور بادشاہ سے حد درجہ وفاداری کا ذکر کرنے کے بعد اس پر متعصبانہ رویہ اختیار کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ ایک قول نقل کیا ہے کہ "اگر وہ دین الٰہی کے معاملہ میں سخت مزاج اور دریدہ دہن نہ ہوتا تو بہت سے اُمرا پر فوقیت حاصل کر سکتا تھا۔ اس کی فوج ہمیشہ مکمل اور مستعد ہوتی تھی۔ جس میں اکثریت کمبوہ قوم کی ہوتی تھی۔"

---

(62) علی قلی خاں اور بہادر خاں بھی بیرم خاں خان خاناں کی طرح غالی شیعہ تھے یہ فرقہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہے۔ دربار کے اکثر سنی امرا ان کے عقائد کی وجہ سے ان سے سخت ناراض تھے ان دونوں بھائیوں کے قتل کو تائید ایزدی سمجھا گیا۔

"سخاوت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جب وہ حاکم مالوہ تھا تو لوگ کہا کرتے تھے اس کے پاس سنگ پارس ہے وہ ہر جمعرات کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی یاد میں ایک سو اشرفی بخشش کرتا۔ اپنی کمبوہ برادری کو اس نے اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی کمبوہ مفلوک الحال نہ رہا تھا۔ (آئین اکبری ترجمہ بلا کمین ص 440)

شہباز خاں کا چھوٹا بھائی کرم اللہ منصب دو ہزاری بھی شہباز خاں کی مانند پابند صوم و صلوٰۃ اور متقی تھا۔ 1002ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ ماثرالاُمرا میں شہباز خاں کے بیٹے الہام اللہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو سرکار بغلانہ کا وقائع نویس تھا۔ توزک جہانگیری (ص 248) کے مطابق شہباز خاں کا دوسرا بیٹا رن باز خاں شاہ جہاں کے عہد میں یک ہزاری منصبدار تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں اُس فوج کا بخشی اور وقائع نویس مقرر ہوا جو بنگش کی مہم پر بھیجی گئی تھی اور بعد میں اسی عہدہ پر فائز رہا۔ شہباز خاں کا داماد زین الدین کمبوہ سلطان مظفر گجراتی کے خلاف جنگ میں امیر الاُمرا قطب الدین خاں (پنج ہزاری منصبدار) کے ماتحت اعلیٰ عہدہ پر تھا۔ اس جنگ میں قطب الدین خاں قتل ہوا اور زین الدین خاں کو مظفر گجراتی نے ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا کر مروا دیا تھا۔ چوہدری وہاب الدین نے ص 294 پر صاحب 'المشاہیر' کے تتبع میں شیخ مجاہد خاں کو کمبوہ لکھا ہے یہ مجاہد خاں بابر بادشاہ کے وکیل السلطنت خواجہ میرنظام الدین کے بیٹے محب علی خاں کانواسہ تھا' کمبوہ نہ تھا۔ اکبری دربار کا ایک اور امیر بہاؤالدین کمبوہ تھا جسے اکبر بادشاہ نے والئے کشمیر یوسف شاہ چاک کو راہ راست پر لانے کے لئے بطور سفیر سرینگر بھیجا تھا۔ حکیم علی گیلانی اور بہاؤالدین کمبوہ کے سمجھانے پر یوسف شاہ نہ صرف اکبر کی اطاعت پر رضا مند ہو گیا بلکہ اپنے بیٹے یعقوب شاہ چاک کو دربار میں بھیجنے کا وعدہ کیا لیکن اُمرائے سلطنت نے مغلوں کی بالادستی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا' حکیم علی گیلانی اور بہاؤالدین کمبوہ نے حسن ابدال کے مقام پر خدمت عالی میں حاضر ہو کر اکبر بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ بہاؤالدین کمبوہ کے خاندان' آبائی شہر اور منصب وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمرۂ اُمرا میں کسی ممتاز عہدہ پر سرفراز رہا ہو گا۔

شیخ عبدالمومن دیوان: آپ سنبھل کے رئیس اور شاہ جہاں بادشاہ کے دیوان تن

کے عہدہ پر فائز تھے۔ دیوان تن عہدِ حاضر کا اکاؤنٹنٹ جنرل ہی نہ ہوتا تھا بلکہ جاگیروں کا عطا کرنا اور سرکاری عمال و حکام کی ترقیاں بھی اس کے فرائض میں شامل ہوتی تھیں۔ شاہ جہاں کے مشہور وزیراعظم نواب سعد اللہ خاں چنیوٹی جب اپنے وطن سے دہلی پہنچے ہیں تو سب سے پہلے شیخ صاحب کے بچوں کی تعلیم و تدریس پر مامور ہوئے تھے۔ شیخ صاحب کی مساعی سے ان کو سرکاری ملازمت ملی' ترقی کرتے کرتے وزیراعظم بنے' وزارت عظمٰی کے دور میں نواب سعد اللہ نے اپنے شاگردوں یعنی شیخ عبدالمومن کے بیٹوں کو دیوان تن اور دیوان خالصہ کے عہدوں پر فائز کیا۔ دنیاوی جاہ و منزلت کے لحاظ سے میرٹھ کے بعد سنبھل کے کبوہ فائق اور ممتاز ہیں۔ نواب وقار الملک کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔

شیخ عنایت اللہ لاہوری: ایک مقالہ نگار مسٹر احسان کے بموجب شیخ عنایت اللہ' حاکم لاہور کے میر منشی تھے۔ ممکن ہے ابتدا میں ایسا ہی ہو لیکن ناممکن تھا کہ شیخ عنایت اللہ کی ایک ڈیڑھ سطری تحریر پڑھنے کے بعد شاہ جہاں کی ژرف بیں' جوہر شناس نگاہ اسے نظر انداز کر دیتی۔ واقعہ یوں ہے (تاریخ کمبوہاں ص 205) کہ کسی بے وسیلہ برہمن نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی میں بغرض استمداد ان سے بادشاہ کے نام عرضی لکھوائی مضمون تھا:

جہاں پناہا! ایں عاجز بیار دو عاجزہ' عاجز

چوں عاجز رہانندہ' دانم ترا ۔ دریں عاجزی چوں نخوانم ترا

(عاجز فلاں برہمن)

"اے جہاں کو پناہ دینے والے! میں مسکین اپنی دو غریب بیٹیوں کے بوجھ سے مجبور ہوں۔ چونکہ حضور کو ناداروں کا نجات دہندہ سمجھتا ہوں تو اس تنگدستی میں حضور ہی کو کیوں نہ پکاروں" مضمون کی بلاغت' اس کا اعجاز اور حسن طلب شیخ سعدی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ بادشاہ نے عریضہ نگار (شیخ عنایت اللہ) کو دربار میں طلب کر کے دفتر انشاء میں متعین فرمایا۔ انہوں نے بتدریج میر منشی کے عہدے تک ترقی پائی۔ شیخ عنایت اللہ کی تصنیف 'بہار دانش' فارسی ادب میں فصاحت و بلاغت کا نادر نمونہ ہے اور ہندوستان بھر میں اس قدر مقبول ہوئی کہ فارسی مدارس میں بطور نصاب شامل

رہی۔ اس کے اردو نثر اور نظم میں تراجم ہو چکے ہیں۔ 1799ء میں جوناتھن سکاٹ نے اس کا تین جلدوں میں انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جس طرح گلستان سعدی کا ایک باب ارباب ثقاہت کے نزدیک فحش نگاری کی زد میں آتا ہے اسی طرح نفس مضمون کی مناسبت سے اس کتاب میں ناشائستگی سے احتراز ممکن نہ تھا۔ ایک بزرگ کی رائے ہے کہ "شیخ نے جواہرات کو کیچڑ میں ملا دیا ہے" علم تاریخ پر ان کی کتاب دلکشا بھی مشہور تھی اس میں خُلفا اور دیگر صحابہ کی سوانح بیان کی گئی تھیں۔ ایک تیسری کتاب "اشرف الصحائف" ہے جس میں درج دو رقعات میں کوئی منقوط حرف استعمال نہیں ہوا۔

ان کا انتقال 1075ھ میں ہوا۔ ان کا مقبرہ ایمپریس روڈ (شارع بن بادیس) پر ریلوے ہیڈ کوارٹر سے ملحقہ گنبد کمبوہاں والا میں ان کے بھائی محمدؐ صالح کے مقبرے کے ساتھ سینٹ اینڈریوز چرچ کے احاطہ میں واقع ہے۔ آج کل یہ مقبرہ گوجرانوالہ تھیولوجیکل سیمینری کے شعبہ توسیع کے زیر استعمال ہے۔ مقام تاسف ہے کہ عدالتی فیصلہ اور زبانی وعدہ کے باوجود مذہبی رواداری کی علمبردار مسیحی برادری نے اس کا قبضہ نہ کمبوہ ایسوسی ایشن کے سپرد کیا اور نہ یہ قدیم عمارت محکمہ آثار قدیمہ کے حوالے کی۔ شیخ عنایت اللہ کے خاندان کی باقیات میں سے اب چوہدری وہاب الدین مصنف تاریخ کمبوہاں اور کیپٹن مظفر الدین کی اولاد نُور پور (فیصل آباد) میں مقیم ہے۔

شیخ محمدؐ صالح کمبوہ: آپ شیخ عنایت اللہ کے بھائی اور صوبہ لاہور کے شاہی دیوان تھے۔ آپ ایک نامور انشا پرداز اور مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اردو سائنس بورڈ نے آپ کی مشہور تصنیف شاہجہاں نامہ کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں شائع کیا ہے موچی دروازہ لاہور میں داخل ہوتے ہی آپ کی تعمیر کردہ خوبصورت مسجد نظر آتی ہے۔ مسجد کی کرسی پہلے کافی اونچی تھی مگر اب سڑک اونچی ہو جانے کی وجہ سے مسجد کی دکانیں نصف کے قریب زمین میں دھنس گئی ہیں۔ دکانداروں نے مسجد کے کتبے پر بھی سفیدی پھیر دی ہے تاکہ ان کا حق ملکیت قائم رہے ان کے مقبرے کی طرح ان کی تعمیر کردہ مسجد بھی مسلمانوں بالخصوص کمبوہ قوم کی بے حسی پر نوحہ کناں ہے۔

لالہ کنہیا لال نے تاریخ لاہور میں ان کو شیخ عنایت اللہ کا ماموں اور خسر بتایا ہے جو

درست نہیں۔ مسجد کے متعلق وہ لکھتے ہیں۔ "اکثر آیات قرآنی و احادیث و عبارات فارسی میں تحریر ہیں۔ کانسی کا رنگ اب تک ایسا شوخ نظر آتا ہے گویا طاقچہ آج ہی بنایا گیا ہے اور نقش و حروف آج ہی لکھے گئے ہیں ۔ اس مسجد کا بانی بڑا عالم و فاضل اور جید منشی شاہ جہانی دربار کا ذات کا کمبو تھا ۔ اس خاندان کی عزت و آبرو شاہی دربار میں بہت تھی اور فضیلت کا تمام زمانہ قائل تھا۔ اس مسجد کے دروازے پر جو محلاتی دروازہ (موچی دروازہ کا اصل نام) کے اندر ہے تین طاقچے کانسی کار بنے ہوئے ہیں۔" ان پر ان کا نام اور سن تعمیر لکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں دونوں بھائیوں کا مقبرہ اس وقت قبضہ اغیار میں ہے۔ یہ پہلے سکھا شاہی کی دست برد کا نشانہ بنا رہا اور اس کا تمام سنگ سرخ اتار لیا گیا اس کے بعد انگریزوں نے تمام اخلاقی اقدار کو پامال کرتے ہوئے کبھی بارود خانہ، کبھی باورچی خانہ اور کبھی بگھی خانہ میں تبدیل کرنے کے بعد آخر میں اسے گرجا میں تبدیل کر لیا تھا۔

نواب محبت خاں: 'سلسلہ عالیہ' اور 'المشاہیر' میں نواب دادن خاں گورنر لاہور کے پوتے نواب محبت خاں کو پشاور کا گورنر بتایا گیا ہے۔ 'سلسلہ عالیہ' میں مذکور ہے : "درپشاور مسجدے عالی از سنگ سرخ' بنا کردہ نواب محبت خاں است کہ در آں دیار بہ ازاں مسجدے یافتہ نمی شود" (پشاور میں سرخ پتھر کی ایک شاندار مسجد نواب محبت خاں کی بنا کردہ ہے اس علاقہ میں اس سے اچھی مسجد نہیں پائی جاتی) چوک یادگار میں محلہ اندر شہر کی جانب مسجد مہابت خاں کے نام سے مشہور یہ جامع مسجد اپنی خوبصورتی کے لحاظ سے اب بھی منفرد ہے۔ محکمہ آثار قدیمہ والوں کا خیال ہے اس مسجد کا بانی ایک مغل شہزادہ مہابت خاں تھا جس کے بھائی کی تعمیر کردہ ایک اور مسجد محلہ گور گٹھڑی میں موجود ہے۔ 'المشاہیر' میں اس مسجد کی تعمیر نواب محبت خاں کمبوہ کی مرہون بتائی گئی ہے۔ ہم نے اس سلسلہ میں جو تحقیقات کی ہیں ان کی رو سے اس مسجد کو نواب محبت خاں سے منسوب کرنا مشکوک اور تحقیق طلب ہے (62- الف) نواب محبت خاں کا

---

(62) الف) ہمیں پہلی مرتبہ مسٹر مطلوب الرؤف کے ایک مضمون سے ' سلسلہ عالیہ' کے بیان کی صداقت پر شک پیدا ہوا مگر موصوف نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی تاریخی حوالہ

مقبرہ میرٹھ میں مخدوم شاہ ولایت کے جوار میں سنگ سرخ کا بنا ہوا تا حال موجود ہے۔

نواب خیراندیش خاں: نواب محبت خاں کے فرزند محمد خاں دارا شکوہ کے قتل کے بعد ان کی سرکار کو خیرباد کہہ کر شہنشاہ اورنگ زیب کی ملازمت میں آ گئے۔ اپنی اہلیت اور وفاشعاری کی بدولت پنج ہزاری عہدہ (تنخواہ تیس ہزار روپے) اور خیراندیش کا خطاب پایا۔ اورنگ زیب کو ہمیشہ کام کے آدمی نہ ملنے کی شکایت رہتی تھی۔ حاکم گجرات کی وفات پر شہنشاہ نے اس کے حسن کارکردگی کی تعریف کے بعد صوبہ کے لئے گورنر مقرر کرنے کے ضمن میں ایک خط میں وزیراعظم نواب اسد خاں کو مشورہ دیا' "اگر شہزادہ اعظم جو گورنری کے خواہش مند معلوم ہوتے ہیں دوسروں سے بہتر کام کریں اور شہزادگی کے بھروسہ پر نہ رہیں تو ان کو مقرر کر سکتے ہیں۔ البتہ اس معاملہ میں خیراندیش خاں سے بہتر کوئی آدمی نہیں"۔

نیز حاشیہ
میں دیا تھا۔ ب 23 جولائی 1995ء کو سید ابراہیم شاہ ایم اے آرکیالوجی (گولڈ میڈلسٹ) ریسرچ سکالر پشاور یونیورسٹی کے مرسلہ دو مقالات سے پوزیشن کافی حد تک واضح ہو گئی ہے۔ پہلا مقالہ پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آرکیالوجی کے ریسرچ بلیٹن Ancient Pakistan جلد ہشتم مطبوعہ 1993ء ص 149 تا 159 میں شائع ہوا ہے جس میں 1531ء تا 1738ء پشاور میں متعین 46 گورنروں (37 افراد) کا سن وار ذکر ہے اس میں نواب محبت خاں کا کہیں ذکر نہیں البتہ ایک دفعہ مہابت خاں (1617 تا 1624ء) کا ذکر ہے اس کا اصل نام زمانہ بیگ پسر غیور بیگ کابلی تھا۔ (حوالہ مآثرالامرا' توزک جہانگیری اور خافی خاں) اس کے بعد اس کا بیٹا مرزا لہراسب (مہابت خاں دوم) چار مرتبہ گورنر بنا۔ اول الذکر لاابالی اور مذہب سے بیگانہ شخص تھا۔ دوسرے کے دور میں نواب محبت خاں وفات پا چکے تھے۔ دوسرا مقالہ بعنوان "جامع مسجد اندر شہر المعروف جامع مسجد مہابت خاں' تعمیر کنندہ کے تعین کا مسئلہ" مطبوعہ اسلامک سٹڈیز جلد 33 شمارہ 4- اسلام آباد 1994ء ص 497 تا 500 ہے۔ مقالہ نگار نے تاریخی حوالوں سے تاریخ کمبوہاں وہاب الدین 1972ء ص 217) کے بیان کو مسترد کرتے ہوئے مسجد کی تعمیر کا اصل بانی مرزا لہراسب (مہابت خاں دوم) کو قرار دیا ہے۔ یقیناً اس تحقیق سے ہماری طرح بہت سے احباب کو ذہنی کوفت تو ہو گی مگر تاریخی واقعات اور منطقی دلائل جذبات سے ماورا ہوتے ہیں اور ان کو تسلیم کرنے سے مفر نہیں۔ (23 جولائی 1995ء)

اگر کوئی صاحب مزید تحقیق کرنا چاہیں تو منہ العصب مذکورہ دونوں مقالات کی فوٹو کاپی مہیا کی جا سکتی ہے۔ (یوسف حسن)

خیر اندیش خاں نے اٹاوہ کی فوجداری کے زمانہ میں سات لاکھ درہم انعام پایا اور شاہ عالم بہادر شاہ اول کے عہد میں شش ہزاری منصب تک ترقی حاصل کر لی تھی۔ لیکن شاہی مراتب و مدارج کے علاوہ جس چیز نے ان کا نام زندہ جاوید کیا وہ ان کی تعمیرات ہیں۔ اپنے وطن میرٹھ میں ایک پختہ قلعہ' ایک پورا بازار' مسجد اور مکانات تعمیر کر کے اس کا نام خیر نگر رکھا۔ مسجد اپنے تاریخی نام' خیرالمساجد والمعابد' کے نام سے مشہور ہے۔ شہر اٹاوہ میں ایک خیراتی ہسپتال قائم کیا جس میں بہت سے نامور مسلمان حکیم اور ہندو وید ملازم رکھے۔ غربا کے لئے ہر قسم کی ادویہ اور کھانا مفت مہیا کیا جاتا تھا۔ ان کی تالیف 'خیرالتجارب' اطبا میں بہت مقبول تھی۔ ضلع اٹاوہ میں بھی ایک گاؤں خیر نگر تعمیر کرایا تھا۔ اس خاندان کے کئی دوسرے ذی مرتبت امرا نے بھی قوم کا نام روشن کیا ہے ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں مختصراً" حالات اس طرح ہیں۔

نواب ~~خیر~~ نیک اندیش خاں ثانی: نام محمد مسیح تھا اپنے دادا خیر اندیش خاں اول سے بھی زیادہ نامور ہوئے۔ عہد عالمگیری میں پہلے یک ہزاری اور پھر سہ ہزاری منصب اور نیک اندیش خاں خطاب پایا۔ بہادر شاہ اول نے منصب پنج ہزاری اور خیر اندیش خاں اول کی وفات کے بعد منصب شش ہزاری اور خطاب خیر اندیش خاں مرحمت فرمایا۔ بانس بریلی میں قلعہ پختہ خیر نگر تعمیر کرایا۔ بریلی میں عید گاہ' مبارک محل' مقبرہ اور بہت سے مکانات تعمیر کرائے۔

ان کے فرزند نیک اندیش خاں کو بریلی کے نواح میں چند مواضعات جاگیر میں ملے اور دوسرے فرزند خیریت اندیش خاں پنج ہزاری منصب دار کشمیر کے گورنر رہے اور وہاں نواب بازار تعمیر کرایا۔

ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی احسان علی خاں نے احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں خیر اندیش خاں ثالث کا خطاب پایا۔ اور کشمیر کے صوبیدار مقرر ہوئے۔

خیریت اندیش خاں کے فرزند دو ہزاری منصب پر فائز فوجدار اٹاوہ نواب عافیت اندیش کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بیٹے فرحت اندیش خاں نے مصلحت وقت کے تحت مغل بادشاہ کی ملازمت پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کو ترجیح دی (باقی حالات باب چہاردہم) یہ نواب مبارک علی خاں مؤلف رسالہ مبارک کے والد تھے۔

مغلیہ دور کے بعض دیگر اُمرا و عمائدین:

1- نواب خیر اندیش خاں کے ہم عصر نواب صواب اندیش خاں شاہی اُمراء میں ممتاز تھے ان کے پوتے فتح علی خاں نے انگریز دور میں کافی ترقی کی۔
2- مخدوم سماء الدینؒ سے نویں پشت میں اعظم الدین خاں زمرۂ اُمرا میں شامل تھے
3- ان کے فرزند حکیم قوام الدین خاں شاہی اطبا میں منتخب اور دارالشفا دہلی کے مہتمم تھے بادشاہ کی طرف سے دارالشفا کا خرچ تین لاکھ روپے سالانہ مقرر تھا۔ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ پانچ صدی منصب بھی ملا۔
4- حکیم الملک امام الدین خاں ان کے فرزند تھے۔ جن کو عالمگیر ثانی نے ایک ہزار پانچ صدی منصب عطا کیا۔
5- حکیم الملک کے فرزند حکیم رمضان علی' شاہ عالم ثانی کے عہد میں ہزاری ذات اور دو صد سوار کے منصب دار تھے۔
6- حکیم غلام علی خاں پانچ صدی ذات اور 5 سو سوار کے منصب دار تھے' حسین علی خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔
7- حکیم سلامت علی شاہ عالم ثانی کے شاہی طبیب تھے۔ حذاقت خاں خطاب پایا۔
8- حکیم حضور علی خاں بجنور اور مراد آباد میں سات گاؤں کے مالک تھے۔ نواب آصف الدولہ والئی اودھ کے ہاں .بمشاہرہ پانچ سو روپے طبیب خاص رہے۔ 'سلسلہ عالیہ' اور 'المشاہیر' کے مؤلفین قابل تحسین ہیں کہ انہوں نے یو پی کے کبوہ عمائدین کے حالات مرتب کر کے بہت بڑی خدمت انجام دی مگر افسوس پنجاب میں کسی اہل قلم کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ وہ اپنے صوبہ خاص کر لاہور' ملتان' بہاولپور وغیرہ کے کبوہ بزرگوں کے کوائف احاطہ تحریر میں لاتے۔

کبوہ بچوں کے متعلق یہ شعر یوپی میں زبان زد عام ہے۔

کمبوہ بچگاں چہ گلِ انار اند
خوب اند' خوش اند' گوندارند

باب دوازدہم

سکھ مذہب عروج' زوال اور دورِ حاضر

لودھی پٹھانوں کا عہد حکومت ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک ایسے انقلاب کا نقیب بنا جو مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی میل جول اور ایک ہی جگہ بودوباش کے نتیجہ میں ان بزرگوں کے ذریعہ ظہور میں آیا جنہوں نے دونوں مذاہب کے عقائد اور اصولوں کو اس طرح ملا کر پیش کیا جو دونوں قوموں کے عوام کے لئے قابل قبول ہوں۔ مولانا نجیب اشرف لکھتے ہیں: "اشاعت اسلام کا کام صوفیوں نے جو "باہمہ و بے ہمہ" کی زندہ مثال' وسیع المشرب' آزاد خیال اور روادار ہوتے تھے شروع کیا ہندوؤں نے بھی اس رنگ کو اختیار کر لیا۔ راماننداگورونانک' سوامی چیتنانند اسی قسم کے گرو تھے انہوں نے نہ صرف ویدانتی توحید' اور متصوفانہ فنا فی اللہ کے اصول کو عام کر دیا بلکہ اپنی برادری میں داخل ہونے کے لئے ہندو اور مسلمان کی قید بھی اٹھا دی۔" انہی بزرگوں میں ایک بھگت کبیر تھے جن کو تذکرہ اولیائے ہند میں "شیخ کبیر جولاہا قدس سرہٗ" لکھا ہے آپ کو خرقہ خلافت حضرت شیخ بھیکا چشتی سے ملا۔ ان کے ہندو مرید کبیر پنتھی کہلاتے ہیں۔ دوسرے بزرگ رامانج کی تعلیم' فلسفہ اور بقول ڈاکٹر تارا چند "خاص اسلوب نے اس تحریک کو ایک بنیاد فراہم کر کے ہندوستان بھر میں پھیلا دیا اس بھگتی تحریک (63) کو اسلامی اثرات کی وجہ سے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی' بھگتی کے پرانے پہلوؤں پر اسلامی اثرات کی وجہ سے زیادہ زور دیا جانے لگا اور کئی پہلو تو اسلام سے اخذ کئے گئے تھے" (مختصر تاریخ ہند ص 208) تیسرے بزرگ جو ہمارے مضمون کا موضوع ہیں بابا گورونانک دیوجی ہیں جو 1469ء میں ننکانہ صاحب کے مقام پر ایک ہندو کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے ہی آپ کا دل دنیاوی کاموں سے اچاٹ اور

---

(63) بھگتی کے معنی ہیں پریم' محبت اور رواداری کا مذہب اس لئے یہ تحریک بھگتی کہلائی۔

گیان دھیان میں مصروف رہتا۔ معرفت الٰہی کی تلاش میں آپ نے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی سفر اختیار کئے جس سے ان کے خیالات میں پاکیزگی' وسیع المشربی اور صفائی قلب نمایاں ہوئی' بت پرستی' ذات پات کی تقسیم اور مشرکانہ رسوم سے نفرت ہو گئی اسلام کے بہت سے اصولوں کو اپنا کر ہندوؤں میں' ایک توحید پرست اور روشن خیال فرقہ کی بنیاد رکھی جسے سکھ یعنی چیلا یا مرید کا نام دیا گیا اس مذہب کو نانک پنتھی بھی کہا جاتا تھا۔ آپ کی موحدانہ تعلیم کا خلاصہ اس شبد سے عیاں ہے:

ہور شریک ہووے کوئی تیرا تس اگے تُدھ آکھاں
تُدھ اگے تُدھ صلاحیے میں اندھے ناؤں سجا کھا
جیتا آکھن ساہی شبدی بھاکھیا بھائے سبھائی
نانک بہتا ایہو آکھن سبھ تیری وڈیائی

(اے خدائے واحد) "اگر کوئی تیرا ثانی ہو تو میں اس کے سامنے تیری (توصیف) بیان کروں۔ تیرے آگے تیری تعریف (سراہنا) کرنا یوں لگتا ہے گویا میں اندھا ہوں مگر نام آنکھوں والا رکھ لیا ہے اگر مجھے کچھ کہنا ہے تو اے نانک! اپنے الفاظ' زبان اور عادت کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہی کہنا ہے کہ سب تیری ہی عظمت اور بزرگی ہے۔"

حق کے متلاشی خاص کر ہندو اس نئے پنتھ میں داخل ہونے لگے۔ گوروبابانانک کی وفات کے بعد ان کے تین مرید محض اہلیت کی بنیاد پر گدی نشین ہوئے۔ لیکن 1581ء میں چوتھے گورو کے فرزند ارجن دیو پنتھ کے سربراہ مقرر ہوئے جس سے گوریائی کا سلسلہ وراثت میں منتقل ہو گیا۔ اس دور تک یہ فرقہ خالص مذہبی بنیادوں پر سکھ صوفیوں اور درویشوں کے زیر سایہ اپنے چیلوں کی تربیت اور اصلاح کا فریضہ انجام دیتا رہا تھا لیکن اب مریدوں کی کثیر تعداد دیکھ کر ایک طرف گورو ارجن دیو نے مختلف علاقوں میں 22 اہلکار مقرر کر کے روپیہ جمع کرنے کا اہتمام کیا اور دوسری طرف شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر کے دربار لگانا شروع کردیا اسی اثناء میں اس فرقہ کو جاٹوں میں بھی کافی مقبولیت حاصل ہو گئی اور بعض ناپسندیدہ عناصر بھی اس میں شامل ہو گئے۔

سیاسی مصلحت کے پیش نظر لاہور کے دیوان نانک چند کھتری (دیوان چندو شاہ) نے گورو ارجن دیو سے ان کے بیٹے کو اپنی دامادی میں لینے کی خواہش ظاہر کی جسے گوروجی

نے مسترد کر دیا۔ تمام ترغیبات سے مایوس ہو کر شہنشاہ جہانگیر کے حضور غمازی کی کہ گروارجن دیو سلطنت مغلیہ کے لئے سخت خطرہ بن رہا ہے اور یہ کہ جہانگیر اور خسرو کی تخت نشینی کی جنگ میں گروجی نے جہانگیر کے خلاف خسرو کی فوجی مدد کی تھی۔ اس پر دیوان چندو کو گروارجن دیو سے نمٹنے کی اجازت مل گئی۔ دیوان نے گروجی کو قلعہ لاہور میں قید کر کے سخت اذیتیں دیں۔ آخر انہوں نے دریائے راوی (جو ان دنوں قلعہ کے ساتھ بہتا تھا) میں نہانے کے بہانے ڈوب کر جان دیدی۔

ان کے بعد ان کا بیٹا ہرگوبند گدی نشین ہوا۔ اس نے سب سے پہلے اپنی فوجی طاقت مضبوط کرنے پر توجہ دی۔ مسلح دستے تیار کئے۔ باپ کی طرح جاہ و جلال سے دربار لگاتا اور 'سچا بادشاہ' کہلانا شروع کر دیا اس کے بعد جہانگیر کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی وفاداری اور دیوان چندو کی بدکرداری کا معاملہ پیش کیا۔ بادشاہ نے چندو کو قصاص کی غرض سے گوروہرگوبند کے حوالے کر دیا اور گروجی نے چندوشاہ کو قتل کر کے اپنی آتش انتقام سرد کی۔ کچھ عرصہ گروہرگوبند جسے بادشاہ نے اپنا منصب دار بھی بنا دیا تھا حکومت کے زیر فرمان رہے۔ مگر سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے گوروجی کی ہوس ریاست گیری کو مہمیز دی اور وہ اپنی فوجی طاقت بڑھانے اور فوجی اور ذاتی اخراجات پورے کرنے کی خاطر لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ اسی عرصہ میں شاہ جہاں بادشاہ بنا تو اپنے بیٹے دارا شکوہ کو لاہور کا حاکم مقرر کر دیا۔ دارا شکوہ گوروجی کا بڑا معتقد تھا بلکہ بقول مہا بھائی لیڈر اور مصنف بھائی پرمانند "نام سے قطع نظر دارا پورا ہندو تھا" (تاریخ پنجاب ص 206) دارا شکوہ گوروجی کی امن و امان تباہ کرنے کی حرکتوں سے چشم پوشی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کی حمایت کے نتیجہ میں گرو ہرگوبند شاہی فوج کو شکست دینے اور بہت بڑی فوج تیار کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد دارا شکوہ نے ساتویں گورو ہر رائے کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ اسے جاگیر بھی عطا کی اس طرح وہ بے خوف و خطر اپنی فوجی قوت میں اضافہ اور لوٹ مار کرنے میں مصروف رہا۔ دارا اور اورنگزیب کے مابین جنگ میں گورو ہر رائے نے اورنگ زیب کی فوجوں کے خلاف سخت مزاحمت کی تھی مگر اس کے باوجود اورنگ زیب نے از راہ مراحم خسروانہ نیک چلنی کی ضمانت پر عام معافی دے دی اور اس کے بیٹے رام رائے کو مناسب عہدہ پر فائز کر

کے اپنے پاس رکھ لیا۔

گورو ہررائے کے بعد گدی پر رام رائے کا حق تھا مگر اسکی حق تلفی کر کے چھ سالہ بچے ہرکشن کو گرو بنا دیا گیا وہ تین سال بعد مر گیا تو ایک بار پھر رام رائے کی حق تلفی کرتے ہوئے تیغ بہادر گورو بنا دئے گئے۔ انہوں نے گدی نشین ہوتے ہی اپنی توجہ فوج کو منظم اور سازوسامان فراہم کرنے پر مرکوز کر دی۔ عمدۃ التواریخ ص 48 کے مطابق "انہوں نے ہزاروں اسپ سوار' شتر سوار' جملہ اسباب و کارخانہ جات بادشاہی فراہم کر لئے۔" کیرت پور میں ایک مستحکم قلعہ بنوایا۔ حکام سلطنت' جاگیرداروں' زمینداروں وغیرہ میں سے جو بھی حکومت سے بغاوت کرتا وہ گورو کی خدمت میں حاضر ہو کر پناہ اور اسلحہ حاصل کرتا اور لوٹ مار شروع کر دیتا۔ فوج کو کوئی تنخواہ تو ملتی نہ تھی اس لئے گزارہ کے لئے راہزنی اور لوٹ مار کی عام اجازت تھی۔ (64) پورے پنجاب میں مسلمانوں کی زندگی سخت عذاب میں تھی مالی نقصان کے علاوہ جان کا بھی دھڑکا لگا رہتا تھا۔ گورو تیغ بہادر کی زیر قیادت سکھوں کی باغیانہ اور امن دشمن سرگرمیوں کی خبریں دہلی دربار میں پہنچیں' سرکاری ذرائع سے بھی تصدیق ہوئی اور گرو تیغ بہادر کے بھائی اور گورریائی کی گدی کے اصل حقدار رام رائے نے جو پہلے ہی دربار سے وابستہ تھے اپنے آقائے ولی نعمت شہنشاہ اورنگ زیب کو تمام حالات سے آگاہ کیا چنانچہ گوروجی کی دربار میں طلبی ہوئی۔ مسلح بغاوت کرنے' متوازی حکومت بنانے اور عوام کے جان و مال پر بے دریغ حملوں کی سزا کسی بھی آئین اور قانون میں موت سے کم نہیں

---

(64) یہ فعل شنیع جو گورو ہرگوبند کے عہد گوریائی 1606ء میں شروع ہوا۔ سکھ حکومت کے آخری دور تک قائم رہا۔ 1818ء میں جب ملتان فتح ہوا۔ حاکم ملتان نواب مظفر خان اور اس کے پانچ بیٹے جنگ میں مارے گئے تو وزرا کے مشورے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے فاتح جرنیل کو حکم بھیجا کہ ملتان کے شہریوں کی عام جان بخشی کی جائے اور لوٹ مار سے گریز کریں مگر جرنیل نے جواب دیا "میں بے بس ہوں اس معاملے میں فوج میرے حکم سے باہر ہے ایسا حکم دینے سے فوج میں بغاوت کا خطرہ ہے" چنانچہ سکھوں نے ملتان شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت کا خوب جی بھر کر بازار گرم کیا۔ ماضی قریب میں ایسی ہی بربریت کا مظاہرہ کوکوں کی بغاوت (1872ء) اور 1947ء میں مسلم کش فسادات میں ہو چکا ہے حالانکہ 1872ء میں برٹش فوج امن کی ذمہ دار تھی اور 1947ء میں مسلمانوں کے لئے پاکستان جائے پناہ تھا ورنہ خدا جانے کیا حشر ہوتا؟

مگر (ظالم و جابر کہلانے والے) اورنگ زیب نے مہاراجہ جے پور کی سفارش پر عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے گوروجی کو عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ لیکن رعایا کو اس کا صلہ کیا ملا؟ گوروجی نے کچھ عرصہ تو امن و امان سے گزارا مگر آخر کار جاہ پرستی کی ہوس رنگ لائی اور پھر وہی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ رعایا کی شکایات کی بھرمار ہوئی تو گوروجی کو دہلی طلب کیا گیا۔ گردن نہیں ماری گئی۔ تختہ دار پر نہیں لٹکایا گیا۔ صرف ذہنی اصلاح کے لئے قید کر دیا گیا (سیر المتاخرین) جی ایس آنند اور ایس ایس بل نے الزام لگایا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے انکار پر اورنگ زیب نے ان کو قتل کرنے کا حکم دیدیا (دی پنجاب پاسٹ اینڈ پریزنٹ جلد 9 حصہ اول ص 106 تا 119) حالانکہ گروجی کے قتل کے وقت اورنگ زیب دہلی میں موجود نہ تھا۔ اس لئے اسے قتل کی کارروائی سے منسلک کرنا یا ذمہ دار ٹھہرانا قطعی طور پر درست نہیں "اکثر روایات سیاسی مخالفت اور مذہبی تعصب کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔" (اکرام علی ملک ص 115) اور بھی کئی روایات ہیں ایک روایت جو رتن سنگھ کے حوالے سے خوشونت سنگھ نے "اے ہسٹری آف دی سکھس' (جلد اول ص 74-70) اور میکالف نے (دی سکھ ریلیجن جلد اول 1963ء) دہلی ایڈیشن ص 78-73 ابتدائی) میں بیان کی ہے'اسطرح ہے:

"گوروجی کی آزاد روی اور تنک مزاجی جیل کی زندگی برداشت نہ کر سکی۔ انہوں نے موقف اختیار کیا "میں فقیر آدمی ہوں میرا جہانبانی و حکومت گیری سے کیا تعلق؟" جب دہلی کے قاضی کی طرف سے ان کو کوئی کرامات دکھانے کے لئے کہا گیا تو جواب دیا "میرے پاس ایک ایسا تعویذ ہے کہ جس کسی کے پاس ہو اس پر تیر تلوار کوئی اسلحہ اثر نہیں کرتا۔" بطور امتحان خود کو پیش کیا۔ جلاد نے ایک ہی وار میں سرتن سے جدا کر دیا تعویذ کھول کر پڑھا گیا۔ لکھا تھا۔ "سر دیا پر سر نہ دیا" یعنی جان دیدی مگر راز افشا نہ کیا" کنہیا لال اور بعض دوسرے مصنفوں نے بھی یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

سکھ اتہاس کے مطابق گوروتیغ بہادر کے ہمراہ ان کے پانچ جانباز مرید (پنج پیارے) بھی دہلی گئے تھے۔ ان میں بھائی دیالا کمبوہ پسر لال چند متی (ماں کا نام چنڈ کا) بھی شامل تھے۔ ان کو اسلام قبول نہ کرنے کی پاداش میں ابلتی ہوئی دیگ میں ڈال کر ہلاک کر دیا گیا (کمبوہ اتہاس جگن ناتھ ص 129) کرپال سنگھ دردی نے ان کے والد' والدہ اور بھائی

کا نام بالترتیب کالو' دیاکور اور اکالی شہید بھائی منی سنگھ بتایا ہے (اسمہ کمبوج لوک ص 219) حقیقت میں فرد جرم اسلام قبول نہ کرنا نہیں بلکہ عوام کا قتل اور ملک سے بغاوت تھی۔ تیغ بہادر کے بعد ان کے فرزند اور آخری گورو گوبند سنگھ گدی نشین ہوئے قدرتی طور پر ان کو اپنے باپ کی موت کا سخت صدمہ تھا۔ وہ نہ صرف شہنشاہ ہند اورنگ زیب اور اس کے درباریوں بلکہ پوری مسلمان قوم کو اس کا ذمہ دار گردانتے تھے۔ (65) باپ کے قتل کا بدلہ لینے کا عزم اس قدر راسخ ہو چکا تھا کہ وہ اس کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار تھے۔

---

(65) یہاں پر ہم ہر سبیل تبصرہ قارئین کی توجہ تین اہم امور کی طرف کی جانب مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول یہ کہ ہماری قومی تاریخ کا سکھ قوم کی تاریخ سے کیا تعلق ہے؟

دوسرے اس نظریہ پر محاکمہ کہ کیا سکھوں کی بغاوت غیر ملکی مسلمان حکمرانوں کے خلاف آزادی کی جنگ تھی؟ تیسرے یہ اندازہ لگانا کہ سابقہ باب میں یو پی کے جن مسلمان کبوہ حضرات کا ذکر کیا گیا ہے اگر وہ سلطنت کے اس عدم استحکام کے دور میں بھی اعلیٰ مراتب اور جاہ و حشمت کے مالک تھے تو پنجاب کے مسلمان کبوہ کن عوامل کی بناء پر گوشہ گمنامی میں مستور رہے؟

(الف) ہم سکھ تاریخ کا اجمالاً" ذکر کر رہے ہیں تفصیل کے شائقین سوہن لال کی عمدۃ التواریخ۔ بھائی پر مانند' سید لطیف' شیخ فیروز الدین' لالہ کنہیا لال جیسے مصنفین کی 'تاریخ پنجاب' کا مطالعہ فرمائیں۔

سکھ قوم کی تاریخ بیان کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین کو:

(i) ہندو کبوہوں کے سکھ دھرم قبول کرنے کے اسباب اور عموی محرکات اور سکھ کبوہوں کے سیاسی' سماجی اور مذہبی کردار نیز۔

(ii) اس بدترین بد امنی اور قتل و غارتگری کے دور میں مسلمان کبوہوں کے جذبۂ ایمانی اور اپنے مذہب پر استقامت کا اندازہ لگانے میں آسانی ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ سترہویں' اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے وسط تک ڈھائی سو سال کے طویل عرصہ میں خطۂ پنجاب قیامت صغریٰ کا سماں پیش کرتا رہا۔ سکھوں کی لوٹ مار اور تباہ کاری کیا کم تھی کہ امن کے نام پر اپنے ہی لال پنجاب کی دعوت یا انگیخت پر نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی پنجاب کے خرمنِ امن کو تباہ و برباد کرتے رہے اس کے لئے اقتدار کے بھوکے مسلمان امرا' قتل و غارت اور لوٹ مار کے سرغنہ سکھ اور محروم ہندو یکساں ذمہ دار ہیں۔ دہلی کی مرکزی حکومت خاندانی تنازعات میں بری طرح الجھی رہی۔ صوبوں کی انتظامی حالت بھی قابل فخر نہ تھی اور مرکزی حکومت کی مدد کے بغیر ان کے لیے باغیوں کی بھاری' منظم اور مذہبی جوش سے مسحور قوت سے نمٹنا آسان نہ تھا۔ فریاد اور (جاری)

(بقیہ حاشیہ) داد رسی کے لئے ہندو اور خاص کر مسلمان رعایا کی نگاہ استمداد دہلی کی طرف اٹھتی تھی مگر بادشاہوں کو اپنی سلطنت میں رونما ہونے والے بڑے بڑے واقعات کا بھی علم نہ ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر بہادر شاہ کو پنجاب کے ہزار ہا خانماں برباد عوام نے اجمیر جا کر (جہاں وہ اس وقت ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا) اپنی بربادی اور کسمپرسی کی داستان الم سنائی تو بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا (تاریخ پنجاب کنہیا لال ص 61) جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں سکھ فوج کے جیالے اپنی گزر اوقات زمینداروں' کاشتکاروں' بنئے بقالوں اور اہل حرفہ کو لوٹ کر ہی کرتے تھے۔ جو مزاحمت کرتا اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑتے۔ جو ہندو اپنے دھرم پر قائم رہے وہ بھی لوٹ مار کا نشانہ بنتے مگر مسلمانوں کی طرح ان کا قتل عام نہ ہوتا تھا۔ ان کی اکثریت خاص کر دیہات کے جاٹوں کے ذہن رسا نے اس موقع پر اپنی اس کامیاب حکمت عملی کے تحت اپنا مستقبل کلی محفوظ کر لیا تھا کہ ہر خاندان سے ایک آدھ فرد بلکہ پورے گاؤں سے چند افراد سکھ مذہب میں داخل ہو کر پورے گاؤں کی حفاظت اور سلامتی کے ضامن بن جاتے تھے مگر مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔ سکھوں کے زمانہ عروج میں ان کی چھوٹی چھوٹی جاگیرداریاں اور زمینداریاں بھی چھین لی گئیں۔ ملازمتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ مسلمان کمبوہوں کے پاس کسب معاش کے لئے کاشتکاری اور نجی ملازمتوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا لیکن وہ اپنے مذہب پر قائم رہے ہندو کمبوہوں کی ایک معقول تعداد گورونانک دیوجی کی توحید' پریم اور صلح و آشتی کی اعلیٰ تعلیمات سے متاثر ہو کر سکھ دھرم میں شامل ہو گئی تھی بعد ازاں گورو انگد' گورو امرداس اور گورو رامداس جیسے پارسا اور نیک منش گورو صاحبان کے پندو نصائح اور تلقین نے بھی بہت سے لوگوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ بھائی گرداس جی نے اپنی بانی واراں' میں پہلے چھ گورو صاحبان کے عہد تک کے اہم اور نمایاں سکھوں کے ذکر میں کمبوہ سکھوں کے نام مع ان کے گوت کے گنوائے ہیں چھٹے اور ساتویں گورو صاحبان کے زمانے میں جب مصلحتاً" جاٹ قبیلوں نے سکھ دھرم میں شمولیت اختیار کی تو کئی کمبوہ سردار' زمیندار اور دوسرے جنگ آزما کمبوہ بھی اس مذہب میں شامل ہو گئے نیت کا علم خدا کو ہے لیکن اغلب خیال یہی ہے کہ اسی مصلحت کے تحت کمیم کرن کے رائے صاحبان نے سکھ مذہب قبول کیا ہو گا۔

(ب) اب رہا یہ نقطہ نظر کہ سکھوں کی تمام جدوجہد غیر ملکی (مسلمان) حکمرانوں سے ملک کی آزادی کے حصول کی خاطر تھی۔ تو ؎

(i) سکھوں کے' عام قتل و غارت' لوٹ مار اور عوام دشمن طرز عمل سے اس مفروضہ کی کلیتہ" نفی ہوتی ہے حصول آزادی کے لئے حکومت سے لڑنا ہوتا ہے نہ کہ مجبور و محکوم عوام سے۔

(ii) مسلمان حکمرانوں یا مسلمان رعایا کو غیر ملکی کہنا کسی بھی لحاظ سے درست نہیں البتہ انگریزوں کو ہر اعتبار سے غیر ملکی بلکہ غاصب حکمران کہنا جائز اور درست ہے۔ انگریز محض توسیع پسندانہ اغراض کے تحت ہندوستان آئے تھے۔ ایک معمولی سارجنٹ سے لے کر وائسرائے تک برطانیہ سے بھرتی ہو کر آتا اور اپنی مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد اپنے ملک (Home) واپس چلا جاتا' انہوں نے ہندوستان سے سونا' چاندی' جواہرات' قیمتی نوادرات وغیرہ کے جہازوں کے جہاز بھر کر براستہ سمندر اپنے ملک' بھیج دیئے تھے وہ کسی ہندوستانی پر (جن کو وہ حقارت سے Native کہتے تھے) بھروسہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ اپنی وفادار ترین رعایا یعنی بڑے جاگیرداروں کی بھی جاسوسی ہوتی تھی اس سب

کے باوجود ہندو اور سکھ مصنفین' دانشور اور عوام انگریزوں کی برکات کے گن گاتے رہے ہیں 1849ء میں پنجاب میں انگریزوں کے ہاتھوں اپنی سکھ حکومت کے خاتمہ کے بعد انہی سکھوں نے برٹش فوج میں بھرتی ہو کر 1857ء کی جنگ آزادی اور اس کے بعد ملک میں چلنے والی قومی تحریکوں کو کچلنے اور برطانوی استعمار کو مستحکم کرنے میں جو کردار ادا کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سکھوں کے خلاف مغلوں کے مظالم کی فرضی داستانیں اسی عہد میں وضع کی گئیں حالانکہ قرآن حکیم کے واضح حکم کہ "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں" کی موجودگی میں کسی مسلمان بادشاہ' حاکم یا قاضی کا کسی غیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سکھ اتہاس میں ان قصے کہانیوں کو مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے جو ہندو اور انگریز کی ڈپلومیسی اور ہمارے سکھ بھائیوں کی سادہ لوحی کا نتیجہ ہے البتہ ہندوؤں کی انگیخت پر اگر کسی مسلمان حاکم نے کوئی انسانیت سوز سزائیں دیں تو ہم ان کی شدید مذمت کرتے ہیں' انگریزوں کے برعکس قطب الدین ایبک سے لے کر آخری مغل حکمران تک جو بھی سربراہ مملکت بنا یہیں کا ہو کر رہا۔ مرنے کے بعد بھی اسی سرزمین کو اپنا مدفن بنایا ان کے ساتھ آنے والے فوجی' اہل حرفہ اور دوسرے لوگ یہیں آباد ہوئے۔ اور ان کی اولاد آج تک یہیں اقامت گزیں ہے۔ جن ہندوؤں نے اسلام قبول کیا اور وہ ہندو جو اپنے دھرم پر قائم رہے وہ تو غیر ملکی نہ تھے لیکن سکھوں کی لوٹ مار کا سبھی یکساں نشانہ بنتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ناوک نے غریب چھوڑا نہ امیر' ہندو کو معاف کیا نہ مسلمان ان کی دستبرد سے محفوظ رہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کا مقصد مال و دولت کا حصول' ریاست گیری کی ہوس' جاہ و جلال کی نمائش اور مسلمانوں کا استیصال تھا اسے قومی تحریک کی بجائے ہم کسی معذرت خواہی کے بغیر اور بلا خوف تردید باغیانہ اور ظالمانہ ہوس پرستی کہنے پر مجبور ہیں۔

گورونانک جی کی سادہ اور حقیقت پسندانہ تعلیم سے جس کا مقصد اتقا' زہد' ریاضت' روحانیت' معرفت الہی کا شعور' توحید اور صلح کل جیسے ارفع امور تھے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ہم بحیثیت مسلمان گورونانک جی اور ان کی مؤحدانہ اور دیگر اعلیٰ اصلاحی تعلیمات کی صدق دل سے تعظیم کرتے ہیں۔ ہمیں سچے سکھوں سے کوئی پرخاش نہیں بقول مولانا ظفر علی خان۔

سکھوں سے کوئی دشمنی اسلام کو نہیں
اسلامیوں کے بھائی ہیں جو خالصہ ہیں تت

(تت خالصہ ایک فرقہ ہے۔ تت یعنی معرفت الہی سے سرشار)

(iii) دنیا کی کوئی حکومت خواہ وہ ملکی ہو یا غیر ملکی' آمرانہ ہو یا جمہوری' پارلیمانی ہو یا صدارتی کبھی برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی فرد' جماعت یا پارٹی اس کے خلاف سازش کرے یا باغیانہ خیالات کا پرچار کرے چہ جائیکہ پختہ قلعے تعمیر کر کے مسلح فوج رکھی جائے۔ رعایا کی زندگی حرام اور امن و امان تباہ و برباد کیا جائے۔ متوازی حکومت قائم کر کے ٹیکسوں کی خود وصولی کی جائے۔ ایسی صریح غداری کی سزا کسی بھی آئین اور قانون کی رو سے موت سے کم نہیں۔ حصول آزادی (1947ء) کے بعد سے اپنی منتخب ملکی حکومتوں کا حزب مخالف سے سلوک ہمارے سامنے ہے۔ اندرا گاندھی

(جاری)

گوبند رائے نے ایام شاہزادگی میں گھڑ سواری' شمشیرزنی' تیراندازی اور فوجی قیادت میں مہارت تامہ حاصل کر لی تھی۔ اب گورو بننے کے بعد فوجی طاقت میں بے پناہ اضافہ۔ پاؤنٹا اور انند پور میں مضبوط قلعوں کی تعمیر اور پہاڑی راجاؤں سے اکا دکا جنگوں میں کامیابی کے بعد ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ اور شہنشاہ ہندوستان بننے کا خیال سختی سے جاگزیں ہو گیا۔ گورونانک جی دیوی دیوتاؤں کی پوجا کے سخت مخالف تھے۔ گروجی نے اس تعلیم سے انحراف کرتے ہوئے برہمن نجومیوں سے رابطہ

کی حکومت نے دربار صاحب امرتسر کی جو بے حرمتی کی اور حال ہی میں خالصتان کے مطالبہ پر سکھ جیالوں کو جس طرح چن چن کر قتل کیا گیا وہ کسی تذکرہ کا محتاج نہیں۔ پورے مسلم دور میں وزارت خزانہ۔ وزارت مال۔ سول اور فوجی سپلائی وغیرہ اہم ترین محکمے ہمیشہ ہندوؤں کے پاس رہے اورنگ زیب نے بیسیوں مندروں کے نام جاگیریں وقف کیں۔ مخالفوں کے ساتھ عفو ودرگزر کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ غرض تمام رعایا کے ساتھ انہوں نے موجودہ حکومتوں سے بہتر سلوک روا رکھا۔ مزید برآں ہندوؤں کی انگریز سامراج سے حصول آزادی کی جدوجہد اور مغل بادشاہوں سے مخلصانہ وفاداری ثابت کرتی ہے کہ ہندو رعایا مسلم عہد میں خوشحال اور مطمئن تھی اور وہ ان سے مخلصی نہ چاہتی تھی۔

(iv) سکھوں کے خلاف حکومتی کارروائی میں دیگر عوامل کے علاوہ ہندوؤں کا بڑا عمل دخل رہا ہے۔ دیوان چندوشاہ' دیوان گل جس رائے' نائب دیوان سچانند کھتری اور گورو ہر رائے کے فرزند رام رائے کے علاوہ بھی ظاہری اور اندرونی طور پر اکثر ہندو افسران سکھوں سے نالاں رہتے تھے اور حکومت کو ان کی باغیانہ سرگرمیوں سے باخبر رکھتے تھے۔ یہاں مؤلف کتاب ہذا کی ایک ذاتی وضاحت ضروری ہے مجھے چار سال تک تقریباً 95 فی صد سکھ آبادی' معاشرہ اور ماحول میں 80 فی صد ماتحت سکھ عملہ کے ساتھ کام کرنے' ایک دوبار بطور مہمان گوردوارہ جانے' گرنتھ صاحب کی زیارت اور چند مرتبہ اکھنڈ پاٹھ سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ میرے دل میں نفرت تو کجا اپنے اس ماتحت عملہ سے شفقت اور دلی ہمدردی میں بھی کبھی کمی نہیں آئی تھی۔ یقین کیجئے مذکورہ بالا تبصرہ میں کسی تعصب کا دخل نہیں۔ بلا خوف لومتہ لائم اظہار حقائق کو میری کمزوری سمجھئے یا راست گوئی کا تقاضا اس لئے اسے اسی تناظر میں دیکھا جائے۔

کیا اور ان چالبازوں کے جھانسے میں آ کر ہون اور پوجا پاٹھ کا اہتمام کیا تا کہ دیوی دیوتاؤں کی مدد حاصل کی جا سکے۔ بنارس اور ہردوار وغیرہ سے بہت سے برہمن بلائے گئے۔ لگاتار ایک برس تک ریاضت اور منتر خوانی پر منوں گھی اور خوشبویات کا استعمال رہا لاکھوں روپیہ خرچ ہوا۔ اب گوروجی کی بے تابی اور اصرار کے باعث پجاری جان چھڑانا چاہتے تھے۔ چالاک برہمنوں نے جال پھینکا کہ دیوی جی آپ کی قربانی مانگتی ہیں' بحث تمحیص کے بعد گوروجی نے خود ہون میں جل مرنے کی بجائے اپنے بیٹے کی قربانی قبول کر لی مگر گوروجی کی والدہ نے اصرار کے باوجود اپنے پوتے کا سر کاٹ کر ہون میں ڈالنے سے انکار کر دیا آخر ایک چیلے کو ہون کنڈ کی نذر کر دیا۔ چند روز بعد عیار برہمنوں نے مژدہ سنایا کہ "مہاراج! مائی درگادیوی نے آج رات درشن دیئے ہیں' وہ آپ سے بہت خوش ہیں' آپ کو تمام بادشاہوں پر غالب آ کر روئے زمین کا بادشاہ بن جانے کی خوش خبری دی ہے۔ اب دنیا کی کوئی فوج آپ کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔"

اب گوروجی نے گورپائی کا سلسلہ ختم کر کے سکھ خالصہ قوم کی بنیاد رکھی۔ پنتھ کا رہا سہا درویشانہ اور صوفیانہ کردار یکسر ختم کر کے سکھ قوم کو ایک انتہاپسند عسکری تنظیم میں بدلنے کے لئے بیساکھی کے موقع پر انند پور میں بہت بڑا اجتماع کیا۔ پاہل یعنی مرید بنانے کا نیا طریقہ رائج کیا۔ نیا نعرہ "جو بولے سو نہال۔ ست سری اکال" اور نمستے کی جگہ "واہگوروجی کا خالصہ' واہگوروجی کی فتح" رواج دے کر قوم میں نیا جذبہ پیدا کیا۔ تمام نئے مریدوں سے چند اصولوں پر عمل کرنے کے حلف لئے مثال کے طور پر کئی باتوں کا ناس (خاتمہ)' نام کے ساتھ لفظ 'سنگھ' اور پانچ ککوں (ک) کا استعمال لازمی قرار دیا گیا۔(66)

---

(66) (1) کیرت ناس سے مراد ہے کہ پیشے اور ذات پات کی تفریق ختم کر دی جائے۔ سب کا نصب العین ہتھیار باندھنا اور مسلمانوں کو ختم کرنا ہونا چاہئے۔

(2) کل ناس یعنی ماں باپ' بہن بھائی' اولاد اور سب اعزہ کی محبت پر گورو کی محبت اور پوجا کو مقدم سمجھا جائے۔

(3) دھرم ناس کا مطلب ہے شاستروں کی ہدایات سے روگردانی اختیار کی جائے۔ دیوی دیوتاؤں کی پوجا اور جنیئو پہننا ترک کر دیا جائے۔

(4) کرم ناس گویا تناسخ یعنی دنیا کے اعمال و افعال کی جزا و سزا کسی دوسرے حیوان کی صورت میں پیدا ہونے سے انکار کیا جائے۔ (جاری)

ان اصولوں کی روشنی میں مریدوں کو از سر نو سکھی دھرم میں شامل کرنا شروع کیا۔ پہلے روز بیس ہزار آدمی سکھ ہوئے۔ اس کے بعد ملک بھر سے لوگ روزانہ ہجوم در ہجوم آ کر سکھ دھرم قبول کرنے لگے۔ تعداد ہزاروں سے بڑھ کر لاکھوں کی حدود میں پہنچی گورو گوبند سنگھ جی کا حوصلہ بلندیوں کی انتہا کو چھونے لگا اور دنیا کی بادشاہت کا خیال عین الیقین میں بدل گیا۔ گورو گوبند سنگھ کی سرگرمیوں اور سکھ فوج کی لوٹ مار کی شکایات دہلی دربار میں پہنچیں تو مدن خاں حاکم گوالیار کو ان کی سرکوبی کے لئے مامور کیا گیا۔ وہ سات ہزار فوج لے کر عازم پنجاب ہوا۔ گوروجی کے پاس اس وقت انندپور میں 50 ہزار سے زیادہ فوج تھی انہوں نے اپنے جانبازوں سے مخاطب ہو کر کہا "کیا کوئی ایسا سورما ہے جو مدن خاں پٹھان کا سر کاٹ لائے۔" ماہی سنگھ کمبوہ گوت جوشن ساکن سنام ضلع سنگرور آگے بڑھا اور گورو جی سے اجازت لے کر چند سواروں کے ہمراہ افغان فوج پر ٹوٹ پڑا۔ ماہی سنگھ سیدھا مدن خاں کے سر پر جا پہنچا مدن خاں کا وار اوچھا پڑا ماہی سنگھ نے جھپٹ کر تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ سپہ سالار کے مرنے پر شاہی فوج بھاگ کھڑی ہوئی اور ماہی سنگھ سرخرو ہو کر گورو کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ گوروجی بہت خوش ہوئے اور اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک سند عطا کی جو ماہی سنگھ کی اولاد کے پاس آج تک محفوظ ہے۔

اس کے بعد گورو گوبند سنگھ جی نے اپنے مرکز انند پور کو مستحکم بنا کر گردونواح کے علاقوں کو زیر نگیں کیا۔ پہاڑی راجاؤں نے مزاحمت کی مگر شکست کھائی۔ ان کی مدد کے لئے چند مرتبہ مغل فوج بھیجی گئی مگر ہر بار ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ صورت حال مغل حکومت کے لئے ایک بڑا چیلنج تھی۔ چنانچہ وزیر خاں حاکم سرہند اور زبردست

(حاشیہ بقیہ صفحہ

(5) ریت ناس کے ذریعے حجامت بنوانے' سر اور جسم کے کسی بھی حصہ کے بالوں کو استرے یا قینچی وغیرہ سے کاٹنے کی ممانعت کر دی گئی۔

(6) ہست ناس' حقہ تمباکو اور حلال گوشت سے پرہیز' سور کے دانت کا تعویذ پہننے اور گورو کے سوا کسی دوست سے محبت نہ کرنے کا درس دیتا ہے۔

نوٹ : پانچ ککوں (حرف کاف) سے مراد کچھ (نیکر نما زیر جامہ) (کڑا کلائی میں پہننے کا لوہے کا حلقہ) کیس (سر کے بال) کنگھا اور کرپان ہیں۔

خاں ناظم لاہور کی سرکردگی میں بڑی فوج بھیجی گئی۔ راجپوت راجاؤں کے علاوہ رنگھڑ اور گوجر قبیلوں نے بھی سرکاری فوج کی مدد کی سکھوں کی بڑی تعداد ماری گئی' آخر وہ قلعہ انند پور میں محصور ہو گئے۔ سکھ دن میں لڑائی لڑتے سرشام قلعہ بند ہو جاتے۔ مغل فوج نے گوروجی کو انند پور خالی کرنے کی پیش کش کی مگر اسے مسترد کر دیا گیا۔ محاصرہ نے طول پکڑا روزانہ سینکڑوں سکھ جانباز قتل ہوتے اور بے شمار بھوک اور حالات کا اندازہ لگا کر فرار ہو جاتے۔ گورو جی کی والدہ بھی اپنے دو پوتوں کو لیکر راجاؤں کی مدد سے کھیڑی (علاقہ سرہند) پہنچ گئی۔ آخر میں گوروجی بھی اپنے باقی ماندہ چالیس جانثاروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں فرار ہو کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ مغل فوج نے تعاقب کیا۔ چمکور کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ گوروجی اپنے پانچ ساتھیوں (67) کے ہمراہ بھیس بدل کر نکل گئے مگر باقی سکھ جن میں گوروجی کے دو بیٹے بھی شامل تھے مارے گئے۔ ادھر ان کی والدہ کو کھیڑی کے ہندو ناظم نے دھوکہ سے سرہند کے دیوان گل جس رائے کے حوالے کر دیا۔ دیوان نے 7 اور 9 سال کے کم سن معصوم بچوں کو وزیر خاں حاکم سرہند کے پیش کر کے ان کے قتل کی پر زور سفارش کی۔ یہاں تک کہا کہ سانپ کو مارنا اور اس کے بچوں کی پرورش کرنا دانشمندی کے خلاف ہے مگر وزیر خاں نے بے گناہ بچوں کا قتل احکام شرعی کے خلاف قرار دیتے ہوئے ان کو مناسب تربیت کے لئے دیوان کے سپرد کر دیا۔ (68) چونکہ دیوان اور بالخصوص نائب دیوان سچا نند کھتری گوروجی سے خاندانی مخاصمت کی بناء پر بچوں کے قتل کے درپے تھے۔ انہوں نے بچوں کو باغیانہ تقریریں سکھا کر کچھ عرصہ کے بعد حاکم کے روبرو پیش کیا اور کہا "آپ خود ان سے بات کر کے دیکھ لیں۔" بچوں نے وہاں وہی رٹی رٹائی تقریریں اور الٹے سیدھے

(67) گورو گوبند سنگھ کے ان پانچ ساتھیوں کو "پنج پیارے" بھی کہا جاتا ہے جنہوں نے ہر مشکل میں گورو جی کا ساتھ دیا۔ گیانی تیجا سنگھ کے مطابق گورو جی نے چمکور کی جنگ میں اپنے ایک پیارے محکم سنگھ کبوہ گوت چندی کو اپنے فرزند اجیت سنگھ کے ہمراہ لڑائی میں بھیجا جہاں یہ دونوں مارے گئے۔

(68) ملاحظہ ہو تاریخ پنجاب مولفہ لالہ کنہیا لال ص 48 اور 49-

جواب دینا شروع کر دیئے۔ وزیر خاں حاکم بہت کبیدہ خاطر ہوا اور اس نے بچوں کو دیوان کے حوالے کرتے ہوئے کہا "تم جو چاہو۔ ان سے سلوک کرو۔"

شدہ شدہ یہ خبر شیر علی خاں نواب ملیر کوٹلہ (ملیر کوٹلہ اس وقت صوبہ سرہند کی ملداری میں تھا) کے گوش گزار ہوئی تو انہوں نے بچوں کی جاں بخشی کے لئے ایک پردرد اور مدلل عرضداشت لکھ کر شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں پیش کی (اس عرضداشت کی فوٹو کاپی ہمارے پاس موجود ہے) لیکن پیشتر اس کے کہ شاہی حکمنامہ سرہند پہنچتا دیوان گل جس رائے کے مشورہ سے سچا نند کھتری بچوں کو قتل کر چکا تھا۔ سکھ مورخین کے مطابق بچوں کو زندہ دیوار میں چن دیا گیا تھا مگر دیگر مورخین لالہ کنہیا لال، سوہن لال، سورج پرکاش اور گوربلاس کے مطابق ان کو تلوار سے ہلاک کیا گیا۔ اس صدمہ سے گوروجی کی والدہ کا بھی انتقال ہو گیا (اکرام علی ملک ص 118)

گوروجی کا شہنشاہ عالم بننے کا خواب تتر بتر ہو گیا۔ پورا خانوادہ اجڑ گیا۔ ساتھ مرنے کا وعدہ کرنے والے میدان چھوڑ کر گھروں میں گھس گئے۔ دنیا گوروجی کی آنکھوں میں اندھیر ہو گئی۔ شاہی فوج گرفتاری کے لئے تعاقب میں تھی۔ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر روپوش ہوتے رہے۔ آخر تنگ آ کر "ظفر نامہ" کے نام سے بزبان فارسی ایک منظوم عریضہ اورنگ زیب عالمگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں اپنی درویشی، انندپور کی تباہی، شاہی فوج کے مظالم اور خلق خدا کو بے جا تنگ کرنے، اپنے چاروں بیٹوں کے قتل وغیرہ کے واقعات بیان کر کے اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کی پر زور تردید کی۔ اس میں یاد دلایا گیا کہ بادشاہوں کا خوان نعمت فقیروں اور درویشوں کے لئے عام ہوتا ہے۔ اگر شہنشاہ میرے خون سے درگزر فرمائے تو میں کوئی حرکت خلاف اطاعت نہ کروں گا اور اگر بادشاہ میرے قتل کے درپے رہا تو ایک فقیر کے قتل سے کون سا فخر حاصل ہو جائے گا وغیرہ اس عرضداشت پر شہنشاہ کی طرف سے حکم صادر ہوا کہ "اگر گورو گوبند سنگھ فقیروں کی طرح رہے غارتگری سے باز آ جائے تو کوئی اس کا مزاحم نہ ہو جہاں چاہے سکونت رکھے" اکرام علی ملک نے میکالف (دی سکھ ریلیجن) خوشونت سنگھ (اے ہسٹری آف دی ریلیجن) اور عباد اللہ گیانی (سکھ عہد اسلامی میں) کے حوالے سے لکھا ہے کہ "بادشاہ کے دل پر خاصا اثر ہوا اور اس نے سرہند کے حاکم کو

فوجی کارروائی بند کرنے کے علاوہ گوروجی کو دکن میں آکر ملاقات کرنے کی دعوت دی"

گوروجی نے کوٹ کپورا میں سکونت اختیار کرلی۔ سکھ چیلے ایک بار پھر گوروجی کے گرد جمع ہو کر لوٹ مار کے منصوبے بنانے لگے۔ کوٹ کپورا کے حاکم کے سمجھانے پر گوروجی دکن چلے گئے۔ انہی دنوں (1707ء) میں اورنگ زیب کا انتقال ہو گیا۔ نانڈیڑ (دکن) میں گوروجی کی ملاقات ایک سادھو' بندہ بیراگی سے ہوئی اس سے متاثر ہو کر اسے اپنا جانشین مقرر کر لیا۔ 1708ء میں ایک ذاتی جھگڑے کی بناء پر ایک پٹھان کے ہاتھوں گوروجی قتل ہو گئے۔ اور بندہ ان کا حکم نامہ لے کر پنجاب میں آگیا۔

بندہ کا اصل نام لچھمن دیو تھا راجوڑی (پونچھ) کے ڈوگرہ راجپوت خاندان سے اس کا تعلق تھا اور بیراگی کے روپ میں سادھوؤں کے ساتھ جگہ جگہ گھومتا دکن میں جا نکلا تھا گوروگوبند سنگھ نے اسے تلقین کی اور وعدہ لیا کہ تم مسلمانوں سے میرے والد اور بیٹوں کے قتل کا بدلہ لو گے۔ بندہ بیراگی نے شوالک کی پہاڑیوں کو اپنا مرکز بنا کر پہلی مرتبہ 1709ء میں سادھورا' سنام' سملانہ اور سرہند کو اپنی ظالمانہ کاروائیوں کا نشانہ بنایا اور ان خوشحال بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی (لیٹر مغل ہسٹری آف دی پنجاب از ایچ آر گپتا ص 46 اور "بندہ سنگھ بہادر" از گنڈا سنگھ ص 44) اس کے بعد سہارنپور' گنگوہ' نانوتہ (یوپی) وغیرہ اور پھر جالندھر دوآبہ کے شاداب علاقے کو تاراج کیا اس وقت اس کی فوج میں 70-80 ہزار سکھ شامل تھے (عزیز احمد چودھری ص 29) کئی سکھ مورخین نے بھی اس کی غیر انسانی کارروائیوں کی مذمت کی ہے۔ اس کے ساتھیوں نے حملوں کے دوران عورتوں اور بچوں سے انتہائی بے رحمی کا سلوک کیا حتیٰ کہ وہ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچوں کو نیزوں پر چڑھا لیتے تھے بندہ بیراگی نے مشہور کر رکھا تھا کہ اس کے پاس جادو کا اثر ہے اور دنیا کی کوئی فوج اسے شکست نہیں دے سکتی (خوشونت سنگھ ص 110) اس کے بعد وہ 1715ء تک لوٹ مار کرتا رہا۔ بٹالہ' کلانور حتیٰ کہ ایک مرتبہ لاہور کے مضافات میں بھی تباہی مچائی۔ آخر حاکم لاہور عبدالصمد خاں نے اسے قلعہ لوہ گڑھ میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ہزاروں ساتھی مارے گئے۔ عبدالصمد خاں کے حکم پر اس نے ہتھیار ڈال دیے اور خود کو گرفتاری کے لئے

پیش کر دیا۔ اس کے دو سو ساتھی وہیں قتل کر دیئے گئے۔ بندہ' اس کے باقی ساتھیوں اور خاندان کے افراد کو گرفتار کر کے دہلی بھیج دیا گیا جہاں اس کے 740 ساتھیوں سمیت اسے شاہ عالم کے مرقد پر لے جا کر قتل کر دیا گیا کنہیالال (ص 64) اکرام علی ملک (ص 42) چوہدری وہاب الدین (ص 247) کے مطابق وہ بہت بے رحمی اور خلاف انسانیت طریقے سے قتل ہوا۔ اس کے قتل (1716ء) کے بعد پنجاب میں تقریباً بیس سال تک مکمل امن و امان رہا اور عوام نے سکھ کا سانس لیا۔

بندہ بیراگی کے بعد سکھ قوم خاصی منتشر ہو گئی۔ اکثر سکھ بد دل ہو کر گھروں میں بیٹھ گئے۔ اعتدال پسند طبقہ نے اپنی سرگرمیاں تت خالصہ' کے نام سے مذہبی رسومات کی ادائیگی تک محدود کر لیں البتہ' بندئی خالصہ' جتھے کھیم کرن والے سردار امر سنگھ کمبوہ کی سرکردگی میں بندہ کے مشن کو آگے بڑھانے کے خواہاں تھے۔ بندہ کی بیٹی نے امر سنگھ کو بندہ کی سرخ پگڑی عطا کر کے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی چنانچہ وہ خود کو ہرمندر صاحب امرتسر کا دعویدار سمجھنے لگ تت خالصہ اس پر اپنا حق جتاتے تھے۔ فریقین اپنے اپنے دعویٰ کو درست منوانے کے لئے لڑائی کی تیاریاں کرنے لگے۔ دہلی سے بھائی منی سنگھ کمبوہ کو امرتسر بلا کر صلح کا مشن سونپا گیا جس سے کچھ عرصہ کے لئے لڑائی رک گئی مگر بعد میں گھمسان کی جنگ ہوئی' طرفین کے بیشمار آدمی مارے گئے۔ امر سنگھ کمبوہ اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت مارا گیا اور ہرمندر پر تت خالصہ کا قبضہ ہو گیا۔

بھائی منی سنگھ بچپن میں ہی رضا کارانہ طور پر گورو تیغ بہادر کی ذاتی خدمت پر مامور ہو گئے تھے۔ گورو جی کی موت کے بعد گورو گوبند سنگھ کے گھر منتقل ہو گئے۔ انند پور کی تباہی کے آثار دیکھ کر انہوں نے گورو جی کے خاندان کی مستورات کو جان پر کھیل کر پوری حفاظت سے دہلی پہنچایا تھا۔

تت خالصہ گروپ کی کامیابی کے بعد بھائی منی سنگھ کمبوہ نے سکھ قوم کی قیادت سنبھالی اور ہر سال بیساکھی اور دیوالی کے موقع پر سکھوں کے اجتماعات کا اہتمام کرتے رہے 1737ء میں حسب معمول دیوالی کا میلہ منعقد کرنے پر مہتمم محکمہ مالیات دیوان لکھپت رائے نے 5 ہزار روپے ٹیکس کی ادائیگی کے وعدے پر اجازت نامہ جاری کر دیا۔ اسی دوران میں حکومت کو اطلاع ملی کہ میلے میں شرکت کے بہانے مسلح سکھ بڑی

تعداد میں جمع ہو کر حکومت کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ نواب زکریا خان حاکم لاہور نے گھوڑ سوار فوج کے چھوٹے اور تیز رفتار دستے مرتب کر کے ہتھیار بند سکھوں کو امرتسر جانے سے روکا میلہ میں کم حاضری کی وجہ سے محاصل میں کمی ہوئی۔ حکومت نے پورے ٹیکس کی ادائیگی کا تقاضا کیا جس پر بھائی منی سنگھ نے کہا کہ جب لوگوں کو میلہ میں شرکت ہی کرنے نہیں دی گئی تو میں ٹیکس کہاں سے ادا کروں؟ مگر محکمہ مالیات نے یہ موقف تسلیم نہ کیا اور پورا ٹیکس وصول کرنے پر بضد رہا۔ بھائی جی کے صریح انکار پر ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمہ پیش ہوا منصف نے قتل کی سزا سنا دی چنانچہ 1738ء میں بھائی منی سنگھ کو بند بند کر کے قتل کر دیا گیا۔ اس سفاکانہ قتل کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اگرچہ بقول اکرام علی ملک (ص 123) نواب زکریا خاں عدل و انصاف اور رعایا پروری میں یکتا اور مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر مقبول تھا اور ایچ آر گپتا (ص 56-54) کے مطابق سکھوں سے مفاہمت کے لئے ایک لاکھ روپے کی جاگیر اور اس کے رہنماؤں کے لئے نواب کا خطاب دینے کی پیشکش بھی کی مگر معقول وجوہ کے باوجود محض میلہ ٹیکس کی پوری ادائیگی سے انکار پر بھائی منی سنگھ جیسے شریف النفس، عبادت گزار اور مرنجاں مرنج انسان کو جس بہیمانہ طریقے سے قتل کیا گیا اس سے نواب زکریا خاں کو بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسلام ایسے فعل کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اس قتل سے سکھوں کے جذبات کا برانگیختہ ہونا یقینی تھا۔ جگہ جگہ سکھوں نے جتھے بندیاں شروع کر دیں۔ اگرچہ زکریا خاں کے سخت اقدامات کی وجہ سے کوئی بڑا معرکہ پیش نہ آ سکا مگر ایک بے گناہ کا قتل پنجاب کے خرمن امن پر ایک ایسی چنگاری پھینک گیا جس سے تقریباً ایک سو سال عوام نے سخت اذیت و کرب اور جانی، ذہنی اور مالی بدحالی میں گزارے۔ سب سے پہلے 1738ء میں نادر شاہ درانی ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ زکریا خاں نے اسے پشاور پر روکنے کے لئے مرکزی حکومت سے مدد طلب کی مگر دہلی کی بزدل اور سیاسی شعور سے عاری حکومت نے کوئی جواب نہ دیا۔ نادر شاہ آگے بڑھ کر لاہور بیگم پورہ میں خیمہ زن ہوا اس موقعہ پر بھی مرکزی حکومت نے مدد سے صاف انکار کر دیا زکریا خاں کی صلح کی پیشکش پر 20 لاکھ روپے تاوان لے کر نادر شاہ دہلی کی طرف بڑھا۔ قوم کی شامت اعمال سے دہلی

والوں کو جان و مال کی نہایت ہولناک تباہی سے دوچار ہونا پڑا۔ ہزاروں افراد ہلاک ہوئے اور لوٹ مار میں نادر شاہی فوج کو 70 کروڑ روپے کا مال غنیمت ملا" واپسی پر نادر شاہ نے زکریا خاں سے جبراً مزید ایک کروڑ روپے وصول کئے' اس سے ایک طرف خزانہ خالی ہو گیا دوسری طرف اہل لاہور بری طرح تباہ ہوئے بلکہ جو لوگ بچ کر بھاگ نکلے ان کو سکھوں نے لوٹ کر کنگال کر دیا اس لوٹ سے سکھ بھی مالا مال ہو گئے۔"

زکریا خاں نے سکھوں کی تادیب کے لئے بہت سی کارروائیاں کیں۔ منڈیالی کے چودھری سماء الدین عرف مسل رنگھڑ کو ہرمندر میں سکھوں کی سرگرمیوں کے تدارک کے لئے مامور کیا گیا وہ گوردوارے کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ہرمندر میں بیٹھ کر ناؤنوش اور رقص و سرود کی محفلیں سجانے لگا اس سے سکھوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی راجستھان سے سکھا سنگھ کمبوہ اپنے دوست مہتاب سنگھ کے ہمراہ مسل رنگھڑ کو کیفر کردار تک پہنچانے کا عزم لے کر امرتسر آیا۔ ان دونوں نے منصوبے کے مطابق پکی ٹھیکریوں سے دو تھیلیاں بھر لیں ہرمندر کے باہر اپنے گھوڑے درختوں سے باندھے اور ٹیکس ادا کرنے کے بہانے مسل کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ تھیلیاں نذر کرنے کے بعد وہ دونوں مؤدب کھڑے ہو گئے مسل جھک کر تھیلیوں کو ٹٹولنے لگا تو سکھا سنگھ نے تلوار کے ایک ہی بھرپور وار سے اس کے کندھے سر کے بوجھ سے آزاد کر دیئے۔ وہ سر اٹھا کر باہر آئے اور نیزے پر چڑھا کر فرار ہو گئے۔ مسل کی فوج نے تعاقب کیا مہتاب مارا گیا مگر سکھا سنگھ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد سکھا سنگھ مختلف معرکوں میں داد شجاعت دیتا رہا۔ 1754ء میں دریائے راوی کے کنارے مغل فوج سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

جولائی 1745ء میں زکریا خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہوا اور پھر سے صوبہ لامتناہی انتشار اور افراتفری کا شکار ہو گیا۔

ایک طرف سکھوں کے 65 چھوٹے بڑے سرداروں نے بارہ بڑے سرداروں کی ماتحتی میں' جتھے مرتب کر کے نہایت منظم طریقے سے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا۔ وہ عوام کی تباہی اور فوج سے مقابلوں کے علاوہ شب خون مار کر افغان حملہ آوروں سے بھی مال غنیمت چھین لیتے تھے۔ دوسری طرف صوبائی حکومت اندرونی خلفشار اور دہلی

کی حکومت کی بے اعتنائی کے باعث بیک وقت بیرونی حملہ آوروں سے نمٹنے اور اندرونی بغاوتوں کو کچلنے سے عاجز تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے 1747ء سے 1767ء تک یکے بعد دیگرے آٹھ حملے کیے۔ ان حملوں سے پنجاب کی حکومت کے استحکام اور ملکی معیشت پر بہت برے اثرات مرتب ہوئے۔ افغان فوجی نہ صرف مغل فوج اور باغی سکھ جتھوں کے خلاف لڑائی کرتے بلکہ اکثر عامتہ الناس بھی ان کی لوٹ مار سے محفوظ نہ رہتے۔ اسی بنا پر یہ مثل مشہور ہو گئی۔ "کھادا پیتا لاہ دا۔ رہندا احمد شاہ دا۔" انتظامیہ کے کمزور ہو جانے سے طاقت کا ایسا خلا پیدا ہوا جس سے سکھوں نے پورا استفادہ کیا اور وہ رفتہ رفتہ اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

1751ء میں میر معین الملک (میرمنوں) حاکم لاہور کے انتقال پر پنجاب میں اقتدار کی جنگ میں میرمنوں کی اہلیہ مغلانی بیگم بھی شریک ہو گئی بیگم نے اقتدار کی خاطر بیسیوں مخالفین قتل کرائے اور انجام کار ملک اور قوم کو بھی داؤ پر لگا دیا۔ اس نے ابدالی کو دہلی پر حملہ کی دعوت اور بے بہا دولت کی نوید دی۔ سکھوں نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھا کر قتل و غارت گری کی انتہا کر دی۔ احمد شاہ لاہور کے بعد کسی مزاحمت کے بغیر دہلی میں داخل ہو گیا۔ ابدالی کی فوج نے دہلی کو خوب لوٹا بیگم خود نشاندہی کر کے ایک ایک امیر کی حویلی لٹواتی رہی (اس واقعہ کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ دہلی کے وزیر سلطنت نے احمد شاہ کے مقابلہ میں فوج کی بجائے صرف پیروں فقیروں کے تعویذوں پر انحصار کیا تھا)۔

اس حملہ سے پنجاب کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ سکھوں کے حملے تیز ہو گئے۔ مسلمانوں کا جانی نقصان بھی بہت زیادہ ہوا۔ حالات اس قدر ابتر ہو گئے کہ ایک فریق (آدینہ بیگ) نے مرہٹوں کو پنجاب آنے کی دعوت دی سکھ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے 1758ء میں مرہٹہ فوج نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ احمد شاہ کو اس بات کا بہت رنج ہوا اور وہ 1759ء میں پنجاب کو روانہ ہوا۔ مرہٹے خبر سنتے ہی لاہور خالی کر گئے۔ احمد شاہ لاہور سے دہلی کی طرف بڑھا اور پانی پت کے مقام پر مرہٹوں سے آخری فیصلہ کن جنگ ہوئی ہزاروں مرہٹے قتل ہوئے اور ان کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

احمد شاہ کی موجودگی کے دوران میں سکھ پہاڑوں میں جا چھپے تھے مگر اس کی واپسی کے ساتھ ہی انہوں نے رچنا دو آب' سرہند اور مالیر کوٹلہ (مالیر بروزن اجمیر) کو تباہ و برباد کیا اور بالآخر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ ان حالات نے احمد شاہ کو پنجاب پر حملہ کے لئے مجبور کر دیا۔ لاہور پر قبضہ کے بعد اسے معلوم ہوا کہ سکھ بہت کثیر تعداد میں مالیر کوٹلہ سے 5 میل دور کُپ کے مقام پر جمع ہو چکے ہیں۔ وہ غیر مانوس راستوں سے بڑی سبک رفتاری سے سکھوں کے سر پر جا پہنچا سکھوں کے لئے میدان میں لڑنے کا یہ پہلا موقع تھا بقول لالہ کنہیالال (تاریخ پنجاب ص 85) 24 ہزار سکھ مارے گئے بیشمار نیم جان اور زخمی بے یارومددگار پڑے سسکتے رہے باقی شکست کھا کر بھاگ گئے۔ سکھ اس واقع کو گھلوگھارا کہتے ہیں۔ احمد شاہ کی واپسی کے بعد سکھوں نے جسا سنگھ کی سرکردگی میں مالیر کوٹلہ پر قبضہ کر کے تباہی مچا دی اور نواب ․ بھیکن خاں کو قتل کر دیا اس کے بعد سرہند کو لوٹا اور پھر یوپی کے شہروں سہارنپور' مظفر نگر' نجیب آباد اور مراد آباد وغیرہ کو اپنی بربریت کا نشانہ بنایا۔ ان علاقوں میں کمبوہ بہت بڑی تعداد میں آباد تھے چنانچہ ہندو اور مسلمان کمبوہ بری طرح نشانۂ ستم بنے۔

ان حالات کا علم ہونے پر احمد شاہ پنجاب پر ساتویں حملہ کے لئے ایمن آباد ہوتا ہوا لاہور پہنچا تو سکھ بھاگ گئے احمد شاہ نے امرتسر اور پھر جالندھر کے دوآبہ میں ان کا پیچھا کیا مگر کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

اس کی واپسی کے بعد سکھوں نے پھر حملے شروع کر کے لاہور پر قبضہ کر لیا اور شہر کو تین حصوں میں تقسیم کر کے سوبھا سنگھ 'گوجر سنگھ اور لہنا سنگھ نے اپنے اپنے علاقے پر حکومت شروع کر دی احمد شاہ کو اس قبضہ کی خبر پہنچی تو وہ 1765ء میں آٹھویں مرتبہ لاہور پر حملہ آور ہوا پوری قوت رکھنے کے باوجود تینوں حاکمان فرار ہو گئے۔ سکھ افغان فوج سے 15-20 میل فاصلے پر گھومتے رہتے اور موقع ملنے پر حملہ کر کے فرار ہو جاتے۔ کئی جگہ مٹھ بھیڑ بھی ہوئی لیکن اکثر سکھوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

سرہند میں پھلکیاں مثل کے سردار امر سنگھ نے احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر 9 لاکھ روپے بطور نذرانہ پیش کئے۔ اس پر احمد شاہ نے اسے راجہ راجگان کا خطاب اور

سرہند کی حکومت عطا کر دی (69) احمد شاہ کی واپسی پر سوبھا' لہنا اور گوجر سنگھ پھر لاہور آکر اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو گئے۔

1793ء میں احمد شاہ کا پوتا شاہ زمان تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی چار بار پنجاب پر حملہ کیا مگر ان سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔ 1778ء میں وہ آخری بار لاہور آیا واپسی پر اس کی بارہ توپیں دریائے جہلم میں ڈوب گئیں اسے الوداع کہنے کے لئے سکرچکیہ مثل کا سردار رنجیت سنگھ جہلم تک ساتھ آیا تھا۔ اس نے آٹھ توپیں نکلوا کر کابل بھجوا دیں۔ جس سے خوش ہو کر شاہ زمان نے اسے لاہور کا ناظم مقرر کر دیا۔ رنجیت سنگھ کو تھوڑی بہت تگ و دو کے بعد لاہور پر قبضہ کرنے میں کامیابی نصیب ہو گئی جس سے نظم و نسق کے لحاظ سے پنجاب میں ایک نئے دور نے جنم لیا۔

نواب زکریا خان کی وفات اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت کی ابتداء تک کے عرصہ میں مغلیہ حکومت کی غیر معمولی کمزوری اور پنجاب میں شدید بد امنی کا اثر دہلی اور یو' پی کے کمبوہ مسلمان زعما پر بھی پڑا ان کا ذکر سابقہ باب میں آ چکا ہے مگر پنجاب کی کسی ہندو' مسلمان یا سکھ شخصیت کا تذکرہ دستیاب نہیں ہو سکا حالانکہ سکھ جیالوں اور مار دھاڑ کرنے والوں میں سکھ کمبوہ بھی یقیناً شامل تھے۔ بعد کے سکھ زعما کے حالات بیان کرنے سے پہلے چند نامور مذہبی اور روحانی رہنماؤں کا تعارف پیش خدمت ہے۔

---

(69) امر سنگھ پٹیالہ کا مہاراجہ تھا اس نے اپنی جاگیر کی وسعت کے لئے احمد شاہ ابدالی سے سرہند کی حکومت حاصل کرنے کے بعد پٹیالہ کی حدود میں بھی بہت سے مسلمانوں کی جائیدادوں پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ مؤلف کتاب ہذا کے جد امجد چوہدری امداد علی عرف داود خان خلف چوہدری محمد خان کو بھی اسی عہد میں ان کی جدی جائیداد سے بے دخل کیا گیا تھا۔ جس پر وہ نقل مکانی کر کے مالیر کوٹلہ آ کر آباد ہو گئے۔ چوہدری داود خان کمبوہ کی نرینہ اولاد سے اس وقت صرف تین خاندان باقی ہیں۔ (1) مالیر کوٹلہ میں حکیم حبیب احمد مرحوم کے بیٹے محمد جمیل ایڈووکیٹ' محمد خلیل اور محمد سلیم (2) پاکستان میں مؤلف یوسف حسن کا خانوادہ اور (3) برادر بشیر احمد (گوجرانوالہ) کی اولاد گویا ان کی چھٹی پشت میں ان کی باقیات یہی تین خاندان ہیں۔ راقم کے والد صاحب چار بھائی تھے اور دادا تین بھائی تھے مگر اولاد صرف ایک سے ہی آگے چلتی آئی۔ اللہ ان باقیات کو نظر بد سے بچائے اور سب کو سلامت رکھے۔

سکھ کمبوہوں میں بھی بہت سے ایسے مہاپرش مہاتما گزرے ہیں جو بحر معرفت کے شناور اور اسرار خداوندی کے رازدان تھے اور اپنے خرق عادت کملات کی وجہ سے خواص و عوام میں مقبول ہوئے۔ وہ ضرورت مندوں کی حاجت روائی' پریشان حالوں کی دستگیری اور بے کس و بے درماں لوگوں کی جسمانی اور روحانی تکالیف کا مداوا کرتے رہتے تھے۔ ان میں سنت بابا دربارا سنگھ جن کا تعلق علاقہ دوآبہ سے تھا۔ ضلع جالندھر کے سنت بھاگ سنگھ چکرورتی اور سنت بابا کرتار سنگھ۔ سنت بابا سادھو سنگھ کلیراں والے۔ تلونڈی چودھریاں کپور تھلہ کے بھائی بوٹا سنگھ اور تارا گڑھ امرتسر کے ڈاکٹر بھگت سنگھ تھند خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر ڈاکٹر صاحب نے امریکیوں کی مادی ترقی مگر روحانی دیوالیہ پن کا تجزیہ کر کے امریکہ میں اپنا روحانی پرچار شروع کیا۔ ہزاروں لوگ ان سے مستفید ہوئے۔ 1963ء میں جب وہ بھارت آئے تو بھارت کے راشٹرپتی ڈاکٹر رادھا کرشنن اور وزیراعظم جواہر لال نہرو نے بھی ان سے ملاقات کی۔ 1967ء میں ان کی وفات کے بعد ان کی امریکن بیوی ویوین تھند اور بیٹا دیو بھگت سنگھ ان کی جاری کردہ بھگتی لہر کو چلا رہے ہیں" (خلاصہ از اسمہ کمبوج لوک ص 315)

اکالی پھولا سنگھ کمبوہ: کا شمار سکھ دور کے بہادر اور کامیاب ترین جرنیلوں میں ہوتا ہے ابھی کم عمر تھے کہ والد احمد شاہ ابدالی کے ساتھ لڑائی میں مارا گیا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد گھوڑ سواری' تیغ آزمائی اور نیزہ بازی میں کمال حاصل کرنے کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ان کی اہلیت اور کارہائے نمایاں دیکھ کر مہاراجہ نے گھڑ سواروں پر مشتمل اکالی رجمنٹ تیار کی انہوں نے بڑے بڑے معرکوں میں مہاراجہ کی مدد کی خاص کر کشمیر پشاور اور نوشہرو کی جنگوں میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

وہ اکالی جی بات کے دھنی تھے۔ مہاراجہ جیند انگریزوں کے خوف سے اکالی جی کی پناہ میں آگیا اس کی بازیابی کے لئے انگریزوں کے سخت دباؤ کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ اپنی شجاعت پر بڑا ناز تھا 1823ء میں عزیز خان حاکم پشاور نے علم جہاد بلند کیا تو اسے کچلنے کا حکم ملا یہ صرف پندرہ سو سواروں کے ساتھ پشاور پر حملہ آور ہو گئے گھمسان کی جنگ میں طرفین کے بہت سے بہادر مارے گئے اکالی جی بھی 62 سال کی عمر میں میدان جنگ میں کام آئے۔ ان کی موت سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو بہت افسوس

ہوا اور پورے ملک میں سرکاری طور پر سوگ منایا گیا۔

سردار لکھا سنگھ: سردار امر سنگھ بندئی خالصہ کے بڑے بھائی رائے مولراج آف کمیم کرن کا بیٹا تھا۔ اپنی شجاعت' جوانمردی اور بلند حوصلگی کی وجہ سے لکھا سنگھ پرتاپی کے نام سے شہرت پائی۔ اپنی قوت بازو سے اردگرد کے دیہات پر قبضہ کر کے کمیم کرن کو بہت وسعت دی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان کی بہت عزت کرتا اور بابا جی کہہ کر بلاتا تھا۔ اندرون موری و بھاٹی گیٹ واقع وکٹوریہ گرلز ہائی سکول انہی کی حویلی میں قائم ہے۔

کمیم کرن کے بہت سے کمبوہ ملتان میں دیوان ساون مل اور دیوان مولراج کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ گوندی محلہ اندرون دہلی گیٹ ملتان سب انہی کا تھا۔ کمیم کرن کے ہندو کمبوہوں کی اکثریت گورو تیغ بہادر اور گورو گوبند سنگھ کے زمانہ میں سکھ مذہب قبول کر چکی تھی۔ تفصیل کے لئے آئینہ کمیم کرن ملاحظہ ہو۔ موجودہ دور میں بھارت کی جنگ آزادی میں نیتاجی سبھاش چندر بوس کی رہنمائی میں آزاد ہند فوج نے تہلکہ مچا دیا تھا۔ رائل انڈین آرمی کے بہت سے افسر اور جوان باغی ہو کر آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے تھے کمبوہ فوجی بھی پیچھے نہ رہے۔ گیانی تیجا سنگھ کے مطابق کیپٹن سرجن سنگھ کمبوہ کیپٹن پریتم سنگھ کمبوہ۔ کیپٹن دلیپ سنگھ کمبوہ اور صوبیدار ارجن سنگھ کمبوہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اضلاع کپور تھلہ' جالندھر' امرتسر' شیخوپورہ اور لائل پور وغیرہ کے کم از کم تیس پینتیس دیہات کے سینکڑوں دوسرے کمبوہ فوجی بھی آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ جو واپسی پر بیشمار مصائب کا شکار ہوئے۔

سماجی اور سیاسی رہنما

ماسٹر سندر سنگھ لائلپوری کا شمار جنگ آزادی کے معروف رہنماؤں اور اکالی لہر کے شرومنی سپاہیوں میں نمایاں ہے۔ (پیدائش 1867) حصول تعلیم کے بعد اعلیٰ سرکاری ملازمت ٹھکرا کر خالصہ پرائمری سکول جاری کیا جو پہلے ہائی سکول اور پھر کالج بن گیا۔ آج کل جالندھر میں خالصہ کالج کے نام سے جاری ہے۔ آپ کے شاگردوں میں سکھ

قوم کے دماغ گیانی کرتار سنگھ اور متحدہ پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات' جیسی
امور ہستیاں شامل ہیں۔ گوردواروں پر لوابی فقیروں اور ہندو مہنتوں کے قبضہ نے ان
کو سیاسی اور مذہبی میدان میں آنے پر مجبور کر دیا۔ 1914ء میں لائلپور سے ایک اخبار
جاری کیا انگریز حکومت کے خلاف مضامین شائع ہونے پر اخبار ضبط اور ماسٹر جی کو نظر
بند کر دیا گیا۔ 1919ء میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو کے ساتھ مل کر رولٹ ایکٹ کے
خلاف آواز اٹھائی (70) 1920ء میں مہنتوں سے گوردوارے خالی کرانے کی مہم کا آغاز
کیا۔ 20 فروری 1921ء کو ننکانہ صاحب کا خونیں واقعہ پیش آیا جس میں ان کے گاؤں
نظام پور اور بھوڑو چک سے 31 کبوہ سکھ بہادروں نے جانیں قربان کر دیں (71)

انگریز حکومت ماسٹر جی کی سرگرمیوں سے سخت پریشان تھی چنانچہ ایک سازش کے
تحت لائلپور ریلوے سٹیشن پر ایک بھوسہ گودام کو آگ لگا کر چند آدمیوں کو زندہ جلا
دینے کے الزام میں ملوث کر کے ان پر مقدمہ چلایا گیا' پھانسی کی سزا ہوئی جسے بعد میں
عمر قید میں بدل دیا گیا پنڈت موتی لال نہرو' سی آر داس اور مدن موہن مالویہ کی طرف
سے مقدمہ کی پیروی کرنے پر ماسٹر جی کو رہائی ملی۔

آپ کا بڑا کارنامہ انگریزی اخبار ہندوستان ٹائمز جاری کرنا ہے جس نے تحریک
آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ لائلپور سے بھی روزنامہ اکالی پتر جاری کیا اور انگریز
حکومت کے خلاف تحریک آزادی اور گوردوارہ سدھار اندولن کا بے دھڑک اظہار کیا
اس اخبار کا ریکارڈ ہے کہ یکے بعد دیگرے اس کے بارہ ایڈیٹر گرفتار ہوئے ماسٹر جی موصوف

---

(70) یہ وہی رولٹ ایکٹ ہے جس کے خلاف مسٹر محمد علی جناح نے بطور احتجاج امپیریل کونسل
کی ممبر شپ سے استعفیٰ دیا تھا۔

(71) بعض کتابوں میں نقد جاں کا نذرانہ دینے والے کبوہوں کی تعداد 27 اور بعض میں 28
بھی بتائی گئی ہے۔ چوہدری وہاب الدین نے ص 292 پر 28 افراد کی فہرست دی ہے اسمہ
کبوج لوک میں کرپال سنگھ دردی نے (ص 279 - 278) اور کبوج اتہاس میں ماسٹر بچن ناتھ
نے (ص 152 تا 156) نیز ماسٹر ہربنس سنگھ تصند نے کامبوج اتہاس میں ان 28 کے علاوہ ذیل
کے تین جاں نثاروں کے نام بھی لکھے ہیں :
(1) بھگوان سنگھ اور (2) بھاگ سنگھ ساکنان نظام پور دیوا سنگھ والا (3) موتا سنگھ ساکن بھوڑو
چک۔

نے اپنی زمین، گھربار، جائیداد، سب کچھ ملک پر قربان کر دیا۔ پنجابیوں بالخصوص سکھوں کے دلوں میں بسنے والی یہ عظیم ہستی 31 مارچ 1969ء کو 102 سال کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملی۔

کیپٹن رام سنگھ: پیدائش سنہ 1865ء چھوٹی عمر میں فوج میں بھرتی ہوئے۔ ملک اور بیرون ملک بہت سی جنگوں میں حصہ لیا۔ فوج میں کمبوہ قوم کی بھرتی کا حکم نامہ جاری کرایا۔ 67 نمبر پنجاب پلٹن کھڑی کر کے ایک سو کمبوہ بھرتی کئے۔ 1902ء میں ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے موقع پر برطانیہ جا کر سکھ فوج کی ایک کمپنی کی کمان کی 1908ء میں فوج سے پنشن لی بہادری کے صلہ میں پانچ مربع زمین انعام میں ملی۔ سماجی خدمت اور اشاعت تعلیم کے کاموں میں نمایاں حصہ لیا۔ 1920ء میں کل ہند کمبوج کانفرنس کی صدارت کی۔ اس کے بعد چیف خالصہ دیوان سے منسلک ہو گئے۔ 1921ء میں 501 سکھوں کے شہیدی جتھے کی رہنمائی کر کے ننکانہ صاحب گئے۔ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے نائب صدر اور قائم مقام صدر رہے۔ مذہبی تحریکوں میں اہم کردار ادا کیا اور قید بھی ہوئے سرکار نے آخری بار گرفتار کر کے قلعہ لاہور میں بند کر دیا اور پنشن ضبط کر لی۔ 1949ء میں انتقال ہوا۔ کیپٹن رام سنگھ کے خاندان میں اور بھی کئی سرکردہ افراد ہو چکے ہیں۔ ان میں سے سردار تارا سنگھ نے 1919ء میں زراعتی کالج (اب یونیورسٹی) لائلپور سے بی ایس سی (زراعت) میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ 1953ء میں ایک اعلیٰ عہدہ سے ریٹائر ہوئے ان کا بیٹا سردار اوتار سنگھ دیپک چنڈی گڑھ میں محکمہ زراعت میں ڈائریکٹر ہے ایک اور صاحب سردار منجیت سنگھ قاصد انجینئر نے چک 127 سرگودھا میں ہائی سکول قائم کر کے تعلیم کے فروغ کو اپنا مشن بنایا۔ اس خاندان کے افراد میں فلمی اداکار منوہر دیپک جس نے لوک گیت اور بھنگڑا میں بھی نام پیدا کیا اور شریمتی مدھومتی مشہور فلمی ڈانسر وغیرہ شامل ہیں۔

سردار لودھم سنگھ عرف رام محمد سنگھ آزاد: پیدائش سنہ 1899ء بچپن میں یتیم ہو گئے تو بڑے بھائی کے ساتھ سکھ یتیم خانہ امرتسر میں داخل ہوئے۔ 1917ء میں

بڑا بھائی بھی داغ مفارقت دے گیا۔ اودھم سنگھ کالج کا طالب علم تھا جب اس نے جلیانوالہ باغ کا خونیں واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس بربریت نے اس کے دل و دماغ پر گہرا اثر مرتب کیا جس سے انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پروان چڑھا اس نے اس واقعہ کے ذمہ دار سرمائیکل اوڈوائر گورنر پنجاب سے بدلہ لینے کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ 1920ء میں وہ افریقہ چلا گیا وہاں سے انگلینڈ پہنچنے میں ناکامی پر واپس انڈیا آ گیا۔ دوسری مرتبہ دولت اور اسلحہ لانے کے لئے امریکہ چلا گیا واپسی پر اگست 1927ء میں پولیس نے گرفتار کر لیا تلاشی پر تین پستول اور سینکڑوں گولیاں برآمد ہوئیں۔ مقدمہ چلا چار سال قید سخت کی سزا ہوئی۔ 1933ء میں مشہور کانگرسی لیڈر سبھاش چندر بوس سے ملاقات کر کے ان کی آشیرباد لی اور انگلینڈ چلا گیا۔

شروع مارچ 1940ء میں اودھم سنگھ کو اخباری بیان سے معلوم ہوا کہ 13 مارچ کو لندن کے کیکسٹن ہال میں دوسری جنگ عظیم کے حوالے سے "ہندوستان کی قیادت کا کردار" کے موضوع پر سیکرٹری آف سٹیٹ برائے انڈیا لارڈ زٹ لینڈ کی صدارت میں ایک جلسہ منعقد ہو رہا ہے جس میں ہندوستان کے کئی ریٹائرڈ اعلیٰ انگریز حاکمان بھی خطاب کریں گے۔ اودھم سنگھ کے سینہ میں انتقام کی جو آگ مدت سے سلگ رہی تھی وہ اب الاؤ بن کر بھڑک اٹھی اس نے اسی دن کے انتظار میں 21 سال گزارے تھے اودھم سنگھ نے بھرا ہوا پستول کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا اور جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا آخری تقریر اوڈوائر کی تھی اس نے اہل ہند کی تحریک آزادی کے خلاف دوسرے مقررین سے بھی زیادہ زہر افشانی کرتے ہوئے جلیانوالہ باغ کا واقعہ سنایا اور آخر میں کہا کہ "ہندوستانیوں کا علاج آزادی نہیں گولی اور صرف گولی ہے" اس اثنا میں اودھم سنگھ آہستہ آہستہ سٹیج کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا جونہی اوڈوائر تقریر ختم کر کے کرسی پر بیٹھا گولیوں کی بوچھاڑ نے اسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ لارڈزٹ لینڈ اور بعض دوسرے لوگ بھی زخمی ہوئے اودھم سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمہ چلا جج نے پھانسی کی سزا سنائی 31 جولائی 1940ء کو بھارت کے اس عظیم سپوت کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اس نے اپنی آتش انتقام ہی ٹھنڈی نہ کی تھی بلکہ جلیانوالہ باغ کے بے گناہ ہندو مسلمان اور سکھ عوام کے خون کا بدلہ لے کر ملک کی غیرت اور عزت کو چار چاند لگا

دیئے تھے لودھم سنگھ امر ہے۔ زندہ باد رام محمد سنگھ آزاد۔ (یہ وہ نام ہے جو اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا)۔

پنجاب کے وزیراعلیٰ (ازاں بعد بھارت کے صدر) گیانی ذیل سنگھ اور سادھو سنگھ کمبوہ ایم ایل اے کی سرکردگی میں ایک وفد برطانیہ جاکر لودھم سنگھ کی نعش بھارت لایا۔ ارتھی دہلی کے کپور تھلہ ہاؤس میں رکھی گئی۔ مسز اندرا گاندھی اور بہت سے سرکردہ لیڈروں نے پھولوں کی چادریں چڑھائیں 31 جولائی 1974ء کو ہڈیوں کا سنسکار کیا گیا۔ اب ہر سال لودھم سنگھ کی برسی بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے سنام میں ان کی دو بڑی مورتیاں شاہراہوں پر نصب کی گئی ہیں۔ سٹیڈیم میں 27 فٹ اونچا سنگ سرخ کا مینار بنایا گیا ہے انڈیا پوسٹ آفس نے یادگاری ٹکٹ بھی جاری کیا ہے۔

پنجاب کے وزیر خزانہ سردار بلونت سنگھ نے اپنی المناک موت سے چند روز قبل ایک پیغام میں کہا "لودھم سنگھ پورے بھارت کے لئے عزت و وقار کا نشان ہے لیکن ہم کمبوہوں کے لئے وہ اس لئے بھی قابل فخر ہے کہ وہ ہمارا اپنا خون تھا"۔

ڈاکٹر گنگا سنگھ کا نام نہ صرف بھارتی عوام خاص کر کمبوہ قوم میں از حد احترام کا باعث ہے بلکہ صوبہ سرحد کے پٹھانوں کے لئے بھی یہ نام غیرمانوس نہیں۔ وہ نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ (72) ویٹرنری ڈاکٹر کی حیثیت سے سرکاری ملازمت میں آئے۔ مشہور کانگرسی اور سکھ لیڈروں کے خیالات سے بہت متاثر تھے گورو کے باغ کے مورچہ میں عملی حصہ لیا اور ایک خفیہ باغی تنظیم کے ممبر بھی بن گئے باغیانہ سرگرمیوں کی وجہ سے انگریز سرکار نے ان کو افریقہ کی جنگ میں بھیج دیا وہاں بھی انگریزوں کے خلاف سرگرم رہے۔ واپس ہندوستان آئے ملٹری ڈیری فارم چراٹ میں ایک انگریز کیپٹن کو سلام کرنے سے انکار پر ہائی کمان نے ان کا تبادلہ پشاور کر دیا۔ 30 مئی 1930ء کو وہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ پشاور میں بازار سے گزر رہے تھے کہ اسی انگریز کیپٹن نے ان کو دیکھ کر تانگہ پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ 9 سالہ بچی اور سوا سال کا بچہ موقعہ پر ہلاک ہو گئے۔ بیوی شدید

---

(72) تاریخ کمبوہاں ص 255 پر سردار گنڈا سنگھ کے مغالطہ میں ان کو حکیم کرنی لکھا ہے جو درست نہیں۔ پشاور کے واقعہ کی ترتیب بھی بے جوڑ اور خلط ملط کر دی گئی ہے۔

زخمی ہوئی' اہل پشاور نے سخت احتجاجی مظاہرے کئے' شہر میں چار روز مکمل ہڑتال رہی۔ ہندوستان کے کئی چوٹی کے رہنما مثلاً پنڈت مدن موہن مالویہ اظہار ہمدردی کے لئے پشاور پہنچے۔ اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ ایک سو سکھوں کا جتھہ لے کر پشاور کو چل پڑا راستہ میں پولیس سے سخت جھڑپیں ہوئیں مگر وہ لوگ پیچھے نہ ہٹے۔ انگریزوں نے سمجھوتہ کی کوشش کی مگر ڈاکٹر صاحب نہ مانے۔ حالات روز بروز خراب ہوتے گئے پٹھانوں کے مسلح مظاہروں نے باقاعدہ جنگ کی صورت اختیار کرلی۔

حکومت نے بھاری فوج جنگ میں جھونک دی فوج کی مدد کے لئے ایئر فورس کے جہازوں نے پٹھانوں پر بمباری کی اب پھر انگریزوں نے صلح کی پیشکش کی جسے پٹھانوں نے مسترد کر دیا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کا تبادلہ سکندر آباد (دکن) کر دیا گیا مگر یہ مرد میدان ملازمت کے باوجود اپنی بات پر اڑا رہا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سیاسی' سماجی اور رفاہی کاموں میں بہت حصہ لیا۔ کمبوڈیا کے شہنشاہ پرنس سانوک کی دہلی آمد پر آل انڈیا کمبوج مہاسبھا کی طرف سے جو عصرانہ دیا گیا تھا اس میں ڈاکٹر گنگا سنگھ نے سپاسنامہ پیش کیا۔ پرنس کی دعوت پر نومبر 1959ء میں ڈاکٹر گنگا سنگھ کی سربراہی میں ایک ڈیلی گیشن کمبوڈیا گیا تھا جس میں سردار ہزارہ سنگھ جوسن۔ کرنل لال سنگھ تھند اور سردار ہمت سنگھ تھند وغیرہ شامل تھے۔ انہوں نے دو مرتبہ کل ہند کمبوج سبھا کے زیر اہتمام کمبوہ کانفرنس کی صدارت بھی کی۔

ڈاکٹر صاحب نے جون 1974ء میں وفات پائی۔

اکالی لیڈر سردار آتما سنگھ تھند: 1921ء میں ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد کپور تھلہ میں آباد ہو گئے۔ 52-1951ء میں PEPSU اسمبلی اور 1957ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1969ء میں ایم ایل اے منتخب ہو کر وزیر زراعت مقرر ہوئے۔ 1977ء میں پھر ایم ایل اے چنے گئے اور پرکاش سنگھ بادل کی کابینہ میں وزیر لئے گئے۔ بہت دیانتدار' بے لوث اور مخلص لیڈر ہیں۔

سردار بچن سنگھ: 1985ء میں اکالی ٹکٹ پر سلطان پور لودھی کپور تھلہ سے پنجاب اسمبلی کے ایم ایل اے منتخب ہوئے۔ بہت ملنسار ہیں سماجی اور برادری کے کاموں میں

خلوص سے حصہ لیتے ہیں۔

سردار بلونت سنگھ تھند: سید پور ضلع کپور تھلہ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے ایل ایل بی کرنے کے بعد سرکاری ملازمت کر لی۔ کچھ عرصہ بعد سیاست میں آ گئے سردار کیروں کے دور حکومت میں کانگریسی ٹکٹ پر پنجاب کے ایم ایل اے منتخب ہوئے اس کے بعد اکالی دل میں شامل ہو گئے۔ یکے بعد دیگرے جسٹس گرنام سنگھ، پرکاش سنگھ بادل اور سرجیت سنگھ برنالہ کی کابینہ میں وزیر خزانہ رہے۔ سیاست کے داؤ پیچ کے خوب ماہر تھے۔ برادری کے کاموں میں بہت حصہ لیتے تھے۔ اسلامیہ کبوج ہائی سکول مالیر کوٹلہ کو معقول گرانٹ دلائی۔ پنجاب حکومت (گیانی ذیل سنگھ گروپ) کے ایک سکھ وزیر نے چنڈی گڑھ میں راقم کو بتایا کہ وہ مذہبی اخلاقیات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ جولائی 1990ء میں ان کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

سردار سادھو سنگھ تھند: کا تعلق بھی کپور تھلہ سے ہے۔ 1972ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر سلطان پور لودھی سے پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ کافی عرصہ تک کانگریس کمیٹی کپور تھلہ کے صدر رہے۔ سردار لودھم سنگھ کی نعش برطانیہ سے لانے میں فعال کردار ادا کیا۔ ایک ترقی پسند زمیندار اور سلجھے ہوئے کاروباری آدمی ہیں پٹیالہ گڈز ٹرانسپورٹ کمپنی جالندھر کے مالک ہیں۔

ڈاکٹر بچن سنگھ: پٹیالہ سے ایف ایس سی کر کے ڈینٹل کالج لاہور سے ڈگری حاصل کی۔ سنام میں پریکٹس کرتے رہے۔ سیاسی سرگرمیوں کی بناء پر 1946ء میں ریاست پٹیالہ نے ان کو نظر بند کر دیا۔ 1952ء میں اسمبلی کی ممبری کے لئے الیکشن میں حصہ لیا مگر 67 ووٹوں سے ہار گئے۔ اکالی لیڈر ہیں کئی سال تک مارکیٹ کمیٹی سنام کے نائب صدر اور چیئرمین رہے۔ قومی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

سردار لال سنگھ: پیدائش امرپور (پٹیالہ) ایک راست گو اور سادہ مزاج قومی اور سماجی ورکر ہیں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد برادری کے اصرار پر 1977ء میں حلقہ ڈکلا (پٹیالہ) سے الیکشن میں حصہ لینے کا ارادہ کیا۔ یہ حلقہ پچھلے 27 سال سے اکالی پارٹی کا گڑھ مانا جاتا تھا۔ لال سنگھ نے سردار آتما سنگھ اور سردار بلونت سنگھ سے ٹکٹ دلوانے

کی درخواست کی مگر انہوں نے بے بسی ظاہر کر دی اعلیٰ دل کے پردھان نے بھی روکھا سا جواب دیا۔ قدرتی طور پر ان کو کانگریس کا ٹکٹ مل گیا۔ برادری کے بل بوتے پر لال سنگھ نے اعلیٰ وزیر کو ایسی شکست دی کہ اس کی بازگشت بھارت کی لوک سبھا میں سنائی دی گئی۔ اس فتح سے کبوہ قوم کا وقار بہت بلند ہوا۔ سردار لال سنگھ اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے چیف وہپ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد 1980ء کے الیکشن میں بھی کامیابی حاصل کی۔ خوراک اور سپلائی کی وزارت پر فائز ہوئے۔

سردار گور دیال سنگھ تھند: 1918ء میں ریاست پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس کرنے سے پہلے ہی 1936ء میں سیاست میں کود پڑے کئی مرتبہ جیل یاترا بھی کی پہلے کیمونسٹ تھے پھر وزیر اعلیٰ برش بھان کے ساتھ کانگریس میں شامل ہو گئے۔ ضلع سنگرور کانگریس کمیٹی کے صدر اور سنام مارکیٹ کے چیئرمین رہے۔ اس دوران میں جنتا پارٹی میں شامل ہو گئے۔ 1977ء میں حلقہ سنگرور سے ایم ایل اے منتخب ہوئے کم گو اور بے داغ سیاستدان ہیں۔

سردار گنڈا سنگھ: کیم کرن کے کبوہوں میں بیسویں صدی کی سب سے نمایاں شخصیت تھے۔ تمام عمر پولیس کی نہایت شاندار ریکارڈ کے ساتھ ملازمت کی۔ سردار صاحب کا خطاب ملا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس فرید کوٹ کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے' قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' 1929ء میں کل ہند کبوج کانفرنس کی صدارت کی' اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے سردار کشن سنگھ ڈپٹی کمشنر پٹیالہ اور ٹھاکر بھگوان سنگھ وزیر ریاست ریوا نے بہت محنت سے حصہ لیا تھا۔

کامریڈ ہرنام سنگھ: بڑے سلجھے ہوئے سیاستدان ہیں۔ 1987ء میں شاہ آباد مارکنڈا سے ہریانہ اسمبلی کے ایم ایل اے منتخب ہوئے۔ کانگریسی ورکر ہیں سردار اودھم سنگھ کا قد آدم بت شاہ آباد میں نصب کرایا ہے۔

میدان سیاست کے شہ سواروں کے تذکرہ کو مختصر کرتے ہوئے ہم 1992ء کے انتخابات میں کامیاب ہونے والے پنجاب کے چار ایم ایل اے حضرات کے تعارف کے ساتھ یہ بیان ختم کرتے ہیں۔

1- سردار لال سنگھ اس مرتبہ بھی کامیاب ہو کر مسند وزارت پر براجمان ہیں۔
2- نوجوان کانگریسی کارکن چوہدری عبدالغفار مالیر کوٹلہ سے منتخب ہوئے اور اب پارلیمنٹری سیکرٹری ہیں۔
3- سردار گلزار سنگھ حلقہ کپور تملہ سے پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے ہیں۔
4- حلقہ فاضلکا ضلع فیروزپور سے شری ہنس راج جوسن کامیاب ہوئے ہیں۔

سرکاری ملازمین

سردار کاہن سنگھ بھوانی گڑھ پٹیالہ کے کمشنر تھے 1919ء میں پہلی کل ہند کمبوج کانفرنس امرتسر کی صدارت کی۔ ہمیشہ کمبوہ قوم کی خدمت میں تن من دھن سے مصروف رہے۔ ان کے فرزند سردار کشن سنگھ پٹیالہ اور نارنول کے ڈپٹی کمشنر رہے کمبوہ طلبہ کی سہولت کے لئے ایک فری ہوسٹل تعمیر کرایا۔ برادری کے کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ باون اور چوراسی گوتہ کمبوہوں کے درمیان فرق دور کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ ان کے فرزند سردار امر سنگھ سماجی فلاحی کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ پٹیالہ میں فری ڈسپنسریاں قائم کیں۔ آنکھوں کے فری کیمپ لگوائے امر سنگھ کمبوج دان ٹرسٹ پٹیالہ قائم کیا۔ گونگے بہرے اندھے لوگوں کے سکول کے بانی اور پہلے پردھان رہے۔

سردار لودھم سنگھ تھند: کئی سال لاہور کے ڈپٹی کمشنر رہے بہت ذہین اور سمجھ دار افسر تھے۔ 1947ء میں پٹیالہ آ گئے برادری کی فلاح کے کاموں میں بہت شوق سے حصہ لیتے تھے۔

کرنل لال سنگھ تھند: پٹیالہ کی فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد ضلع نینی تال (یو پی) میں سینکڑوں ایکڑ پر محیط 'بارہ دری' فارم قائم کیا۔ بہترین فی ایکڑ پیداوار حاصل کرنے پر بھارتی صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن سے اعلیٰ ترین ایوارڈ 'پدم سری' حاصل کیا۔ پروگریسو فارمر کی حیثیت سے ملک بھر میں اپنا لوہا منوایا۔ 1966ء میں "آل انڈیا کراپ

امپرووسنٹ لینڈ سیڈ سیمینار" دہلی میں لیکچر کے لئے خصوصی دعوت دی گئی بھارتی صدر ڈاکٹر ذاکر حسین سے بھی بہترین کسان کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ ترقی پذیر کسانوں کی عالمی کانفرنس امریکہ میں بھارت کے واحد نمائندہ کے طور پر شامل ہوئے۔

ضلع گنگا نگر (راجستان) کے سردار بلونت سنگھ تھند کو گندم کی فی ایکڑ سب سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے پر 1975ء میں وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے "کرشی پنڈت" کا اعلیٰ ایوارڈ عطا کیا۔ آپ پھل دار درختوں کی عمدہ اقسام پیدا کرنے میں بھی بڑے ماہر ہیں۔ ان کے علاوہ بڑے زمینداروں میں بلبیر سنگھ آف شاہلی' بلونت سنگھ مالک تمروا فارم' شاہجہاں پور' کرتار سنگھ کوچھر فارم' لکھیم پور (یو پی) اور راجہ صاحب سردار ہردم سنگھ پٹیالہ مشہور ہیں۔

سردار گوربچن سنگھ دیپک نے زراعت میں بی ایس سی کیا اور محکمہ زراعت میں ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر ہو گئے۔ بڑے پایہ کے مصنف' شاعر اور فنکار تھے دو مرتبہ سنجیا چارک (اشتمالیت) پروگرام دینے کے لئے غیر ممالک میں گئے۔ کار کے حادثہ میں ہلاک ہو گئے ان کی بیٹی سردارنی سنگھ دیپک کو سنجیا چارک پروگرام کی رانی کہا جاتا ہے وہ تھامپسن (کینیڈا) میں ملٹی سنجیا بھلائی چارہ دل کی ڈائریکٹر ہیں۔ یہ فہرست بہت طویل ہے دیگر سیاسی اور مذہبی رہنماؤں میں سردار سریندر سنگھ اکالی لیڈر اچھے گلوکار بھی ہیں۔ گیانی سرجن سنگھ ایڈووکیٹ سیاسی رہنما ہیں' پٹیالہ نگر سدھار ٹرسٹ' کے چیئرمین رہ چکے ہیں۔ سردار پریتم سنگھ ہریانہ بجلی بورڈ کے چیف انجینئر ہیں۔ سردار دیال سنگھ آزاد سیاسی ورکر ہیں۔ 12 سال جیل کاٹی ان کا بڑا بھائی ننکانہ حادثہ میں مارا گیا تھا۔

تعلیم و تدریس: تعلیمی میدان میں بھی سنگھ کبوہ کسی سے پیچھے نہیں۔ ڈاکٹر گورچرن سنگھ ایم اے' پی ایچ ڈی' نے تعلیم کے موضوع پر پنجابی زبان میں اعلیٰ معیاری کتابیں تصنیف کی ہیں بڑے اونچے پایہ کے شاعر ہیں۔ ادب' نظم' کہانی' ڈرامہ' ناول' سیرت وغیرہ پر 60 سے زیادہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "سنام دا سورما' اودھم سنگھ" راقم کو بھی بھجوائی تھی۔

ڈاکٹر کرنیل سنگھ تھند ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے پنجابی زبان میں بہت سی

تحقیقی کتابوں اور مقالات کے مصنف ہیں۔ تاریخ پر بھی تحقیقی مقالات لکھے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی اور گورونانک دیو یونیورسٹی میں کئی اونچے عہدوں پر کام کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر کرتار سنگھ تھند ایم ایس سی پی ایچ ڈی۔ باٹنی کے بہت بڑے فاضل ہیں۔ ان کا شمار دنیا کے چند گنے چنے باٹنسٹ ماہرین میں ہوتا ہے' بیرونی ممالک میں بہت سے سیمینارز میں حصہ لے چکے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ میں شعبہ باٹنی کے سربراہ ہیں اس موضوع پر بہت سی کتابیں اور مقالات لکھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر پرکاش سنگھ ایم اے پی ایچ ڈی پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ میں سوشیالوجی کے پروفیسر ہیں۔ اس مضمون میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ غور و فکر کی طاقت بہت گہری اور قلم میں بہت زور ہے۔ انگریزی زبان میں سوشل سائنس پر بہت سی مستند کتابیں لکھ چکے ہیں۔ برادری سے بہت محبت کرتے ہیں۔

ڈاکٹر مہیش اندر سنگھ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد لندن سے ایف آر سی ایس کیا۔ دس سال وہاں پریکٹس کی' واپسی پر پٹیالہ میں بواسیر کے سپیشلسٹ کے طور پر اپنا کلینک جاری کیا بہت تجربہ کار ہیں غریبوں کا مفت علاج کرتے ہیں۔

سردار سادھو سنگھ ایم اے کے والد ضلع فیصل آباد میں نمبردار تھے آپ کئی سال تک ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز رہے۔ 1957ء میں ریٹائر ہو کر اپنا فارم قائم کیا۔ آپ کو 1959ء میں کل ہند کمبوج سبھا کا صدر چنا گیا انہوں نے سبھا کا نیا آئین تیار کیا' تنظیم اور ترقی کے لئے بہت کام کیا' جالندھر سے کمبوج سماچار کے نام سے رسالہ جاری کیا۔ اس سلسلہ میں پنجابی کے مصنف شاعر اور 'ایمہ کمبوج لوک' کے مؤلف سردار کرپال سنگھ وردی نے ہر مقام پر ان کا ساتھ دے کر قوم کو منظم کیا۔ وردی صاحب محکمہ انہار میں اچھے عہدہ پر تھے۔ اسم بامسمیٰ ہیں ان کے دل میں قوم کا درد ہر لحہ جواں رہتا ہے' کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ ضلع جالندھر کمبوج سبھا کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے ان کی انتھک کوششوں کے نتیجہ میں 22 ستمبر 74ء کو ملسیاں میں بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت مشہور صنعتکار سردار مہر سنگھ خالصہ نے کی اس میں سابق وزیر مال سردار آتما سنگھ' سابق وزیر خزانہ سردار بلونت سنگھ' سابق سپیکر پنجاب صوبائی اسمبلی

سردار دربارا سنگھ، سابق ایم ایل اے کامریڈ دوھلوا رام، سردار سادھو سنگھ ایم ایل اے وغیرہ نے حصہ لیا۔ اس کے بعد 3 نومبر کو سلطان پور لودھی میں ایک اور بڑی کانفرنس ہوئی جس میں سردار آتما سنگھ اور سردار سادھو سنگھ وغیرہ کے علاوہ احمد پور (سابق ڈھلواں سنگھ) کیس کے ہیرو بابا گیان سنگھ بھی شریک ہوئے کل ہند کمبوج سبھا کے صدر نے صدارت کے فرائض انجام دیئے۔ اس کانفرنس کی کارروائی خاص کر بابا گیان سنگھ کے تذکرہ کے ساتھ پنجاب کے تمام مشہور اخبارات ٹربیون، ہندو سماچار، اجیت، اکالی پتریکا، پرتاپ، ملاپ، قومی درد وغیرہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوئی۔ دردی صاحب اس کے علاوہ بھی ان اخبارات میں مضامین لکھ کر کمبوہ قوم، اس کی تاریخ اور بزرگوں کے کارناموں سے عوام کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر جے وی سنگھ: (جن وجے بت سنگھ) پیدائش صوبہ سندھ 1945ء ماسٹر سندر سنگھ لائلپوری کے نواسے ہیں کورو کشیتر یونیورسٹی سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری لی آج کل کنٹرولر آف ایکسپلوسوز ہیں ہیڈ کوارٹر چنڈی گڑھ اور دائرہ کار صوبہ پنجاب، ہریانہ، ہماچل، جموں و کشمیر وغیرہ پر مشتمل ہے۔

سردار نرمل سنگھ نے 1975ء میں انجینئرنگ میں "شرم ویر" ایوارڈ حاصل کیا۔ ہیوی الیکٹریکلز بھوپال میں مینوفیکچرنگ انجینئر ہیں۔ روی اشیاء سے ایک نیومیٹک فلیرنگ مشین، ڈیزائن کی بجلی سے چلنے والی ایک لاکھ روپے مالیت کی درآمد شدہ مشین کے مقابلہ میں ان کی تیار کردہ مشین پر صرف پانچ ہزار روپے لاگت آتی ہے۔ یہ مشین پہلے سے بھری ہوئی ہوا سے چلتی ہے جو بھوپال میں بآسانی دستیاب ہے۔

صنعتکار

سردار مہر سنگھ خالصہ: پنجاب کے چوٹی کے صنعتکار خالصہ انجینئرنگ ورکس جالندھر کے بانی مالک تھے۔ ان کا چار اقسام کا خالصہ پمپ، سوئچ گیر اور خالصہ موٹرز (انجن) پنجاب اور ہریانہ میں بے حد مقبول ہیں۔ راشٹرپتی سے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ غریب



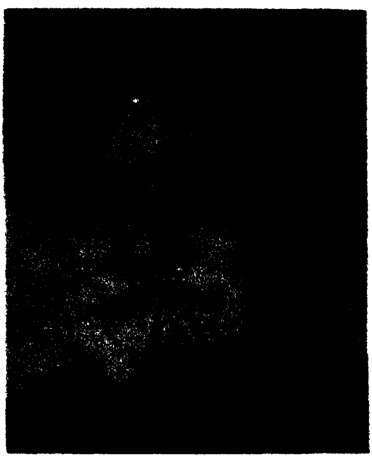
[illegible]



[illegible]



[illegible]



[illegible]





[illegible]



[illegible]



[illegible]



[illegible] محمد شریف مرحوم [illegible]



[illegible]



سید ماسٹر چوہدری محمد عالم سعد یاف حد.



چوہدری رحمت اللہ احمد پور شرقیہ.

پرور اور علم دوست تھے۔ پنجاب کبوج مہاسبھا کے صدر اور آل انڈیا کبوج مہاسبھا دہلی کے نائب صدر رہے۔ حال ہی میں ان کی وفات کے بعد تمام کام ان کے فرزند امرجیت سنگھ خالصہ (بی ای اگریکلچر) بڑے احسن طریق پر انجام دے رہے ہیں سماجی اور قومی کاموں میں بھی حصہ لیتے ہیں اکتوبر 1993ء میں کبوج وراثت چیتنا منچ کے کنوینر منتخب ہوئے ہیں۔

جوشن پائپ فٹنگ کمپنی کے مالک سردار ارجن سنگھ' ان کے بھائی امر سنگھ اور جی ایم والوز فرم والوں نے بھی ٹیوب ویل انڈسٹری میں بڑا نام پیدا کیا ہے کینوس کے جوتے اور ربڑ چپل بنانے والی فرم بیلا ربڑ انڈسٹریز کرکٹ کے بلے' ہاکی سٹک اور ریکٹ وغیرہ بنانے والے پی جی سپورٹس' پرنس فنانس کارپوریشن وغیرہ بھی اچھی شہرت کی مالک ہیں۔ دہلی پنجاب گڈز کیریر کے مالک سردار ہربنس سنگھ چندی جالندھر کارگو (پرائیویٹ) لیمٹڈ کے چیئرمین اور منیجنگ ڈائریکٹر ہیں جالندھر میں اور بھی کئی کبوہ صنعتکار اور تاجر اچھے کاروباری آدمی ہیں۔ ان کے علاوہ دہلی' میرٹھ' سہارنپور' غازی آباد' فرید آباد وغیرہ میں بھی کبوہوں نے صنعتی یونٹ قائم کر رکھے ہیں۔

اوپر قومی ہیرو بابا گیان سنگھ کا سرسری سا ذکر کیا گیا ہے۔ مشہور مؤرخ فوجا سنگھ نے "پنجاب کے آزادی کے پروانوں" پر اپنی کتاب "ہوز ہو (WHO'S WHO) میں ڈھلیاں سنگھ (موجودہ نام احمد پور ضلع شیخوپورہ) غدر کیس کو نمایاں طور پر پیش کیا ہے رولٹ ایکٹ کے خلاف جو آگ ملک بھر میں پھیلی تھی یہ کیس اس سلسلہ کی اہم کڑی تھا۔ ڈھلیاں کے نواحی تین گاؤں کے باشندوں نے گیان سنگھ کی سرکردگی میں حسب پروگرام ریلوے سٹیشن جلا دیا۔ ریل کی پٹڑی اکھاڑ دی اور ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کے تار کاٹ ڈالے جس سے تمام نظام درہم برہم ہو گیا حکومت نے پورے علاقہ میں مارشل لاء نافذ کر کے فوج کی نگرانی میں سڑک کی مرمت کرائی۔ گیان سنگھ اور کئی سو ساتھی گرفتار ہوئے مقدمہ چلا گیان سنگھ کو پھانسی اور نو ساتھیوں (5 کبوہ تین مہوک جاٹ اور ایک مسلمان جاٹ) کو بیس بیس سال قید سخت کی سزا ملی باقیوں کو جن میں سوا سو کے قریب کبوہ باقی مہوک اور مسلمان جاٹ تھے چھ ماہ سے ایک سال قید اور کوڑوں کی سزا ملی بعد میں گاندھی اروِن پیکٹ کے تحت گیان سنگھ کی سزا عمر قید میں

تبدیل ہو گئی۔ 1975ء میں وزیراعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے "تمغہ خدمت" عطا کیا تو بابا گیان سنگھ نے کھڑے ہو کر با آواز بلند پوچھا "اب آزادی کے 28 سال بعد ہم بوڑھوں کو ان تمغوں سے کیا فائدہ؟" اس پر وزیراعظم نے بابا گیان سنگھ کو تا حیات دو سو روپے پنشن کے علاوہ اعلان کیا کہ ان تمام لوگوں کے بچوں کو مفت تعلیم اور صحت کی سہولتیں دی جائیں گی۔ پرائمری سکول اور شفاخانہ حیوانات کے علاوہ تھانہ رمداس (امرتسر) سے ان کے گاؤں تک پختہ سڑک تعمیر کر کے اس کا نام گیان سنگھ روڈ رکھ دیا گیا ہے۔ (امرے کمبوج لوک)

کھیلوں میں بھی بھارتی کمبوہوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہے۔ دیسی کشتی کے تقریباً بیس ایسے پہلوانوں کا ہمیں پتہ چلا ہے جو قومی اور صوبائی شہرت کے مالک تھے مثلاً بھاگ سنگھ، جودھ سنگھ، سنتا سنگھ خراسیا (یہ تینوں کلو پہلوان، کیکر سنگھ اور غلام پہلوان کے ہم پلہ تھے) سوہن چیلے والیا اس نے گلاں پہلوان کے بھانجے غلام محی الدین کو پچھاڑا اور گونگا پہلوان کے برابر رہا تھا۔ فری سٹائل کشتی، باکسنگ، کبڈی، فٹ بال اور دوسری گیمز میں بھی کمبوہ نمایاں پوزیشن کے حامل ہیں۔

ہاکی میں جس طرح ڈاکٹر غلام رسول اور اختر رسول کو پاکستان میں شہرت حاصل ہے اسی طرح بھارت میں پرتھی پال سنگھ ہاکی کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔ پیدائش (1932ء) ننکانہ، ایگریکلچرل کالج لدھیانہ سے 1947ء میں ایم اے کیا اور رول آف آنر حاصل کیا۔ پہلی بار 1955ء میں بھارتی ہاکی ٹیم کے ساتھ افریقی ممالک کا دورہ کیا۔ تین بار اولمپک گیمز میں بھارت کی ہاکی ٹیم کی نمائندگی کی۔ 1960ء اولمپک گیمز میں بہترین کھلاڑی کا اعزاز ملا۔ 1961ء میں ارجن ایوارڈ 1965ء میں ریلوے منسٹری ایوارڈ اور 1966ء میں سب سے بڑا اعزاز "پدم سری" حاصل کیا۔ 1964ء ٹوکیو اولمپکس میں 22 میں سے گیارہ گول صرف پرتھی نے کئے ان کو بھارتی پرستار بجاطور پر کھیل کا جادوگر کہتے تھے۔ 1966ء کے ایشین گیمز منعقدہ بنکاک کے فائنل میں پاکستان کے خلاف سونے کا تمغہ حاصل کیا۔ 1965ء میں طلبہ بہبود کمیشن کے ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ 1975ء میں ہاکی فیڈریشن سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ افسوس کسی دہشت گرد کی گولی نے 1983ء میں بھارت کے اس نامور فرزند کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا۔

لڑکوں کی طرح کمبوہ لڑکیاں بھی عورتوں کے اعلیٰ سطح گیمز میں نمایاں حصہ لیتی ہیں ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ ڈی اے وی کالج چنڈی گڑھ کی منجیت کور کمبوج نے پنجاب یونیورسٹی ویمن ہاکی چیمپئن شپ میں 1982ء میں بہترین کھلاڑی کا میڈل حاصل کیا۔ 1981ء میں رانچی میں کھیلے گئے آل انڈیا انٹر یونیورسٹی ہاکی چیمپئن شپ فار ویمن مقابلوں میں پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ فاتح اور منجیت کور بہترین سنٹر ہاف قرار پائیں۔

مشرقی پنجاب' ہریانہ' راجستھان' اور یو پی میں کمبوہ خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ آل انڈیا کمبوج مہاسبھا (رجسٹرڈ) کا مرکزی دفتر دہلی میں ہے۔ صوبائی اور ضلعی یونٹ اپنی اپنی جگہ منظم طریقے پر کام کرتے اور کانفرنسیں وغیرہ منعقد کرتے رہتے ہیں۔ فروری 1989ء میں کمبوج مہاسبھا چنڈی گڑھ یونٹ کے انتخاب کے موقعہ پر (73) سبھا کے استری ونگ (شعبہ خواتین) کی بھی بنیاد رکھی گئی' شری متی بھگونت کور صدر اور سردارنی پرت پال کور جنرل سیکرٹری مقرر ہوئیں انہوں نے دیگر عہدیداروں کے ساتھ مل کر بہت سے مقامات پر استری ونگ قائم کئے آج کل شریمتی پرمندر کور دھنجو صدر ہیں۔ ان کا یہ تجزیہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قومی ترقی۔ اجتماعی ہو یا انفرادی۔ خواتین میں بیداری کے بغیر محض ایک خواب ہے۔

بھارتی سکھ بھائیوں کو بجاطور پر گلہ ہے کہ اگر ان میں ڈاکٹرز' انجینئرز' وکلا' اعلیٰ فوجی افسران وغیرہ موجود ہیں تو وہ محض اپنی ذاتی قابلیت کے بل بوتے پر اور اعلیٰ تعلیم کے ذریعے یہ منصب حاصل کر سکے ہیں ورنہ اچھی تعلیم کے باوجود ضلعی یا صوبائی سول سروس یعنی انتظامیہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ ان کے تعلیم یافتہ نوجوان

---

(73) اس موقعہ پر چنڈی گڑھ یونٹ کے لئے گیانی تیجا سنگھ صدر' لیفٹیننٹ کرنل بلونت سنگھ نائب صدر سردار مندر سنگھ تھند جنرل سیکرٹری اور شری پرم جیت سنگھ تھند سیکرٹری منتخب ہوئے تھے۔

(نوٹ: PEPSU سے مراد پٹیالہ اینڈ ایسٹ پنجاب سٹیٹس یونین ہے 1948ء میں بھارتی حکومت نے مہاراجہ پٹیالہ کو خوش کرنے کے لئے یہ نیا صوبہ تشکیل دیا تھا جو بعد میں پنجاب میں مدغم کر دیا گیا۔

بھی کلرک' قانون گو اور نائب تحصیلدار سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ یو پی کی ایک خاتون ڈپٹی کمشنر کے سوا پورے ملک میں کوئی تحصیلدار اے سی ڈپٹی کمشنر' سپرنٹنڈنٹ پولیس' صوبائی یا مرکزی سیکرٹریٹ میں سیکرٹری وغیرہ کمبوہ نہیں اس کی ایک عام وجہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو آگے لے جانے والا کوئی دست و بازو نہیں کیونکہ اس کے بغیر ذاتی تعلیمی قابلیت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ دوسری برادریوں کے لوگ اپنے عزیزوں' رشتہ داروں کے کندھوں پر سوار ہو کر اونچی آسامیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دوسری وجہ جس کے اظہار پر مہر سکوت توڑ کر وہ بالآخر مجبور ہوئے ہیں یہ ہے کہ "سیکولر نقاب کے پیچھے ہمارے ساتھ ہر جگہ مسلسل بے انصافی ہو رہی ہے"

ہم نے اس باب میں بہت سے کوائف اور بہت سی تفصیلات بیان کرنے سے گریز کیا ہے پہلے یہ باب تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر محیط تھا۔ کافی قطع و برید کرنے کے باوجود ہماری خواہش کے برعکس یہ باب بھی کافی طویل ہو گیا ہے مگر یہ ناگزیر تھا۔ اس وقت بھارتی سکھ کمبوہ جس پوزیشن میں ہیں اپنی محرومیوں' رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود با حوصلہ اور پر عزم نظر آتے ہیں۔ معاشرہ میں ان کا ایک اہم مقام ہے ان نتائج میں پاکستانی کمبوہ برادران کے لئے بھی بہت سے سبق پنہاں ہیں جو غور و فکر اور عمل کے لئے کافی مواد مہیا کرتے ہیں۔

باب سیزدہم

دورِ حاضر میں کمبوہ قوم کی معاشرتی حالت

پہلے یہ بیان اہم شخصیتوں کے باب میں شامل کر کے اس کا ایک حصہ بنایا گیا تھا مگر اب موضوع کی اہمیت اور انفرادی نوعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے الگ حیثیت دے دی گئی ہے اس طرح باب پنجم کا تسلسل برقرار رکھا گیا ہے۔ قارئین یہ باب شروع کرنے سے پہلے پانچویں باب کے ابتدائی دو تین پیراگراف ضرور مطالعہ کر لیں۔ اس سے نفس مضمون سمجھنے میں بہت آسانی ہو گی بالخصوص معاشرت' ثقافت اور تہذیب و تمدن کے مفہوم سے آگاہی کا اعادہ ہو سکے گا۔

حصہ اول

بھارتی کمبوہ: ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی کمبوہ بھی جغرافیائی لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ نظریاتی یعنی مذہبی اعتبار سے دور حاضر کی بھارتی کمبوہ قوم ہندو' مسلمان اور سکھ تین حصوں میں بٹ گئی ہے جبکہ پاکستان میں صرف مسلمان کمبوہ آباد ہیں۔ بنا بریں دونوں کا الگ الگ ذکر ناگزیر ہو گیا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کی رو سے بھارت میں سکھ کمبوہ واضح اکثریت میں ہیں ان کی زیادہ آبادی پنجاب میں ہے ہندو کمبوہ پنجاب' ہریانہ اور یو پی میں اور مسلمان پنجاب کی سابق ریاست مالیر کوٹلہ کے علاوہ یو پی کے مغربی اضلاع میں آباد ہیں۔

ہندو تہذیب اور مسلم تہذیب میں بُعد المشرقین ہے بھارت کے مسلمان کمبوہ اسلامی شعائر کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ گو پاکستانی مسلمانوں کی طرح ان میں بھی بعض ہندوانہ رسمیں رواج پا گئی ہیں تاہم وہ اپنے مخصوص نظریہ حیات اور تہذیب و تمدن میں انفرادیت کو قائم رکھے ہوئے ہیں حسب ضرورت نئی مساجد کی تعمیر' سابقہ مساجد میں توسیع اور بچوں میں دینی تعلیم کی ترویج ان کے مذہب سے لگاؤ کی مظہر ہیں۔ مالیر کوٹلہ میں کمبوہ کل مسلم آبادی کا تقریباً ستر فی صد ہیں انہوں نے دوسری برادریوں کے

تعاون سے شہر سے باہر ایک خوبصورت عیدگاہ تعمیر کرائی ہے جسے جالندھر مرکز کئی بار ٹیلی ویژن پر دکھا چکا ہے بھارتی مسلمان سچے محب وطن ہیں بہت سے ہندو دانشور اس کا اعتراف بھی کرتے رہتے ہیں بلکہ اپنے ہندو دوستوں کی ہمنوائی میں نوجوان نسل کے بہت سے تعلیم یافتہ مسلمان سیکولر ازم کی حمایت اور پاکستان مخالف خیالات میں متشددانہ رویہ کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اس کے باوجود بھارتی حکومت اور اکثریتی قوم ہمیشہ ان کی وفاداری کو شک کی نظر سے دیکھتی ہے۔

اگرچہ مذہبی اعتقادات' شادی بیاہ کی رسومات بلکہ ظاہری شباہت میں سکھ ہندوؤں سے متمیز ہیں مگر سکھوں نے پچھلے تین سو سال میں اپنے آپ کو ہندو تہذیب میں اس قدر سمو لیا ہے کہ ان کے لئے خود کو ہندو تہذیب و ثقافت سے جدا کر کے اپنا علیحدہ قومی تشخص برقرار رکھنا آسان کام نہیں رہا۔ اب تقریباً دس بارہ سال سے موجودہ سکھ قیادت کو اپنی ثانوی پوزیشن (یعنی دوسرے درجے کے شہری ہونے) کا احساس ہونے لگا ہے۔ 4 جون 1984ء کے دربار صاحب امرتسر کے حادثہ فاجعہ نے ان کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب اپریل 1995ء میں اکالی دل کے مختلف دھڑوں میں اتحاد کے باعث گورچرن سنگھ ٹوہرہ اور پرکاش سنگھ بادل اور ان کے ساتھیوں کو بہت تقویت ملی ہے لیکن ہندو ڈپلومیسی کے آگے بند باندھنا آسان کام نہیں۔ متعصب ہندوؤں میں رواداری کا بالکل فقدان ہے ممکن ہے وہ اس اتحاد کو برداشت نہ کر سکیں۔

کمبوہ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان یا سکھ عام طور پر امن پسند' صلح کل اور شریف شہری کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ برادری کے اجتماعات اور کانفرنسوں کے انعقاد کے موقع پر اکثر تینوں مذاہب کے کمبوہ شرکت کرتے ہیں جس سے فراخ دلی اور بھائی چارہ کے جذبات کو فروغ ملتا ہے اور ایک دوسرے کے مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

ذریعہ معاش: سابقہ ابواب میں ان اسباب و علل کا ذکر کیا جا چکا ہے جو اس شجاع' دلیر اور تلوار کی دھنی قوم کے زوال پر منتج ہوئے اور ہمارے ایک بزرگ کے قول کے مطابق دستہ شمشیر کی بجائے ان کے ہاتھ میں دستہ قلبہ (ہل کا ہتا) تھما دیا۔ کمبوہ قوم کی اکثریت (ایک محتاط اندازے کے مطابق 70 سے 75 فی صد) زراعت کے پیشہ سے

وابستہ ہے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمان کمبوہ خصوصیت سے سبزیاں اگانے میں ہندوستان بھر میں ممتاز ہیں۔ بمبئی' مدراس' کلکتہ تک کی مارکیٹیں ان کی دسترس میں ہیں۔

مقام تشکر ہے کہ جس طرح تیغ آزمائی میں ہمارے آباؤ اجداد نے اپنی عظمت کا سکہ بٹھایا تھا' علم و دانش میں ایک عالم کو گرویدہ کر لیا تھا اسی طرح کاشتکاری میں بھی محنت' جفاکشی اور پیشہ سے لگاؤ کے سبب اپنی برتری کا علم بلند کئے ہوئے ہے۔ مردم شماری کی رپورٹوں کے انگریز مرتبین خاص کر ڈینزل ابٹسن اور سر ایڈورڈ میکلیگن جیسے بلند پایہ محققین نے کمبوہوں کو نہایت اعلیٰ کاشتکار قوم قرار دیا ہے۔ مسٹر ایچ اے روز نے کہا ہے "کمبوہوں کا شمار پنجاب کی عمدہ ترین (Finest) کاشتکار اقوام میں ہوتا ہے۔

ہندوستان کے مشہور ہفت روزہ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا میں کلونت سنگھ ورک نے "پنجاب کی کسان برادریاں" کے عنوان سے 11 اپریل 1976ء کی اشاعت میں ایک جامع با تصویر مضمون تحریر کیا تھا۔ ان کے مطابق سکھ جاٹ (سندھو' مان' ورک' بانجوہ' گھمن' کاہلوں' چیمہ وغیرہ) بلحاظ تعداد سب سے زیادہ ہیں اس کے بعد وہ کمبوہوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "کمبوہ یا کمبوج (موخر الذکر نام کو یہ قوم زیادہ ترجیح دیتی ہے) پنجاب کی کاشتکار برادریوں میں ارفع ترین برادری ہیں۔ ضلع کپورتھلہ ان کا مضبوط گڑھ ہے تاہم وہ اضلاع امرتسر اور پٹیالہ میں بھی بکثرت آباد ہیں۔" مگر ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ کمبوہ بلا مبالغہ ایشیا کی بہترین کاشتکار قوم ہیں۔

زراعت کے علاوہ کمبوہ تجارت' دستکاری' صنعت' سول' فوجی اور نجی ملازمت وغیرہ پیشوں میں بھی خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ فوج میں سکھ کمبوہ کیپٹن' میجر اور کرنل تک عہدوں پر فائز ہیں۔ مسلمان کمبوہ بھی قلیل تعداد میں فوج میں ملازم ہیں البتہ پولیس میں سکھ اور مسلمان کمبوہ نمایاں ہیں۔ کمبوہوں کو عام طور پر شکایت ہے کہ سرکاری ملازمتوں کے حصول میں ان سے منصفانہ سلوک روا نہیں رکھا جاتا بلکہ ان کو دوسرے درجہ کے شہری سمجھا جاتا ہے اس بے انصافی کا شکار سکھ اور مسلمان کمبوہ زیادہ ہیں۔

تعلیم: بھارت کے تمام مذاہب کے کمبوہوں کو پورا احساس ہے کہ آج کے سائنسی

دور میں تعلیم کے بغیر حصول ترقی نا ممکن ہے۔ انفرادی طور پر کمبوج بھائیں اور انجمنیں سماجی بہبود کے کاموں میں لڑکوں اور لڑکیوں میں فروغ علم کو اولین ترجیح دیتی ہیں۔ بلاشبہ ہندو سکھ کمبوج تعلیم میں بہت آگے ہیں لیکن مسلمان کمبوج بھی خواہ ان کا تعلق یو پی سے ہو یا پنجاب سے ان کے ہم دوش نظر آتے ہیں تعلیمی دلچسپی کی ایک مثال پیش ہے۔ ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر محمد اسماعیل صاحب کے ایک بی ٹی کمیچے کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ایک لڑکا سعودی عرب میں فارماسسٹ' دوسرا (ایم اے' بی ایڈ' ایم ایڈ) آئی اے ایس آفیسرز کا انسٹرکٹر اور تیسرا (ایم اے جرنلزم) پٹیالہ میں محکمہ لسانیات میں ملازم ہے۔ ان کی ایک بیٹی (ایم اے پولیٹیکل سائنس) سرکاری ملازم ہے دوسری اور تیسری بھی ایم اے ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ لاکھ آبادی کے چھوٹے سے شہر مالیر کوٹلہ میں پانچ چھ دوسرے بڑے ہائی سکولوں کے علاوہ صرف اسلامیہ کمبوج ہائی سکول میں تین ہزار مسلمان کمبوہ طلبہ زیر تعلیم ہیں سکول کی اپنی شاندار عمارت ہے بورڈ امتحانات میں 85 سے 95 فی صد تک نتیجہ کے علاوہ فٹ بال ٹیم اکثر ضلعی چیمپئن رہتی ہے بلکہ ایک دو کھلاڑی صوبائی ٹیم میں بھی آ جاتے ہیں۔ سکول کے مخلص اور محنتی ہیڈ ماسٹر چوہدری محمد صدیق کمبوہ ایم اے' بی ایڈ سکول کی ترقی کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں محلہ وار پرائمری اور مڈل درجہ کی شاخوں میں بھی کثیر تعداد میں طلبہ اور طالبات دولت علم سے متمتع ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں مقامی میونسپل کمیٹی نے سکول سے ملحقہ 12 بیگھہ زمین سکول کو بطور عطیہ دی ہے۔

مسلم کمبوہ عمائدین : بھارت کے مسلم کمبوہوں میں ملکی یا صوبائی سطح کی سیاسی شخصیات نہ ہونے کے برابر ہیں البتہ معاشی لحاظ سے ایک معقول تعداد مرفہ الحال ہے یوپی کا بیشتر تعلیم یافتہ طبقہ پاکستان آ چکا ہے مشرقی پنجاب کے شہر مالیر کوٹلہ کی سرکردہ شخصیتوں میں مرحوم بابو مولا بخش کا نام نامی سرفہرست ہے ملازمت کا آغاز محکمہ مال میں معمولی اہلکار سے کر کے ریونیو منسٹر تک ترقی پائی دوران ملازمت میں مال افسر' کلکٹر' ڈسٹرکٹ جج' اکاؤنٹنٹ جنرل حتیٰ کہ چیف آف پولیس بھی رہے۔ آزادی کے بعد ہزہائی نس والیئے ریاست کے تمام اختیارات ان کے سپرد کر کے حکومت ہند کی طرف سے ریاست کا ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا گیا۔ آپ کے تین بیٹے پاکستان آ گئے (باب 14) دو انڈیا میں

رہ گئے۔ ان کے بھارتی فرزند انجینئر یزدان بخش کا ایک بیٹا اقبال احمد امریکہ میں سپیشلسٹ ڈاکٹر ہے اس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔ محلہ ملیر کے دو عظیم انسان منشی عبداللہ ملیری مؤلف سفینۂ ملیری اور چوہدری عبداللہ نمبر مرچنٹ صدر انجمن کمبوہاں بھی قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر تقریباً 50 سال انجمن کے صدر رہے۔

چوہدری محمد اسماعیل ایم اے۔ بی ٹی (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) ڈپٹی انسپکٹر آف سکولز بھی رہ چکے ہیں۔ اسلامیہ کمبوہ ہائی سکول کے بانی کی حیثیت سے ان کو بجا طور پر ملیر کوٹلہ کی کمبوہ برادری کا سرسید کہا جاتا ہے۔ ان کے بڑے فرزند ڈاکٹر اختر محمود ایم ایس سی' پی ایچ ڈی' (بائیو کیمسٹری) بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں علی گڑھ سے پی ایچ ڈی اور یونیورسٹی آف پورٹوریکو (امریکہ) سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کا اعزاز حاصل کیا۔ بھارت کے مختلف کالجوں میں تدریسی اور دوسرے فنی اور سائنسی اداروں میں ریسرچ سکالر کے طور پر کام کیا۔ 77- 1975ء میں یونیورسٹی آف پیرس سے وابستہ رہے۔ 1981ء سے چار سال لوکلا ہوما یونیورسٹی (امریکہ) میں پھر ڈھائی سال واشنگٹن یونیورسٹی کے میڈیکل سکول میں ریسرچ وزیٹنگ پروفیسر کی خدمات انجام دیں۔ اب تک ان کے تقریباً 120 تحقیقی مقالات مقتدر سائنسی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں 60 سے زیادہ مقالات پیش کرنے کے علاوہ آٹھ مختلف ریسرچ پراجیکٹس پر ایوارڈ بھی حاصل کئے ہیں ملک کے چوٹی کے پانچ جرنلز میں بائیو کیمسٹری' بائیو فزکس اور متعلقہ سائنسی مضامین اور کتابوں کے آفیشل تبصرہ نگار ہیں۔ نومبر 1994ء میں اکیڈمی آف سائنسز نیویارک کی انتخابی کمیٹی نے جس میں کئی نوبل انعام یافتہ سائنس دان شامل تھے ان کو اکیڈمی کا فعال رکن منتخب کیا وہ دیگر ذمہ داریوں کے علاوہ 1985ء سے پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ سے وابستہ ہیں جہاں آج کل شعبہ بائیو کیمسٹری کے سربراہ ہیں ان کی اہلیہ ایم ایس سی' پی ایچ ڈی (بائیو کیمسٹری) ہیں اور (PGMI) میں مستقل ملازم ہیں۔

سیاسی لحاظ سے مسلمان کمبوہ بھارتی مسلمانوں کے ہم خیال ہیں۔ اتحاد ہو تو عددی برتری کے زور پر ملیر کوٹلہ میں اپنا مقام بلند کر سکتے ہیں۔ چوہدری رائس شیلر کے مالک عبدالمجید زبیری ضلع کانگریس کمیٹی کے سینئر نائب صدر اور چوہدری عبدالغفار ایڈووکیٹ

پنجاب اسمبلی کے ممبر اور پارلیمانی سیکرٹری ہیں۔
تعلیم اب شہروں تک محدود نہیں رہی علم کی روشنی سے دیہات بھی جگمگا رہے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق مالیر کوٹلہ کے ایک دور افتادہ گاؤں میں جہاں کمبوہ برادری کی اکثریت ہے ایک گورنمنٹ مڈل سکول قائم ہے پنجاب وقف بورڈ نے الگ اسلامیہ ہائی سکول جاری کیا ہوا ہے۔ تعلیم مخلوط ہے جو بڑا خوشگوار تجربہ ثابت ہوا ہے کمپیوٹر ٹریننگ اور لڑکیوں کے لئے سلائی سنٹر کا انتظام ہے 40 سال پہلے یہاں ایک بھی تعلیم یافتہ شخص نہ تھا اب شرح خواندگی اسی فی صد ہے گاؤں کے تین ایم اے (ہسٹری' اردو' کیمسٹری) نوجوان گورنمنٹ کالج مالیر کوٹلہ میں' دو ایم اے۔ ایم فل (اکنامکس' ہسٹری) ڈیوک سکول میں اور ایک (ایم ای) زرعی یونیورسٹی لدھیانہ میں لیکچرار ہیں۔ دو خواتین ایم اے ہیں۔ دو انجینئرز اور ایک وٹرنری ڈاکٹر سرکاری ملازم ہیں ان کے علاوہ کئی کمبوہ میڈیکل پریکٹشنر اور بہت سے دوسرے اصحاب سرکاری اور نجی ملازمتوں' تجارت' صنعت وغیرہ سے منسلک ہیں۔

حصہ دوم

پاکستانی کمبوہ: ہر قوم کی معاشرت کا تعلق مذہب سے ہی نہیں بلکہ مجموعی ملکی حالات اور ہمسایہ اقوام کی معاشرتی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ پاکستان میں بہت معمولی غیر مسلم اقلیت کے علاوہ زیادہ تر مسلمان قوم آباد ہے ان سب کی معاشرت پر مذہب کی گہری چھاپ موجود ہے۔ اخلاقیات' تعلیم' ذرائع معاش' لباس' زبان بلکہ رسم و رواج میں بھی ایک آدھ امر میں معمولی تفاوت سے قطع نظر اکثر اقدار مشترک ہیں۔ شہری اور دیہی زندگی کے اپنے انداز ہوتے ہیں۔ بعض قوموں میں ذرائع معاش کے لحاظ سے اپنی خصوصیات ہوتی ہیں۔ مثلاً کمبوہ' ارائیں' جاٹ' راجپوت وغیرہ کی اکثریت زراعت کے پیشہ منسلک ہے۔ گوجر زراعت کے علاوہ مویشی پالنے میں منفرد ہیں۔ شیخ' کشمیری وغیرہ تجارت اور ملازمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ایک ہی معاشرہ کے اجزاء ہونے کی وجہ سے ان میں ایک قوم یعنی پاکستانی ہونے کی خصوصیات موجود ہیں۔ جس کی زیادہ وجہ مذہب' تہذیب و تمدن اور ثقافت میں ہم آہنگی ہے۔

ہمیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک نہیں کہ قیام پاکستان کے بعد جہاں ملک کی بہت سی اقوام نے قابل رشک ترقی کی ہے مجموعی طور پر کمبوہ قوم بہت پس ماندہ رہی ہے قوم میں بظاہر جو ترقی نظر آتی ہے وہ افراد کی اپنی انفرادی کوششوں کا ثمر ہے من حیث القوم کسی انجمن' ادارہ یا گروپ نے باضابطہ منصوبہ بندی کے تحت قوم کو پستی سے نکالنے کی کوئی مربوط' منظم اور جامع کوشش نہیں کی۔ قومی اجتماع یا کنونشن اور کانفرنسیں وقتی طور پر مرض کی نشاندہی یعنی احساس بیداری یا احساس ذمہ داری پیدا کرنے کا ایک ذریعہ ہو سکتی ہیں مگر بذات خود مرض کا علاج نہیں۔ تجربہ شاہد ہے ان سے کوئی ٹھوس نتائج برآمد نہیں ہوئے کیونکہ مسئلہ کے عملی پہلو کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔ مرض کی تشخیص اپنی جگہ لیکن علاج کے بغیر ازالہ مرض ممکن نہیں ہوتا۔ قوم کے اکثر بہی خواہ اور دردمند بزرگ اس تلخ حقیقت کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ ان اجتماعات کا پس پردہ محرک اور منشائے مقصود کافی حد تک بعض افراد کی ذاتی نمائش اور انا کی تسکین بھی ہوتا ہے جس سے قوم کو "نشستند و گفتند و برخاستند" کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ آج تک کسی کنونشن کی قراردادوں پر عمل درآمد کرانے کے لئے کبھی کوئی مجلس عمل ترتیب نہیں دی گئی جو قوم کے سامنے اپنی کارکردگی کے لئے جواب دہ ہوتی۔ قوم کے جو نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کے مستقبل کی نشاندہی کے لئے کوئی ایسا ادارہ یا شعبہ یا ماہرین کا گروپ قائم نہیں ہوا جو ان کی ذہنی سطح (I.Q.Level) اور صلاحیت (Aptitude) کا اندازہ کر کے ان کو مزید کاروباری' فنی یا سائنسی تعلیم کی ترغیب اور مشورہ یا کاروبار زندگی (Career) کے انتخاب میں ماہرانہ راہنمائی فراہم کرتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ بے مقصد تعلیم سے بے روزگاری بھی بڑھتی ہے اور تعلیم کی بے وقعتی سے مایوسی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس ساری تفصیل کے پس منظر میں مضمر حقیقت کا ماحصل یہ ہے کہ معاصرین کی نظر میں' خواہ وہ صاحب ثروت ہوں یا بے زر عوام' موجودہ معاشرہ میں جاہ و منزلت اور عز و شرف کا معیار دولت اور منصب کی بلندی' اعلیٰ کاروبار' کوٹھی اور کار کی نمائش ہی رہ گیا ہے نسلی برتری کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی۔ آپ حقیقی سید ہیں یا اصل آریہ' جب تک مذکورہ معیار پر پورا نہیں اترتے حسب نسب کی چنداں وقعت نہیں۔ ہم اس معاشرہ سے باہر نہیں اس کا

جزو لاینفک ہیں۔ ہم بہانگ دہل اور بلا خوف تردید دعوی کرتے ہیں کہ جس طرح ایشیا میں ایرانی' یورپ میں جرمن اور کئی دیگر اعلیٰ مرتبت اقوام کو اپنے آریہ ہونے پر فخر ہے ہندوستان اور پاکستان میں بلحاظ حسب و نسب کمبوہ قوم کا تعلق بھی خالص آریہ نسل سے ہے۔ اپنی قوم کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے ہمیں عملی اصولوں پر مبنی منصوبہ بندی کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے مساعی بروئے کار لانے کی ضرورت ہے اپنی نکبت اور کسمپرسی کے اسباب پر ہم کافی روشنی ڈال چکے ہیں۔ انگریزی محاورہ کے مطابق زمین پر بہہ چکے دودھ پر رونے دھونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارا مستقبل ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے ہمیں اپنی قسمت پر گلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی قسمت کے ہم خود معمار ہیں۔ مایوسی بزدلوں کا شعار ہوتی ہے۔ قوم کا ہر فرد آج عزم کر لے کہ وہ اپنے خاندان اپنے اعزہ اور اپنی قوم کو معاشرہ میں اعلیٰ مقام دلانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا تو ایک ہی پشت میں پوری قوم کی قسمت بدل سکتی ہے حالانکہ قوموں کی کایا پلٹنے کے لئے چوتھائی یا نصف صدی کوئی خاص عرصہ نہیں ہوتا۔

انتقال آبادی اور آباد کاری: 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو پنجاب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مشرقی اور وسطی پنجاب کے تیرہ اضلاع' تمام چھوٹی اور بارہ بڑی ریاستیں (نابھہ' پٹیالہ 'کپور تھلہ وغیرہ) ہندوستان کے حصہ میں آئیں باقی ایک ریاست بہاولپور اور 16 اضلاع پاکستانی پنجاب کا حصہ بنے۔ ہندو مہاسبھا اور راشٹریہ سیوک سنگھ کی طرف سے فرقہ وارانہ جذبات کی برانگیختگی تاریخ کے بدترین قسم کے قتل و غارت' اجتماعی آبرو ریزی اور بیگناہ خواتین کے اغواء پر منتج ہوئی۔ انگریز اور بھارتی نیتاؤں کا خیال تھا کہ جغرافیائی لحاظ سے لولا لنگڑا' معاشی لحاظ سے کنگال اور معاشرتی اعتبار سے منتشر اور مایوسی کا شکار پاکستان چند ماہ سے زیادہ نہ چل سکے گا۔ لیکن اعدائے بدباطن کے سب اندازے غلط ثابت ہوئے۔ نصرت خداوندی اور قوم کے جذبہ ایثار و قوت ایمانی کی بدولت قائداعظمؒ کے ہاتھوں ملک کو معیشت اور معاشرت کی تعمیر کے لئے ایسی مضبوط بنیادیں میسر آئیں کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اگر کچھ عرصہ سے ملک میں ترقی معکوس نظر آتی ہے تو اس کی بڑی وجہ ملک کا جاگیردارانہ نظام ہے۔

جہاں تک آبادی کے تبادلہ کا تعلق ہے۔ وسطی پنجاب کے اضلاع لاہور' شیخوپورہ'

لائلپور (فیصل آباد) اور منٹگمری (ساہی وال) میں ہندو سکھ کثیر تعداد میں بستے تھے وہ بھارت چلے گئے اس کے برعکس کرنال' انبالہ' لدھیانہ' فیروز پور' امرتسر نیز پٹیالہ' نابھہ اور کپور تھلہ میں رہائش پذیر زندہ بچ جانے والے مسلمان زیادہ تر پاکستان آ گئے۔ (74)

البتہ لدھیانہ' نابھہ اور پٹیالہ کے کچھ کمبوہ مالیر کوٹلہ میں جا بسے جہاں فسادات کے دوران میں مکمل امن و امان رہا تھا (اس کے لئے سٹیٹ مسلم لیگ تشکر و امتنان کی مستحق ہے جس کا مؤلف کتاب ہذا جنرل سیکرٹری تھا) بھارت سے پاکستان آنے والے کمبوہ چند مخصوص اضلاع میں آباد ہونے کی بجائے لاہور' گوجرانوالہ' سرگودھا'

(74) اگرچہ مردم شماری کے اعداد و شمار چنداں قابل اعتماد نہیں تاہم ان سے مشرقی اور مغربی پنجاب میں مسلم اور غیر مسلم کمبوہ آبادی کا تناسب معلوم کرنے میں سہولت ہو گی۔ یہ اعداد و شمار 1921ء کی مردم شماری رپورٹ سے ماخوذ ہیں ان سے ظاہر ہے کہ مشرقی پنجاب میں مسلمان اور مغربی پنجاب میں سکھ کمبوہوں کی اکثریت تھی۔

ڈویژن	ہندو	مسلمان	سکھ	کل
انبالہ	14309	2727	3160	20196
جالندھر	263	6385	6793	13431
ضلع امرتسر و گورداسپور	346	12329	3785	16460
ریاستہائے پنجاب (مشرقی)	3680	24582	22506	50768
میزان (مشرقی پنجاب)	18588	46023	36244	100855
فی صد تناسب	٪ 18 4	٪ 45.6	٪ 36.0	
لاہور (بجز دو اضلاع)	3288	21848	13458	38594
راولپنڈی	00	1586	6	1592
ملتان	11442	11427	33833	56702
ریاست بہاولپور	384	608	00	992
میزان (مغربی پنجاب)	15114	35469	47297	97880
فی صد تناسب	٪ 15.5	٪ 36.2	٪ 48.3	
کل پنجاب	33702	81492	83541	198735
فی صد تناسب	٪ 17	٪ 41	٪ 42	

(نوٹ) بہت سے ہندو کمبوہ کھشتریوں میں اور مسلمان کمبوہ ارائیوں' جاٹوں اور راجپوتوں میں شمار کر لئے گئے تھے۔

فیصل آباد اور بہاولپور ڈویژنوں کے علاوہ سندھ کے مختلف مقامات مثلاً سکھر' شہداد کوٹ (ضلع لاڑکانہ) محراب پور اور ہالانی (ضلع نوشہرو فیروز) ضلع نواب شاہ' بدین' سانگھڑ اور حیدر آباد کے مواضعات میں بھی آباد ہو گئے ہیں۔ پاکستان میں 1951ء اور اس کے بعد ہونے والی تین مردم شماریوں میں ذات کا خانہ حذف ہونے کی وجہ سے ہر قوم کے الگ الگ اعداد و شمار مرتب نہیں کئے گئے۔ اس لئے مقامیت اور تعداد کا صحیح تعین نہیں کیا جا سکتا البتہ باہمی روابط اور تجربہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تعداد لاکھوں میں ہے۔ ضلع قصور میں محکمہ مال کے چند ریٹائرڈ ملازمین نے رضاکارانہ طور پر اعداد و شمار جمع کئے جس سے عام اندازہ کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تعداد ظاہر ہوئی۔

ذریعہ معاش : پاکستان میں بھی کمبوہ قوم کی واضح اکثریت زراعت کے پیشہ سے منسلک ہے بالخصوص سندھ میں جہاں کراچی' سکھر اور نواب شاہ جیسے بڑے شہروں کو چھوڑ کر باقی قصبات و دیہات میں آباد ایک بڑی اکثریت بالعموم کھیتی باڑی سے روزی پیدا کرنے میں مصروف ہے۔ یہ لوگ جس علاقہ میں بھی جا کر آباد ہوئے اسے سرسبز و شاداب بنا دیا۔

پنجاب میں پوزیشن قدرے مختلف ہے گو یہاں بھی دیہات کی کمبوہ آبادی کا پیشہ زراعت ہے مگر قیام پاکستان کے بعد شہری اور دیہی آبادی کا تناسب کافی بدل چکا ہے اس کی دو اہم وجوہات ہیں :

اول - جو لوگ ہجرت کر کے مشرقی پنجاب سے مغربی حصہ میں آئے ان کی ایک معقول تعداد شہروں میں آباد ہوتی چلی گئی۔ بہت سے لوگ جو پہلے دیہات یا قصبات میں رہتے تھے انہوں نے شہر کی سکونت کو ترجیح دی۔ کلی طور پر نہیں تو کافی حد تک اپنی سابقہ ضلع وار مرکزیت کا بھی خیال رکھا گیا مثلاً کرنال اور انبالہ کے کمبوہوں نے سکھر کے علاوہ سرگودھا کو اور ریاست سنگرور کے مہاجرین نے بھلوال کو اپنا مستقر بنایا لدھیانہ پٹیالہ وغیرہ کے کمبوہ گوجرانوالہ میں' اہل فیروز پور قصور اور اوکاڑہ میں ' پٹیالہ شہر اور اس کے گرد و نواح کے کمبوہ (خاص کر فوجی ملازمین) ریاست بہاولپور میں' علی ہذا القیاس امرتسر' جالندھر اور کپور تھلہ کی کثیر تعداد لاہور اور فیصل آباد میں سکونت پذیر ہو گئی لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہ تھا انفرادی طور پر جس کو جہاں زیادہ سہولت میسر آئی

اسے مستقر بنا لیا۔

دوم۔ دیہات کے تعلیم یافتہ اور دیگر بیروزگار غیر کاشتکار مقامی نوجوانوں نے تلاش معاش میں شہروں کا رخ کیا نیز قانون وراثت کے تحت زرعی زمین کی تقسیم در تقسیم یا مہاجرین میں غیر منصفانہ الاٹمنٹ کی وجہ سے زیر کاشت رقبہ ایک کنبہ کی کفالت کے لئے ناکافی ہونے کی صورت میں باقی افراد کنبہ شہروں میں آ کر دوسرے پیشوں سے وابستہ ہوتے جا رہے ہیں اس طرح آبادی کا توازن شہروں کی طرف منتقل ہو جانے سے پیشہ وارانہ تناسب میں تفاوت ناگزیر ہو گیا ہے۔

جیسا کہ اوپر حصہ اول میں ذکر کیا جا چکا ہے کمبوہ برصغیر پاک و ہند کا تجربہ کار' نہایت محنتی' جفاکش اور بہترین کاشتکار ہے۔ زمین کی قدر و قیمت سے آگاہ ہونے کے باعث تھوڑے رقبہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنا اس کی مہارت کا ثبوت ہے اگرچہ عام کمبوہ کاشتکار بھی مالی بدحالی کا شکار نہیں مگر حکومت کی غلط پالیسیوں اور چھوٹے کاشتکاروں کے حقوق کی محافظ زرعی اصلاحات نہ ہونے کے باعث گوناگوں مشکلات کے علاوہ ان کو پیداوار کا صحیح معاوضہ نہیں ملتا۔ اگر دیہات کا تعلیم یافتہ طبقہ امداد باہمی کی بنیاد پر ادارے قائم کر کے اجتماعی کاشتکاری کو فروغ دے فاضل اوقات میں دستکاری کے مراکز قائم کرے تو شہروں میں خراب و خستہ ہونے کی بجائے گھر میں ہی بہتر نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

کمبوہوں میں جاگیردار تو نہیں البتہ کئی بڑے زمیندار ضرور ہیں۔ چند بڑی زمینداریوں نور پور (بہاولپور) وساویوالہ (اوکاڑہ) شام کوٹ (خانیوال) سلطانپور (وہاڑی) سدا کمبوہاں (سرگودھا) وغیرہ کے علاوہ بہت سے اونچی متوسط یعنی Upper Middle کلاس کے معزز زمیندار بھی تقریباً ہر ضلع میں موجود ہیں۔ لیکن اکثریت چھوٹے قطعات اراضی کے مالکان اور مزارعین کی ہے ان کی قناعت پسندی اکثر ان کی ترقی کی راہ میں حائل ہے۔

شہری کمبوہ سرکاری' نیم سرکاری اور پرائیویٹ اداروں میں ملازمت کے علاوہ کارخانہ داری' تجارت' گھریلو صنعت' وکالت' انجینئرنگ' ڈاکٹری' معلمی' ٹھیکیداری' مزدوری وغیرہ پیشوں سے وابستہ ہیں۔ ہر شعبہ میں ان کو باعزت مقام حاصل ہے۔

بہت سے اصحاب دستی اور پاور لومز اور قالین بافی کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ سپاہ گری اس قوم کا آبائی پیشہ تھا جو امتداد زمانہ خاص کر ہنوں کے حملوں کے بعد بتدریج کم ہوتا چلا گیا۔ قوم کی اکثریت پرامن شہری بن کر زراعت کے پیشہ سے وابستہ ہو گئی۔ اس کے باوجود سلاطین دہلی اور مغلیہ دور میں کمبوہ اچھی خاصی تعداد میں عام سپاہی سے لے کر جرنیل تک کے عہدوں پر فائز نظر آتے ہیں شہباز خان کمبوہ کی فوج میں سوار اور پیادہ نو ہزار کمبوہ ملازم تھے۔ کرم اللہ خان' شیخ مجاہد خان' زین العابدین' رنباز خان' نواب بہادر خاں اور دیگر بہت سے کمبوہ امراء کی افواج میں اکثریت ان کی اپنی قوم کے افراد کی ہوتی تھی مغل فوج میں اپنی وفاداری اور جانثاری کے باعث کمبوہ بھی سکھ طالع آزماؤں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے چنانچہ سکھ گردی کے ڈیڑھ سو سالہ دور میں بہت سے کمبوہ سکھوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور باقی ماندہ نے برادری کے دوسرے افراد کی طرح زراعت کا پیشہ اپنا کر جان' مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا۔

انگریز افسروں' مردم شماری رپورٹوں کے مرتبین اور دوسرے برٹش مصنفین نے کمبوہوں کو زراعت میں ماہر تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی فوجی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے ان کو فوجی خدمات کے لئے موزوں تجویز کیا ہے لیکن اس کے باوجود کہ جنرل ہیڈ کوارٹر کی طرف سے کمبوہوں کو بھرتی کرنے پر کوئی قدغن نہ تھی۔ اکثر ریکروٹنگ آفیسر بھرتی کے لئے پیش ہونے والے کمبوہوں سے بے اعتنائی برتتے رہے اس طرح عملاً مسلمان کمبوہوں پر اعلیٰ فوجی ملازمتوں کے دروازے بند رہے۔

1939ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو بہت سے کمبوہ فوج میں بھرتی ہوئے اور انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں مگر جنگ کے خاتمہ پر بیشتر یونٹیں غیر ضروری سمجھ کر ختم کر دی گئیں۔

قیام پاکستان کے بعد فوج کی تنظیم نو کی گئی۔ ابتدا میں یہاں بھی بھرتی کرنے والے افسران کا رویہ کمبوہوں کے لئے حوصلہ افزا نہ تھا لیکن بتدریج حالات بدلتے گئے اور بہت سے کمبوہ نوجوان ملک کی بری' بحری اور فضائی فوج میں بھرتی ہو کر قوم و ملک کی خدمات انجام دینے لگے۔ جہاں 1937ء تک (تاریخ کمبوہاں 1938ء ایڈیشن ص 280) اعلیٰ افسروں میں دو صوبیدار میجر' ایک صوبیدار اور دو جمعدار نظر آتے ہیں آج بری فوج

میں کرنل' بریگیڈیئر اور لیفٹیننٹ جنرل تک' ایئر فورس میں سکواڈرن لیڈر اور ونگ کمانڈر اور نیوی میں ریرایڈمرل تک کے نام ملتے ہیں۔ ایسے اعلیٰ عہدوں پر ان افسران کی تقرری ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا بہترین اعتراف ہے۔

سول انتظامیہ میں کمبوہوں نے اچھے اچھے عہدوں پر ترقی پائی۔ ڈپٹی کمشنر' کمشنر صوبائی اور وفاقی سیکرٹری' ہائی کورٹ کے جج' سیشن جج' سول جج' مجسٹریٹ' چیف انجینئر' چیف میڈیکل آفیسر اور میڈیکل سپیشلسٹ' ڈی آئی جی' اداروں کے ڈائریکٹر' انکم ٹیکس کمشنر وغیرہ بہت سے شعبوں میں کمبوہ ملک و ملت کی خدمت بجالا رہے ہیں۔

شجاعت و بسالت: فوج ملکی سرحدوں کی محافظ ہوتی ہے۔ اس فرض کی ادائیگی میں پاکستانی فوج کا شمار دنیا کی بہترین افواج میں ہوتا ہے۔ کمبوہ ملکی فوج کا اہم عنصر ہیں۔ انہوں نے جنگ کشمیر (49- 1948ء)' 1965ء اور 1971ء کی جنگوں میں اپنی یونٹوں کے ہمراہ بھرپور حصہ لیا اور ہر محاذ پر دشمن کے دانت کھٹے کیئے۔ اس دوران میں کئی کمبوہ جانبازوں نے جام شہادت بھی نوش کیا تینوں جنگوں کے ایک ایک شہید کا ذکر پیش ہے۔

لیفٹیننٹ ناصرالدین محمود: قیام پاکستان کے بعد بھارتی گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو بدقسمتی سے ایک معاہدہ کی رو سے دونوں ملکوں کی افواج کا سپریم کمانڈر بھی تھا کشمیر میں بھارتی فوج داخل کر دی۔ پاکستان کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے سپریم کمانڈر کے حکم کا بہانہ بنا کر گورنر جنرل پاکستان (قائداعظمؒ) کے اصرار کے باوجود کشمیر میں فوج بھیجنے سے انکار کر دیا جو پاکستانی دستے کشمیر میں داخل ہو چکے تھے انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود خاصا علاقہ بھارتیوں اور ڈوگروں سے چھین لیا۔ پاکستان سے اسلحہ' رسد اور مدد ملنے کی کوئی امید باقی نہ تھی تاہم وہ آخری دم تک لڑتے رہے انہی شہداء میں محترم چوہدری وہاب الدین کا صاحبزادہ لیفٹیننٹ ناصرالدین محمود بھی تھا جو اگست 1949ء میں پلندری کے محاذ پر منصب شہادت پر سرفراز ہوا۔

چوہدری بدرالدین شہید: 6 ستمبر 1965ء کو بھارتی فوجوں نے اعلان جنگ کیئے بغیر چوروں کی طرح علی الصبح اچانک پاکستان پر حملہ کر دیا اور کسی مزاحمت کے بغیر واہگہ کی بین الاقوامی سرحد کو روندتی ہوئی بی آر بی نہر تک پہنچ گئیں۔ یہاں ان کا مقابلہ

پاکستان کے جوانوں سے ہوا اور سترہ روز کی سرتوڑ اور ہوش شکن کوششوں کے باوجود ایک انچ آگے نہ بڑھ سکیں۔ سیالکوٹ' کھیم کرن' فاضلکا وغیرہ سیکٹروں پر بھی بھارتی یلغار کا منہ توڑ جواب دیا گیا مگر لاہور سیکٹر پر دباؤ انتہائی شدید اور مسلسل رہا۔ بدر الدین اسی سیکٹر میں مصروف جہاد تھے۔

انؓ کا تعلق پٹیالہ سے تھا۔ پہلے پٹیالہ کی فوج میں بھرتی ہوئے پاکستان کے لئے Co-Opt ہونے پر بہاولپور آ کر پہلے ریاستی فوج میں اور پھر بلوچ رجمنٹ میں بھرتی ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے دوران میں جنگ شروع ہوئی تو محاذ پر بلا لیا گیا۔ واہگہ کے محاذ پر نہایت جوانمردی سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ جنگ بندی سے ایک روز قبل 22 ستمبر 1965ء کو جان عزیز ملک و قوم پر قربان کر دی۔ قبرستان حضرت میانمیرؒ میں فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا گیا شاندار فوجی خدمات کے صلہ میں بہاولپور میں G.T.S بس سٹینڈ کے قریب واقع چوک کا نام بدرالدین شہید چوک اور جنرل بس سٹینڈ سے شہر کو جانے والی سڑک کا نام بدرالدین شہید روڈ رکھا گیا ہے۔

چوہدری محمد یعقوب: پاکستان کے فوجی حکمرانوں اور ان کی بیورو کریسی (جن کی اکثریت کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا) کی بے بصری اور غیر سیاسی حکمت عملی نیز سیاستدانوں کی خود غرضی نے مشرقی پاکستان کے باشندوں میں محرومیت کا احساس پیدا کر دیا جو بتدریج گہرا ہوتا چلا گیا۔ 1970ء کے الیکشن کے بعد بھارت کو بنگالیوں میں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات ابھارنے کا موقع مل گیا' پہلے اس نے اپنے فوجی اور سول کارکن' مکتی باہنی کے روپ میں ' مشرقی پاکستان میں داخل کر دیئے بنگالیوں نے ان کو اپنے نجات دہندہ سمجھ کر ان کا پورا ساتھ دیا بعد میں باقاعدہ طور پر مشرقی پاکستان پر فوجی حملہ کر دیا۔ پاک فوج کی اکثریت مغربی پاکستانیوں پر مشتمل تھی۔ عوام دشمن کا ساتھ دے رہے ہوں تو فوج کہاں تک مزاحمت کر سکتی ہے؟ چوہدری محمد یعقوب ان دنوں مشرقی پاکستان میں متعین تھے۔ ان کا آبائی گاؤں ضلع امرتسر تھا۔ ایم ای ایس میں ملازم تھے کہ ان کی خدمات محکمہ پولیس کے سپرد کر دی گئیں مگر یہ ملازمت ان کے مزاج کے مطابق نہ تھی اس لئے پھر فوج میں آ گئے۔ 1965ء کی جنگ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ 1971ء کی جنگ میں 12 جون کو مشرقی پاکستان میں جام

شہادت نوش کیا۔

فیصل آباد کارپوریشن کی طرف سے ان کے گاؤں نور پور (من مضافات فیصل آباد) کے مین بازار کا نام محمد یعقوب کمبوہ شہید روڈ اور چوک کا نام محمد یعقوب چوک رکھا گیا ہے۔ شہید کے ایک فرزند محمد سلیم کمبوہ ایم اے' ایل ایل بی' وکیل ہیں۔

لیفٹیننٹ محمود احمد زبیری شہید : شوق شہادت اور جذبہ جانثاری یو پی کے بھائیوں میں بھی اسی طرح کارفرما ہے روزنامہ نوائے وقت دسمبر 71ء کے ایک شمارے میں خصوصی نامہ نگار کا ایک تبصرہ شائع ہوا۔ اس نے لکھا۔

"تین دسمبر 1971ء کو لیفٹننٹ محمود احمد زبیری کو اپنے کمانڈر کی طرف سے حکم ملا کہ جہلم چھاؤنی کے انچارج کی ذمہ داریاں سنبھالو' یہ حکم ملتے ہی زبیری کمانڈر کے سامنے پیش ہوئے اور کہا کہ وہ دشمن کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے کے خواہاں ہیں اگر انہیں دفتر میں ہی رکھا گیا تو دشمن کے ساتھ لڑنے کا موقعہ نہیں ملے گا چنانچہ ان کی خواہش اور اصرار پر چھمب جوڑیاں کے محاذ پر بھیج دیا گیا۔

انہوں نے نوجوانوں کے سامنے پرجوش تقریر کی اور ملکہ ترنم نورجہاں کے تین نغمے بلند آواز سے خود ہی سنائے اس کے بعد اپنے کمرے میں آکر قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ چھمب کے محاذ پر انہیں تیسری لائن میں رکھا گیا تو انہوں نے اپنے کمانڈر سے کہا "سر! مجھے شاید اس لائن میں لڑنے کا موقعہ نہ ملے مجھے فرنٹ لائن میں لایا جائے" چنانچہ ان کی یہ خواہش پوری کر دی گئی۔ انہوں نے پوزیشن سنبھال کر آناً" فاناً" میں دشمن کے آٹھ ٹینک تباہ کر دیئے۔ اس کے بعد دشمن کی طرف خاموشی ہو گئی۔ زبیری نے سمجھا۔ دشمن کا نام و نشان نہیں رہا اور دشمن کے علاقہ میں پیش قدمی شروع کر دی لیکن طوطا پہاڑی کے عقب میں دشمن کے چھپے ہوئے دو ٹینکوں نے زبیری کے ٹینک کو نشانہ بنایا۔ زبیری شہید نے کلمہ شہادت پڑھا اور جوانوں کو حکم دیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ اس کے بعد ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی"۔

بریگیڈیئر نجیب احمد شہید : نہایت تابناک مستقبل کے حامل' اس بلند قامت' خوبرو اور سمارٹ افسر کی شہادت ملک و ملت' کمبوہ برادری اور اس کے خاندان کے لئے

بہت گراں اور ناقابل تلافی سانحہ تھی۔ نجیب احمد 11 ستمبر 1940ء کو ملتان میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد انوار غنی بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل تعینات تھے ان کا آبائی قصبہ بھیرہ تھا۔ ابتدائی تعلیم ملتان، سینٹ میری سکول راولپنڈی اور سینٹ انتھونی سکول لاہور میں حاصل کی 1962ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی ایس سی کے طالب علم تھے کہ فوج میں کمیشن مل گیا۔ 1965ء کی جنگ میں واہگہ کے محاذ پر بحیثیت کیپٹن حصہ لیا، آرٹلری ان کا پسندیدہ شعبہ تھا۔ 75- 1973ء میں بریگیڈ کمانڈر (بعد میں لیفٹننٹ جنرل) اختر عبدالرحمن کے ماتحت بحیثیت میجر کام کیا۔ امریکہ میں اعلیٰ تربیتی کورس پاس کرنے کے بعد کوئٹہ میں آرٹلری رجمنٹ کی کمان کی۔ اسی دوران میں لیفٹننٹ کرنل اور نیشنل ڈیفنس کالج میں وار کورس کی تکمیل کے بعد فل کرنل ہو گئے اس کالج میں انسٹرکٹر کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ بریگیڈیئر کے عہدہ پر ترقی ہوئی۔ 1985ء میں صدر ضیاء الحق نے حج کے انتظامات ان کے سپرد کئے اور ان کے انتظامات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کو ملٹری سیکرٹری بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ یکم جون 1987ء کو انہوں نے یہ منصب سنبھال لیا۔ 17 اگست 1988ء کو بہاولپور میں ٹینکوں کا ایک مظاہرہ دیکھنے کے بعد صدر ضیاء الحق اور ان کے ساتھی جن میں چھ قابل ترین جرنیل، چار بریگیڈیئر ایک ونگ کمانڈر اور دوسرے بہت سے افسر C-130 میں واپس آ رہے تھے کہ طیارہ تخریب کاری کا شکار ہو گیا۔ اسی جہاز میں 8 ماہ بعد میجر جنرل کے عہدہ پر ترقی پانے کی آرزو دل میں لئے کمبوہ قوم کا سپوت بریگیڈیئر نجیب احمد بھی خالق حقیقی سے جا ملا۔ بریگیڈیئر صاحب کے تفصیلی حالات کے لئے راقم کا مضمون مطبوعہ نوائے کمبوہ بابت فروری 1990ء) ص 40 تا 47۔

بری فوج کے علاوہ نیوی میں بھی 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں لیفٹننٹ سجاد احمد نے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ آپ نواب محمد احمد خان قتل کیس میں ماخوذ ارشد اقبال کمبوہ کے بڑے بھائی تھے۔ اس کیس میں ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ ان کو بھی پھانسی ہوئی تھی یہ گرونانک نگر اچھرہ اڈہ کے رہنے والے تھے۔ ارشد اقبال ایف ایس ایف میں بہتر مستقبل کی امید پر شامل ہوئے تھے۔

افواج کے بہادروں میں شوق شہادت ان کی بے مثل شجاعت کا آئینہ دار ہوتا ہے

حکومتی ظلم و جبراور بے انصافی کے خلاف عوام کے احتجاج اور جہاد میں بھی کمبوہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ لاہور میں مسجد شہید گنج عرصہ دراز سے سکھوں کے قبضہ میں تھی اس کی واگزاری کے حق میں ہر روز پرجوش مظاہرے ہوتے۔ تمام سرکردہ رہنما گرفتار کر لئے گئے تھے ایک روز بعد نماز مغرب بادشاہی مسجد سے بہت بڑا جلوس مسجد شہید گنج کے لئے روانہ ہوا اور اگلے روز صبح تقریباً آٹھ نو بجے دہلی دروازہ پہنچا (یہ بڑا دلچسپ واقعہ ہے) پولیس نے روکنے کی کوشش کی مگر مجمع بے قابو ہو گیا۔ دیسی فوج کا دستہ منگوایا گیا بعد میں انگریز گھڑ سوار دستہ بلایا گیا۔ انہوں نے وارننگ کے ساتھ ہی فائرنگ شروع کر دی۔ راقم نے بچشم خود دیکھا کہ اس کے بالکل ساتھ کھڑے ایک خوبرو نوجوان کو ماتھے پر گولی لگی خون کا فوارہ چھوٹا اور وہیں شہید ہو گیا۔ ہم لوگ رینگتے ہوئے آگے بڑھے سب سے اگلی قطار میں ایک نوجوان کی لاش خاک و خون میں غلطیدہ پڑی تھی لوگ اس کی جرأت پر عش عش کر رہے تھے اس نے صفیں چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر سینہ تان کر انگریز افسر کو للکارا تھا کہ 'چلاؤ گولی' اور بزدل انگریز نے نہتے نوجوان پر سیدھا فائر کر کے اپنی کمینگی کا ثبوت فراہم کر دیا تھا۔ عزم و بسالت کا یہ پیکر گڑھی شاہو کا اللہ دتا کمبوہ تھا۔

بشیر احمد خاکسار: ستمبر' اکتوبر 1939ء میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے زیر اہتمام لکھنؤ میں تبرا تحریک یعنی پہلے تین خلفائے راشدین پر علانیہ سب و شتم کا آغاز کیا گیا۔ ملک بھر سے شیعہ جتھے لکھنؤ پہنچنے لگے۔ اس تحریک کے پس پردہ یو پی کی کانگریسی حکومت کے لیڈر تھے جن کا مقصد مسلمانوں میں مذہبی منافرت پھیلا کر مسلم لیگ کی تحریک کو نقصان پہنچانا تھا۔ علامہ مشرقی کے حکم پر قیام امن اور شیعہ بھائیوں کو اس تحریک کے مضمرات سے آگاہ کرنے کے لئے خاکسار جیش یو پی کے لئے روانہ ہوئے پولیس نے ان کو روکنے کے لئے ہر جگہ ناکہ بندی کر دی۔ کئی مقامات پر خاکساروں کی پولیس سے جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ایسی ہی ایک جھڑپ بلند شہر کے مقام پر ہوئی جس میں جودھ سنگھ والا (حال فاروق آباد تحصیل چونیاں) کے 18 سالہ نوجوان بشیر احمد ولد مولوی محمد علی نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ سالار ضلع ماسٹر محمد شفیع کی درخواست پر ان کو فیروز پور میں دفن کیا گیا۔

بابو معراج دین شہید: اچھرہ لاہور کے اس عاشق رسول کی سرگزشت نوائے کمبوہ (اپریل 1992ء) میں شائع ہو چکی ہے۔ جس زمانے میں وہ فوج میں ملازم تھا اس کے سکھ میجر نے اسلامی شعائر کے خلاف اشتعال انگیز گستاخانہ رویہ اختیار کیا بابو معراج دین برداشت نہ کر سکا اور میجر کو اسی جگہ قتل کر دیا۔ کورٹ مارشل ہوا موت کی سزا سنائی گئی مگر لکھنؤ کے عوام کے زبردست احتجاجی مظاہروں کے پیش نظر سزا عمر قید میں بدل دی گئی۔ پاکستان بننے پر بابو معراج دین لاہور آگیا اور اس کی سزا معاف کر دی گئی۔ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں پرجوش حصہ لیا۔ ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

میاں وحید احمد شہید: آپ کے والد ماسٹر چوہدری عبدالمجید نورپور ضلع فیروزپور سے ہجرت کر کے چیچہ وطنی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ وحید احمد اسلامی نظریات کا حامل، جذبہ حب الوطنی سے سرشار، سنجیدہ اور کم گو نوجوان تھا۔ چیچہ وطنی میں ایوبی آمریت کے خلاف سٹوڈنٹ ایکشن کمیٹی کا صدر منتخب ہوا بعد میں ڈیموکریٹک یوتھ فورس قائم کر کے اس کا چیئرمین بنا۔ پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے میں داخلہ لیا تو اسلامی جمعیت طلباء سے منسلک ہو کر تحریک میں بھرپور حصہ لینے لگے۔ بنگلہ دیش نامنظور تحریک کے دوران میں 10 فروری 1973ء کو ایک بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پولیس کے ہاتھوں شہید ہو گئے پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس میں ان کے نام سے وحید شہید ہال منسوب ہے۔

تعلیم: برادریوں کی جداگانہ شرح خواندگی کے اعداد و شمار کی غیر موجودگی میں یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ کمبوہ قوم کا شمار کس درجہ میں ہوتا ہے اور قوم کی خواندگی کی شرح کتنے فی صد ہے البتہ اندازہ یہی ہے کہ بحیثیت مجموعی ہماری قوم مایوس کن حد تک پس ماندہ ہے دیہی آبادی میں تعلیم کا تناسب بہت کم ہے خاص کر بچیوں کی تعلیم سے تو ہم ابھی تک غفلت اور کوتاہی کا شکار ہیں۔ اس قدر ناقابل رشک حالت کے باوجود جو لوگ حصول تعلیم کے بعد ابھرے ہیں آفتاب و ماہتاب بن کر جگمگا رہے ہیں یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے ہاں ٹیلنٹ کی کمی نہیں۔ یہ حقیقت بھی

شاید باعث حیرت ہو کہ لاہور شہر اور اس کے مضافات اچھرہ' گڑھی شاہو وغیرہ میں جہاں کمبوہ کثیر تعداد میں آباد ہیں قیام پاکستان تک نصف درجن سے بھی کم گریجوایٹ تھے ان میں چوہدری ظہور احمد سابق صدر انجمن کمبوہاں پاکستان' معروف قانون دان شیخ محبوب الٰہی ڈاکٹر عبدالحمید اور پراپرٹی ڈیلر میاں فیض محمد خان کے نام ہی سامنے آتے ہیں۔ آج ماشاء اللہ قوم میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب موجود ہیں۔ ڈاکٹر ہوں یا انجینئر وکیل ہوں یا پروفیسر' تاجر ہوں یا صنعتکار' سماجی رہنما ہوں یا سیاستدان' سول اور فوجی سرکاری ملازم ہوں یا نجی اداروں کے افسران ہر جگہ کمبوہ حضرات اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کا سکہ جمائے ہوئے ہیں۔

شہر ہوں یا دیہات ہماری اولیں ترجیح یہ ہونی چاہئے کہ ہر محلہ' ہر گاؤں' ہر بستی میں فروغ تعلیم کی تنظیم قائم کر کے تعلیم اطفال اور تعلیم بالغاں کے ہدف مقرر کئے جائیں۔ اس کے بعد زیادہ توجہ ٹیکنیکل تعلیم جس میں میڈیکل اور انجینئرنگ کے شعبے بھی شامل ہیں اور دیگر بامقصد شعبوں کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ اور ہر چھ ماہ بعد ہر انجمن اور تنظیم اپنی کارکردگی کا جائزہ لے۔

اخلاقی پہلو: بلند اور بے داغ اخلاق قوم کا سرمایہ حیات اور باعث نازش و افتخار ہوتا ہے۔ اخلاقی لحاظ سے اپنے ہم عصروں میں کمبوہ ایک امن پسند اور قانون کی پاسدار قوم سمجھی جاتی ہے۔ ایک پولیس افسر کے بیان کے مطابق اس نے سینکڑوں تھانوں میں دورہ کے دوران میں کسی جگہ بستہ الف یا بستہ ب کی فہرست میں کسی کمبوہ کا نام نہیں دیکھا۔ کچھ عرصہ پہلے تک خاندانی تنازعات کا فیصلہ برادری کی پنچایت یا معزز بزرگوں کے توسط سے ہو جایا کرتا تھا اور عدالتوں کا رخ کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جس معاشرہ میں ہم رہ رہے ہیں اس سے اثر پذیر ہونا فطری عمل ہے تاہم سالہا سال تک عدالتوں میں ذلیل و خوار ہونے' وقت اور دولت کے ضیاع اور بعض صورتوں میں مقدمات کا مزہ چکھ لینے کے بعد فریقین اکثر باہمی مصالحت میں ہی مصلحت سمجھتے ہیں۔ جس میں بزرگوں کا کردار قابل تحسین ہوتا ہے۔ دوسری کئی برادریوں کے مقابلہ میں کمبوہوں میں خواہ وہ امیر ہوں یا غریب خواتین کو زیادہ عزت اور وقار حاصل ہے وہ کتنی ہی تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوں شمع محفل کی بجائے چراغ خانہ بننے کو ترجیح دیتی ہیں'

ان میں ایم اے، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی، انجینئر، ڈاکٹرز، پروفیسرز، پرنسپل سبھی شامل ہیں۔

یہاں مزید دو باتوں کا ذکر ضروری ہے ایک تو یہ کہ ایک معزز بزرگ نے دعوے سے کہا اور اس میں صداقت بھی ہے کہ انہوں نے عمر بھر میں کسی کمبوہ کو بھیک مانگتے نہیں دیکھا اس سے ان کی عزت نفس کی پاسداری کا اندازہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ کمبوہ کسی بھی سیاسی یا مزدور تنظیم وغیرہ سے منسلک ہوں بالعموم تشدد پسند نہیں ہوتے۔ اس وقت کئی کمبوہ مختلف یونینوں کے سربراہ ہیں۔ لاہور میں اے جی آفس یونین کے صدر ظفر اقبال، حبیب بنک ایمپلائز یونین کے صدر عبدالشکور، ایل ڈی اے ورکرز یونین (سی بی اے) کے صدر رشید چوہدری، فنی تعلیمی بورڈ یونین کے صدر محمد افضل چوہدری اور دیگر اداروں کے رہنماؤں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

کمبوہوں کے متعلق قبیلہ پال، یعنی کنبہ پرور کی کہاوت کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ سید وارث شاہ جیسے عظیم قادر الکلام شاعر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس اب یہ کہاوت قصۂ پارینہ ہو کر رہ گئی ہے۔ اس عنوان کے تحت نوائے کمبوہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

باب چہاردہم

مسلمان کمبوہ از ابتدائے برطانوی تسلط تاحال
شخصیات اور قومی بیداری کی لہر

سلطنت مغلیہ کا زوال ہندوستان کی پوری مسلمان قوم کی بربادی کا سبب بنا۔ حکومت کی کمزوری سے توقیر و منزلت تو گئی ہی تھی اسلام دشمن قوتوں کے مذموم اور گھناؤنے اقدامات سے جان و مال اور آبرو بھی محفوظ نہ رہی۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد 66 سالہ بہادر شاہ اول صرف پانچ سال زندہ رہا۔ اس کے بعد جتنے بھی بادشاہ تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوئے سب اپنے نالائق' سازشی اور موقعہ پرست مشیروں کے ہاتھوں میں کھلونا اور شاہ شطرنج ثابت ہوئے۔ وہ نہ صرف خصائص جہانبانی سے یکسر عاری ہوتے تھے بلکہ عیش و طرب میں ایسے غرق رہتے کہ معاملات سلطنت سے ان کو کوئی سروکار نہ رہتا۔ وہ سلطنت جس کا ڈنکا بنگال سے کابل اور کوہ ہمالیہ سے دکن کے آخری کونے تک بجتا تھا اب اس کا دائرۂ اثر محض دہلی اور اس کے مضافات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔

ان حالات میں ملک کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ جنوب مغربی ہند میں مرہٹوں اور پنجاب و سرحد میں سکھوں کے تسلط کا حال آپ پڑھ چکے ہیں۔ راجستھان کے راجے مہاراجے اپنی اپنی ریاستوں میں مطلق العنانی کا پرچم لہرانے لگے اور سب سے بڑھ کر تاجروں کے بھیس میں انگریز سامراجیوں نے مدراس' اڑیسہ' بنگال' بہار سے لے کر دہلی تک اپنے آہنی پنجے گاڑنے شروع کر دیئے۔ انجام کار بہتر منصوبہ بندی' وافر مقدار میں جدید اسلحہ' جاگیرداروں کے تعاون اور اپنی مکارانہ حکمت عملی کے زور پر وہ پورے ملک کے حکمران بن گئے۔

انگریزوں کی ہوس ملک گیری اور حرص زر اندوزی کی راہ میں سب سے بڑی مزاحمت مسلمانوں نے ہی پیش کی تھی اگرچہ بعض مقامات پر ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا مگر انگریز کے دل میں مسلمانوں کے خلاف جو کینہ' تعصب اور عناد ازل

سے جاگزیں تھا وہ 1857ء میں بے پناہ ظلم و ستم' بے محابا قتل و غارتگری اور خواتین کی شرمناک بے حرمتی کی صورت میں اس وحشیانہ انداز میں رونما ہوا کہ خود برطانیہ میں کئی منصف مزاج انگریز صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہو گئے اور کہا "اس بربریت کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔"

نواب سراج الدولہ' شیر دکن ٹیپو سلطان' تیتو میر' رانی لکشمی بائی آف جھانسی' حضرت محل آف اودھ' نانا صاحب مرہٹہ اور موپلوں جیسے سرفروشوں کی جنگ آزادی کے نتائج سے ہندوؤں کی طرح اکثر مسلمان جاگیرداروں اور زمینداروں نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ انگریزوں کے خلاف اب کوئی محاذ آرائی کامیاب نہیں ہو سکتی اس لئے انہوں نے انگریزوں کی حمایت میں اپنی نجی فوج کے ساتھ ملک و ملت کے جان نثاروں کو کچلنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن اس کے باوجود انگریز کا دل مسلمانوں کی طرف سے کبھی صاف نہ ہوا وہ مسلمانوں سے ہمیشہ بدظن رہے حتیٰ کہ 1857ء کی جنگ آزادی کے 90 سال بعد 1947ء میں خاموش ڈپلومیسی کے ذریعے ریڈ کلف ایوارڈ اور لارڈ مونٹ بیٹن کی مسلمان کش اور پاکستان دشمن پالیسی کے تحت پنجاب کی غیر منصفانہ تقسیم کی گئی۔ مسلم اکثریت کا ضلع گورداسپور جو 14 اگست کو پاکستان کو دیا جا چکا تھا۔ 19 اگست کو ہندوستان کے حوالے کر کے جموں و کشمیر بھارت کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام اور لوٹ مار ہمارے سامنے کے واقعات ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

یہ تعارفی تذکرہ نفس مضمون کی مناسبت سے ضروری تھا۔ آمدم برسر مطلبؑ ملک کے دوسرے نوابوں اور جاگیرداروں کی طرح یوپی کے کمبوہ جاگیرداروں نے بھی حسب استطاعت انگریز کی بھرپور مدد کی۔ مثلاً مسٹرولسن کے مطابق مراد آباد کے شیخ تاج دین کمبوہ نے باغی فوج کو دریائے رام گنگا کے کنارے پر روک کر ان کے سردار کو ہلاک کر دیا اور مراد آباد کو لٹنے سے بچا لیا۔ مارہرہ کی مکمل حفاظت اور اندرونی امن کا سہرا ایک متمول امیر چوہدری حمایت حسن کے سر ہے۔ اسی طرح نواب مبارک علی خاں کے فرزند نواب احمد اللہ نے بھی انگریز دشمن فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ دوسرے کئی کمبوہ حضرات نے بھی انگریزوں کی "شائستہ خدمات" انجام دیں۔ جن کے عوض میں سنبھل'

مراد آباد' مارہرہ' بریلی' میرٹھ' بدایوں وغیرہ کے کمبوہوں کو انگریزی عہد میں اچھے عہدوں سے نوازا گیا۔ یہی شیخ تاج دین پہلے تحصیلدار مقرر ہوئے اور ترقی کر کے آخر ڈپٹی کلکٹر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ منشی رضا حسین ایم اے گورنر صوبہ یوپی کے میر منشی رہے۔ نواب فرحت اندیش خاں نے انگریز جنرل گلاسپن کی ماتحتی میں 1819ء کی گورکھا جنگ میں بہادرانہ کارنامہ دکھایا تھا وہ مظفر نگر میں تحصیلدار رہے ان کے فرزند نواب مبارک علی خاں (مؤلف کمالات عزیزی' ردِّ شیعہ اور رسالہ مبارک) تحصیلدار بھرتی ہوئے' مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد 1857ء میں ریٹائر ہوگئے اور میرٹھ میں آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ ان کے فرزند احمد اللہ خاں پہلے محکمہ نمک میں اسسٹنٹ پرمٹ آفیسر بھرتی ہوئے ترقی کر کے پٹرول آفیسر. مشاہرہ چار سو روپے مقرر ہوئے۔ 1877ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد میرٹھ میں آنریری سپیشل مجسٹریٹ مقرر ہوئے اور 1885ء میں حکومت کی طرف سے نواب کا خطاب ملا۔ ان کے فرزند اسد اللہ خاں محکمہ نمک میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل بورڈ کے وائس پریذیڈنٹ رہے پہلے خان بہادر اور پھر ملکہ وکٹوریہ کے حکم سے نواب کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بھائی اسلام اللہ خاں پہلے ہندوستانی تھے جس نے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدہ تک ترقی پائی اور نواب کا خطاب حاصل کیا آپ نے پنجاب اور یوپی کے بہت سے اضلاع میں خدمات انجام دیں۔ ان کے ایک اور بھائی سیف اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر ہوئے جبکہ ہمشیر زادہ حاجی انعام اللہ خاں نے سماجی اور فلاحی کاموں کی طرف توجہ دی۔ مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے مینجر تھے۔ شہر کے دوسرے کئی اداروں سے بھی منسلک رہے۔ (75)

(75) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس زمانے میں ہندوستانیوں کے لئے ڈپٹی کلکٹر ہو جانا سب سے بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا ورنہ بہت کم ہندوستانی تحصیلدار سے اوپر ترقی کر پاتے تھے۔ پولیس میں سب انسپکٹر اور سارجنٹ تک انگریز ہوا کرتے تھے ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدے پر کسی ہندوستانی کا فائز ہونا تقریباً ناممکنات میں سے ہوتا تھا۔ مسلمانوں کے لئے ملازمت کا حصول سخت دشوار تھا۔ کلرک جس کی تنخواہ دس پندرہ روپے ماہانہ ہوتی تھی اچھا خاص اہل کار سمجھا جاتا تھا۔

میرٹھ کے نوابوں میں صواب اندیش خاں نے میرٹھ پر انگریزوں کا قبضہ ہونے میں مدد دی تھی جس کے صلہ میں دو ہزار چار سو کی جاگیر عطا ہوئی۔ ان کے عزیزوں میں حاجی ممتاز علی پہلے کلکتہ میں انگریز گورنر جنرل کے دربار میں واجد علی شاہ حاکم اودھ کے سفیر رہے' اودھ پر انگریزی قبضہ کے بعد اٹاوہ میں سپیشل مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ ان کے بڑے بیٹے خان بہادر محمد صدیق خاں ڈپٹی مجسٹریٹ اور انجینئر محکمہ انہار اور بعد میں چیف انجینئر ریاست حیدر آباد رہے۔ دوسرے فرزند خان بہادر محمد روح اللہ مخیر اور سماجی رہنما تھے' سکول قائم کر کے اپنے والد سے سکول کے نام ایک جائیداد وقف کرائی' اٹاوہ کے مجسٹریٹ او . میونسپلٹی کے وائس پریذیڈنٹ رہے۔ حکومت نے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔ اس خاندان سے حافظ ظہور الاسلام' محمد صاحب علی خاں اور غازی الدین حسین خاں صوبجات متحدہ میں ڈپٹی کلکٹر کے طور پر متعین رہے۔

حکیم الملک امام الدین خاں کے پوتے حکیم بو علی خاں ایک عالم فاضل طبیب تھے۔ سرکاری ملازمت میں آئے تو ضلع باندہ (یوپی) میں کوتوال' نائب تحصیلدار اور تحصیلدار کے عہدوں پر کام کیا پھر استعفیٰ دے کر میرٹھ میں وکالت کی یہ کمبوہوں میں سب سے پہلے وکیل تھے۔ ان کے فرزند امجد علی خاں ڈپٹی کلکٹر تھے اور پوتے مسٹر حامد علی خاں بیرسٹر لکھنؤ ملک کے نامور قانون دان تھے۔ 1885ء میں بار ایٹ لا کیا اس طرح ان کو بھی کمبوہوں میں سب سے پہلے بیرسٹر بننے کا اعزاز حاصل ہے۔ منشی امام الدین تین سالم گاؤں کے مالک معزز جاگیردار تھے' مراد آباد میں ڈپٹی کلکٹر رہے۔

مولوی مظہر اللہ ریاست حیدر آباد دکن میں اسسٹنٹ ہوم سیکرٹری تھے۔ اس خاندان کے حکیم عنایت حسین مارہروی ایک معزز شخصیت تھے ان کی فارسی تصانیف کاشف الاخبار' آثار احمدی اور کمبوہ برادری کے مشاہیر پر کتاب "سلسلۂ عالیہ" بہت مشہور ہیں' ان کے پڑپوتے شیخ فیض احمد محکمہ نمک میں سب انسپکٹر تھے۔ انہوں نے تاریخی شخصیات کی سوانح پر مشتمل کتاب 'المشاہیر' لکھی جس میں سلسلہ عالیہ سے بھی کافی مضامین کا ترجمہ کیا۔ ان کے فرزند حسین احمد نے بھی ایک کتاب "خاندان زبیری کنبوی' لکھی ان تینوں کتابوں کا الگ ذکر کیا گیا ہے۔

خیر اندیش خاں ثانی کے خاندان سے بریلی کے جاگیردار الطاف علی خاں ایک مقتدر



اسلامیہ مبوتی ہائی سکول مالیر کوٹلہ کا ایک حصہ



عیدگاہ مالیر کوٹلہ کا اندرونی عقبی منظر



لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمود احمد اختر راولپنڈی



بریگیڈیئر نجیب احمد شہید (بھیرہ)



بریگیڈیئر (ر) مختار الحق چوہدری۔ لاہور



لیفٹیننٹ کرنل عبدالخالق نوید راولپنڈی



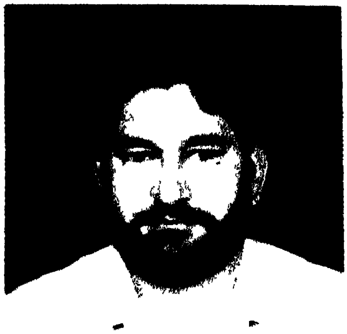
ونگ کمانڈر ڈاکٹر داؤد راشد (ایئر فورس)



سکواڈرن لیڈر عارف بشیر (ایئر فورس)



میجر (ر) تنویر چوہدری راولپنڈی



میجر ڈاکٹر نسیم سعود احمد (آرمی)



تجمل اقبال کمبوہ (جج خصوصی عدالت) فیصل آباد



بدرالدین شہید (1965ء) واہگہ محاذ



چوہدری محمد انور Adv گوجرانوالہ



چوہدری محمد حنیف Adv لاہور



وقار الدولہ وقار الملک نواب مشتاق حسین



خانوادہ نواب وقار الملک کی باوقار خاتون پرنسپل محترمہ عذرا امتیاز

رئیس تھے۔ اس زمانہ کے تخمینہ کے مطابق ان کی جاگیر کی آمدنی تقریباً اسی ہزار روپے تھی جو آج کے حساب سے کروڑوں میں بنتی ہے۔

نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین 24 مارچ 1841ء کو ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق شاہ جہاں بادشاہ کے دیوان تن شیخ عبدالمومن کے خاندان سے تھا جو سنبھل کے ایک ممتاز اور سرکردہ رئیس تھے۔ انجینئرنگ کالج رڑکی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد محکمہ ریونیو میں ملازمت کو ترجیح دی۔ ان کے پھوپھا مراد آباد میں ڈپٹی کلکٹر تھے انہوں نے ہر ممکن مدد کی۔ پندرہ روپے مشاہرہ کی ملازمت سے آغاز کر کے مختلف مدارج طے کئے 1860ء میں سرسید احمد خاں سے سرکاری ملازمت کے دوران میں رابطہ ہوا تو انہوں نے جوہر قابل سمجھ کر ریاست حیدر آباد دکن میں ملازمت دلوا دی جہاں ان کو اپنی خداداد قابلیت کے اظہار کے مواقع میسر آئے۔ محکمہ عدالت میں مفوضہ فرائض کی بجا آوری کے دوران میں نہایت مفید اصلاحات نافذ کرا کے عدالتوں کا وقار بلند اور عوام کا اعتماد بحال کیا۔ کچھ عرصہ لاء سیکرٹری رہے پھر محکمہ ریونیو میں انقلابی اصلاحات نافذ کرائیں جن سے ایک طرف ریاستی محاصل میں اضافہ اور دوسری طرف رعایا میں خوشحالی پیدا ہوئی۔ نئے صوبہ ورنگل کی تشکیل پر اس کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ صرف چار سال کے عرصہ میں صوبہ کو ہر شعبہ میں ایسی ترقی نصیب ہوئی جو دوسرے صوبوں کے لئے قابل تقلید قرار پائی۔ حکومت نے اس مثالی کارکردگی پر نواب انتصار جنگ بہادر کا خطاب مرحمت فرمایا۔

اس کے بعد حضور نظام دکن کے خاص حکم پر ریونیو سیکرٹری مقرر ہوئے۔ آخر میں نواب بشیر الدولہ سر آسمان جاہ وزیراعظم کے مشیر خاص، سیکرٹری اور پرسنل اسسٹنٹ کے طور پر تقرر عمل میں آیا۔ اس زمانہ میں نواب صاحب کی ذات ریاست میں ہر قسم کے اقتدار کا مرکز و محور تھی۔ 9 دسمبر 1890ء کو وقار الدولہ، وقار الملک کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ان کی نیک نیتی، ریاست سے وفاداری اور خلوص کے باعث حاسد مخالفین کا ایک گروہ در پردہ سازشیں کرنے لگا۔ آپ ریاستی سیاست میں الجھنے کی بجائے 20 اکتوبر 1892ء کو حیدر آباد سے مستعفی ہو کر سرسید احمد خاں کے دست راست کی حیثیت سے ایم اے او کالج علی گڑھ کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔

آپ ہندوؤں کے معاندانہ رویہ اور انگریز کی مکاری سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ مسلمان اکابرین و عمائدین خاص کر سر آغاخاں' نواب سلیم اللہ خاں آف ڈھاکہ' سر محمد شفیع آف لاہور وغیرہ کے ساتھ مل کر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس منعقدہ کلکتہ 28 تا 30 دسمبر 1906ء کے اختتام پر ایک سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ تاسیسی اجلاس کی صدارت نواب صاحب کو سونپی گئی آپ کا اولیں خطبہ صدارت ایک اہم تاریخی دستاویز ہے جس نے بحیثیت قوم مسلمانوں کی قسمت کا دھارا بدل دیا۔ اور دو قومی نظریہ کی بنیاد رکھ دی گئی۔ لیگ کے آئین کی تیاری اور ملک میں ٹھوس تنظیم سازی کے پیش نظر نواب صاحب کو آنریری سیکرٹری مقرر کیا گیا۔ 1907ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ کے آنریری سیکرٹری منتخب ہوئے تو مسلم لیگ کی سیکرٹری شپ سے مستعفی ہو گئے۔ 1908ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی نواب کا خطاب عطا کیا۔ 1912ء میں خرابی صحت کی بنا پر علی گڑھ کی سیکرٹری شپ سے علیحدہ ہو گئے۔ تاہم علیگڑھ اور مسلم لیگ سے وابستگی قائم رکھی 1913ء میں مولانا محمد علی جوہر کی وساطت سے مسٹر محمد علی جناح کو کانگریس سے نکال کر مسلم لیگ میں لانا ان کی مردم شناسی کا بڑا کارنامہ تھا۔ آخر طویل علالت کے بعد 27 جنوری 1917ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے محمد احمد بیرسٹر نے مدراس میں وکالت شروع کی مگر عین عنفوان شباب میں ان کا انتقال ہو گیا دوسرے صاحبزادے مشتاق احمد نے بھی آکسفورڈ سے تعلیم حاصل کی۔ دسمبر 1983ء میں ان کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ (76)

ڈاکٹر سرضیاء الدین احمد : مشہور ماہر تعلیم' مستند ریاضی دان' بہترین منتظم اور مخلص و بے لوث سیاستدان' لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر سرضیاء الدین احمد خواجہ حسن ملتانی کے اخلاف میں سے تھے۔ سن پیدائش 1877ء ہے 1895ء میں علی گڑھ کالج

---

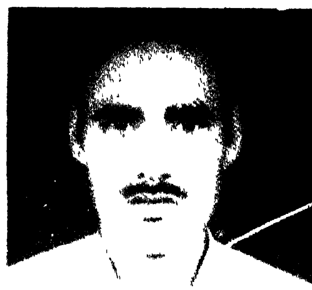
(76) تاریخ کبوہاں ص 204 پر شاید کتابت کی غلطی سے لکھا گیا ہے کہ "نواب صاحب کے اولاد نرینہ نہ تھی اور وہ 1900ء میں فوت ہو گئے تھے" ان کا سن وفات 1917ء ہے۔ ان کے دو صاحبزادے محمد احمد اور مشتاق احمد تھے مشتاق احمد صاحب سے مؤلف کی کئی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ ان کی تحریر کا نمونہ شامل ہے۔



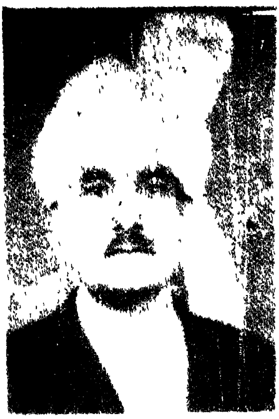
سکواڈرن لیڈر فرخ عزیز مرحوم



لیفٹیننٹ سجاد احمد شہید (غازی آبدوز)



چوہدری منظور احمد (لوٹ پنڈی داس)



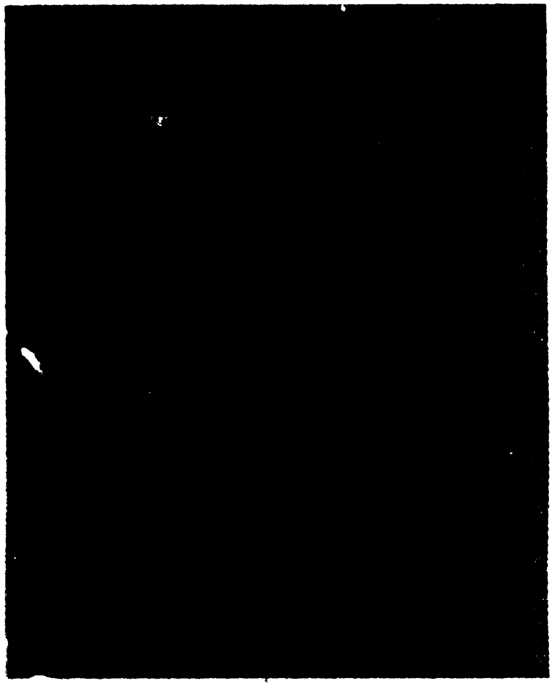
چوہدری غلام صادق مرحوم فاروق آباد



محمد عمران لمبوہ سکھیکی



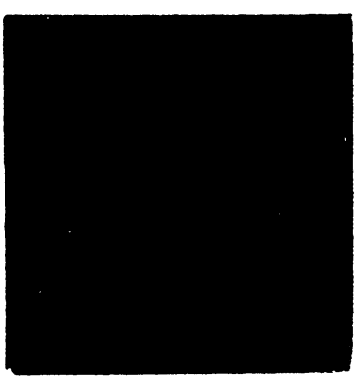
چوہدری غلام نبی ملتان



ڈاکٹر سرضیاء الدین احمد وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ



چوہدری بشیر احمد خاور ایڈووکیٹ خانیوال



ہز میجسٹی نروتم سہانوک شہنشاہ کمپوچیا

سے گریجویشن کی۔ 1897ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے اور 1898ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے ریاضی میں فرسٹ ڈویژن اور 1901ء میں ریاضی میں .D.Sc فرسٹ کلاس کی ڈگری حاصل کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے برطانیہ تشریف لے گئے۔ 1903ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ بہترین کارکردگی پر سر آئزک نیوٹن سکالرشپ ملا۔ 1905ء میں جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی تشنگیٔ شوق ان کو پیرس یونیورسٹی اور بولوگنا یونیورسٹی (اٹلی) لے گئی۔ اس طرح علوم کے ان سرچشموں سے فیض یاب ہونے کے بعد 1905ء میں علی گڑھ تشریف لے آئے۔ یہاں وہ لیکچرر، پروفیسر، پرنسپل، پرووائس چانسلر، وائس چانسلر (77) اور ریکٹر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ ایم اے او کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلانا اور آخر میں انجینئرنگ اور میڈیکل کالج کا قیام آپ کی مساعیٔ جمیلہ کا مرہون منت ہے۔

مقام تاسف ہے کہ پاکستان میں مسلم لیگ کے نام پر اپنی اپنی سیاست کی دکان سجانے والے تقریباً نصف درجن اکابرین، میں سے کسی ایک نے بھی مسلم لیگ کے بانی۔ تاسیسی اجلاس (1906ء) کے صدر اور پہلے آنریری سیکرٹری نواب وقارالملک کی کوئی یادگار قائم نہیں کی۔ کراچی کے علیگیرین کی مساعی قابل تحسین ہیں کہ نہ صرف کراچی کی ایک معروف و مصروف سڑک کا نام ضیاء الدین احمد روڈ رکھ کر ان سے اظہار عقیدت کیا ہے بلکہ سرضیاء الدین میموریل ہسپتال اور سرضیاء الدین میڈیکل کالج کے علاوہ پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کر کے ڈاکٹر صاحب کا نام زندہ جاوید کر دیا ہے۔ یہ تینوں ادارے سرضیاء الدین احمد میڈیکل یونیورسٹی کے زیر اہتمام قوم و ملک کی گراں قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

---

(77) تاریخ کمبوہاں (مطبوعہ 1972ء) ص 215 اور 268 پر ڈاکٹر صاحب کو مسلم یونیورسٹی نے پرووائس چانسلر لکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے 1928ء میں اس منصب سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ 1935ء تا 1938ء، 1941ء تا 1944ء اور 1944ء تا 1946ء تقریباً دس سال وائس چانسلر رہے۔ آخر میں یونیورسٹی کے ریکٹر مقرر ہوئے۔

سیاست کے میدان میں بھی اس مرد مجاہد نے اپنا علم بلند رکھا۔ 1919ء اور 1922ء میں یوپی کی صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس کے بعد 1930ء سے 1947ء تک مسلسل ہندوستان کی مرکزی اسمبلی کے رکن رہے۔ 1938ء میں مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے پارلیمانی سیکرٹری اور 1946ء میں چیف و ہپ مقرر ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ نے ڈاکٹر صاحب کو حکومت پاکستان کا مشیر تعلیم مقرر کر کے اس اسلامی اور نظریاتی مملکت کے شایان شان جامع تعلیمی پالیسی مرتب کرنے کا فریضہ سونپا۔ مغربی ممالک کی تعلیمی ترقیات کا جائزہ لینے کے لئے آپ یورپ تشریف لے گئے' فرانس کا مطالعاتی دورہ ختم کر کے لندن جا رہے تھے کہ فالج کا حملہ جان لیوا ثابت ہوا۔ 23 دسمبر 1947ء کو یہ آفتاب علم و دانش ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ مادر علمی سے وابستگی کا عالم ملاحظہ ہو کہ آخری آرامگاہ بھی علی گڑھ یونیورسٹی ہی نصیب ہوئی۔

آپ نے 1945ء میں راقم کے ایک خط کے جواب میں لکھا "آپ کا دلچسپ خط نواب محمد یامین خاں کو بھی دکھایا ہے دہلی میں کچھ سکھ کمبوہوں سے بھی ملاقات ہوئی ہے۔ اگر یوپی اور پنجاب کے عمائدین کی مشترکہ کانفرنس کے انعقاد کا اہتمام کیا جائے تو تمام مسائل پر تبادلہ خیال کر کے مستقبل کا لائحہ عمل مرتب ہو سکتا ہے۔" اوائل 1947ء میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے ایک جامع اور مستند قومی تاریخ مرتب کرنے کی تجویز بھی دی۔ واللہ اعلم کہ ناچیز مؤلف کی یہ حقیر سی پیشکش تائیدایزدی سے ڈاکٹر صاحب کے خواب کی تعبیراور فرمودات کی تعمیل و تکمیل ہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بھائی رشیدالدین مالیرکوٹلہ میں انجینئر تھے۔ ان کے قریبی عزیز مولانا محمد بشیرالدین احمد مشہور صحافی' مصنف اور سماجی رہنما تھے۔ اخبار البشیر اٹاوہ کے ایڈیٹر اور مالک نیز مسلم ہائی سکول کے بانی اور مینجر تھے۔ نواب وقار الملک اور کئی دوسرے خاندانوں کی طرح ڈاکٹر صاحب کا خاندان بھی دعویٰ زبیریت کا قائل نہ تھا۔ ان سب کو اپنے ہندی الاصل ہونے پر فخر تھا اور وہ حسب موقعہ اس کا اظہار بھی کرتے رہے تھے۔

بے انصافی ہو گی اگر ہم' چلتے چلتے' یہاں سرخ وسپید رنگت کے خوبرو' خوش لباس اور خوش گفتار' شعلۂ جوالہ' علی گڑھ کالج کے مقبول ترین طالب علم' جواں

مرگ مسعود حسین کمبوہ کا ذکر نہ کریں۔ مرحوم جو اپنے رنگ ڈھنگ اور انگریزی زبان پر عبور کی وجہ سے مسعود ٹائی کے نام سے مشہور تھا۔ پورے کالج کی آنکھوں کا تارا اور محافل کی شان تھا۔ علی گڑھ کے طلبائے قدیم تاحیات اس ہونہار ساتھی کو نہیں بھلا سکے۔ مسعود کی شخصیت کو سمجھنے کے لئے خان بہادر حکیم احمد شجاع کا ایک جملہ پیش ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ "ان کے دماغ کی جدت آفرینیاں' تخیل کی کارفرمائیاں' حرکات و سکنات کی بوقلمونیاں اور خلوت و جلوت میں ہنگامہ آرائیاں علی گڑھ ہی نہیں بلکہ سارے یو پی میں الف لیلیٰ کے افسانوں سے زیادہ مشہور ہیں۔" (نوائے کمبوہ۔ فروری ۱۹۹۵ء)

نواب سر محمد یامین خاں: یوپی کو بجا طور پر مردم خیز خطہ کہا جاتا ہے اس صوبہ کی آبادی پورے پاکستان سے زیادہ ہے اس سرزمین نے چمنستان علم و فن اور خار زار سیاست کو بہت سے عظیم انسان (مہاپرش) مہیا کئے۔ ان میں کمبوہ قوم کا حصہ کسی سے کم نہیں۔ میرٹھ کے نواب سر محمد یامین خاں بارایٹ لاء ان نابغہ روزگار شخصیتوں کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ ایک ماہر قانون بیرسٹر' سلجھے ہوئے پارلیمنٹیرین' پختہ کار سیاست دان اور مسلم لیگ کے چوٹی کے رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کی سماجی اور قانونی خدمات کے صلہ میں حکومت برطانیہ نے آپ کو Knight-hood یعنی سر کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ انڈیا کی لیجسلیٹو کونسل کے ڈپٹی پریذیڈنٹ' قائداعظمؒ کے با اعتماد ساتھی اور آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کراچی تشریف لے آئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔

نواب صاحب کے بھائی چوہدری محمد یاسین خاں بھی ایک مقتدر شخصیت تھے آپ نے بھارت کے کئی اضلاع میں جج کے فرائض انجام دیئے۔ قیام پاکستان کے بعد نواب صاحب کے ساتھ ناظم آباد کراچی میں سکونت اختیار کی۔

یوپی سے پاکستان آنے والے کمبوہ حضرات کے مزید تذکرہ سے پہلے ہم قارئین کو ایک عظیم عالم دین کمبوہ بزرگ سے متعارف کراتے ہیں۔

علامہ اعزاز علی: آپ کو علمائے دیو بند میں بلند مقام حاصل ہے۔ اعزاز العلماء اور شیخ الادب کے القاب سے ملقب ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں جید علماء خصوصاً" حضرت

شیخ الہند مولانا محمود حسن (اسیر فرنگ)' مولانا عبدالحق اور مفتی کفایت اللہ اور تلامذہ میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی۔ مولانا مفتی محمد شفیع (مفتی پاکستان)' مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا قاری محمد طیب جیسے نامور علمائے کرام شامل ہیں۔ 1874ھ میں وفات پائی اور مدرسہ دارالعلوم دیو بند کے متصل "قطعہ پاکیزگاں" میں مدفون ہیں۔

یوپی کے مسلمانوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یوپی بھارت کا حصہ رہے گا اور رام راجیہ عہد میں ظلم و ستم کا سب سے زیادہ نشانہ مسلمان ہی بنیں گے پاکستان کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ تاریخ گواہ ہے کہ یوپی کے کمبوہ' غریب ہوں یا امیر' پورا عرصہ اس تحریک میں پیش پیش رہے۔ اگر ایک طرف کمبوہ بزرگ' سیاستدان اور صاحب ثروت لوگ سرگرم عمل تھے تو دوسری طرف نوجوان طلبہ کے حلقہ میں پورا ہندوستان نعمان زبیری' جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن جیسا کوئی دوسرا شعلہ بیان مقرر' جری اور بیباک طالب علم لیڈر پیدا نہ کر سکا جس نے ہندوستان کے تمام صوبوں کے دورے کر کے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لینے کے لئے مسلمان طلبہ کو منظم کیا۔ یوپی کے کمبوہ نوابوں' جاگیرداروں' زمینداروں اور اعلیٰ مرتبت افسروں نے اپنے محلات' وسیع حویلیوں اور عالی شان مکانات کو خیرباد کہہ کر پاکستان میں از سر نو عام زندگی بسر کرنے کو ترجیح دی۔ اسی طرح قوم کا متوسط طبقہ بھی اپنا سب کچھ قربان کر کے کراچی اور حیدر آباد سندھ وغیرہ میں آ کر آباد ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرات اپنی کشتیاں جلا کر آئے تھے مگر مملکت خداداد پاکستان نے ان کو ذہنی سکون اور عزت و آبرو سے سرفراز کیا' ساتھ ہی ان کو کمتر ہی سہی حتی المقدور مادی فوائد بھی حاصل ہوئے۔

ہمیں حیدر آباد دکن اور یوپی کے مختلف اضلاع سے پاکستان میں آ کر آباد ہونے والے کم و بیش ڈیڑھ سو ایسے معزز حضرات کا علم ہے۔ جو ہندوستانی معاشرہ میں اچھے خاصے بلند مرتبت تھے۔ ان میں سے چند کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ یہ کوائف کافی عرصہ پہلے حاصل کئے گئے تھے اس لئے طویل مدت گزرنے کے بعد کئی اصحاب ملازمت کے علاوہ شاید زندگی سے بھی ریٹائر ہو چکے ہوں گے' بہت سوں کے مدارج میں ترقی ہو گئی ہوگی۔ کراچی کے ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے ہم تازہ ترین معلومات حاصل کرنے

میں کامیاب نہیں ہو سکے بلکہ نژادِ نو کے متعلق ہماری معلومات تقریباً" صفر کے برابر ہیں کیونکہ زبیری ایسوسی ایشن کے اکثر افراد یا تو کراچی سے نقل مکانی کر گئے ہیں یا اپنے مکان تبدیل کر کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ ذیل کے تذکرہ میں بعض مرحومین' ریٹائرڈ اور برسرکار بھی شامل ہیں۔

حبیب حسن خان آف میرٹھ متحدہ ہندوستان میں اقوام متحدہ کی تنظیم ILO کی انڈین برانچ میں متعین ہونے والے پہلے مسلمان ممبر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد لائلپور کاٹن ملز میں سیلز مینجر رہے ان کے بھائی آفتاب حسین خاں مشروب ساز ادارہ شاہی باٹلرز لاہور میں اکاؤنٹنٹ تھے۔

حیدر آباد دکن کے چیف انجینئر خان بہادر مولوی محمد صدیق خاں کا ذکر اوپر میرٹھ کے نوابوں میں آچکا ہے ان کے صاحبزادے مقبول احمد خاں یوپی میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ کافی عرصہ تک ڈویژنل کمشنر رہنے کے بعد ریٹائر ہو کر کراچی آگئے۔ دوسری طرف سے خان بہادر اسلام نبی خاں آف میرٹھ خاندانی رئیس تھے۔ کافی مدت تک انڈیا میں ڈویژنل کمشنر تعینات رہے پاکستان بننے کے بعد پیر الٰہی بخش کالونی میں آباد ہو گئے۔ ان کے بھائی' اسلام حیدر خاں پاکستان نیوی میں انجینئر تھے۔ تیسرے بھائی اسلام حبیب خاں نے انگلینڈ سے اکاؤنٹس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ان کا شمار پاکستان کے اولیں چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس میں ہوتا ہے۔

اسلام مجید خاں: حیدر آباد دکن میں جج تھے۔ ریاست پر بھارتی فوجی قبضہ کے بعد پاکستان آگئے۔ ابتدا میں کوہاٹ میں ڈپٹی کسٹوڈین مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مختلف سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔

خان احمد مبین خاں: تعلق میرٹھ سے تھا۔ 1947ء سے پہلے انڈین ریلوے سروس میں تھے۔ بعد میں پاکستان ریلوے سے وابستہ ہو گئے۔ ریلوے ہیڈ کوارٹر لاہور میں چیف اکاؤنٹس آفیسر اور فنانشل ایڈوائزر رہے۔ برادری سے بہت محبت تھی۔ کمبوہ ایسوسی ایٹس لاہور کے قیام میں آپ نے پورا تعاون کیا۔

مولوی محمد احمد حیدر آباد دکن میں پوسٹ ماسٹر جنرل تھے۔ ان کے بڑے

صاحبزادے اسد احمد سی ایس پی پہلے فنانس ڈیپارٹمنٹ میں ڈپٹی سیکرٹری تھے۔ امریکہ سے ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد جائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ان کے بھائی خالد احمد پی آئی اے میں پائلٹ آفیسر تھے۔

چوہدری امتزاج حسین خاں: کوئٹہ میں ڈائریکٹر آف انڈسٹریز تھے۔

معراج حسین خاں کا تعلق بھی میرٹھ سے ہے آپ کا شمار ملک کے انتہائی دیانتدار اور فرض شناس پولیس افسران میں ہوتا تھا۔ ڈی آئی جی (سی آئی ڈی)، ممبر معائنہ ٹیم گورنر پنجاب اور پاکستان انسداد منشیات بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے آپ کی مثالی کارکردگی کے سب حلقے معترف تھے۔

محمد اسماعیل خاں ولد چودھری محمد صالح ہندوستان کے محکمہ خارجہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری تھے۔ اس زمانے میں کسی مسلمان کا اس اہم عہدے تک پہنچنا کارے دارد والا معاملہ ہوتا تھا۔ پاکستان بننے پر ریٹائر ہو گئے۔ خان بہادر معبد اللہ خاں محکمہ ڈاک خانہ جات میں بڑے نیک نام افسر تھے پنجاب اور سندھ کے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ارشاد حسین خاں کے خاندان کا شمار بریلی کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ آپ محکمہ ڈاک خانہ جات میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ زیادہ عرصہ سندھ میں گزارا۔

مسرت حسین زبیری سر زمین مارہرہ کی ایسی پر بہار شخصیت تھے جو محتاج تعارف نہیں۔ متحدہ ہندوستان کے آخری مرکزی سیکرٹریٹ میں صرف دو مسلمان، سیکرٹری کے عہدے پر فائز تھے ان میں سے ایک مسرت حسین صاحب وزارت مواصلات کے سیکرٹری اور دونوں ملکوں میں اثاثوں کی تقسیم کے کمیشن کے رکن تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی کابینہ میں سردار عبدالرب نشتر مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے وزیر مواصلات تھے۔ نشتر صاحب زبیری صاحب کی صلاحیتوں کے بڑے مداح تھے۔ بعد میں زبیری صاحب نے صوبہ سرحد کے ریونیو اور فنانشل کمشنر، پشاور اور بہاولپور ڈویژن کے کمشنر، محکمہ قدرتی وسائل اور واپڈا کے سیکرٹری، پاکستان ایران اور ترکی کی مشترکہ ترقیاتی تنظیم۔ (آر سی ڈی، صدر دفتر انقرہ) کے سیکرٹری جنرل اور چیئرمین مناپلی کنٹرول اتھارٹی کی حیثیت سے ملک کی خدمات انجام دیں۔

آپ بڑے متحمل مزاج' نیک النفس اور غریب پرور تھے۔ قومی ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ ایک دفعہ راقم نے ان سے پشاور میں ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ گرمی کا موسم تھا میرا خط ان کو نتھیا گلی میں ملا۔ انہیں میرے ایبٹ آباد دورے کی تاریخ کا علم ہوا تو ملاقات کے لئے ایبٹ آباد تشریف لے آئے۔ دو ڈھائی گھنٹے نہایت مشفقانہ انداز' میں برادری کے مسائل بالخصوص تعلیمی پسماندگی' معاشی بدحالی' رسم و رواج کی ادائیگی میں بے اعتدالی' مرکز گریز رجحانات اور اعلیٰ اور اوسط درجہ کی سرکاری ملازمتوں میں پنجابی کمبوہوں کی تقریباً صفر فی صد پوزیشن پر تفصیل سے بات چیت کی انہیں ان تمام خرابیوں کا پورا ادراک اور بڑا دکھ تھا۔ آپ کو اس بات کا از حد افسوس تھا کہ موجودہ بیورو کریسی میں ایک بڑا عنصر کمبوہ نوجوانوں کو اول تو ملازمت میں آنے ہی نہیں دیتا اور آجائیں تو ان سے مناسب برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ آپ نے اس بات پر زیادہ زور دیا کہ فروغ تعلیم کے ساتھ تعلیم یافتہ افراد کو پی سی ایس اور سی ایس ایس کے مقابلوں کے علاوہ ملکی افواج میں بھرتی کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے۔

آپ پکے اور سچے مسلمان تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ مذہب کے حوالے سے ہمدرد دواخانہ والے حکیم محمد سعید کے آپ سے خصوصی مراسم تھے۔ آپ کے بڑے بھائی' مشہور ماہر تعلیم' پروفیسر عترت حسین زبیری سابقہ مشرقی پاکستان میں راج شاہی یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ بعد میں پاکستان کے محکمہ تعلیم میں جائنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر رہے۔

رفیق احمد زبیری مارہروی نے برطانیہ سے مواصلات میں اعلیٰ تربیت حاصل کی۔ مختلف عہدوں پر کام کیا آخر جب نیشنل شپنگ کارپوریشن کی تشکیل ہوئی تو اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے کارپوریشن کے استحکام اور ترقی میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اے اے زبیری نے وزارت تعلیم میں اہم خدمات انجام دیں۔ ملک کی تعلیمی پالیسی کی تدوین میں بڑا حصہ لیا' کئی اہم اصلاحات آپ کی مرہون منت ہیں۔ صحافت سے بھی گہرا لگاؤ ہے۔

محمد یامین زبیری قیام پاکستان کے وقت میر لائق علی وزیراعظم حیدر آباد کی کابینہ میں سینئر وزیر تھے۔ جن وزراء نے بھارتی یونین میں ریاست کی شمولیت سے انکار کر دیا تھا

ان میں آپ سرفہرست تھے۔ سقوط حیدر آباد کے بعد میر لائق علی خفیہ طور پر کراچی پہنچنے میں کامیاب ہو گئے البتہ بھارتی حکومت نے یامین زبیری کو گرفتار کر کے سزائے قید سنا دی۔ سزا بھگتنے کے بعد آپ نے کراچی آکر وکالت شروع کر دی۔

مسٹر جسٹس شوکت حسین زبیری کا شمار کراچی کے ذہین اور ممتاز وکلا میں ہوتا تھا اب وہ سندھ ہائی کورٹ کراچی کے مستقل جج ہیں۔

رفیق حسین زبیری کا تعلق روسائے بریلی سے تھا آپ وزارت خارجہ میں اعلیٰ افسر تھے۔ کئی ممالک میں خدمات انجام دیں۔ ان کے بھائی شفیق حسین خاں مرکزی وزارت خوراک سے منسلک تھے۔

نواب اسلام احمد خاں آف میرٹھ اپنے خاندان کے آخری فرد تھے جن کو نواب کا خطاب ملا تھا۔ آپ کے فرزند لیفٹیننٹ کرنل اسلام مزمل خاں نے پاک فوج میں عمدہ خدمات انجام دیں۔ کرنل اسلام انور خاں (تعلق میرٹھ سے) ریٹائرمنٹ سے قبل جنرل ہیڈ کوارٹر راولپنڈی میں تعینات تھے۔ کیپٹن انجینئر ایم ای ایس نصیر الدین احمد نے ملازمت کا زیادہ عرصہ مشرقی پاکستان میں گزارا' ریٹائر ہو کر کراچی آگئے۔

میجر محمد حسین خاں نے فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد پاکستان ہائیڈروجن گیس کمپنی میں پرسانل مینجر کے طور پر کام کیا۔

ریر ایڈمرل یو۔ سعید کو پاکستان نیوی میں نہایت اعلیٰ خدمات کی وجہ سے اہم مقام حاصل تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی انتظامی صلاحیتوں کے پیش نظر آپ کی خدمات نیشنل شپنگ کارپوریشن کے لئے حاصل کی گئیں جہاں آپ نے چیئرمین کی حیثیت سے کارپوریشن کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ آپ جنرل یحییٰ خاں کے خاص دوستوں میں سے تھے چنانچہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جب جنرل یحییٰ خاں سے چارج لیا تو فوری طور پر سب سے پہلے جن تین شخصیات کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا تھا ان میں ریر ایڈمیرل یو سعید شامل تھے جو بھٹو صاحب کی سیاسی جادو گری کے قائل نہ تھے اور ان کی پالیسی کو ملک کے لئے خطرناک سمجھتے تھے۔

سول اور فوجی خدمات کے علاوہ ہمارے ان ہجرت کر کے آنے والے بھائیوں نے نجی شعبہ میں بھی خاص کردار ادا کیا۔ مثلاً قیوم احمد لیہ شوگر ملز میں جنرل مینجر تھے۔ ان

کے بھائی اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کے داماد ڈاکٹر قیوم پاشا کراچی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ ایشیا کے چینی کے سب سے بڑے کارخانے' پریمئر شوگر ملز مردان' کی تنصیب اور کامیابی' شوگر ٹیکنالوجی کے ماہر ایک زبیری بزرگ کی شبانہ روز محنتوں کا ثمرہ ہے۔ انہوں نے کئی کمبوہ برادران کو مل میں اچھی ملازمتوں مثلاً شوگر کین مینجر' لیبر ویلفیئر آفیسر وغیرہ پر متعین کیا۔ انعام احمد نے انعام باغ اسی زمانہ میں آباد کیا اور چار سدہ میں منظور حسین خاں کمبوہ کو فارم مینجر کی اسامی ملی۔

نواب مبارک علی خاں کے پوتے ماشاء اللہ خاں جیالوجسٹ نے ملک کی معدنی دولت سے استفادہ کا منصوبہ بنا کر کام کا آغاز بلوچستان سے کیا اور اس شعبہ میں کامیابی کی بنیاد رکھی۔

مبارک حسن وارثی چیف اکاؤنٹنٹ علی گڑھ یونیورسٹی مستعفی ہو کر کراچی میں آباد ہو گئے تھے۔ عزیز الاسلام زبیری پہلے پاکستان ٹوبیکو کمپنی لاہور میں سینئر ایگزیکٹو تھے۔ مستعفی ہو کر مے فیر میں جنرل مینجر مقرر ہوئے۔ وحید احمد زبیری نے اعلیٰ تعلیم انگلینڈ سے حاصل کی مختلف اداروں' بروک بانڈ چائے کمپنی' وزیر علی انڈسٹریز' گھی کارپوریشن وغیرہ میں کلیدی عہدوں پر کام کیا۔

تعلیم کے شعبہ میں بھی بہت سے حضرات نے بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ پشاور یونیورسٹی کے ممتاز پروفیسر ہارون خاں کا تعلق مارہرہ سے تھا۔ سرور حسین خاں ڈی جے کالج کراچی میں فزکس کے نامی پروفیسر تھے۔ احمد الدین مارہروی ممتاز ماہر تعلیم' ادیب اور قومی خدمت کے جذبہ سے سرشار محب وطن ہیں۔ اردو ڈائجسٹ لاہور میں ان کے مضامین اکثر شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کا ذکر آیا ہے تو علی گڑھ یونیورسٹی کے رجسٹرار عظمت الٰہی زبیری یاد آگئے انہوں نے کمبوہ طلبہ کو ہمیشہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دلائی اور ان کی ہر ممکن مدد کی البتہ یوپی کے زبیری اور پنجاب کے کمبوہوں میں مغائرت کی خلیج پاٹنے میں جو نیک مساعی احمد الدین مارہروی جیسے وسیع المشرب بزرگوں نے شروع کیں عظمت صاحب جیسے متعصب بزرگوں نے اپنے کردار اور بیانات سے اس خلیج کو مزید گہرا کرنے کی سعی کی۔ ان کی پختہ رائے تھی کہ پنجاب کے کمبوہوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ راقم نے 1941ء اور 1945ء میں ان کے متعلق

جو رائے قائم کی تھی ان کے موجودہ بیانات سے اس کی توثیق ہوتی ہے تاہم اکثر زبیری صاحبان پنجاب کے کمبوہوں سے روابط بڑھانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

نیشنل کالج کراچی کے پرنسپل حسن عادل خاں مشہور ماہر تعلیم ہیں' (آپ کے بھائی نسیم عادل خاں ریلوے میں ٹریفک سپرنٹنڈنٹ تھے) اطہر حسین زبیری گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج مردان میں پرنسپل رہے ہیں۔

صحافت میں بھی کمبوہ کافی معروف ہیں۔ ایم۔ اے۔ زبیری (محمود احمد زبیری) کا شمار ملک کے بلند پایہ صحافیوں میں ہوتا ہے۔ آپ بزنس ریکارڈر کے ایڈیٹر ہیں' نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس اور صحافیوں کی انجمن کے صدر رہ چکے ہیں۔ نثار احمد زبیری کراچی یونیورسٹی میں شعبہ ابلاغیات میں پروفیسر تھے۔ آپ خود بھی ممتاز صحافی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے کمبوہ صحافت سے وابستہ ہیں۔

لاہور کی طرح کراچی میں بھی بہت سے کمبوہ وکلا کی صف میں شامل ہیں محمد اکرم زبیری معروف قانون دان ہیں کئی سال سندھ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ مسلم لیگ وکلاء ونگ کے صدر ہیں۔

شعر و شاعری اور ادب کی تخلیق میں کئی کمبوہ حضرات کے نام ادبی رسائل کی زینت ہوتے ہیں۔ شمس زبیری ایک قادرالکلام شاعر اور مشہور ادیب ہیں۔ مصور فطرت ڈاکٹر تاج زبیری نامور شاعر تھے۔ ان کا کلام متحدہ ہندوستان کے معروف رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے۔ بلال احمد زبیری بلند پایہ ادیب اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ناصرہ زبیری ایک ہونہار شاعرہ ہیں۔ حال ہی میں شگون نام سے ان کا شعری مجموعہ (250 صفحات) شائع ہوا ہے۔

ملک عزیز میں سیاست جس قسم کا کھیل بن چکا ہے اس میں قوم کے فہمیدہ طبقہ کی عدم دلچسپی قابل فہم ہے ہمیں صرف عابد زبیری کا علم ہے جو ایک سلجھے ہوئے نیک نام سیاستدان' گہری سوچ اور باوقار شخصیت کے مالک تھے آپ پاکستان نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے سیکرٹری اطلاعات تھے۔ پنجاب کے کمبوہوں سے یکساں محبت کرتے تھے۔

سول ایوی ایشن اتھارٹی میں احتشام الدین چیف انجینئر اور حشمت اللہ خاں اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز رہے ہیں' مسٹر حبیب جواہر' فارن کوالیفائڈ ڈاکٹر آف سائنس

اقوام متحدہ میں کام کرتے رہے ہیں کافی عرصہ کانگو (افریقہ) میں یونیسکو کے سربراہ رہے۔

بنکنگ یوپی کے کمبوہوں کا پسندیدہ شعبہ ہے اندرون ملک اور بیرون ملک بہت سے حضرات بنکوں میں اچھے عہدوں پر متمکن ہیں۔ سلیم احمد زبیری حبیب بنک لیمٹڈ اے جی زیورخ کی لندن شاخ میں چیف ایگزیکٹو وائس پریذیڈنٹ ہیں۔ غلام احمد زبیری اور روشن اختر کراچی میں اے وی پی اور ایس وی پی ہیں۔ گوہر حسین خاں پہلے نیشنل بنک آف پاکستان لندن کے مینجر تھے بعد میں اس بنک کے کراچی کے آپریشن ونگ میں سینئر وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ ان لوگوں کے علاوہ پی آئی اے میں پرسانل آفیسر' پائلٹ آفیسر' اکاؤنٹنٹ' ٹرانسپورٹ آفیسر غرض ہر شعبہ میں کمبوہ موجود ہیں۔ اسی طرح ٹیلی کمیونیکیشن' میٹروپولیٹن کارپوریشن' پورٹ ٹرسٹ' سٹیل ملز اور تقریباً ہر سرکاری اور غیر سرکاری محکمہ میں یوپی کے کمبوہ مل جاتے ہیں۔ یہاں ایک واقعہ یاد آگیا۔ کراچی میں راقم کو ایک سرکردہ زبیری بھائی نے بتایا کہ "ایک روز انہوں نے ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھا کر سرکاری اور نجی اداروں کے دفاتر میں ٹیلی فون کر کے نامعلوم الاسم "زبیری صاحب" سے بات کرنے کی درخواست کی جواب میں ہر دفتر سے کوئی نہ کوئی زبیری صاحب لائن پر آ جاتے یہ ایک حیرت انگیز تجربہ تھا بلکہ بعض دفاتر سے جواب ملتا۔ "یہاں کئی زبیری ہیں آپ کن زبیری صاحب سے بات کرنا پسند فرمائیں گے" اس طرح ہمیں بیٹھے بٹھائے کراچی کے سینکڑوں بھائیوں کے نام اور پتے حاصل ہو گئے۔"

کمبوہ خواتین نے بھی زندگی کے تقریباً تمام معروف شعبوں میں حصہ لے کر اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے ہیں۔ بالخصوص تعلیم' میڈیکل انجینئرنگ' فائن آرٹ وغیرہ کے شعبوں میں متعدد خواتین کام کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر سرور جہاں زبیری وہ محترم خاتون ہیں جن پر ملک و قوم کو بجا طور پر فخر ہے۔ 1956ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد جنرل ہسپتال برمنگھم (برطانیہ) اور لاہی کلینک بوسٹن (امریکہ) سے گیسٹرو انٹرالوجی اور ہیپا ٹولوجی میں علمی اور عملی تربیت حاصل کی۔ 1972ء میں کولمبو پلان کے تحت آپ کو امراض جگر میں مطالعہ اور تحقیق کے لئے آسٹریلیا بھیجا گیا۔ یہاں آپ نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ 1990ء میں رائل کالج

آف فزیشنز کی فیلو شپ عطا ہوئی۔

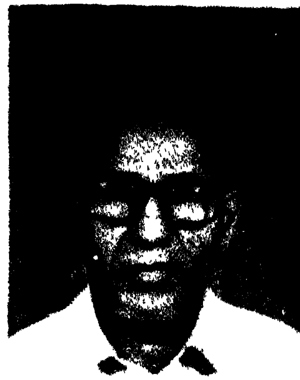
ایوارڈز کی تفصیل : (1) پاکستان اکیڈمی آف میڈیکل سائنسز کا میرٹ ایوارڈ (2) پاکستان بک کونسل کی طرف سے میڈیکل سائنس میں بین الاقوامی تصنیف پر اول ایوارڈ (3) پاکستان سٹڈی سرکل کی طرف سے "بے نظیر ٹیلنٹ ایوارڈ" (4) امراض جگر پر بہترین کارکردگی کے اعتراف میں صدر پاکستان کا پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ۔

میڈیکل رسائل کی ادارت : (1) جرنل آف میڈیکل ایسوسی ایشن 1974ء تا حال (2) پاکستان جرنل آف میڈیکل ریسرچ (1983ء سے ایڈیٹر) اور اب رکن مشاورتی بورڈ۔ (3) رکن ادارتی بورڈ جرنل آف GE & H ملبورن (آسٹریلیا)

آپ کو بہت سے طبی اداروں کی رکنیت کا اعزاز حاصل ہے: مثلاً (1) امریکن فیڈریشن آف کلینیکل ریسرچ 1970ء ' (2) برٹش ایسوسی ایشن آف سرجیکل انکولوجی 1978-82ء ' (3) بانی رکن پاکستان سوسائٹی آف جی ای اینڈ جی آئی اینڈوسکوپی اور اب 1995-97ء کے لئے صدر ' (4) امراض جگر و معدہ کی ایشین پیسیفک ایسوسی ایشن کی 1995-96ء کے لئے صدر' ایسوسی ایشن کی دسویں سالانہ سائنٹیفک میٹنگ برائے امراض جگر اور بارہویں کانگریس (جس میں سینکڑوں ملکی اور 35 غیر ملکی ماہر مندوبین شریک ہوئے) کی سرپرست ' (5) رکن انٹرنیشنل ایسوسی ایشن برائے عوارض جگر ' (6) پندرہ سال سے پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کی ٹیکنیکل کمیٹی (میڈ۔سن) کی رکن (7) صدر پاکستان میڈیکل ریسرچ کونسل از یکم اگست 1995ء' پہلے تحقیقاتی مرکز ں ڈائریکٹر تھیں (8) PMRC کی سائنٹسٹ ایمرٹس اور ڈاکٹر سرضیاء الدین پوسٹ گریجوایٹ انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کی ریسرچ ڈین رہ چکی ہیں۔

امراض جگر کی پاکستان سوسائٹی آپ کی خدمات کے اعتراف کے طور پر بہترین مقالہ لکھنے والے نوجوان ہیپاٹولوجسٹ کو ہر سال 'سرور جہاں گولڈ میڈل' دیتی ہے۔

ڈاکٹر تنویر خالد زبیری صاحبہ کراچی کی مشہور الٹراساؤنڈ سپیشلسٹ ہیں۔ رخسانہ زبیری ہونہار اور اعلیٰ صلاحیتوں کی کیمیکل انجینئر اور پاکستان انجینئرنگ کونسل کی رکن



چودھری شیر احمد PDSC



چودھری سراج دین بانی چودھری واٹر پروف

انڈسٹریز لاہور



ایم ایم رشید صاحب کراچی



میاں عبدالرحیم، رئیس اعظم، لاہور







اکٹر چوہدری اصغر علی (ایم ایس مینٹل ہسپتال)



ٔالٹہ چوہدری محمد یوسف، شیخوپورہ



،فیسر محمد ممتاز الحسن انجینئرنگ یونیورسٹی لاہو،



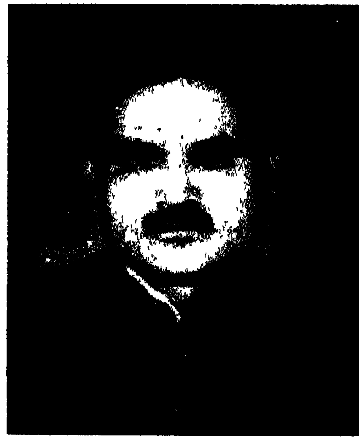
یومدری رحمن بخش ریشم ٹیکسٹائل، لاہور



محمد حہانلیہ، ایشین جوڈو کراٹے چیمپئن، لاہور



چوہدری یسین ناصر، قصور



چودھری محمد اسحاق بھلوال



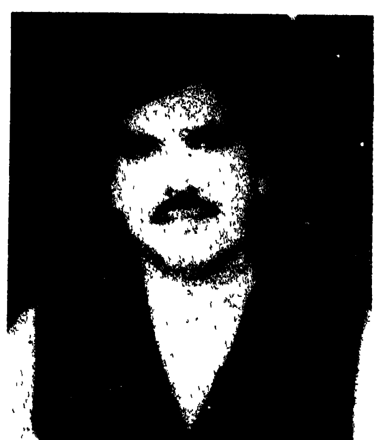
پروفیسر ڈاکٹر محبوب عالم لاہور



چودھری محمد یوسف حسن لاہور



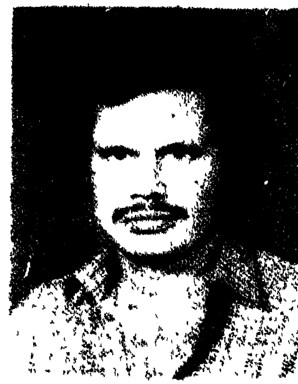
پروفیسر ڈاکٹر اختر محمود، چنڈی گڑھ



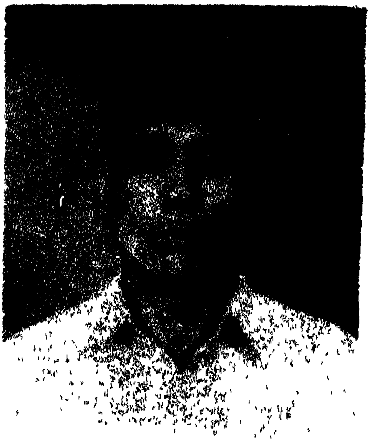
چودھری محمد یاسین قریشی، قصور



ڈاکٹر جیالال کامبوج دہلی یونیورسٹی



ڈاکٹر عبدالستار مالکی (سندھ)



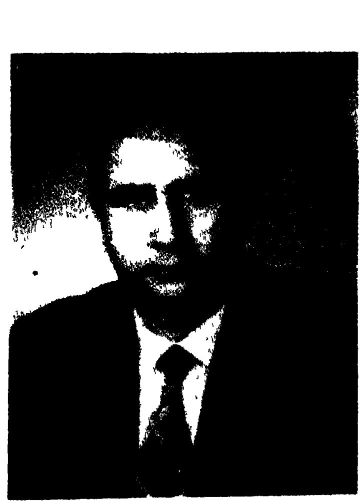
چوہدری فقیر محمد (صدر انجمن اوکاڑہ)



چوہدری محمد حسین (جگدیو) فیصل آباد



چوہدری محمد رشید (صدر انجمن لدھڑ)





ہیں۔ میڈیکل اور انجینئرنگ میں اور بھی کئی خواتین فرائض انجام دے رہی ہیں۔

رابعہ زبیری کا شمار انڈو پاکستان کے چوٹی کے مصوروں میں ہوتا ہے۔ آپ کراچی سکول آف آرٹس کی بانی ہیں' علی گڑھ یونیورسٹی سے گریجوایشن کے بعد لکھنؤ کالج آف آرٹس سے مجسمہ سازی میں ڈپلوما حاصل کیا۔ آل انڈیا یوتھ فیسٹیول میں 1960ء 1962ء اور 1963ء میں بالترتیب پہلا' دوسرا اور تیسرا انعام ملا۔ 1962ء میں آل انڈیا ویمن نمائش میں اول انعام کی حقدار قرار پائیں۔ اس کے بعد پاکستان آ گئیں 1986ء اور پھر 1987ء میں نیشنل کونسل آف آرٹس اسلام آباد میں دونوں مرتبہ دوسرا انعام حاصل کیا۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پریذیڈنٹ ہاؤس اسلام آباد میں آپ کے ساختہ دو قد آدم مجسمے نصب ہیں۔

آرٹ کے شعبہ میں مرد بھی کم نہیں۔ مقصود احمد زبیری اعلیٰ پایہ کے آرٹسٹ ہیں۔ ملک اور بیرون ملک آپ کے ایک سو سے زائد فن پاروں کی نمائشیں ہو چکی ہیں۔ انہوں نے پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ بھی حاصل کیا ہے۔

کراچی اور سندھ میں پنجاب کے کمبوہ : 1941ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق کراچی کی آبادی ڈھائی لاکھ تھی۔ 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو یہ شہر مملکت خداداد کا دارالحکومت قرار پایا۔ بھارت کے دارالسلطنت دہلی اور تمام صوبوں بالخصوص یوپی' سی پی' بمبئی وغیرہ سے مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ یہ ایک عظیم صنعتی شہر بن گیا۔ اسی طرح اندرون سندھ' بلوچستان' پنجاب اور صوبہ سرحد سے بھی لاکھوں لوگ روزگار کی تلاش میں کشاں کشاں کراچی پہنچنے لگے۔ 1994ء میں اس کی آبادی ایک کروڑ سے تجاوز کر گئی۔ بھارتی پنجاب سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں نے کبھی اپنے آپ کو مہاجر نہیں سمجھا بلکہ وہ پنجاب اور سندھ کی مقامی آبادی میں پوری طرح رچ بس گئے اور "من تو شدم تو من شدی" کی ایسی مثال قائم کی کہ مفاد پرست سندھی وڈیروں کے سوا جو پنجابیوں کے وجود سے ہی خائف ہیں کوئی انصاف پسند سندھی یا پنجابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ "من دیگرم تو دیگری۔"

ذکر کراچی سے شروع ہوا ہے اس لئے پہلے کراچی شہر اور سندھ کے دوسرے

اضلاع کے برادران کے تذکرہ کے بعد ہم پنجاب کا رخ کریں گے۔ کراچی میں پنجابی سندھی کمبوہ بھی معقول تعداد میں آباد ہیں۔ ان میں کاروباری اور ملازمت پیشہ سبھی شامل ہیں۔ کاروباری طبقہ میں سب سے پہلے پٹیالہ کے ایک تاجر چوہدری رحمت اللہ نے چاکیواڑہ میں صابر سلیم ٹیکسٹائل ملز قائم کی۔ ان کے فرزند اکبر چوہدری محمد صابر اس ادارہ کے سربراہ ہیں۔

چوہدری نواب دین ایک معروف کاروباری' سیاسی اور سماجی شخصیت ہیں۔ کراچی ایئرپورٹ پر مسافروں کی سہولت کے لئے داتا گیسٹ ہاؤس قائم کیا ساتھ ہی خار زار سیاست میں قدم رکھا اور ملت پارٹی کی بنیاد رکھی۔ پارٹی کا 99 نکاتی منشور لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر ہر بڑے شہر میں تقسیم کیا۔ جگہ جگہ پریس کانفرنس منعقد کر کے اپنے منشور کے اہم نکات کی وضاحت کی مگر ملکی نظام کے موجودہ سیٹ اپ میں ایسا یکسر انقلابی اقدام کسی سیاستدان' جاگیردار' سرمایہ دار اور بیوروکریسی کے کل پرزوں کو ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ صحافتی حلقوں میں بھی اس کی زیادہ پذیرائی نہ ہوئی چنانچہ چوہدری صاحب نے سیاست کا بھاری پتھر چوم کر چھوڑ دیا۔ کمبوہ بھائیوں کے اور بھی چند چھوٹے چھوٹے ادارے قائم ہیں لیکن سب سے عظیم کارنامہ حاجی چوہدری عبدالمجید نے انجام دیا ہے۔ وہ نابھہ مالیر کوٹلہ سے ہجرت کر کے خالی ہاتھ گوجرانوالہ میں آباد ہوئے پہلے یہاں سکریپ کا کام شروع کیا پھر ان کا بلند طالع ان کو کراچی لے گیا اور چند ہی سالوں میں آپ شپ بریکنگ (جہاز شکنی) کے شعبہ میں درخشاں آفتاب بن کر ابھرے۔ کراچی کے قریب بلوچستان کا ساحلی قصبہ گڈانی برسوں سے شپ بریکنگ کا مرکز ہے مگر اس صنعت کی ملک اور بیرون ملک شناخت کا سہرا چوہدری عبدالمجید کے سر ہے جنہوں نے اس صنعت کو بلند مقام پر پہنچا دیا۔ اس سے قبل تائیوان اس صنعت میں دنیا بھر میں سرفہرست تھا۔ چوہدری عبدالمجید کی کمپنی (ایم اینڈ ایچ) نے 1983ء میں فرانس کا بنا ہوا 35 ہزار ٹن وزنی جہاز چھ ماہ کی قلیل مدت میں توڑ کر دنیا میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس طرح شپ بریکنگ انڈسٹری میں پاکستان پہلے نمبر پر شمار ہونے لگا۔ اگرچہ بعد میں تائیوان نے معمولی فرق سے اپنا کھویا ہوا اعزاز دوبارہ حاصل کر لیا تاہم پاکستان اب بھی اس صنعت میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ چوہدری صاحب نے



دفتر اسلامیہ کمبوج ہائی سکول

سیکرٹری چوہدری محمد حیات' چوہدری محمد صدیق ہیڈ ماسٹر اور چوہدری محمد اسمٰعیل مینجر



کمبوہ کنونشن خانیوال چوہدری عباس احمد خطبہ استقبالیہ پیش کر رہے ہیں

سٹیج پر چوہدری یوسف حسن نمایاں



ڈاکٹر محمود الحسن عارف، پنجاب یونیورسٹی



چوہدری محمد اکرم صدر انجمن [illegible] پاکستان



چوہدری عبدالرزاق Adv لاہور



ڈاکٹر قمر [illegible]



چوہدری ذوالفقار علی شاہد



چوہدری نسیم احمد [illegible] کراچی

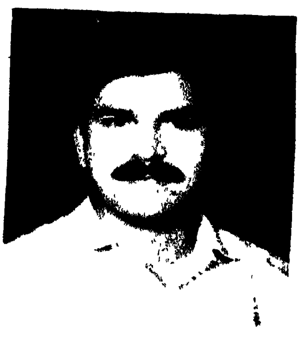


چوہدری محمد اسمٰعیل (ر) ہیڈ ماسٹر مالیر کوٹلہ



سردار ماہو سنگھ تشنہ سلطان پور لودھی

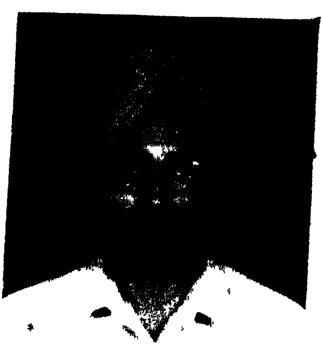




پروفیسر راجد محمود (فہد پبلشرز) لاہور



سردار کرپال سنگھ دردی اور چوہدری محمد یوسف حسن



سردار کرپال سنگھ دردی جالندھر



فاروق آباد کنونشن، سامعین کے تین مناظر

اس صنعت کو باقاعدہ آرگنائز کیا حکومت کو اپنے گوناگوں مسائل سے آگاہ کیا اور کافی عرصہ گذانی شپ بریکنگ ایڈمنسٹریشن اور پاکستان شپ بریکرز ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ لاہور اور گوجرانوالہ میں آپ کے رفیقان کار میں چوہدری بشیر احمد' حاجی رحمت اللہ' چوہدری حسن محمد وغیرہ شامل ہیں۔

اب وہ دوسری صنعتوں کی طرف بھی راغب ہوئے ہیں۔ آپ کے ادارہ ایم ایچ آئل ملز (پرائیویٹ) لیمیٹڈ کراچی کے تیار کردہ ماڈا بناسپتی گھی اور کوکنگ آئل کو خاصی مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔

پنجاب اور سندھ کے کمبوہوں کی اکثریت کراچی میں مقیم سرکاری' نیم سرکاری اور نجی اداروں میں ملازمت سے وابستہ ہے۔ یہاں زیادہ تفصیلات کی گنجائش نہیں اس کے لئے ڈائریکٹری کی ضرورت ہے جو انشاء اللہ مستقبل میں انجمن فلاح کمبوہ برادری کے تعاون سے مرتب کی جائے گی۔ فی الحال چند خاص اداروں اور ان میں کام کرنے والے چیدہ چیدہ اصحاب کے نام بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

سٹیٹ بنک میں (چوہدری محمد اکبر ایم ایس سی' عبدالشکور ایم اے' نسیم احمد ایم اے) اے جی آفس میں (چوہدری عبدالغفور ایم اے' محمد شریف ایم اے' مشتاق احمد ایم اے) ملٹری اکاؤنٹس میں (محمد سلیم ایم اے۔ شوکت علی ایم اے) نیول اکاؤنٹس میں (گلزار احمد ایم اے' محمد شریف ایم اے) پی آئی اے میں (چوہدری محمد طفیل ایم اے' ایل ایل بی' ریاض الدین ایم بی اے' محمد ناصر الدین) سول ایوی ایشن میں (چوہدری نعمت علی ایم اے' ایل ایل بی' حاجی غلام حسین) سٹیل ملز میں (چوہدری فرخ جاوید ایم اے' ایل ایل بی' XEN شاہد اختر' XEN محمد اقبال) آئل ریفائنری میں (انجینئر صغیر حسین مینجر آپریشن) کراچی میونسپل کارپوریشن میں (منظور احمد ایم اے ایل ایل بی' محمود احمد ایم اے' ایل ایل بی) ایئرپورٹ سیکورٹی فورس میں (چوہدری محمد یونس بی اے' ایل ایل بی) رائس ایکسپورٹ کارپوریشن میں (چوہدری رشید احمد ڈپٹی مینجر' امان الحق بی اے' ایل ایل بی' بدر الزمان) مہران میڈیکل کمپلیکس میں (ڈاکٹر ایم اے حفیظ (ایم ڈی' امریکہ) ایف آر سی ایس (انگلینڈ) پاک نیوی میں (لیفٹیننٹ محمد مشتاق' انجینئر رشید چوہدری' لیفٹیننٹ کمانڈر عبدالرحمٰن علاول ایم ایس سی) آرمی میں

(کرنل (ر) خورشید عالم) ایم ایس ڈی میں چوہدری سہیل مجید ایم ایس سی (مائکرو بیالوجی) اور ایئر فورس میں 30-25 جوان مختلف عہدوں پر کام کر رہے ہیں مثلاً انجینئر محمد صدیق' جاوید اقبال بی کام' فلائٹ لیفٹیننٹ طارق جاوید وغیرہ۔ اسی طرح اور بہت سے اداروں میں کمبوہ حضرات خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مقام مسرت ہے کہ یہ سب صاحبان برادری کی محبت میں سرشار' قوم کی ترقی کے خواہاں اور خدمت کے لئے ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ (78)

کراچی جیسے وسیع شہر میں کمبوہ برادری کے منتشر اور ملک کے مختلف اقطاع سے آئے ہوئے افراد میں باہمی رابطہ پیدا کرنے اور ان کے مسائل پر توجہ دینے کے لئے انجمن فلاح کمبوہ برادری (رجسٹرڈ) سرگرم عمل ہے اس کی ابتدا فروری 1982ء میں طارق جاوید کے گھر پر کمبوہ ایسوسی ایشن کے قیام کی صورت میں ہوئی بعد میں موجودہ نام سے رجسٹر کرائی گئی۔ اس کی آبیاری میں چوہدری محمد افضل (مینجر ایسٹرن فیڈرل انشورنس کمپنی) صدر انجمن اور ان کے مخلص ساتھیوں چوہدری محمد اسماعیل' چوہدری ذوالفقار علی شاہد' چوہدری محمد منشاء' چوہدری نسیم احمد' چوہدری طارق جاوید (بانی ممبر)' چوہدری محمد صدیق ' چوہدری الیاس اصغر' چوہدری منور حسن' چوہدری خالد محمود' چوہدری بدر الزمان' چوہدری صغیر حسین جیسے حضرات کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ چوہدری محمد افضل کا دفتر انجمن کی سرگرمیوں کا مرکز ہے۔

---

(78) بعض معزز کرم فرما حضرات کا مشورہ تھا کہ تاریخ میں صرف سرکردہ عمائدین کا ہی ذکر لیا جائے بصورت دیگر ضخامت بڑھ جانے سے کتاب کی افادیت متاثر ہو گی۔ دوسری طرف ہمارے محترم متوسط اور غریب طبقہ کے احباب کا اصرار تھا کہ قوم کو امیر غریب' شہری دیہاتی طبقات میں تقسیم کر کے' غیر ارادی طور پر ہی سہی' غلط روایت کی طرح نہ ڈالی جائے برادری میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا' ہمیں دوسرے درجہ کا فرد نہ سمجھا جائے وغیرہ وغیرہ بلکہ ایک پس ماندہ ضلع کے دور افتادہ گاؤں کے ایک بزرگ نے خاصا جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے چار صفحات کے طویل خط میں عمائدین قوم کی بے حسی اور بے اعتنائی اور غریب عوام کے خلوص اور قومی خدمات کا موازنہ ہی کر ڈالا۔ وہ معترف ہیں کہ بڑے لوگ ہمارے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ اتنی بڑی کتاب میں چالیس پچاس صفحات کے اضافہ سے افادیت کم نہیں بلکہ پوری قوم کی نمائندگی سے اس کی قومی اہمیت میں اضافہ ہو گا۔

کراچی میں اپنا کاروبار کرنے والے بھی بہت سے کمبوہ ہیں۔ میاں عبدالرشید ایم اے۔ ایل ایل بی انکم ٹیکس اور لیگل ایڈوائزر ایک معروف شخصیت ہیں۔ آپ نے چوہدری وہاب الدین کی تاریخ کمبوہاں (1972ء ایڈیشن) کی عدم دستیابی کا خلا پُر کرنے کے لئے اسی کی بنیاد پر تاریخ تحریر کی ہے۔ حاجی محمد طفیل بی اے' میسرز غلام رسول میانداد اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹرز کو بڑی کامیابی سے چلا رہے ہیں۔ ملک غفور سہیل نیک نام ٹرانسپورٹر اور ملک گڈز فارورڈنگ ایجنسی کے مالک ہیں۔ کراچی کے مشہور آرکیٹیکٹ اور پلانر ایم ایم رشید کی فرم رشید اینڈ کمپنی ایک باوقار ادارہ ہے۔

چوہدری محمد اسلم کمبوہ مشہور ٹھیکیدار ہیں۔ بدر الزمانؒ کمبوہ پولٹری فارم' کے مالک ہیں۔ حاجی فضل چوہدری کی فرم' جنرل انشورنس کمپنی کی چیف سروئیر ہے۔ بھینس کالونی میں کئی افراد ذاتی کاروبار کر رہے ہیں۔ ان میں حاجی محمد اسماعیل سب سے نمایاں ہیں۔ قومی کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔

سندھ میں صوبائی سطح پر انجمن کے قیام کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی۔ چنانچہ مئی 1986ء میں حسب ذیل عہدیداران منتخب ہوئے۔

صدر : چوہدری احمد حسن (جھڈو ضلع تھرپارکر) نائب صدر : محمد اسماعیل (کراچی) جنرل سیکرٹری : الیاس کمبوہ (شداد کوٹ) ڈپٹی سیکرٹری : محمد حنیف (محراپور) خزانچی : محمد یاسین (ٹنڈوالہ یار) پریس سیکرٹری : علی محمد عرف منشا کمبوہ (گوٹھ نبی بخش) ممبران : حافظ عبدالغفور سندھی (نوشہرو ابڑو) غلام حیدر (سکھر) اور جمیل احمد (محراپور)

اندرون سندھ کمبوہ زیادہ تر چھوٹے قصبات اور دیہات میں آباد ہیں۔ جہاں ان کا ذریعہ معاش زمینداری اور کاشتکاری ہے۔ قصبات میں تجارت' آڑھت اور ملازمتوں سے بھی وابستہ ہیں۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کمبوہوں نے سندھ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال پرانے بے آباد ریگزاروں اور بنجر قدیم علاقوں کو سبزہ زاروں اور عمدہ باغات میں بدل دیا ہے۔ اس سے ملکی پیداوار میں کئی گنا اضافہ سے صوبہ کی معیشت کو بیش بہا فائدہ پہنچا ہے۔ البتہ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وڈیرہ شاہی نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر بہت سے سندھی عوام میں پنجابیوں کے خلاف صوبائی عصبیت کے گمراہ کن جذبات پیدا کئے جس سے کم آبادی والے علاقوں کے پنجابی آباد کار خود کو غیر محفوظ

سمجھنے لگے ہیں حالانکہ ان کا مرنا جینا سندھیوں کے ساتھ ہے۔ ان کی معاشرت اور تمدن پر بھی سندھی رنگ غالب ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ انجمن تنظیم نوجوانان کمبوہ محراب پور نے اپنے سکول میں ذریعہ تعلیم سندھی زبان کو رکھا ہے۔ خیر یہ تو ضمناً" بات میں سے بات نکل آئی تھی۔ کل سندھ کمبوہ تنظیم نے صوبہ کے مختلف اضلاع میں کمبوہ آبادی کے سروے کا پروجیکٹ شروع کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے انجمن بے عملی کا شکار ہو گئی ہے۔ سندھ کے ضلع وار حالات کچھ اس طرح سے ہیں۔

حیدر آباد: محمد شفیق زمیندار تلہار اور بھٹہ اونر محمود شوکت کے سوا کسی محلہ یا کالونی میں کمبوہ افراد کا پتہ نہیں چل سکا۔ محلہ لطیف آباد میں شاید چند گھر زبیری حضرات کے ہیں۔ ٹنڈو جام میں محمد رفیق ہول سیل ڈیلر اور الیکٹریکل انجینئر واپڈا نعیم ظفر کافی بارسوخ ہیں۔ ٹنڈوالہ یار میں آل سندھ تنظیم کمبوہاں کی مقامی شاخ صدر چوہدری محمد یٰسین کی سربراہی میں خاصا کام کر رہی ہے۔ نائب صدر چوہدری محمد اسلم' جنرل سیکرٹری چوہدری رضا محمد اور دوسرے ممبران ان کی ہر طرح معاونت کرتے ہیں۔ حاجی خیر دین' محمد شریف' فضل دین وغیرہ بیس بائیس بڑے دکاندار اور چوہدری نور محمد' حاجی بشیر احمد' حاجی یوسف' حاجی حبیب احمد وغیرہ کئی معزز زمیندار بھی یہاں کے باشندے ہیں۔

سانگھڑ کے شہر شہداد پور میں بہت سے کمبوہ گھرانے ہیں۔ سبزی منڈی اور غلہ منڈی میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں چوہدری محمد یعقوب' چوہدری محمد شریف' چوہدری محمد الدین' چوہدری محمد عیسیٰ وغیرہ قومی کاموں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ ٹنڈو آدم میں چوہدری جیون علی کا شمار بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے۔

تھرپارکر: مقامی تنظیم کی صدارت کے فرائض حاجی چوہدری محمد اسماعیل انجام دے رہے ہیں چوہدری فقیر محمد جنرل سیکرٹری ہیں۔

نوابشاہ: ضلعی صدر مقام میں بہت سے کمبوہ تجارت پیشہ ہیں۔ قاضی احمد کے علاقہ میں کمبوہوں کے اٹھارہ بیس چکوک ہیں۔

نوشہرو فیروز پہلے ضلع نوابشاہ کی عملداری میں تھا۔ اس ضلع میں کمبوہوں کو خاص



انجمن فلاح کمبوہ برادری (رجسٹرڈ) کراچی' 1996ء

نشست چوہدری محمد اسمٰعیل' چوہدری محمد افضل اور چوہدری ذوالفقار علی شاہد (جنرل سیکرٹری)

ایستادہ محمد مشاء کمبوہ سینئر جوائنٹ سیکرٹری' چوہدری صغیر حسین نائب صدر'

نسیم احمد کمبوہ فنانس سیکرٹری' میاں سلیم اختر جوائنٹ سیکرٹری



چوہدری محمد اسمٰعیل سینئر نائب صدر



چوہدری محمد افضل کمبوہ صدر انجمن



چوہدری محمد صادق چیئرمین سلورسٹار انشورنس



چوہدری محمد خورشید چیئرمین ریشم ٹیکسٹائل انڈسٹریز۔



ڈاکٹر تنویرالحسن الٹراساؤنڈ سپیشلسٹ لاہور



اعجاز احمد چوہدری ڈپٹی میئر لاہور



ڈاکٹر علی جان چوہدری FCPS سکھر



انوار احمد چوہدری بزنس ایگزیکٹو لاہور



ضیاء الدین لمبوہ



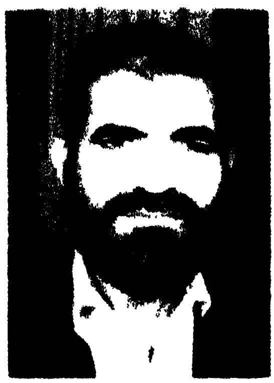
مشتاق علی لمبوہ



لمبوہ اعظم



محمد الیاس کمبوہ چیف ایڈیٹر روزنامہ
لولان (حب)

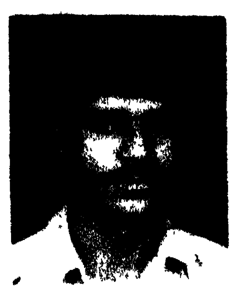


حبیب احمد کمبوہ (شہداد کوٹ)

اور ان کے فرزندان



اللہ بخش کمبوہ



وہاب الدین کمبوہ



کمبوہ خان



کیپٹن ڈاکٹر ارشد محمود (آرمی)



محمد شفیق الرحمن ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت فیصل آباد



چوہدری رشید احمد گوجرانوالہ



ڈاکٹر اختر محمود، چنڈی گڑھ



اہمیت حاصل ہے۔ محراب پور تحصیل کنڈیارو میں تنظیم نوجوانان کمبوہ فعال تنظیم ہے اکثر کمبوہ بہت خوشحال ہیں۔ میونسپل کمیٹی کے 20 میں سے کم از کم چھ سات کمبوہ ممبر منتخب ہو جاتے ہیں۔ تنظیم نوجوانان کمبوہ کے زیر اہتمام 23 مارچ 1988ء کو کل پاکستان کمبوہ کنونشن نہایت شاندار طریقے سے منعقد کیا گیا۔ جس میں پاکستان بھر سے وفود نے شرکت کی۔

مرحوم حاجی محمد ابراہیم اور حاجی بشیر احمد کی سرپرستی میں انجمن نے بڑی منظم ابتدا کی۔ اس کے لئے جناب محمد ادریس شاہد' بشیر احمد دلشاد' چوہدری نظام دین' حوالدار نور محمد' محمد حنیف' محمد یوسف' انور علی قمر' احمد الدین' محمد اسلم آبشار اور بہت سے دوسرے ساتھیوں کی مساعی قابل تعریف ہیں۔ کنڈیارو (تحصیل صدر مقام) میں بھی کچھ کمبوہ آباد ہیں البتہ قصبہ ہالانی کے کمبوہ امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہمیں اس قصبہ کے 45 افراد کی ایک فہرست موصول ہوئی تھی۔ اس کے مطابق تیرہ ایم اے اور 9 بی اے اصحاب میں بالترتیب دو اور تین ایل ایل بی ہیں۔ کنڈیارو میں وکالت کرنے والے حضرات میں چوہدری عبدالحق' چوہدری بدر الزمان اور چوہدری محمد اشرف شامل ہیں۔ چند احباب کا ذکر کراچی میں مقیم ملازمین میں آچکا ہے باقی تعلیم کے پیشہ سے منسلک ہیں۔ خالد نصیر بی کام کا تعلق انشورنس سے ہے۔ سینئر کیمبرج' چوہدری احسان الحق کا اپنا وسیع کاروبار ہے' 20 اصحاب ایف اے تک تعلیم یافتہ ہیں اور مختلف پیشوں سے وابستہ ہیں صرف ایک صاحب چوہدری قاسم علی ان پڑھ ہیں وہ قصبہ کی یونین کونسل کے کونسلر ہیں۔ ایک ویلفیئر ایسوسی ایشن بھی قائم ہے۔ چوہدری محمد اشرف اس کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

خیرپور: مقامی زرعی ترقیاتی بنک میں چوہدری محمد یونس ایم اے' ایل ایل بی آف ہالانی موبائل کریڈٹ آفیسر ہیں۔ ٹھارجا تعلقہ میں کئی بڑی زمینداریاں کمبوہوں کے پاس ہیں ان میں چوہدری محمد منشاء (گوٹھ محمد منشاء) چوہدری محمد امین (گوٹھ برکت علی کمبوہ) اور چوہدری جرأر حیدر (گوٹھ وہاڑی کمبوہاں) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جیکب آباد کی تفصیلات نہیں مل سکیں۔ واپڈا ہسپتال گڈو میں ای این ٹی سپیشلسٹ

ڈاکٹر محمد سلیم ایم سی پی ایس' ڈی ایل او تعینات تھے۔

شکار پور میں جناب حاکم علی زاہد کلاتھ سٹور کے مالک ہیں۔ نوشہرو ابڑو تعلقہ گڑھی یٹین میں قدیم سندھی کمبوہ آباد ہیں۔ موضع کمبوہن جی واہڑ اور دوسرے کئی گاؤں ان کی مشہور بستیاں ہیں۔ ڈاکٹر حافظ عبدالغفور اور حافظ عبدالحفیظ کمبوہ کل سندھ تنظیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ گزشتہ دس پندرہ سال سے ہی ان سے رابطہ ہوا ہے۔ محبت اور خلوص کے پیکر ہیں۔

بدین: چوہدری محمد اسلم بی اے (زمیندار گوٹھ حاجی دین محمد کمبوہ' تحصیل ٹنڈوباگو) ضلع کی انجمن کمبوہاں کے صدر اور چوہدری طارق بشیر بی ایس سی جنرل سیکرٹری ہیں۔ چوہدری عبدالرؤف مدینہ ایگر یکلچر انڈسٹری بدین کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ ضلع کے مشہور قصبات ماتلی' ٹنڈوباگو' گولارچی وغیرہ کے گردو نواح میں بھی بہت سے گوٹھ (دیہات) کمبوہ آبادی کے مرکز ہیں۔

انجمن کمبوہاں ماتلی کے صدر چوہدری احمد حسن اور جنرل سیکرٹری محمد طاہر نواز کے علاوہ ڈاکٹر عبدالستار انچارج تعلقہ ہسپتال ماتلی (مرکزی کونسلر پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن)' ڈاکٹر غلام سرور اور ان کے والد حاجی عبدالغفور سابق کونسلر میونسپل کمیٹی ماتلی' انور علی کمبوہ (فضل کمبوہ کالونی)' محترمہ نذیراں بی بی' ایم بی بی ایس برادری میں اتحاد اور ترقی کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ماتلی میں کئی بڑے دکاندار اور زمیندار بھی سکونت پذیر ہیں۔ بیداری کا کافی احساس پایا جاتا ہے۔

ماتلی سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلہ پر گوٹھ نبی بخش کمبوہ تقریباً دس ہزار کی آبادی کا بڑا گاؤں ہے۔ آبادی سو فی صدی کمبوہوں پر مشتمل ہے۔ راقم مؤلف کے بعض یک جدی رشتہ دار بھی اس گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔ تنظیم نوجوانانِ اسلام بڑی فعال جماعت اور سندھ بھر میں بطور مثال پیش کی جاتی ہے چوہدری محمد اشرف صدر اور علی محمد عرف منشاء کمبوہ اس کے روح رواں ہیں۔ گولارچی میں چوہدری عنایت علی میونسپل کونسلر رہے ہیں۔ چک 32 گولارچی کے چوہدری محمد یوسف علاقہ کے تعلیم یافتہ کسان ہیں۔

لاڑکانہ : قصبہ ڈوکری میں کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی کے صدر قدیم سندھی چوہدری ذوالفقار علی کمبوہ ایڈووکیٹ برادری کی فلاح و بہبود کے لئے بہت محنت کرتے ہیں۔

ضلع کے دوسرے علاقوں میں محدود تعداد کے برعکس شہداد کوٹ شہر میں کافی کمبوہ آباد ہیں۔ شہداد کوٹ سب ڈویژن کا صدر مقام سندھ اور بلوچستان کے سنگم پر واقع مشہور تجارتی اور زرعی مرکز مگسی بلوچوں کا گڑھ ہے۔ ان دنوں لاہور کے چوہدری محمد انور کے فرزند ڈاکٹر محمد اجمل کمبوہ شہداد کوٹ میں اسسٹنٹ کمشنر (سب ڈویژنل مجسٹریٹ) متعین ہیں۔

شہداد کوٹ کا نام سنتے ہی فنائی القوم حبیب احمد کمبوہ اور ان کے فرزندان کی طرف ذہن منعطف ہو جاتا ہے۔ چوہدری حبیب احمد میں قومی محبت کا جذبہ جنون کی حد تک موجزن ہے۔ اس لئے ہم ان کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کرنے پر مجبور ہیں۔ 1969ء میں انہوں نے ہوٹل کے قیام سے کسب معاش کا آغاز کیا تو اس پر "کمبوہ ہوٹل" کا بورڈ آویزاں کر دیا۔ شہداد کوٹ میں یہی کمبوہ برادری اس سے پہلے بھی آباد تھی مگر کوئی نہیں جانتا تھا کمبوہ کون ہوتے ہیں۔ اس مرد مجاہد کی مساعی کا نتیجہ ہے کہ پورے سب ڈویژن بلکہ ضلع میں "کمبوہ" ایک معروف نام بن چکا ہے۔ احساس کمتری یا کسی اور وجہ سے جو دکاندار' ڈاکٹر' کمیشن ایجنٹ اپنے بورڈ پر نام کے ساتھ "کے" (K) راجپوت لکھتے تھے اب فخریہ کمبوہ لکھتے ہیں۔ چوہدری حبیب احمد نے ہر گھر میں مالک مکان کے نام کے ساتھ لفظ کمبوہ لکھوا کر تختیاں لگوا دیں۔ محلّہ کا نام کمبوہ محلّہ' اور مین سڑک کا نام کمبوہ روڈ رکھا گیا۔ اَب کمبوہ K کے پردے میں مستور نہیں رہا اور راجپوت کا دم چھلہ ختم ہو گیا ہے حبیب احمد کمبوہ کو شروع سے صحافت کا شوق تھا۔ اپنے بیٹوں کو بھی اسی پیشہ کی تربیت دی۔ الیاس کمبوہ نے اپنے والد کی زیر نگرانی رسالہ " الکمبوہ" جاری کیا۔ مختلف اوقات میں اس کے سات شمارے شائع ہوئے اور ہر شمارہ پہلے سے بہتر ہوتا چلا گیا۔ الیاس کمبوہ حب ضلع لس بیلا (بلوچستان) منتقل ہوئے تو حبیب احمد نے رسالہ الحبیب جاری کیا۔ وہ اب بھی شہداد کوٹ میں اپنا مشن جاری رکھے ہوئے ہیں۔

الیاس کمبوہ نے 1981ء سے پنجاب اور سندھ کے اہم مقامات کے دورے کر کے نہ

صرف اپنے رسالہ کے لئے ضروری معلومات حاصل کیں بلکہ 18 اکتوبر 1985ء کو شہداد کوٹ میں ایک شاندار کل سندھ کمبوہ کنونشن منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ راقم نے صدارت کے فرائض انجام دیئے پنجاب سے کثیر تعداد میں وفود کی شرکت کے باعث یہ کنونشن پورے پاکستان کی کمبوہ برادری کا نمائندہ اجتماع بن گیا۔ اس کے بعد الیاس کمبوہ کل سندھ کمبوہ تنظیم کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور کافی تنظیمی کام کیا۔ 1987ء میں حب (لس بیلا) چلے گئے پہلے ہفتہ وار ایگل جاری کیا۔ 28 فروری 1990ء کو ہفت روزہ بولان کا افتتاح ہوا اور 28 فروری 1994ء کو روزنامہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ الیاس کمبوہ کی قومی خدمات اس قدر ہمہ جہت ہیں کہ مزید تعارف کی محتاج نہیں۔ مگر صوبہ سندھ میں تنظیم کا کام بری طرح متاثر ہوا۔

چوہدری حبیب احمد کے سات بیٹے ہیں۔ محمد الیاس کمبوہ (چیف ایڈیٹر روزنامہ بولان) مشتاق علی (نمائندہ روزنامہ جنگ) اللہ بخش' کمبوہ خان اور وہاب الدین پریس رپورٹر ہیں۔ کمبوہ اعظم اور ضیاء الدین زیر تعلیم ہیں۔

شہداد کوٹ میں کمبوہوں کی پہلے دو متحارب تنظیمیں تھیں۔ 1988ء میں محمد الیاس کمبوہ' کونسلر ڈاکٹر جمیل احمد' باقر علی' نواب علی' حبیب فتح محمد وغیرہ صاحبان کی مصالحانہ جدوجہد کے بعد نئی انجمن کمبوہ ویلفیئر ایسوسی ایشن' قائم کی گئی بعد میں نام سندھ کمبوہ انجمن قرار پایا۔ خلیل احمد کمبوہ صدر اور محمود علی کمبوہ جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

سکھر: دریائے سندھ کے کنارے واقع صوبہ سندھ کا آخری شمالی ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ انبالہ پٹیالہ وغیرہ کے بہت سے کمبوہ مہاجرین یہاں آکر آباد ہو گئے۔ سبزی منڈی' فروٹ مارکیٹ اور بعض دوسرے تجارتی شعبوں پر ان کا مؤثر کنٹرول ہے۔ مشہور کمیشن ایجنٹس میں چوہدری غلام حیدر (صدر کمبوہ پنچایت محلہ باغ حیات علی شاہ) محمد رفیع' محمد اشرف' حاجی محمد اختر' عاشق علی زبیری وغیرہ معزز شخصیات ہیں۔ ڈاکٹروں میں چوہدری علی جان۔ حافظ صابر علی (سینئر میڈیکل آفیسر سول ہسپتال) ڈاکٹر عبدالعزیز' محمد اشرف' خورشید اشرف' محمد اشرف' محمد عمران مشہور ہیں۔

ڈاکٹر علی جان: ایف سی پی ایس (کنسلٹنٹ فزیشن سول ہسپتال' صدر روٹری کلب'

شہر کی یک کمبوہ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے سرپرست ہیں۔ ان کی زیر سرپرستی فری میڈیکل ڈسپنسری کمبوہ ہال باغ حیات علی شاہ میں قائم ہے۔ اسی جگہ تعلیم بالغاں مرکز اور ایک لائبریری کا انتظام ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی توجہ کا مرکز زیادہ تر نوجوان طبقہ ہے۔

کمبوہ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے عہدیداروں میں چوہدری محمد یٰسین صدر' چوہدری محمد امین جنرل سیکرٹری' حافظ محمد صابر سیکرٹری اطلاعات اور مسٹر محمد جاوید تعلیمی مرکز کے انچارج ہیں۔ ایک مشاورتی کونسل بھی تشکیل دی گئی ہے۔ ڈہرکی میں محمد رشید کنٹریکٹر اور محمد خورشید جنرل مرچنٹ نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔

رحیم یار خاں: پنجاب کا انتہائی جنوبی ضلع ہے۔ صادق آباد' خانپور کٹورہ اور لیاقت پور دوسرے مشہور شہر ہیں۔ رحیم یار خاں کی انجمن کمبوہاں 1971ء میں معرض وجود میں آئی اس کی کوشش سے کمبوہ قوم کے کئی پرانے پیچیدہ مسائل حل ہوئے۔ حتیٰ کہ قتل کے مقدمات میں فریقین میں صلح کروا کر دوسری برادریوں میں قوم کا وقار بلند کیا۔ قومی رہنمائی کے سلسلہ میں چوہدری محمد محسن' چوہدری فضل دین' چوہدری محمد شفیع' چوہدری عبدالرحمٰن' چوہدری محمد اشرف' ماسٹر غلام رسول اور حاجی محمد شریف مرحوم کی خدمات قابل قدر ہیں۔ شعبہ تعلیم میں بیگم چوہدری محمد محسن ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر (زنانہ)' چوہدری محمد صفدر ایم اے' ایل ایل بی' بی ایڈ' ان کی اہلیہ اور دوسرے دو درجن سے زیادہ ٹرینڈ اساتذہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حکیم محمد حسن جہاں علاقہ بھر کے مریضوں کے لئے مسیحا تھے وہاں فروغ تعلیم کے لئے ان کی مساعی جمیلہ سے نہ صرف کمبوہ بلکہ دوسری برادریوں کے بچے بھی مستفید ہوئے۔ چوہدری محمد بوٹا سول جج درجہ اول (حال جھنگ) کا تعلق اسی شہر سے ہے۔ راجن پور کلاں میں کئی اساتذہ' طبیب' تاجر اور کونسلر کمبوہ برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ محمد فاروق حسن' ریاض احمد شاہد' محمد اسمٰعیل' سعید احمد وغیرہ قومی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ راجن پور میں چوہدری طارق مسعود سول جج تعینات تھے۔ صادق آباد کی انجمن بھی خاصی فعال تھی۔ مدینہ بس سروس کے مالک چوہدری محمد اقبال اس کے صدر' عصمت اللہ نائب صدر' محمد اصغر جنرل سیکرٹری کے علاوہ آفتاب اقبال' حاجی محمد صدیق اور محمد یٰسین سرگرم عہدیدار ہیں۔ کئی چک بھی کمبوہ زمینداروں کی ملکیت میں ہیں۔

بہاولپور شہر: کمبوہ آبادی برائے نام ہے۔ زیادہ تر لوگ ملازمت یا کاروبار کے سلسلہ میں سکونت پذیر ہیں۔ مقامی باشندوں میں ملک جہانگیر اختر بڑے زمیندار' سماجی اور سیاسی رہنما ہیں۔ آپ کے والد ملک عبدالرشید سینئر سول جج اور دادا ملک فیض بخش ریاست بہاولپور میں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ عوام و خواص میں بہت مقبول ہیں' 1983ء میں ڈسٹرکٹ کونسل کے انتخاب میں اپنے حریف پر 8600 ووٹوں سے سبقت حاصل کی۔ ڈسٹرکٹ کونسل کے وائس چیئرمین رہے۔ دو مرتبہ ذاتی حیثیت میں صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا مگر چند ووٹوں سے شکست کھائی۔ سیاسی تعلق پیپلز پارٹی سے ہے 1993ء میں توقع کے برعکس پارٹی ٹکٹ نہ ملا اس لئے الیکشن میں حصہ نہ لے سکے۔ ان کے حقیقی چچا زاد بھائی اور جسٹس ملک عبدالحمید مرحوم کے صاحبزادے ملک ہمایوں اختر بڑے زمیندار اور غلہ منڈی میں کمیشن ایجنٹ ہیں۔

میڈیکل کے شعبہ میں حافظ محمد داؤد ADMS بہاول وکٹوریہ ہسپتال' ڈاکٹر جمیل الرحمٰن ماہر امراض قلب' ڈاکٹر نویدہ کوثر اور تین چار دوسرے ڈاکٹرز کام کر رہے ہیں۔ میاں عبدالرشید' ایم آر اے انجم اور مختار احمد طاہر مشہور وکیل ہیں۔ ملازمت پیشہ اصحاب میں چوہدری محمد رمضان تحصیلدار چولستان ڈویلپمنٹ اتھارٹی' چوہدری محمد سرور محکمہ تعلقات عامہ' چوہدری نذر حسین بلاک آفیسر نیشنل پارک جبکہ واپڈا میں چوہدری کوثر کوکب آڈٹ آفیسر اور چوہدری الیاس سپروائزر ریونیو قابل ذکر ہیں۔ عبدالستار چوہدری ایم اے' پارس ٹیکسٹائل ملز بہاولپور میں کمرشل اسسٹنٹ ہیں۔ بدرالدین شہید کا خاندان یہیں سکونت پذیر ہے۔

چوہدری منظور احمد کمبوہ: بہاولپور کے ایڈووکیٹ تھے۔ کئی مقامات پر بطور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ و سیشن جج خدمات انجام دینے کے بعد کچھ عرصہ سے لاہور میں تعینات تھے۔ 26 دسمبر 1989ء کو بہاولپور سے لاہور آتے ہوئے کار کے حادثہ میں انتقال ہو گیا۔ بڑے ملنسار اور قوم کے دلی ہمدرد تھے۔ نام کے ساتھ کمبوہ لازماً" لکھتے تھے۔

تحصیل حاصل پور میں انجمن کمبوہاں کا قیام احسان ٹریڈرز غلہ منڈی کے مالک کا مرہون ہے۔ منڈی یزمان کے علاقہ میں بعض بڑے زمیندار اور کمیشن ایجنٹ برادری

کی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔
احمد پور شرقیہ میں کمبوہ معقول تعداد میں آباد ہیں ان میں مقامی کمبوہوں کے علاوہ پٹیالہ' نابھہ اور مالیر کوٹلہ کے کمبوہ شامل ہیں۔ انجمن فلاح کمبوہاں رجسٹرڈ فلاحی اور ترقیاتی کاموں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتی ہے۔ سرپرست چوہدری رحمت اللہ' صدر حافظ روشن دین۔ جنرل سیکرٹری محمد عبداللہ اور ملک نذیر احمد سرپرست اعلیٰ کے فرزند ملک بشیر احمد سیکرٹری نشرواشاعت ہیں۔ ملک نصیر احمد معروف وکیل ہیں۔ نوجوانوں میں ڈاکٹر غلام سرور (حال متعین سروسز ہسپتال' لاہور)' غلام نبی (ایم بی اے) قابل ذکر ہیں۔

بہاولنگر ضلع کو کمبوہ قوم کی آبادی کے لحاظ سے غالباً" پورے ڈویژن میں برتری حاصل ہے۔ چشتیاں' بخش خاں' ڈاہرانوالہ' ہارون آباد' فقیر والی' فورٹ عباس اور منچن آباد مشہور قصبے ہیں۔ ضلع کے کم و بیش پچاس چکوک واقع مراد' فتح' فورڈ واہ' گجیانی (چشتیاں ڈاہرانوالہ وغیرہ) اور 6R-5R-4R (فقیر والی) وغیرہ کے معززین سے رابطہ کے باعث ان کا ذکر نوائے کمبوہ میں کیا جاتا رہا ہے چشتیاں میں چوہدری بنیامین ایڈووکیٹ اور چوہدری محمد شفیع' چوہدری محمد یوسف اور چوہدری محمد یونس کاروباری اصحاب ہیں۔ کرنل چوہدری محمد ادریس اور چوہدری محمد سعید خاور (ڈسٹرکٹ اٹارنی) بخش خاں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چوہدری عبدالخالق اور چوہدری منظور احمد ڈسٹرکٹ کونسل کے رکن ہیں۔ چوہدری عبدالرحمٰن انجمن تاجران ڈاہرانوالہ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔
بہاولنگر میں حافظ محمد الیاس مجسٹریٹ درجہ اول اور مشتاق احمد چوہدری ایڈووکیٹ کی اچھی شہرت ہے۔ مین بازار میں کئی کمبوہ بڑے دکانداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ فقیر والی سبزی منڈی میں آڑھت کا کاروبار زیادہ تر کمبوہوں کے ہاتھ میں ہے' چک 127/6R کی انجمن کمبوہاں کے صدر چوہدری خلیل احمد اور جنرل سیکرٹری میاں محمد افضل بڑے سرگرم کارکن ہیں۔ ہارون آباد میں چوہدری محمد شفیع ایڈووکیٹ سماجی کارکن اور چوہدری محمد اقبال شہزاد (کمبوہ کمیشن شاپ) مشہور شخصیت ہیں۔ چوہدری محمد رفیق گورنمنٹ رضویہ ڈگری کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ تحصیل کی انجمن کا صدر دفتر فقیروالی میں ہے چوہدری غلام حسین آف اتفاق انڈسٹریز اس کے صدر ہیں۔ فورٹ

عباس میں ڈاکٹر غلام علی کی سرپرستی میں انجمن -کمبوہاں کے صدر چوہدری بشیر احمد (شاہد اینڈ برادرز) اور ان کے ساتھی تحصیل کے دیہات کی تنظیم اور کمبوہوں کی سماجی اور معاشی برتری کے لئے کوشاں ہیں۔ دیگر معززین میں محمد شبیر اختر (لیکچرار اسلامیات)، میاں محمد عباس (صدر پرائمری مسلم لیگ) طاہر بشیر کمبوہ ایم اے (محکمہ زرعی شماریات) چوہدری محمد اکرم کونسلر، چوہدری محمد رفیق و چوہدری محمد امین (کمیشن ایجنٹس غلہ منڈی) وغیرہ شامل ہیں۔ چوہدری محمد اشرف، چوہدری محمد افضل اور چوہدری محمد اسلم فورٹ عباس ٹاؤن کمیٹی کے رکن تھے۔

ڈیرہ غازی خان / راجن پور: دونوں اضلاع میں کسی کمبوہ آبادی یا قابل ذکر افراد کا پتہ نہیں چل سکا۔ ڈیرہ میں کبھی کبھار کوئی صاحب بسلسلہ ملازمت آ جاتے ہیں اب کچھ عرصہ سے چوہدری محمد عباس سینئر سب انجینئر اٹامک انرجی یہاں تعینات ہیں۔ مٹھن کوٹ میں ڈاکٹر محمد اشرف ایک نیک نام معالج ہیں۔

لیہ: ملک غلام حیدر تھند ضلع کی مشہور سیاسی، سماجی، علمی، ادبی شخصیت اور بڑے زمیندار ہیں۔ تین مرتبہ صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو چکے ہیں۔ 1993ء میں قومی اسمبلی کے الیکشن میں حیرت انگیز طور پر ہار گئے۔ مشہور زمیندار ملک اللہ ڈوایا تھند بھی صوبائی اسمبلی کی نشست حاصل نہ کر سکے اسی طرح چوہدری عبدالرحمٰن بھی ناکام رہے۔ تھل ڈویلپمنٹ کے تحت کمبوہ کئی چکوک میں آباد ہو گئے ہیں۔ لیہ کے چوہدری محمد ادریس اور چوہدری علی محمد نمبردار قوم کے لئے مخلصانہ مساعی کرتے ہیں۔

مظفر گڑھ: شہر اور ملحقہ دیہات میں کافی کمبوہ آباد ہیں۔ یہ زیادہ تر ضلع جالندھر اور سلطانپور لودھی ریاست کپور تھلہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ ابتدا میں آباد کاری اور ریونیو افسران نے ان کی الاٹمنٹ کے لئے درخواستوں پر اعتراض عائد کیا کہ کمبوہ اصل ذات نہیں اور ذیلی ذات ناقابل قبول ہے۔ کمبوہ بزرگوں نے ہرچند ان کو سمجھایا مگر افسران کا اصرار تھا کہ ارائیں، جاٹ، راجپوت وغیرہ جس قوم سے بھی آپ کا تعلق ہے وہ تحریر کریں ورنہ آپ کے کلیم مسترد کر دئے جائیں گے۔ کمبوہ بھی تہیہ کئے ہوئے تھے کہ قومی تشخص برقرار رکھتے ہوئے اپنا حق حاصل کریں گے۔ اس لفظی محاذ آرائی

نے کافی طول پکڑا۔ انجام کار سرکاری افسران کو کمبوہ قوم کا مؤقف تسلیم کرنا پڑا۔
عام دکانداری کے علاوہ زیادہ کمبوہ سبزی منڈی اور فروٹ مارکیٹ میں آڑھت کا کام کرتے ہیں' چوہدری محمد احمد تاج محمد قابل ذکر ہیں۔ انجمن کمبوہان مظفر گڑھ کے ہر دو سال بعد انتخاب ہوتے ہیں۔ صدر چوہدری محمد یٰسین' نائب صدر حاجی چوہدری محمد ظفر' جنرل سیکرٹری چوہدری محمد اشرف ایڈووکیٹ کے علاوہ چوہدری محمد اصغر' چوہدری محمد ارشد' چوہدری غلام حسن وغیرہ فعال رکن ہیں۔ قصبہ جتوئی میں چوہدری محمد رفیق انجمن کمبوہاں کے صدر' حاجی عبدالرشید نائب صدر' چوہدری محمد شفیق جنرل سیکرٹری' چوہدری محمد اکرم اور ان کے ساتھی بڑے خلوص سے قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔

لودھراں : بہاولپور سے دس بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر نیا ضلع ہے ڈاکٹر ثمینہ مطلوب ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال میں متعین ہیں ان کے میاں مطلوب حسین بہاولپور میڈیکل کالج میں ریسرچ آفیسر ہیں۔ کہروڑ پکا کے علاقہ میں سروے کی اشد ضرورت ہے۔ تحصیل لودھراں کے صرف چند دیہات میں کمبوہ آبادی کا پتہ چل سکا ہے۔ البتہ تحصیل دنیاپور میں چوہدری عاشق حسین اختر ایڈووکیٹ نے سروے کرایا تو 25 کے قریب چکوک میں کمبوہ اچھی خاصی تعداد میں پائے گئے۔ مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔
چک نمبر 35 ایم' صوفی نور محمد' انجمن کمبوہاں دنیا پور کے صدر ہیں۔ ان کے ساتھیوں میں تقریباً ہر چک سے ایک ایک دو دو بزرگ انجمن میں شامل ہیں۔ مثلاً چوہدری منظور احمد نمبردار اور چوہدری عبدالرزاق (ایم 35) محمد یٰسین (چک 23 ایم) اور دنیاپور شہر سے چوہدری عبدالعزیز' چوہدری محمد صدیق' چوہدری عبدالشکور وغیرہ انجمن کی تنظیم کے سلسلہ میں نمایاں ہیں۔

ملتان : کو مدینۃ الاولیا بھی کہتے ہیں۔ علم و عرفان کے اس سرچشمہ سے ہزاروں نہیں لاکھوں تشنگانِ علم و اسرار معرفت نے اپنی پیاس بجھائی اور اقصائے ملک میں پھیل کر اسلام کی روشنی سے عوام الناس کے سینوں کو منور کیا۔ پہلے ملتان بہت بڑا ضلع تھا اب اس میں سے تین مزید اضلاع لودھراں' وہاڑی اور خانیوال وجود میں آ چکے ہیں۔
کمبوہ اس علاقے میں کب آباد ہوئے پورے وثوق سے کسی خاص زمانے کا تعین

نہیں کیا جا سکتا۔ اس موضوع پر گزشتہ ابواب میں سیر حاصل بحث کی جا چکی ہے۔ مجملاً" یہ عرصہ چھ سو سال قبل مسیح سے لے کر سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری کی آمد تک پر محیط ہے' معاشرہ میں ملتان کے کمبوہوں کو ہمیشہ بلند مقام حاصل رہا ہے ان کی بڑی بڑی زمینداریاں تھیں بلکہ اب بھی کئی بڑے زمیندار ہیں۔ یہ بالعموم ملک کہلاتے اور چوہدری کے لفظ کو پسند نہیں کرتے قیام پاکستان کے بعد مشرقی پنجاب سے آنے والوں کی ایک بڑی تعداد ملتان اور اس کے نواح میں آباد ہو گئی۔

یہاں ایک ضمنی بات یاد آ گئی مسلمان حکمرانوں بالخصوص لودھیوں اور مغلوں کے دور میں ملتان کے ذی علم اور اہل سیف کمبوہ پایہ تخت دہلی اور وہاں سے یوپی کے مغربی اضلاع میں جا کر آباد ہوئے۔ آج ان میں سے بعض ملتانی کمبوہوں کی اولاد خود کو پنجابی کہلانے سے منکر اور عرب سے رشتہ جوڑنے پر مصر ہے۔ تذکروں میں ان میں سے اکثر کے نام کے ساتھ لفظ کمبوہ' کنبوہ یا کنبوی لکھا ہوا ملتا ہے۔

اچھی تعلیم اور بہتر معاشی حالت کے باوجود ملتان میں برادری کی کوئی مؤثر تنظیم قائم نہیں ہو سکی۔ سیاسی لحاظ سے وہ بمنزلہ صفر ہیں' ہم نے چند وکلا حضرات کی وساطت سے ابتدا کی تھی مگر شاید ان کی پیشہ ورانہ مصروفیات آڑے آئیں اور یہ تنظیم وکلا کے دائرے سے آگے نہ بڑھ سکی۔ مرحوم جسٹس (ر) ملک عبدالحمید کے والد ملک فیض بخش بہاولپور اور ملتان کے بہت بڑے زمیندار تھے۔ ملک عبدالحمید کا کیریر شروع سے ہی شاندار اور آخر تک بے داغ رہا۔ بطور وکیل' ایڈووکیٹ جنرل بہاولپور' جج بہاولپور ہائی کورٹ' سیشن جج لاہور' لاء سیکرٹری مغربی پاکستان اور آخر میں جج لاہور ہائی کورٹ انہوں نے اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے اور اہلیت کا سکہ جملیا۔ 1968ء میں ہائی کورٹ سے ریٹائرمنٹ کے بعد کئی اہم ذمہ داریوں کو احسن طریق پر سرانجام دیا۔ چند سال قومی صنعتی تعلقات کمیشن (NIRC) کے چیئرمین رہے۔ نہایت سادہ مزاج وعدہ کے پکے اور قوم کے ہمدرد تھے۔ 1979ء میں حج سے واپسی پر آپ طائف کے قریب ہوائی جہاز کے حادثہ میں واصل بحق ہو گئے۔

آپ کے چار بیٹوں میں سے ملک ہمایوں اختر بہاولپور میں ہیں۔ ملک ممتاز اختر ایم اے' ایل ایل بی ایک خلیق' وضعدار اور منکسر المزاج وکیل ہیں۔ ملتان میونسپل

کارپوریشن کے کونسلر اور ڈپٹی لیڈر' لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن (ملتان بنچ) کے ممبر اور وائس پریذیڈنٹ' نیز ضلعی سطح کے کئی اعلیٰ اداروں کے رکن رہے ہیں۔ تیسرے بیٹے مرحوم ملک سلیم اختر (سکونت ای بلاک ماڈل ٹاؤن) ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج تھے۔ چوتھے بیٹے عارف حمید سوئی ناردرن گیس میں اچھے عہدہ پر فائز اور شاہ جمال کالونی لاہور میں رہائش رکھتے ہیں۔

ملتان کے وکلا میں ملک عبدالقیوم کمبوہ' ملک محمد اصغر کمبوہ' ملک محمد فاروق کمبوہ (جنرل سیکرٹری کمبوہ ایسوسی ایشن) ملک محمد یوسف کمبوہ' ملک لیاقت علی کمبوہ سابق کونسلر' چوہدری عبدالرزاق کمبوہ' چوہدری اختر مسعود' ملک الطاف ایزد' چوہدری مظہر حسین' چوہدری عبدالرزاق (کمالیہ) قوم کے لئے درد مند دل رکھتے ہیں۔ مشہور وکیل ملک محمد اکرم مرحوم کی ہمشیرہ مظفر گڑھ کے کھر برادران کی والدہ تھیں۔ لاہور کے رانا سعید الزمان کمبوہ' لا کالج ملتان کے پرنسپل رہ چکے ہیں اور برادری کے طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے رہے ہیں۔ اساتذہ میں مرحوم میاں عبداللطیف سینئر پروفیسر گورنمنٹ کالج ہر طبقہ میں ہر دلعزیز تھے۔ چوہدری محمود الٰہی ندیم اور چوہدری عبدالغنی گورنمنٹ علمدار حسین گیلانی کالج میں سائنس کے پروفیسر ہیں۔

چوہدری غلام نبی ڈسٹرکٹ الیکشن آفیسر اور چوہدری محمد عارف نیشنل ہائی وے میں ایس ای رہ چکے ہیں۔ بہت سے کمبوہ تجارت سے وابستہ ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ نمایاں تعداد ڈاکٹر صاحبان کی ہے ان میں مرحوم ڈاکٹر نور محمد کے رشتہ دار ڈیڑھ درجن کے قریب ہیں۔ ڈاکٹر نور محمد میڈیکل سکول امرتسر میں کلینیکل میڈیسن کے استاد تھے پاکستان بننے پر ملتان آ گئے اور 1958ء میں سول ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ آپ ملتان کے اکثر معزز گھرانوں مثلاً مخدوم سجاد حسین قریشی (سابق گورنر پنجاب)' حاجی محمد اکرم بوسن' سید فخر امام (سابق وفاقی وزیر) وغیرہ کے خاندانی معالج تھے۔ ان کی وفات پر میڈیکل گزٹ کراچی اور میڈیکل نیوز اسلام آباد نے تعزیتی مقالوں میں "پنجاب کے بابائے علم الادویہ" کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ڈاکٹر نور محمد مرحوم کے ایک فرزند' ڈاکٹر اکرام الحق (ایم آر سی پی)' اور سات بیٹیاں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے تمام داماد اعلیٰ سول و فوجی افسران ہیں۔ ان کے دو داماد ملتان میں

ہیں۔ بڑے چوہدری محمد رشید ایم ڈی حسین آگاہی میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں' ان کی ہمشیرہ مرحومہ ڈاکٹر سرور سلطانہ (والدہ ڈاکٹر طارق بشیر) نشتر ہسپتال میں سینئر ویمن میڈیکل آفیسر تھیں) ڈاکٹر نور محمد کے ایک اور داماد ڈاکٹر چوہدری محمد رشید (ایف آر سی ایس) نشتر میڈیکل ہسپتال میں پروفیسر آف سرجری ہیں۔

ڈاکٹر محمد شریف' ان کے بھائی ڈاکٹر جلال دین' شریف ہسپتال کے انچارج چوہدری ذوالفقار احمد اور افتخار کلینک کے ڈاکٹر افتخار احمد کامیاب معالجوں میں شمار ہوتے ہیں' ان کا ایک بیٹا چوہدری مختار احمد امریکہ میں ایرونائیکل انجینئر ہے ڈاکٹر راحیل احمد اور کامران افتخار نشتر میڈیکل کالج میں متعین ہیں۔ ملتان کے مشہور ڈاکٹر جہانگیر DOMS کراچی میں متعین ہیں۔ ڈاکٹر عظیم جان ایران میں تھے۔ ڈاکٹر خالد فہیم نشتر میڈیکل کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر اقبال احمد: ایم آر سی پی اور وی ڈی سی (لندن) نشتر ہسپتال اور میڈیکل کالج میں شعبہ امراض جلد (ڈرماٹالوجی) کے پروفیسر تھے حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل سنٹر کے پراجیکٹ ڈائریکٹر ہیں۔ آبائی وطن مجیٹھہ (ضلع امرتسر) اور گوت تھند ہے آپ کا شمار بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے' کافی زرعی اراضی اور باغات کے مالک ہیں۔ بڑے ملنسار اور قومی معاملات میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں۔ آپ کے بھائی ڈاکٹر آفتاب احمد چوہدری بھی ملتان میں تعینات ہیں۔ آپ کے عزیزوں میں لیفٹیننٹ جنرل (ر) محمود احمد اختر اور ڈاکٹر مقصود احمد اختر (صدر کمبوہ ایسوسی ایشن) پھوپھی زاد بھائی' بریگیڈیر (ر) مختار الحق اور ڈاکٹر محمد شفیع (لاہور) بہنوئی ہیں۔ مشہور ماہر امراض چشم ڈاکٹر معراج دین کا اپنا پرائیویٹ ہسپتال ہے' ان کے بیٹے ڈاکٹر عظمت معراج اور ڈاکٹر عثمان محمود نشتر میڈیکل کالج میں متعین ہیں۔ ڈاکٹر عبدالشکور چوہدری نشتر میڈیکل کالج میں پروفیسر آف میڈیسن ہیں اور پیشہ طب میں ایک معروف نام ہیں۔۔ ضیاء احمد چوہدری ایم اے (ریسرچ سکالر) کے دل میں قومی محبت کا جذبہ موجزن رہتا ہے مگر نفسا نفسی کے اس دور میں ان کی بے لوث کوششوں کو حوصلہ بخش پذیرائی حاصل نہیں ہو رہی۔

خانیوال: پورے ضلع میں مختلف دیہات اور منتشر حالت میں کمبوہ کافی ... میں آباد

ہیں۔ تحصیل کبیر والا میں ریاستہائے نابھہ' پٹیالہ اور سنگرور کے زمینداروں اور کاشتکاروں نے علاقہ کی زمین کو کپاس اور گندم کے لئے موزوں خیال کر کے یہاں سکونت کو ترجیح دی۔ جن کو زمین نہیں مل سکی وہ ابتر حالت میں ہیں۔

خانیوال کی انجمن کمبوہاں کا شمار ملک کی چند فعال ترین انجمنوں میں ہوتا تھا مگر اب کچھ عرصہ سے نامعلوم وجوہ کی بنا پر جمود طاری ہے۔ کوئی سرگرمی سننے میں نہیں آئی۔ تقریباً تمام عہدیداران اور ممبران منقار زیر پر ہیں۔

قصور اور شہداد کوٹ میں منعقدہ کنونشنوں کے بعد ضلعی کنونشن کے نام سے اس انجمن نے پاکستان میں کمبوہ قوم کی تاریخ کا کامیاب ترین ملک گیر کنونشن منعقد کر کے آئندہ کے لئے ایک عمدہ معیار قائم کیا۔ اس کی کامیابی چوہدری عباس احمد ایڈووکیٹ' سابق کونسلر چوہدری عبدالقادر' مرحوم چوہدری غلام رسول آزاد ایڈووکیٹ' ڈاکٹر سعید احمد جاوید ایم آر سی پی (لندن) اور ان کے مخلص ساتھیوں کی شبانہ روز محنت اور مساعی جمیلہ کی مرہون تھی۔

خانیوال کی ناقابل فراموش ہستی مرحوم چوہدری بشیر احمد خاور ایک سلجھے ہوئے زیرک سیاستدان' پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی کے جنرل سیکرٹری ایم آر ڈی کے سیکرٹری اطلاعات' جمعیتہ اہل حدیث خانیوال کے ناظم اعلیٰ' تحریک تحفظ ختم نبوت کے صف اول کے رہنما' معروف ایڈووکیٹ' دو مرتبہ پنجاب بار کونسل کے رکن اور کئی بار خانیوال بار ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ آپ کی اثر انگیز تقاریر عوام میں بے پناہ جوش و خروش پیدا کر دیتی تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں ایک عرصہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں بلکہ ایک بار ان پر زیر دفعہ 302 ت پ قتل کا جعلی مقدمہ قائم کیا گیا۔ ابتدا میں چوہدری محمد علی کی نظام اسلام پارٹی میں شامل ہوئے تھے مگر اس کے بعد تا دم مرگ نوابزادہ نصر اللہ خاں کا ساتھ نبھایا۔ ان کی اعلیٰ سیاسی فہم و فراست کے سب قائل تھے۔ 1977ء کے انتخابات میں پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے صوبائی اسمبلی کی نشست کے لئے کاغذات داخل کرائے تھے۔ مگر اتحاد کی طرف سے بائیکاٹ کی وجہ سے انتخاب میں حصہ نہ لے سکے آپ کی دینی سماجی اور ادبی خدمات بھی بہت ہیں۔ آپ کی تصنیف 'آثار القرآن' دین سے والہانہ وابستگی کی مظہر ہے۔ اگر خاور

صاحب جاگیردار یا سرمایہ دار ہوتے تو یقیناً ملک کے چوٹی کے سیاست دان ہوتے مگر جن لوگوں کو ان کا تین ساڑھے تین مرلے کا بوسیدہ سا مکان دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس درویش صفت عظیم انسان کی عظمت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ان کے بھائی چوہدری مشتاق احمد مشتاق نیشنل سنٹر کے ڈائریکٹر تھے۔

چوہدری عباس احمد ایک مرنجاں مرنج' نیک طبع اور خلوص کا پیکر انسان ہیں۔ کئی بار ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر رہ چکے ہیں۔ انجمن کمبوہاں نے ان کی زیر صدارت بہت ترقی کی چوہدری ظفر اقبال ڈسٹرکٹ بار کے جنرل سیکرٹری اور چوہدری نذیر احمد شاہد جائنٹ سیکرٹری تھے۔ چوہدری زبیر احمد پہلے ملتان میں وکالت کرتے تھے اب خانیوال غلہ منڈی میں آڑھت کا کاروبار کرتے ہیں۔ چوہدری محمد اختر علی سعید آرٹ پریس اور آرمز ہاؤس کے مالک ہیں' ان کے فرزند مسعود کمال اختر آزاد کشمیر کونسل سیکرٹریٹ اسلام آباد میں اکنامک انسٹرکٹر ہیں۔

تحصیل جہانیاں کے بہت سے چکوک میں کمبوہ آباد ہیں۔ سروے اور تنظیم کی اشد ضرورت ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق تعداد دس اور بارہ ہزار کے درمیان ہے۔ مثال کے طور پر چک نمبر 103 (یہاں کے تمام چک 10-R کے تحت ہیں) میں چوہدری محمد رمضان (سابق وائس چیئرمین) محمد شعیب نمبردار (سابق فاریسٹ آفیسر)' محمد یعقوب چیئرمین عشر و زکوٰۃ کمیٹی چوہدری عزیز لطیف کونسلر و امیر جماعت اسلامی خانیوال اور دیگر کئی اصحاب گاؤں کی ترقی میں کوشاں رہتے ہیں۔ چوہدری عزیز لطیف نے 1993ء کے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے (اپنے دور طالب علمی میں زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے معروف طالب علم رہنما رہ چکے ہیں)چک 125 کے معززین میں چوہدری سردار علی نمبردار' چوہدری عنایت علی اور چوہدری مراد علی' چک 137 کے چوہدری نذیر احمد' چوہدری فقیر محمد' چوہدری محمد عبداللہ ایم اے' بی ایڈ' چک 160 کے چوہدری محمد شریف' حاجی فضل دین نمبردار' چوہدری محمد حسین' چوہدری بشیر احمد اور دوسرے شامل ہیں۔ خانیوال میونسپلٹی میں چوہدری محمد شریف' چوہدری عبداللطیف' اور چوہدری عبدالمنان اور ڈسٹرکٹ کونسل میں حافظ عبدالرحیم اور شام کوٹ کے زمیندار میاں ممتاز احمد اپنے حلقوں کے نمائندے ہیں۔ شام کوٹ کے کمبوہ

خاصے تعلیم یافتہ اور معزز زمیندار ہیں۔ فیصل آباد زرعی یونیورسٹی کے پروفیسر چوہدری محمد شفیع ریٹائرمنٹ کے بعد خانیوال میں سکونت پذیر ہیں۔

تحصیل کبیروالہ میں مولاپور' جودھ پور' موہری پور' نظام پور' چوپرہٹہ' میل 12' اور نواحی علاقہ کے دیہات کمبوہ آبادی کے مرکز ہیں۔ کبیروالہ گورنمنٹ کالج کے چوہدری بشیر احمد ایم اے اور چوہدری عبدالغفار ایم اے بی ایڈ مقامی انجمن کے سرگرم رکن ہیں۔ لاہور کے چوہدری احمد علی یہاں مجسٹریٹ متعین ہیں۔ قصبہ حاجی پور میں "انجمن کمبوہ برادران" کے چوہدری محمد اشفاق' چوہدری اشفاق احمد' محمد اکبر ساقی' مظہر حسین' چوہدری طاہر مسعود بڑے خلوص سے کام کر رہے ہیں۔ تحصیل جہانیاں کی طرز پر پورے ضلع میں سروے کی اہم ضرورت ہے۔ اس تحصیل سے بھی کمبوہ اپنا ایک ایم پی اے منتخب کرا سکتے ہیں مگر امیدوار اس قدر جرأت مند ہو کہ سیدوں اور ہراجوں کا مقابلہ کر سکے۔ سیاسی حکمت عملی سے یہ زیادہ مشکل بھی نہیں۔ کبیروالا سول ہسپتال میں ڈاکٹر زاہد چوہدری' جودھ پور میں ڈاکٹر حاکم علی اور جیمس آباد میں ڈاکٹر محمد عمر شعبہ میڈیکل سے وابستہ ہیں۔ میاں چنوں کے کرنل (ر) محمد احسان الحق (پاکستان نار کاٹک کنٹرول بورڈ بلوچستان)' ان کے بھائی محمد انعام الحق ڈویژنل انجینئر محکمہ ٹیلی فون لاہور اور لیفٹیننٹ کرنل محمد اسرار الحق (راولپنڈی) کا تعلق ایک متوسط معزز گھرانے سے ہے۔ چوہدری نذر محمد سابق سیکرٹری آبپاشی ان کے بہنوئی ہیں۔ ان کے ایک عزیز چوہدری خالد محمود محکمہ تعلیم میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔

میاں چنوں شہر کے علاوہ کئی چکوک میں بھی کمبوہ آباد ہیں۔ چک 15 L-129 میں صوبیدار محمد لطیف کی زیر صدارت انجمن کمبوہاں قائم ہے۔ یونین کونسل (نمبر 55) کے چار میں سے تین ممبران بشمول ایک خاتون رکن اکثر کمبوہ ہی ہوتے ہیں۔

وہاڑی : یہ ضلع بھی پہلے ملتان کا حصہ تھا۔ وہاڑی' میلسی اور بورے والا میں کمبوہ متفرق اور منتشر حالت میں آباد ہیں' وہاڑی میں چوہدری منظور احمد کمیشن ایجنٹ' گورنمنٹ کالج میلسی میں چوہدری عبدالحمید ایم اے' بورے والا میں چوہدری محمد اسلم شاہد اور چوہدری محمد اشرف ساجد (کمبوہ نیوز ایجنسی) قابل ذکر اصحاب کے سوا ہماری معلومات محدود ہیں۔ بورے والا کے قریب کھوتے وال میں حضرت دیوان چاولی مشائخ

کا مزار مرجع عوام و خواص ہے۔

ٹبہ سلطانپور: ملتان سے 48 کلومیٹر مشرق کی جانب زرعی اجناس کا اہم مرکز ہے۔ یہاں سابق ریاست پٹیالہ کے مواضعات کہرام اور مسنگن کے زمیندار اور دوسرے لوگ آ کر آباد ہوئے۔ ان میں بابو محمد صدیق' چوہدری محمد رفیق' چوہدری محمد اکرم' چوہدری محمد اعظم' چوہدری محمد اسلم نمبردار وغیرہ نمایاں اور بڑے زمیندار تھے۔ تعلیم کا کافی شوق ہے - مرحوم بابو محمد صدیق کے چھ فرزند ہیں۔ چوہدری محمد خورشید سابق چیف انجینئر لاہور میں ہیں اور محمد ارشد سعید ڈی آئی جی سرگودھا ہیں۔ ڈاکٹر محمد اشرف (امریکہ) وفات پا چکے ہیں۔ باقی تین' حاجی ڈاکٹر محمد رشید سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ' ریٹائرڈ کرنل محمد الیاس (صنعت کار) اور حاجی محمد اختر تقریباً ستر دکانوں پر مشتمل شاندار مارکیٹ کے مالک ٹبہ میں ہی مقیم ہیں۔ اختر صاحب ٹاؤن کمیٹی کے وائس چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔

ہمارے پیش نظر تقریباً نوے معززین کی طویل فہرست موجود ہے اس میں سے چیدہ چیدہ کچھ نام ذیل میں درج ہیں۔ چوہدری امان رشید فارن سروس میں ہیں۔ ماہر امراض چشم چوہدری جاوید رشید ملتان میں پریکٹس کرتے ہیں۔ چوہدری محمد صدیق ڈپٹی ڈائریکٹر اور چوہدری شبیر احمد ایم ایس سی' (شعبہ زراعت میں) چوہدری محمد شکیل XEN واپڈا اور چوہدری محمد اظہر سیکرٹری مارکیٹ کمیٹی ہیں۔ چوہدری زاہد اقبال اور چوہدری نوید اختر وکالت کرتے ہیں۔ چوہدری کاشف رشید آئی سرجن محکمہ صحت سول سیکرٹریٹ میں سیکشن آفیسر اور ان کی بیگم ڈاکٹر مہرالنساء شعبہ امراض قلب میو ہسپتال میں متعین ہیں۔

تاجر حضرات کی ایک معقول تعداد تقریباً ہر شعبہ میں موجود ہے۔ مثلاً کریانہ اور جنرل مرچنٹس میں چوہدری محمد یٰسین' چوہدری محمد خلیل' حاجی محمد صابر' چوہدری محمد اشرف شاہین' حاجی مہدی حسن' کلاتھ مرچنٹس میں چوہدری محمد یامین اور چوہدری محمد یٰسین' میڈیکل سٹورز میں حاجی محمد یٰسین اور حاجی محمد خلیل' آلو سٹورز میں چوہدری محمد اشرف' الیکٹرک سٹورز میں چوہدری محمد صدیق' چوہدری محمد اظہر' چوہدری محمد خالد اور چوہدری محمد یٰسین کا پٹرول پمپ ہے۔ جبکہ کھ[illegible]

[illegible] چوہدری ...

ایجنسی میں چوہدری نوید اختر اور چوہدری حاجی محمد اختر زیادہ نمایاں ہیں۔ چوہدری محمد شفیق ٹاؤن کمیٹی کے کونسلر اور چوہدری اجمل نمبردار وائس چیئرمین تھے۔ دیگر معززین میں چوہدری عبدالغفار نمبردار' چوہدری محمد اختر جاوید وائس چیئرمین یونین کونسل' چوہدری سبحان بخش' ملاں محمد شفیع چیئرمین زکوٰۃ کمیٹی او حاجی حافظ احمد حسن جیسے حضرات شامل ہیں۔ انجمن کمبوہاں کے سیکرٹری محمد حمید نذیر ایک مخلص کارکن ہیں۔ نوجوان لڑکوں نے ینگ کمبوہ ایسوسی ایشن قائم کر رکھی ہے۔ جس کے صدر چوہدری محمد عارف' نائب صدر چوہدری طارق بشیر اور چوہدری حبیب الرحمٰن زبیری جنرل سیکرٹری ہیں۔

پاک پتن: یہ چھوٹا سا ضلع پہلے ساہی وال کی تحصیل تھا' ضلع میں پاک پتن ہی بڑا شہر ہے۔ باقی دیہات ہیں۔ نور پور' بنگہ حیات' چک S.P.39 وغیرہ ذرا بڑے گاؤں ہیں۔ کمبوہ آبادی زیادہ تر دیہات میں ہے۔ چک کمبوہ بہت پرانا ریلوے سٹیشن' پاک پتن کے قریب ہی واقع ہے۔ شہر کی ممتاز شخصیت چوہدری عبدالستار' سردار خالد محمود ایڈووکیٹ لاہور اور کرنل (ر) ڈاکٹر محمد بشیر راولپنڈی کے بھائی تھے۔ طویل علالت کے بعد اکتوبر 95ء میں لاہور میں انتقال ہوا۔ چوہدری محمد عالم سعید ایم اے' بی ٹی ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہمدرد قوم اور نوجوانوں میں فروغ تعلیم کے داعی ہیں۔ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی لاہور کے انسٹرکٹر چوہدری اللہ یار قمر کا تعلق اسی شہر سے ہے۔ نوجوانوں میں خالد سعید' ظفر سعید' احمد سعید وغیرہ کئی ابھرتے ستارے ہیں۔

چک S.P.39 میں کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی قائم ہے۔ چوہدری احمد یار سابق کونسلر اس کے سرپرست ہیں۔ کمبوہ ایسوسی ایٹس لاہور کے رکن' چوہدری فلک شیر (فرزندان جمشید اقبال' ظفر اقبال' صفدر اقبال) چوہدری محمد یاسین (اسسٹنٹ میڈیکل آفیسر گورنر ہاؤس ڈسپنسری) اور انجینئر شبیر احمد اسی چک کے رہنے والے ہیں۔

یہاں پر زبدۃ العارفین حضرت خواجہ جان محمد کمبوہؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ آپ ایک باکمال بزرگ اور شریعت و طریقت میں یکتائے روزگار تھے۔

چوہدری عبدالغنی ساکن (S.P. 38) موسے وال یونین کونسل کے وائس چیئرمین S.P-10 سے چوہدری عباس احمد اور S.P 39 کے نیاز احمد کونسلر تھے۔

ضلع پاک پتن کی انجمن کمبوہاں کے صدر چوہدری غلام حسن (6 S.P)' سینئر نائب

صدر محمد شفیع شاہد' نائب صدر حافظ عبدالغفور ایڈووکیٹ اور چوہدری عبدالقدوس (چک S.P 39) جنرل سیکرٹری ہیں۔ مشہور نعت گو' نعت خواں اور انجمن کمبوہاں پاکستان لاہور کے سابق آفس سیکرٹری قاری جمشید مسعود کمبوہ کی خدمات بھی اب ان کو حاصل ہیں۔ وہ بڑے پرجوش کارکن ہیں۔ پاک پتن سے چوہدری غلام محمد نے 1993ء کے صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا تھا پرانے گھاگ سیاستدانوں سے مقابلہ کے لئے وسیع منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

ساہی وال : انگریزوں نے اس شہر کا نام منٹگمری رکھ دیا تھا۔ پاک پتن اور اوکاڑہ الگ اضلاع بن جانے کے باعث اب اس میں چیچہ وطنی' عارف والا' حجرہ شاہ مقیم' اقبال نگر اور نور شاہ وغیرہ شامل ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے لاہور کے چوہدری ممتاز احمد مجسٹریٹ درجہ اول اور چوہدری تاج دین الیکشن آفیسر متعین تھے چوہدری ممتاز حسین میاں محمد نواز شریف وزیر اعلیٰ کے دور میں پنجاب کے وزیر تعلیم اور وزیر خزانہ تھے۔ اسی دوران میں مستعفی ہو کر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ 1990ء اور 1993ء کے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں پی پی پی کے ٹکٹ پر حصہ لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ حالات و واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو برادری سے چنداں دلچسپی یا ہمدردی نہیں ہے۔ صوبائی اسمبلی کی رکنیت سے پہلے ساہی وال میونسپل کمیٹی کے پریذیڈنٹ رہ چکے تھے۔ ان کے بھائی چوہدری اختر حسین سابقہ میونسپلٹی کے رکن تھے۔ دونوں بھائی کافی بڑے زمیندار ہیں' قیام پاکستان کے وقت ان کے والد نے بھارت جانے کی بجائے پاکستان میں سکونت کو ترجیح دی تھی۔

ماہر امراض چشم ڈاکٹر محمود حیات اختر نے خدمت خلق کے جذبہ سے کرم ہسپتال قائم کر رکھا ہے۔ چوہدری سلطان احمد معروف وکیل ہیں۔ اقبال چوہدری آدم جی انشورنس اور چوہدری شاہ محمد عظیم سٹینڈرڈ انشورنس کمپنی کے زونل مینجر ہیں۔ چوہدری محمد رفیق محکمہ واٹر مینجمنٹ میں ایگرانومسٹ ہیں۔ فرید ٹاؤن میں کافی کمبوہ آباد ہیں۔ چوہدری نعمت اللہ (کواپریٹو بنک) ماسٹر غلام سرور (تاجر) چوہدری محمد رفیع (ڈی پی ای گورنمنٹ کالج)' ان کے دو بیٹے بنک میں ہیں ایک انجینئر ہے۔ ایک بیٹی ایم اے اور ایک لودھراں میں ڈاکٹر ہے۔ چوہدری محمد تقی (مسلم کمرشل بنک) چوہدری محمد جاوید

(نیشنل بنک) ڈاکٹر محمد اکرم جاوید (میڈیکل آفیسر ہڑپہ) چوہدری منظور عالم (محکمہ تعلیم) چوہدری محمد رفیق عادل اور چوہدری محمد اسلم راشد (محکمہ ٹیلی فون) نمایاں افراد ہیں۔

چیچہ وطنی کے مرحوم چوہدری سردار محمد ایک نامور شخصیت اور شہر میں برادری کے روح رواں تھے۔ ان کے فرزندان چوہدری نثار احمد بلدیہ کے وائس چیئرمین اور چوہدری ارشاد احمد ضلع کونسل کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ چوہدری اعجاز احمد کونسلر تھے ساہی وال میں ایک دو دفعہ انجمن بنی مگر ممبران کی عدم دلچسپی کے باعث کامیاب نہ ہو سکی۔ عارف والا میں چوہدری محمد صدیق (آئرن سٹور والے) مخلص اور برادری کے ہمدرد ہیں۔ چوہدری محمد اقبال 'کمبوہ زرعی ماڈل فارم' کے مالک ہیں۔ چک EB-67 (عارفوالہ) میں ینگ کمبوہ ایسوسی ایشن نے نوجوانوں میں قومی جذبہ پیدا کرنے میں بہت محنت کی ہے اس میں چوہدری محمد دین' چوہدری غلام نبی جاوید' چوہدری محمد رفیق اور ان کے ساتھی پیش پیش تھے۔ اقبال نگر کے ڈاکٹر صادق سلیم کمبوہ شیخ زید ہسپتال لاہور میں متعین ہیں اور ہیڈ ماسٹر چوہدری حسن محمد ایم اے' بی ایڈ فروغ تعلیم کے ساتھ کمبوہ برادری کی تنظیمی سرگرمی میں بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔

بھکر: اس ضلع میں صرف دو چکوک کا پتہ چل سکا ہے یہاں 1950ء میں تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے آباد کاری کی تھی۔ چک 63-DP اور 64 DP میں صرف کمبوہ آباد ہیں۔ آبادی دو ہزار کے قریب ہے حاجی محمد حیات چک 63 میں کمبوہ یوتھ فورس کے صدر ہیں۔ حاجی نثار احمد یونین کونسل کے چیئرمین تھے۔ ضلع میں سروے کی ضرورت ہے۔ دریا خاں میں چوہدری مقصود احمد کمبوہ مالک پنجاب کریانہ سٹور ہول سیل ڈیلر ہیں برادری سے پیار ان کی رگوں میں رچا ہوا ہے۔

سرگودھا: یہ ضلع انبالہ کی کمبوہ برادری کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ مسلم ہائی سکول انبالہ اور خانصاحب غلام محی الدین کمبوہ ہیڈ ماسٹر لازم و ملزوم ہوا کرتے تھے۔ گورنمنٹ ہند کی طرف سے ان کی تعلیمی خدمات کے صلہ میں "خانصاحب" کا خطاب اور عوام کی طرف سے "سرسید" کا لقب ملا ہوا تھا۔ ان کا لگایا ہوا پودا سکول اور کالج کی صورت میں اب اہل سرگودھا کو فیض یاب کررہا ہے۔ یہاں کی کمبوہ برادری بالعموم تجارت سے

ابستہ ہے۔ محمدی بازار کی کریانہ مارکیٹ ہو یا صابن سازی کے کارخانے' سبزی منڈی ہو یا فروٹ مارکیٹ کمبوہ ہر جگہ اپنا سکہ بٹھانے میں کامیاب ہیں۔ البتہ تعلیم کے معاملہ میں یہ لوگ ابھی تک کافی پیچھے ہیں۔ توقع تھی ایسی عظیم برادری سے بیسیوں ڈاکٹر' انجینئر' سائنس دان' اعلیٰ انتظامی افسران' قومی اور صوبائی سطح کے سیاستدان پیدا ہوتے۔ ٹیلنٹ کی کمی نہیں عزمِ صمیم کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ ہمارا پیغام ہے

اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ
تو پھر کس چیز کی تم میں کمی ہے

سرگودھا میں انفرادی سطح پر بیداری کی لہر تو کافی عرصہ سے موجزن تھی اسے صحیح رخ پر لانے کے لئے مخلص' بیدار مغز اور باہمت نوجوانوں نے کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی قائم کی' کمبوہ میگزین نام سے دو خوبصورت پرچے شائع کئے۔ اس کے عہدیداروں میں چوہدری محمد جہانگیر چیئرمین' چوہدری محمد اشرف ڈپٹی چیئرمین' چوہدری محمد حسن کنوینر تعلیمی کمیٹی' چوہدری محمد یوسف کنوینر رابطہ کمیٹی اور چوہدری محمد اسلام جنرل سیکرٹری نمایاں ہیں۔ کچھ عرصہ خوب زور شور سے جلسے اجلاس ہوئے لیکن جمود کی باد خزاں نے سرگودھا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا مدت سے کوئی سرگرمی سننے میں نہیں آئی۔

دیگر معروف اصحاب میں چوہدری محمد ابراہیم (ر) ایسوسی ایٹ پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ اسسٹنٹ پروفیسر (اکنامکس) اور چوہدری عارف جمشید زبیری لیکچرار (اطلاقی نفسیات) گورنمنٹ کالج' عزیزہ عذرا چوہدری ایم اے (آرمی کالج میں لیکچرار ہیں) فلائٹ لیفٹیننٹ طارق جاوید' ڈاکٹر محمود احمد زبیری (گولڈ میڈلسٹ) شعبہ امراض چشم سول ہسپتال جوہر آباد' چوہدری ریاض محمود کمبوہ (پرنسپل انسٹی ٹیوٹ برائے نابینا افراد)' چوہدری عبدالکریم کنٹرولر کنڈکٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن' چک 99 جنوبی کے چوہدری محمد یعقوب اور چوہدری غلام محمد' 43 جنوبی کے چوہدری محمد طفیل' ممبر ضلع کونسل چوہدری محمد خالد (بھیرہ) اور ڈاکٹر محمد رفیق (سرگودھا) شامل ہیں۔

تحصیل بھلوال کمبوہ آبادی کا دوسرا بڑا مرکز ہے جہاں ریاست سنگرور سے ہجرت کر کے آنے والے برادران آباد ہیں۔ چوہدری محمد اسحٰق ایڈووکیٹ میونسپل کمیٹی کے

چیئرمین رہ چکے ہیں۔ ان کے بھائی چوہدری مشتاق احمد کمبوہ پاہڑیانوالی شوگز ملز لالیاں میں فنانس مینجر ہیں۔

چھوٹا بھائی شبیر احمد واپڈا میں XEN ہے۔ چوہدری عمر دراز کے بھائی چوہدری محمد رفیق (ایم ایس سی) ایجوکیشن کورپاک نیوی سے وابستہ ہیں۔

ینگ کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی بھلوال نوجوانوں میں یک جہتی' فروغ تعلیم اور اصلاح معاشرہ کی غرض سے قائم کی گئی ہے۔ چوہدری محمد نذیر (بلاک 4) اور چوہدری خالد محمود اس کے سرپرست' چوہدری محمد شبیر (مدینہ سٹور) صدر' حاجی محمد ارشاد نائب صدرؒ عابد محمود جنرل سیکرٹری اور بہت سے دوسرے بھی خواہ عہدیداروں میں شامل ہیں۔

بھیرہ اور شاہ پور میں مقامی کمبوہ تعلیم' اچھی ملازمتوں اور ملکیت اراضی کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے شیخ محمد اکبر سیشن جج بھیرہ کو اہم مقام حاصل تھا۔ بریگیڈیئر نجیب احمد شہید' میجر سالک نواز' محمد اشرف ایڈووکیٹ سرگودھا' میجر زاہد اور ان کے والد شیخ محمد ممتاز ایم اے' پی ای ایس (ریٹائرڈ) راولپنڈی' ظفر اقبال شیخ اور ان کے مرحوم چچا مشہور قانون دان ایس ایم انور (لاہور) کے علاوہ راولپنڈی اسلام آباد میں اور بھی کئی معززین بھیرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ شاہ پور تحصیل کے کمبوہ مغلیہ عہد میں بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے ان کی وسیع حویلیاں جو اب کھنڈر بن چکی ہیں۔ اس بات کی شاہد ہیں۔ چوہدری سدا کمبوہ ذیلدار یونین کونسل سدا کمبوہاں کے رکن تھے۔ نصف صدی گزر جانے کے باوجود مقامی اور غیر مقامی میں مغائرت کی دیوار موجود ہے۔ اسے اب ختم ہو جانا چاہئے۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ : اس ضلع میں ٹوبہ' کمالیہ' گوجرہ' پیر محل' رجانہ وغیرہ شامل ہیں۔ کمبوہ اچھی خاصی تعداد میں آباد ہیں مگر چک 342 لدھڑ (گوجرہ) کے سوا کسی جگہ کوئی تنظیم موجود نہیں۔ تفصیلی سروے کی ضرورت ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں محمد جمیل کونسلر جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ کمالیہ میں ڈاکٹر محمد پرویز کے والد چودھری عبدالرحمٰن کمیشن ایجنٹ غلہ منڈی اور چوہدری عبدالغفور جاوید (میڈیکل سٹور) برادری کی ترقی میں دلچسپی لیتے ہیں مگر کاروباری مصروفیات آڑے آتی ہیں۔ کچھ ایسی ہی حالت گوجرہ میں ہے جہاں چوہدری محمد صدیق (صدیق اینڈ سنز) اور چودھری جان محمد کلاتھ مرچنٹ جیسے بڑے

کاروباری اور چوہدری محمد افضل ایم اے (سمندری شوگر ملز) محمد فاروق بنک مینجر' محمد طارق نوید ایس ڈی او اور محمد امجد شعور (مالک پٹرول پمپ) جیسے تعلیم یافتہ شخص موجود ہیں۔ پیر محل میں رازی دواخانہ کے حکیم محمد زکریا قادری بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

چک 342 ج ب لدھڑ کے باہمت اور پر جوش اصحاب نے برادری کی تنظیم اور اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے (نوائے کمبوہ فروری 1985ء صفحہ 59-60) انجمن کمبوہاں کے سرپرست چوہدری عباس علی بی اے اور چوہدری لیاقت علی نمبردار ہیں۔ صدر انجمن چوہدری محمد رشید کے ساتھیوں میں چوہدری افتخار احمد' چوہدری قمر حسین' چوہدری محمد اعظم بی اے' چوہدری محمد اکرم بی اے' بی ایڈ وغیرہ شامل ہیں۔ گاؤں کے کئی زمینداروں کا شمار مثالی کاشتکاروں میں ہوتا ہے۔ مشینی ذرائع سے کاشت کا عام رواج ہے۔ درجن بھر افراد بسلسلہ ملازمت بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔ چوہدری برکت علی (اسسٹنٹ ڈائریکٹر) محمد سلیم چوہدری اور چوہدری شوکت علی محکمہ زراعت میں اور چوہدری محمد حنیف چیف انجینئر' چوہدری عبدالمجید' چوہدری عبداللطیف وغیرہ ایئر فورس میں ملازم ہیں۔ چوہدری ذوالفقار علی' ایم ایس سی (فزکس) گورنمنٹ کالج بھیرہ (آزاد کشمیر) میں اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ ڈاکٹر چوہدری محمد ایوب (یکے از بانیان کمبوہ ایسوسی ایٹس لاہور) ایم اے' پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ تعلیم و تحقیق سے وابستہ رہنے کی بعد عرصہ دراز تک نائیجریا میں پروفیسر رہے ہیں۔ ان کے بھائی ڈاکٹر چوہدری اصغر علی ایم اے۔ ایم بی بی ایس' ڈی پی ایم (آر سی پی لندن اور آر سی ایس انگلینڈ) ملک کی نامور طبی شخصیت ہیں۔ آپ نے کچھ عرصہ پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر (سائیکاٹری) اور شیخ زید ہسپتال رحیم یار خاں (شعبہ دماغی امراض) میں کام کیا۔ گذشتہ دس سال سے گورنمنٹ مینٹل ہسپتال لاہور میں بطور ماہر امراض دماغی اور اب بحیثیت میڈیکل سپرنٹنڈنٹ قوم کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ منشیات کے خلاف جہاد میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ اس گاؤں کے ایک اور سپوت ڈاکٹر یونس علی چوہدری ایم ایس سی' پی ایچ ڈی ہیں۔ شروع سے ہی ان کا تعلیمی معیار قابل فخر تھا۔ ایم ایس سی (زوآلوجی) میں پنجاب بھر میں فرسٹ کلاس فرسٹ ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ یونیورسٹی آف ویلز سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے

کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں حیوانیات کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے 1987ء سے مختلف گورنمنٹ کالجوں میں بطور پرنسپل کام کر رہے ہیں۔ ذو آلوجیکل سوسائٹی آف ویلز (انگلینڈ) اور ذو آلوجیکل سوسائٹی آف پاکستان کے فیلو ہیں۔ بہت سے مقالہ جات اور کتب کے مصنف ہیں' Insect فزیالوجی پر ان کی ایک کتاب یونیورسٹی آف ویلز کے بی ایس سی کے کورس میں شامل ہے۔ جو ایک پاکستانی کے لئے بڑا اعزاز ہے۔

فیصل آباد : انگریز حاکموں نے یہ ضلع انیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں آباد کرنا شروع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ 1881ء اور 1891ء کی مردم شماری میں اس ضلع کا کہیں ذکر نہیں بلکہ 1901ء کی رپورٹ مردم شماری میں بھی لائل پور کی بجائے "نو آبادی چناب" کے نام سے اعدادوشمار مرتب کئے گئے۔ یہاں آباد ہونے والی کاشتکار اقوام میں کمبوہ' ارائیں' جاٹ گوجر وغیرہ سب شامل تھے۔ جو زیادہ تر اضلاع ہوشیار پور' جالندھر' فیروزپور' امرتسر اور گورداس پور سے نقل مکانی کر کے آئے تھے۔ قیام پاکستان تک غیر مسلم کمبوہ مسلمان کمبوہوں کے مقابلہ میں چار گنا زیادہ تھے۔ پاکستان بننے کے بعد انہی اضلاع کے مسلمان کمبوہوں نے اسے اپنا مسکن بنایا۔ دوسری تحصیلوں کے مقابلہ میں فیصل آباد اور سمندری میں کمبوہ آبادی کا تناسب کافی زیادہ ہے۔ زرعی اراضی کی تقسیم در تقسیم کے بعد بہت سے کمبوہ شہروں میں منتقل ہو کر ملازمت' تجارت' صنعت وغیرہ مختلف پیشوں سے منسلک ہو گئے ہیں۔

زرعی یونیورسٹی ایک بہت قدیم مگر ٹیکنالوجی کے لحاظ سے جدید ترین درسگاہ ہے۔ بہت سے کمبوہ طلبہ بی ایس سی آنرز' ایم ایس سی آنرز' ڈی وی ایم وغیرہ امتحانات پاس کر کے متعلقہ زراعتی' تحقیقی اور وٹرنری محکموں میں ملازمت کے علاوہ ذاتی کاروبار کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی میں طلبہ کی الگ تنظیم ینگ کمبوہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن قائم ہے جو طلبہ کی تعلیمی امور میں کافی رہنمائی کرتی ہے۔ پروفیسر چوہدری عبدالرحمٰن طلبہ میں کافی مقبول ہیں۔ برادری میں تنظیم اور یک جہتی پیدا کرنے کے سلسلہ میں وکلا صاحبان نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس ضمن میں چوہدری عبدالغفور ایڈووکیٹ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جنوری 1976ء میں ان کی وفات سے برادری ایک مخلص رہنما سے محروم ہو گئی۔ چوہدری ظفر اقبال ایڈووکیٹ انجمن کے سدابہار جنرل سیکرٹری

ہیں۔ پارٹی (مسلم لیگ) کا ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے 1993ء کے الیکشن میں حصہ نہ لے سکے۔ دیگر وکلا میں چوہدری نیاز حسین (جنرل سیکرٹری ڈسٹرکٹ بار)' چوہدری محمد سلیم کمبوہ' شہزادہ محمد امین' چوہدری عبدالرزاق قابل ذکر ہیں۔

چوہدری تجمل اقبال کمبوہ ایم اے' ایل ایل بی نے وکالت کے ساتھ سیاست کا آغاز 1970ء میں تحریک استقلال سے کیا۔ تحریک کے صدر سے اہم قومی مسئلہ پر اختلاف کے باعث پورے گروپ کے ساتھ مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان کی رہائش گاہ (کمبوہ ہاؤس نور پور) میں اکثر پارٹی اجلاس ہوتے رہے۔ تمام حلقوں میں نام کی بجائے ان کو اکثر کمبوہ صاحب کہہ کر ہی پکارا جاتا ہے۔ وہ سب کمبوہ بھائیوں کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ شناخت کے لئے نام کے ساتھ کمبوہ ضرور لکھیں۔ برادری کے سابقہ انتخاب میں ان کو انجمن کمبوہاں کا صدر منتخب کیا گیا۔

آپ سماجی بہبود کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہیں۔ ان کی سماجی تنظیم کے زیر اہتمام فری ڈسپنسری اور بلڈ بنک قائم ہیں۔ اب تک 5 ہزار مریضوں کو خون کی بوتلیں دی جا چکی ہیں۔ آپ آج کل فیصل آباد اور سرگودھا ڈویژن کی خصوصی عدالت انسداد دہشت گردی کے جج ہیں۔

گو آبادی کے لحاظ سے فیصل آباد کے کمبوہ حضرات کو سیاست میں بہتر مقام حاصل کرنا چاہئے تاہم کچھ نہ کچھ نمائندگی ضرور حاصل ہے۔ چوہدری اختر رسول کے چچا چوہدری محمد صدیق سالار فیصل آباد میونسپل کارپوریشن کے ڈپٹی میئر' دو مرتبہ پنجاب اسمبلی کے رکن اور ایک مرتبہ پارلیمانی سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ پرانے سیاستدان اور حلقہ میں کافی مقبول ہیں۔

ڈاکٹر غلام رسول چوہدری اگرچہ کافی عرصہ لاہور میں رہے لیکن بنیادی طور پر ان کا تعلق فیصل آباد سے تھا۔ زرعی یونیورسٹی سے بی ایس سی کے بعد M.Sc (زرعی اقتصادیات) میں پہلی پوزیشن حاصل کی اس دوران میں ضلع اور یونیورسٹی کی ہاکی ٹیم میں بھی حصہ لیتے رہے۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد پہلے ایچی سن کالج میں لیکچرار اور پھر محکمہ بحالیات لاہور میں ڈپٹی بحالیات کمشنر کے فرائض انجام دیے۔ کینساس یونیورسٹی (امریکہ) سے ڈاکٹریٹ کا پانچ سالہ کورس ساڑھے تین سال میں مکمل کیا اور

ایچی سن کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے پھر تین سال تک زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے وائس چانسلر رہنے کے بعد زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے ایم ڈی' پنجاب حکومت کے محکمہ تحفظ حیوانات کے سیکرٹری اور آخر میں سیکرٹری زراعت کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ اس دوران میں بہت سی بین الاقوامی زرعی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ آپ دنیا بھر میں پہلے ماہر تعلیم تھے جن کو ان کی زندگی میں ایلومینائی Madalion گولڈ میڈل سے نوازا گیا یہ میڈل اس سے قبل کسی ایشیائی کو نہیں ملا تھا۔ بہت سی دوسری ذمہ داریوں کے باوجود پاکستان ایسوسی ایشن آف ایڈوانس منٹ آف سائنس کے اعزازی سیکرٹری رہے۔ صدر پاکستان کی طرف سے پرائڈ آف پرفارمنس ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس قدر اعلیٰ تعلیمی کیریر کے ساتھ منفرد اعزاز ان کا ہاکی کی دنیا پر حکمرانی تھا۔ 1956ء میں اولمپک اور دو سال بعد ایشین ہاکی چیمپئن شپ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ 1960ء میں روم اولمپکس میں آپ کی کپتانی میں پاکستان ہاکی ٹیم نے پہلی مرتبہ گولڈ میڈل حاصل کیا۔ 1962ء میں ایشیائی مقابلوں میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والی ٹیم کے بھی کپتان تھے۔ ہاکی فیڈریشن کے اعلیٰ عہدوں کے علاوہ سلیکشن کمیٹی کے چیئرمین رہے۔ دسمبر 1991ء میں انتقال ہوا۔ آپ کے فرزند چوہدری اختر رسول اور ڈاکٹر فاروق رسول لاہور میں سکونت پذیر اور بڑی شہرت کے مالک ہیں۔

پاکستان ہاکی کو اس خاندان پر خاص فخر ہے چوہدری صدیق سالار کے فرزند اور ڈاکٹر غلام رسول کے بھتیجے ارشد چوہدری نے بی اے گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے کیا یہاں وہ کالج کی ہاکی ٹیم کے کپتان تھے۔ 1971ء میں گورنمنٹ کالج لاہور اور پنجاب یونیورسٹی ٹیم کے کپتان مقرر ہوئے ان کی قیادت میں پنجاب یونیورسٹی نے چھ سال بعد انٹر یونیورسٹی چیمپئن شپ جیتی۔ 1973ء میں ایم اے ہسٹری کا امتحان پاس کیا۔ 1971ء سے 1976ء تک چھ سال عالمی ہاکی میں 55 بین الاقوامی میچوں میں پاکستان کی نمائندگی کی جن میں سے پاکستان نے 50 میچ جیتے اور 5 برابر رہے۔ انہوں نے سونے کے تین' چاندی کے دو اور کانسی کا ایک تمغہ حاصل کیا۔ 1975ء میں پی آئی اے میں اسسٹنٹ ٹریفک مینجر مقرر ہو گئے اور ایک سال بعد قومی ٹیم سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا جو ہاکی کے شائقین کے لئے حیرت کا باعث ہوا۔

چوہدری رفیق احمد ایک معروف تاجر' قومی اور سماجی رہنما' اور زرعی یونیورسٹی کمبوہ طلبہ یونین کے سرپرست ہیں۔ کمبوہ یوتھ فورس کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔ انجمن کمبوہاں کے صدر رہ چکے ہیں۔ 1992ء میں میونسپل کارپوریشن کے ڈپٹی میئر منتخب ہوئے تھے۔ حاجی چوہدری محمد یونس دو مرتبہ کارپوریشن کے کونسلر منتخب ہوئے۔ سماجی کارکن اور کمبوہ یوتھ فورس کے سرپرست ہیں۔

فیصل آباد ٹیکسٹائل انڈسٹری کا مرکز ہے یہاں کے ایک دو چوٹی کے صنعت کاروں اور نامور صحافی الحاج تاج سیفی مرحوم کے کمبوہ برادری سے تعلق کے معاملہ میں مسلسل غلط فہمی رہی لیکن بالوثوق اور قابل اعتماد ذرائع کی تصدیق کے بعد بدگمانی کا جواز نہیں رہتا اس ضمن میں قومیتوں کے بارے میں پچھلے ایک باب میں درج بریگیڈئر (ر) ایم عثمان کی کتاب بلوچستان' کے اقوال بھی پیش نظر رکھے جائیں۔

الحاج تاج سیفی مرحوم روزنامہ سعادت اور تجارتی رہبر کے بانی اور مینجنگ ڈائریکٹر اور تحریک پاکستان کے نڈر حامی تھے۔ فیصل آباد کے ایک عظیم الشان جلسہ عام میں حضرت قائداعظمؒ نے ان کے خلوص' لگن اور اعلیٰ صحافتی صلاحیت کا شاندار الفاظ میں اعتراف کیا۔ سیفی مرحوم نے نتائج کی پرواہ کئے بغیر پنجاب کی حکمران یونی نسٹ پارٹی پر بے لاگ تنقید اور مسلم لیگ کے موقف کی بھرپور ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے صحافتی اقدار کا علم بلند رکھا۔ سیفی مرحوم کے بیٹوں میں شفیق الرحمٰن' عتیق الرحمٰن اور خلیق الرحمٰن روزنامہ سعادت اور تجارتی رہبر فیصل آباد اور سعادت لاہور کے (بالترتیب) مینجنگ ایڈیٹر ہیں۔ جناب سیفی کی وفات کے بعد اپنے بھانجوں کی کفالت اور ان کی رہنمائی کا فریضہ جناب اختر سدیدی کے سپرد ہوا۔ جو انہوں نے احسن طریق سے نبھایا۔

اختر سدیدی روزنامہ سعادت اور تجارتی رہبر کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ پاکستان کے تیسرے بڑے شہر فیصل آباد کے آسمان صحافت کا یہ درخشندہ آفتاب سرزمین کملیہ پر طلوع ہوا اور آج پورے وسطی پنجاب کو منور کر رہا ہے۔ جناب اختر سدیدی صوفی' صافی' بلند مقام صحافی' بہترین مقرر' نغزگو شاعر' عشق رسولؐ سے سرشار نعت گو' خوش الحان نعت خواں' مذہبی محافل کی جان' سماجی تقریبات کی شان' ادبی مجالس کی رونق' غریبوں کے ہمدرد' مزدوروں کے رفیق' غرض ہمہ صفت موصوف' مسکین مزاج'

درویش صفت انسان ہیں۔ 25 سال سے زیادہ عرصہ سے انجمن کمبوہاں فیصل آباد کے سیکرٹری نشرواشاعت ہیں۔ فیصل آباد کے روزنامہ عوام نے ایک ضخیم اختر سدیدی نمبر شائع کیا تھا جس میں ملک کے نامور شاعروں' ادیبوں' صحافیوں' علمائے کرام اور صوفیائے عظام نے اختر صاحب کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا تھا۔ (نوائے کمبوہ اپریل 1992ء)۔

یوں تو شہر کے تقریباً تمام محلوں میں کمبوہ آباد ہیں مگر کوٹ امین الدین' نور پور جمیل آباد اور نصیر آباد کمبوہ آبادی کے مرکز ہیں۔ منصور آباد اور عبداللہ پور میں بھی کافی کمبوہ آباد ہیں۔ انگریزی سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی کی مشہور تحریک "ریشمی رومال" کا ضلعی مرکز کوٹ امین تھا۔ صوفی عبداللہ مجاہد کمبوہ کا قائم کردہ جامعہ سلفیہ آج بھی سینکڑوں تشنگانِ علوم دین کی پیاس بجھاتا ہے۔ کوٹ کی خاص شخصیات میں چوہدری نذیر احمد کا نام سرفہرست ہے آپ زمانہ طالب علمی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن فیصل آباد کے صدر رہے اور تحریک پاکستان میں پر زور حصہ لیا۔ کچھ عرصہ اخبار زمیندار لاہور میں کام کرتے رہے بعد میں انڈین سول سروس میں آ گئے۔ پاکستان بننے پر مرکزی حکومت کے محکمہ فنانس میں مختلف اعلیٰ مناصب پر فائز رہنے کے بعد سیکرٹری فنانس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ کوٹ کے دوسرے معززین میں چوہدری محمد عمر (ایم ایس سی انجینئرنگ) حال مقیم امریکہ' اسسٹنٹ پروفیسر محمد عباس کمبوہ' چوہدری سلیم اختر ایم اے ' چوہدری سلیم عمر (ڈپٹی ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی)' سرمد چوہدری (مارکیٹنگ مینجر سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

امرتسر سے ہجرت کر کے آنے والے کئی کمبوہ خاندان نور پور میں آباد ہو گئے۔ کئی وکلا اور ڈاکٹر صاحبان اس آبادی کے مکین ہیں۔ چوہدری وہاب الدین مؤلف تاریخ کمبوہاں کے فرزندان چوہدری صلاح الدین اور صوبیدار افضل محمود مرحوم کے چار بیٹے (ان میں ایک طارق چوہدری' ملکی غیر ملکی اداروں کے تعلیم یافتہ لاہور میں وکالت کرتے ہیں) چوہدری صاحب کے بھائی کیپٹن مظفر الدین کے فرزند غیاث الدین کی اولاد (ڈاکٹر ظہیر الدین' ڈاکٹر شجاع الدین' چوہدری ریاض الدین ایڈیٹر صدائے کمبوہ کراچی اور دو بیٹیاں (جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں) اسی بستی سے تعلق رکھتے ہیں۔

فیصل آباد شہر کی دیگر ممتاز ہستیوں میں مرحوم عبدالکریم چوہدری (صدر انجمن)' مشہور ٹرانسپورٹر حاجی مہردین مرحوم (نائب صدر انجمن)' چوہدری عبدالحفیظ (منصور آباد) پروفیسر پیر محمد انور' چوہدری محمد یعقوب ڈائریکٹر ایگریکلچر ڈویلپمنٹ بنک آف پاکستان' ان کا فرزند انور مسعود آرمی میں میجر ہے۔) چوہدری محمد نعیم (ڈپٹی ڈائریکٹر ٹاؤن پلاننگ FDA)' چوہدری محمد مشتاق (ڈپٹی چیف پلاننگ ایگریکلچر ریسرچ کونسل اسلام آباد) ڈاکٹر محمد انور چوہدری (زرعی ریسرچ سیل) چوہدری محمد ایوب (ر) ای ٹی او (ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ڈاکٹر ہیں)' ٹیکسٹائل کے ملک بھر میں نامور صنعتکار احسان یوسف' مشتاق ٹیکسٹائل، کے چوہدری محمد مشتاق' ٹرانسپورٹرز چوہدری علم الدین اور چوہدری محمد شریف آف کمبوہ ٹرانسپورٹ کمپنی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

فیصل آباد کے نوجوانوں نے اپنے بزرگوں کی رہنمائی میں کمبوہ یوتھ فورس قائم کر کے بڑا نیک قدم اٹھایا ہے۔ اس تحریک کے بائیس نکاتی پروگرام کے بڑے بڑے مقاصد میں ہنگامی بنیادوں پر تعلیم کے فروغ' نوجوانوں کو ان کی صلاحیتوں سے استفادہ اور معاشی بدحالی پر کنٹرول کرنے' قومی اور فلاحی امور میں گہری عملی دلچسپی' اسلامی تعلیمات کے مطابق کردار کی بلندی' برائیوں خاص کر منشیات جیسی لعنت سے پاک معاشرہ کا قیام وغیرہ شامل ہیں۔

سابق ڈپٹی میئر حاجی رفیق احمد' چوہدری تجمل اقبال کمبوہ اور چوہدری بشیراحمد بس باڈی بلڈر جیسے ہمدردان قوم کی اشیرباد' چوہدری دین محمد' چوہدری محمد یونس' چوہدری سخاوت حسین اور چوہدری محمد اجمل کی سرپرستی میں حاجی عبدالمجید' چوہدری طاہر محمود' چوہدری محمد طارق اور ان کے دوسرے بہت سے مخلص ساتھیوں کی مدد سے فورس کے ایک درجن سے زائد یونٹ قائم ہو چکے ہیں۔ دعا ہے یہ نوجوان بے لوث خدمت کو اپنا شعار بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت بخشے اور دوسرے اضلاع کے نوجوانوں کو ان کی تقلید کی توفیق ارزانی فرمائے۔

ضلع کے بہت سے چکوک میں آباد کمبوہ یونین کونسلوں کے انتخاب میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ چک 41 جگدیو کے چوہدری محمد منیر اور چوہدری محمد حسین ممبر ضلع کونسل' چک 42 پرانی لوپوکی (حال حاجی آباد) کے امجد پرویز ضیاء' جاوید اقبال' شاہد پرویز' زاہد

اقبال وغیرہ' 43 لوپوکی' گ ب 215' 529' 530 نارنگوال (چوہدری محمد شفیع چیئرمین)' 531' پڑتھ' ر ب 253 جہانگیر (نمبردار محمد اسمٰعیل چیئرمین' ان کا فرزند چوہدری یاسمین طاہر (ایم ایس سی) مالک گلشن میڈیکل سٹور فیصل آباد) چک ر ب 273' 274' 275 (ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر محمد ابراہیم جوسن) وغیرہ خاصے معروف چکوک ہیں۔

گ ب 215 کے چوہدری محمد ادریس ایڈووکیٹ لاہور کے بھائی ڈاکٹر محمد رفیق ہارون نہایت قابل سائنس دان تھے۔ 1983ء میں صرف 46 سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ چوہدری محمد رفیق نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی ایس سی اور گورنمنٹ کالج سے ایم ایس سی (فزکس) کا امتحان یونیورسٹی بھر میں دوسری پوزیشن پر پاس کیا۔ چند سال گورنمنٹ کالج لاہور اور گوجرہ میں بطور لیکچرار کام کیا۔ اس کے بعد پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ امپیریل کالج لندن سے Ph.D اور امریکہ سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کی کامیاب تعلیم و تحقیق کے بعد 1969ء میں واپس اٹامک انرجی کمیشن اسلام آباد سے منسلک ہو کر تاحیات ملک و قوم کی خدمت پر مامور رہے۔ راقم نے ان کو قومی ہمدردی کے جذبہ سے معمور پایا۔

چک 274 ر ب (کالا) کے چوہدری عبدالمجید ناظم ایک قابل انجینئر اور محکمہ نیشنل ہائی وے میں عرصہ تک سپرنٹنڈنگ انجینئر رہے ان کے بھائی لیفٹیننٹ کرنل ڈاکٹر عبدالرشید پہلے گوجرانوالہ چھاؤنی میں تھے اب پاکستان نیوی کراچی میں متعین ہیں۔ بڑے خوش اخلاق اور قوم کے ہمدرد ہیں۔

رکھ برانچ (ر ب) 273 رائے چک کو ضلع میں کئی لحاظ سے انفرادی اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اول'' یہاں پر صرف کمبوہ قوم کے مالکان اراضی آباد ہیں۔ (2) اہالیان چک پر بزرگوں کے تتبع میں مذہبی رنگ غالب ہے۔ گاؤں میں ایک عالی شان مسجد' دینی درسگاہ' عید گاہ اور لائبریری قائم ہے۔ انجمن نے بارہ ایکڑ زمین خرید کر مسجد کے نام منتقل کرا دی ہے گاؤں کے چاروں طرف باغات ہیں۔ کئی گھروں میں اپنی تیار کردہ بائیو گیس استعمال ہوتی ہے۔ (3) گاؤں کے لوگوں نے اپنے مسائل حل کرنے کے لئے 1937ء میں دس اراکین پر مشتمل انجمن قائم کی۔ مسجد کا انتظام اسی انجمن کے سپرد ہے' یہاں کی پنچایت پورے علاقہ میں مشہور تھی۔ دور دراز کے کمبوہ دیہات میں

بھی اسے پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے مدعو کیا جاتا۔
گاؤں کے بزرگ ڈاکٹر نور محمد ملتان جا کر آباد ہو گئے۔ وہ چھٹیوں میں ہمیشہ گاؤں آیا کرتے اور مریضوں کو دیکھنے کے علاوہ پنچایت کی رہنمائی بھی کرتے۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک بھائی چوہدری محمد جمیل تخت بھائی ضلع مردان میں واقع رحمان ٹیکسٹائل ملز کے جنرل مینجر ہیں' لاہور مستقل مستقر ہے۔ تیسرے بھائی چوہدری حاجی محمد بشیر بی ای (آنرز)' جی ای ای (لندن) محکمہ ٹیلی گراف اور ٹیلی فون میں ڈائریکٹر جنرل اور بلحاظ عہدہ حکومت پاکستان کی وزارت مواصلات میں ایڈیشنل سیکرٹری رہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں وفاقی وزیر ممتاز بھٹو سے بغیر استحقاق ترقیاں نہ دینے کے اصولی نکتہ پر شدید اختلاف رائے کی بناء پر مستعفی ہو گئے اور وزیراعظم کی ذاتی مداخلت اور اصرار کے باوجود استعفیٰ واپس لینے سے انکار کر دیا۔ تاہم ان کی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے ان کو ریٹائر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آپ ایک عرصہ سے تبلیغی جماعت کے رکن تھے اب پاکستان میں تبلیغی جماعت کے امیر مقرر ہو گئے بعد میں خرابی صحت کی بناء پر یہ فرائض انجام دینے سے معذرت کر لی لیکن سکونت مستقل طور پر رائے ونڈ میں مسجد سے ملحقہ اپنی اقامت گاہ میں ہی رکھی۔
چوہدری صاحب مرحوم نے ہندوؤں کے زمانہ میں اپنی قابلیت کا سکہ منوایا تھا ایک دفعہ سالانہ اجتماع کے موقع پر انہوں نے راقم کو اپنی سرگزشت تفصیل سے بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ سنایا "دہلی' بمبئی اور کلکتہ کو پہلی بار ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم کے ذریعے مربوط کرنے کا پروگرام بنا تو تینوں سٹیشنوں پر تنصیب کا کام تین سینئر انجینئر (دو ہندو اور ایک مسلمان) کے سپرد کیا گیا۔ بمبئی کے لئے مجھے منتخب کیا گیا۔ ہمارے ساتھ پہلی زیادتی یہ کی گئی کہ ہمیں کام اس وقت سونپا گیا جب دہلی اور کلکتہ میں تنصیب شروع ہو چکی تھی۔ چند ہی روز بعد وائسرائے ہند نے دہلی سے بمبئی اور بنگال کے گورنروں کے ساتھ بات کر کے اس نئے سسٹم کا افتتاح کرنا تھا۔ ہماری مستعد ٹیم نے میری مسلسل نگرانی میں دن رات ایک کر کے مشینیں نصب کر دیں۔ کسی انجانے خدشہ کے پیش نظر میں چیک کرنے لگا تو منکشف ہوا کہ ہمیں مثبت اور منفی رو کی مشینوں کی بجائے صرف مثبت رو کی مشینیں فراہم کی گئی تھیں۔ وقت بہت کم تھا۔ میں نے ایک

لمحہ بھی ضائع کئے بغیر پرائیویٹ ٹرانسپورٹ حاصل کی۔ ہم لوگ بھاگم بھاگ دہلی پہنچے ضروری صحیح مشینری حاصل کر کے بمبئی آئے اور مقررہ وقت سے چند لمحے پہلے تنصیب کا کام مکمل کر کے چیک بھی کر لیا۔ اللہ کا بے پایاں کرم تھا ہمیں سرخروئی حاصل ہوئی بعد میں گھر کے ایک بھیدی کے ذریعے یہ راز افشا ہوا کہ دہلی کے غیر مسلم عملہ نے مجھ مسلمان انجینئر کو بدنام کرنے کے لئے سازش تیار کی تھی۔"

حاجی محمد بشیر مرحوم کے بیٹوں مولانا احسان الحق اور حافظ اسرار الحق نے سرکاری ملازمت کی بجائے تبلیغی جماعت سے وابستگی کو ترجیح دی ہے۔ گاؤں کے دیگر معززین میں مولانا انعام الحق' مولانا حافظ محمد رستم احسان' ڈاکٹر عبدالرؤف سابق چیف میڈیکل آفیسر زرعی یونیورسٹی' چوہدری سلیم محمود اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ حبیب بنک فیصل آباد' میجر ڈاکٹر نسیم سعود احمد آرمی میڈیکل کالج' ڈاکٹر سعید صابر' محمد منیر' محمد حنیف نمبردار وغیرہ شامل ہیں۔ چھ سات قابل طبیب حکیم محمد الدین' حکیم محمد انور' محمد یوسف وغیرہ دکھی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ پاکستان ریلوے فٹ بال ٹیم کے ممتاز کھلاڑی عبداللطیف اسی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیزہ' گولہ اور ڈسکس (تھالی) پھینکنے کا ان کا ریکارڈ مدتوں توڑا نہیں جا سکا۔ ڈاکٹر نور محمد اور حاجی محمد بشیر کے علاوہ جس ہستی نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ایک زیرک فوجی افسر' بریگیڈیئر محمد عمر ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم خانیوال کے ایک چک کے بعد کمالیہ اور تلمبہ میں حاصل کی۔ 1965ء میں گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے گریجوایشن کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی شعبہ نباتات میں داخلہ لیا۔ 1967ء میں فوج میں کمیشن مل گیا۔ عسکری زندگی کے مختلف کٹھن مراحل نہایت کامیابی اور کامل اطمینان سے طے کئے۔ اس دوران میں بہت سے متعلقہ کورس اعزاز کے ساتھ پاس کئے۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں بھرپور حصہ لیا جس سے جنگ کے تمام عملی پہلوؤں کو دیکھنے کا موقع میسر آیا۔ آپ کا تعلق آرمرڈ کور سے ہے۔ وطن عزیز کے دفاع کے لئے کئی اہم ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کی ہیں۔ آپ کا اصول ہے "کامیابی حاصل کرنے کے لئے جدید علوم پر مکمل دسترس اور خلوص نیت پر کامل یقین کے ساتھ مسلسل جدوجہد اشد ضروری ہے۔"

کھرڑیانوالہ کے نواح میں موضع ملی کے کرنل (ر) عبدالرزاق ایک مشہور صنعتی

ادارہ میں اہم انتظامی پوسٹ پر متعین ہیں' ڈاکٹر چوہدری سلطان محمود (ایم ڈی' نیویارک) کا تعلق اسی گاؤں سے ہے ان کے چھوٹے بھائی محمد داؤد اور کزن محمد دلاور بالٹی مور (امریکہ) میں فوڈ انڈسٹری کے ابھرتے ہوئے تاجر ہیں۔ سمندری کے چوہدری عبدالمجید ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر فروغ تعلیم میں سرگرم ہیں۔ جڑانوالہ مین چوہدری محمد شفیع اور فرزندان ایک ماڈرن جنرل سٹور کے مالک ہیں۔ جاوید اقبال انجم تاندلیانوالہ ٹاؤن کمیٹی کے کونسلر اور چوہدری میڈیکل سٹور کے مالک چوہدری محمد یعقوب اپنے محدود حلقہ میں سماجی کام بھی کرتے ہیں۔

منڈی بہاؤالدین: گجرات اور سرگودھا کے مابین نیا ضلع ہے۔ تنظیمی لحاظ سے اسے اکثر اضلاع پر سبقت حاصل ہے۔ برادری کی تنظیم کا خیال بزرگوں کے دلوں میں مدت سے جاگزیں تھا مگر انا اور خاندانی جھگڑے رکاوٹ بنے رہے۔ آخر کار نوجوانوں نے ابتدا کی' بزرگوں نے باہمی تنازعات کو بالائے طاق رکھ کر ان کے سر پر دست شفقت رکھا' اس طرح سب خورد و کلاں ترقی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی بنی' حاجی محمد رفیق اور چوہدری عبدالحمید سرپرست' چوہدری عبدالعزیز صدر' حاجی رحمت علی نائب صدر اور محمد جمیل ناز جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ بعد کے الیکشن میں محمد جمیل ناز ایم اے بی ٹی صدر منتخب ہوئے۔ جب ضلعی انجمن کا قیام عمل میں آیا تو یہ اس کے صدر چنے گئے۔ (دوران ملازمت لیکچرار اور ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر رہے۔ اکیڈمی ادبیات پاکستان کے رکن اور کئی مقامی ادبی' سماجی تنظیموں کے عہدیدار ہیں۔) ضلعی کمیٹی میں حاجی محمد رفیق سینئر اور چوہدری محمد اسلم جونیئر نائب صدر ہیں۔ دوسرے عہدیداروں میں چوہدری محمد اکبر ملکوال' چوہدری محمد ارشد' چوہدری محمد اکرم اور چوہدری محمد حبیب شامل ہیں۔ اہم قصبوں مانگٹ' پاہڑیانوالی' ملکوال' ڈنگہ میں مقامی انجمنیں قائم ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین اور چوہدری نذیر احمد کی سرکردگی میں پاہڑیانوالی انجمن سب سے زیادہ فعال ہے۔ قومی جذبہ کا اثر ہے کہ حاجی سوندھی خاں کی زیر سرپرستی یوتھ ونگ قائم ہے۔ یہاں گورنمنٹ ڈگری کالج میں چوہدری نور محمد وائس پرنسپل ہیں۔

پنجاب

گجرات: کمبوہ آبادی بہت محدود ہے۔ پہلے کبھی کوئی منظم کام نہیں ہوا۔ حال ہی

میں چوہدری مہدی حسین شاہین ایڈووکیٹ نے تنظیم کا بیڑا اٹھایا ہے۔ آپ گجرات بار ایسوسی ایشن کے جائنٹ سیکرٹری اور خزانچی اور ینگ لائرز سرکل بار ایسوسی ایشن گجرات کے نائب صدر رہ چکے ہیں۔ کرائم کنٹرول کمیٹی کے صدر ہیں۔ آپ کے آباؤاجداد کیتھل ضلع کرنال کے زمیندار تھے علاقہ میں دیگر اقوام پر ان کی بالادستی قائم تھی - ان کا خاندان سندھ اور پنجاب کے مختلف اضلاع میں آباد ہے۔ ان کے دوسرے ساتھیوں میں ڈاکٹر چوہدری محمد انور' چوہدری محمد وسیم' چوہدری عبدالغفور' چوہدری جاوید اقبال' چوہدری محمد شریف' چوہدری محمد سلیم (بنگلہ منڈی گجرات) چوہدری فضل دین اور بہت سے دوسری اصحاب شامل ہیں۔ یہاں کے جوڑے بڑے زمیندار اور سیاسی رہنما ہیں مگر وہ خود کو کمبوہ نہیں کہتے۔ واضح ہو جوڑے کمبوہوں کی مشہور گوت ہے۔

سیالکوٹ : شہر میں چند گھر کمبوہوں کے ہیں۔ دیہات میں کمبوہ آبادی کا پتہ نہیں چل سکا۔ ماسٹر محمد اسماعیل (مالیر کوٹلہ) کے فرزندان اور چوہدری محمد رفیق مجسٹریٹ مرحوم کے بھائی چوہدری محمد شریف کی اولاد نمایاں ہیں۔ چوہدری محمد شریف پولیس آفیسر' معزز زمیندار اور ہمدرد قوم تھے۔ ان کے پوتے عرفان الحق اور احسان الحق (حبیب بنک) برادری کے افراد میں روابط کی کوشش کر رہے ہیں۔

نارووال : یہ ضلع بھی حال ہی میں وجود میں آیا ہے۔ شہر کے علاوہ چند مواضعات مثلاً وھیرو میںکرہ میں کئی با اثر کمبوہ آباد ہیں۔ یہ گاؤں کرنل ڈاکٹر نور احمد (مرحوم) کی جائے پیدائش ہے۔ نارووال کے حاجی حافظ مفتی نواب الدین کمبوہ ایک بلند پایہ عالم دین' احکام دین کے سخت پابند' مفسر قرآن اور شیریں زبان مقرر تھے۔ ہر سال 29 مئی کو آپ کے عرس کے موقع پر ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے ہیں۔ بلدیاتی انتخاب کے سلسلہ میں چوہدری محمد لطیف (وارڈ نمبر 5) حاجی محمد یعقوب' چوہدری لال دین' چوہدری محمد عباس اور چوہدری محمد علی مقبول نمائندے ہیں۔ یہاں ینگ ویلفیئر سوسائٹی قائم ہے۔ چوہدری منیر احمد' چوہدری فیض محمد' چوہدری شوکت علی' چوہدری خالد جاوید' چوہدری محمد اسلم' چوہدری محمد منظور اور دیگر ساتھی خلوص اور جذبہ سے کام کر رہے ہیں۔

گوجرانوالہ : فیصل آباد کے بعد پنجاب کا دوسرا بڑا صنعتی شہر اور کمبوہ آبادی کے چند خاص ضلعوں میں شمار ہوتا ہے۔ تحصیل حافظ آباد الگ ضلع بن گیا ہے مگر اس کی حدود میں کمبوہ آبادی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ضلع گوجرانوالہ وزیر آباد' سوہدرہ' نوشہرہ ورکاں' قلعہ دیدار سنگھ' کاموکی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ گنتی کے چند افراد کے سوا مجموعی طور پر عوام کی تعلیمی اور اقتصادی حالت بہت ناگفتہ بہ ہے۔ ایک سروے کے مطابق بہت سے دیہات میں کمبوہ اراضی کے مالک اور زراعت سے منسلک ہیں جبکہ شہروں میں فیکٹریوں اور دیگر نجی اداروں میں ملازمت' دکانداری' گھریلو چھوٹے صنعتی یونٹ خاص کر پاور لومز ذریعہ معاش ہیں۔

پہلے دو متوازی انجمنیں' انجمن کمبوہاں اور ینگ کمبوہ ویلفیئر ایسوسی ایشن کام کر رہی تھیں اب یہ متحد ہو گئی ہیں۔ دونوں جماعتوں کے عہدیداروں اور کارکنوں کا ذکر نوائے کمبوہ میں کیا جا چکا ہے ماضی کے سرگرم کارکنوں میں اب وہ جوش ہے نہ دلچسپی' چوہدری محمد انور ایڈووکیٹ صدر انجمن کو یہی بڑی شکایت ہے۔ کسی انجمن کو فعال بنانے میں جنرل سیکرٹری کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے آجکل مسٹر گلزار احمد گلزار اس عہدہ پر فائز ہیں۔ چوہدری محمد انور اچھے خاصے زمیندار ہیں۔ فلاحی اور سماجی کاموں میں سرگرم ہیں۔ اصغر کالونی میں کمبوہ ڈسپنسری قائم کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ پنجاب اسمبلی کے 1990ء کے انتخاب میں حصہ لیا مگر کافی تاخیر سے فیصلہ کرنے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے۔

میاں محمد اسماعیل شمیم ایم اے' بی ٹی' ایل ایل بی شہر کے تعلیمی' ادبی' سماجی اور ثقافتی حلقوں میں خاص مقام رکھتے ہیں جناح میموریل ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے ریٹائرمنٹ کے بعد وکالت شروع کر دی مگر تدریسی سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مالیر کوٹلہ میں راقم مؤلف کے جدی ہمسایہ تھے۔ دوسرے وکلا میں چوہدری صادق علی' چوہدری طاہر حسن' چوہدری ضیافت علی' چوہدری محمد رفیق کے نام قابل ذکر ہیں۔ چوہدری محمد یوسف گوجرانوالہ کے ایوان تجارت کے رکن' حاجی بابو معراج دین سی ایم سلک ملز کے اور چوہدری تنویر اعجاز' تنویر سلک ملز کے مالک ہیں۔ چوہدری عبدالغفور (عرفات فین)' چوہدری عبدالمجید (رائس ڈیلر)' حاجی عبدالمجید (سیمنٹ ڈیلر) کیپٹن ڈاکٹر محمد اسلم (کمبوہ

جنرل ہسپتال)' لیاقت چوہدری ایم ایس سی (کیمسٹ سیٹھی ملز) بھی اہم شخصیات ہیں۔ چوہدری محمد شریف مرحوم تحصیل لدھیانہ کی ہینڈ لومز ایسوسی ایشن کے سینئر نائب صدر تھے۔ کارخانہ میں ڈیڑھ سو سے زیادہ لومز تھیں، تقسیم ہند سے قبل کے اس ابھرتے ہوئے صنعتکار کی پاکستان آنے کے بعد قسمت نے یاوری نہ کی۔ سماجی لحاظ سے برادری کے تمام طبقے ان کا احترام کرتے تھے۔ زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ ان کے بڑے فرزند چوہدری عبدالباری نے طارق ترپال ہاؤس کے نام سے کام شروع کر کے اس تجارت پر پورا کنٹرول حاصل کر لیا۔ وہ جی ٹی روڈ پر واقع چوہدری پلازہ کے مالک اور جدید طرز کے کاشتکار ہیں۔ چوہدری رفیق احمد بٹالوی ایک شریف النفس' مخیر اور مذہبی اقدار کی پابند شخصیت تھے ان کے بزرگ چوہدری مہردین بٹالہ مسلم لیگ کے سربراہ تھے۔ رفیق صاحب مرحوم خود مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے۔ تحریک پاکستان میں گرفتار ہوئے اور قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان آ گئے۔ ہمالیہ بس سروس کے حصہ دار تھے۔ پاکستان آ کر "کیمیکل ہمالیہ ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ" کے نام سے بس سروس شروع کی۔ کامیاب ٹرانسپورٹر تھے۔ بعد میں یہ کاروبار ترک کر کے پاور لومز کا کام شروع کیا اور اس حد تک ترقی کی کہ گوجرانوالہ پاور لومز ایسوسی ایشن کے بلا مقابلہ تاحیات صدر منتخب ہوئے۔ ڈسٹرکٹ کونسل گوجرانوالہ کے ممبر تھے۔ برادری کی فلاح اور ترقی کے کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ چوہدری رشید احمد کمبوہ ایم اے۔ پبلک ویلفیئر سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے سرپرست' سوشل ویلفیئر سوسائٹی آرام بستی کے صدر اور تحصیل زکوٰۃ و عشر کمیٹی کے پہلے کمبوہ رکن ہیں۔ چھ سال تک ضلع کی سوشل ویلفیئر کو۔آرڈی نیشن کونسل کے رکن رہے ہیں۔ نوید الیاس شہزاد پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکرٹری تھے۔

کاموکی میں مولانا حبیب الرحمان یزدانی ایک جید عالم' بلند پایہ خطیب اور جمعیت اہل حدیث کے نائب ناظم اعلیٰ تھے' لاہور قلعہ لچھمن سنگھ میں جلسہ کے دوران میں بم پھٹنے سے انتقال ہوا۔ جنازہ میں ایک لاکھ سے زیادہ معتقدین نے شرکت کی' ان کا ایک ہی بیٹا تھا جسے دشمنوں نے کچھ عرصہ قبل زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ ان کے بھائی وحید الزمان (ایم ایس سی) زرعی یونیورسٹی کمبوہ طلبہ ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری

تھے۔ اور اب ملازمت کے ساتھ برادری کی تنظیم میں بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔

وزیر آباد کٹلری کی صنعت کا مرکز ہے۔ چوہدری محمد حسین مرحوم اور ان کے فرزند احمد حسین وارثی نے اس صنعت میں بڑا نام پیدا کیا۔ اب بھی کئی کمبوہ صنعتکار اس میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان میں چوہدری محمد سلیم کمبوہ مالک کمبوہ ٹریڈرز ریلوے روڈ سرفہرست ہیں۔ وہ سماجی کارکن اور مقامی لائنز کلب کے سیکرٹری ہیں۔ وزیر آباد کے قریب سوہدرہ ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں بھی کمبوہ کافی تعداد میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کا تعلق صوبہ ہریانہ کے مغربی اضلاع سے ہے۔ وزیر آباد سے چوہدری الطاف حسین کونسلر اپنے حلقہ کے مقبول نمائندے ہیں۔

نمجانوالی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے مگر اس سرچشمہ رشدوہدایت سے پشاور سے لے کر کوئٹہ اور کراچی تک ہزاروں تشنگان علوم دین پیاس بجھا چکے ہیں اور یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ مولانا حافظ عبدالغفور کے دادا مولانا محمد امیر اللہ نے 40 سال دینی مدرسہ میں درس و تدریس کا کام انجام دیا۔ ان کے فرزند حافظ محمد عبداللہ نے حصول تعلیم کے بعد نہ صرف اپنے والد کے مدرسہ کو جاری رکھا بلکہ مجاہدانہ سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔ انگریز حکومت کے باغیوں کی بلیک لسٹ میں آپ کا نام بھی شامل تھا۔ کچھ عرصہ پشاور جیل میں رہے۔ روحانی علم میں بھی آپ کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ والد کی وفات کے بعد حافظ عبدالغفور ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ آپ پانچ بھائی ہیں۔ ایک بھائی کی وفات کے بعد مولانا عبدالرحمان ایم اے اپنے والد کے جانشین ہیں۔ باقی تین مستند عالم دین مختلف مقامات پر امامت اور خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مولانا عبدالغفور نے اپنے باپ دادا کی شمع علم و عرفان کو روشن و تاباں رکھا اور اس میں جدید علوم کی تدریس کو بھی رواج دیا۔ 1975ء میں تقریباً 50 سال مسند تدریس پر فائز رہنے کے بعد وفات پائی۔ اب مولانا حافظ محمود احمد ایم اے اپنے والد کے جانشین اور انجمن کمبوہاں مریدکے کے سرپرست ہیں۔

منڈیالہ تیگہ میں ریاست پٹیالہ وغیرہ کے بہت سے کمبوہ آباد ہیں۔ انجمن بھی قائم ہے۔ مستعد کام کرنے والوں میں چوہدری ہدایت اللہ' میاں منیر احمد' چوہدری محمد شریف' منشی محمد رمضان' چوہدری خالد محمود' چوہدری افتخار احمد' چوہدری طارق خورشید'

چوہدری مظفر علی اور ساتھی شامل ہیں۔ مندہ ورکاں کے حاجی محمد نذیر سابق وائس چیئرمین یونین کونسل اور چوہدری محمد جمیل کافی بارسوخ ہیں۔ گوجرانوالہ کے حاجی عبداللطیف ڈی ایس پی (لیگل) گجرات میں متعین ہیں۔

شیخوپورہ : شہر کی بہ نسبت دیہی آبادی بہت زیادہ ہے خاص کر مانانوالہ' مریدکے اور فاروق آباد کے قرب و جوار میں کمبوہ کثرت سے آباد ہیں۔ اتحاد' تنظیم اور موثر حکمت عملی سے صوبائی اسمبلی کی دو نشستیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ گوجرانوالہ کی طرح تعلیم کے لحاظ سے یہ ضلع بھی بہت پس ماندہ ہے مگر یہ امر باعث طمانیت ہے کہ ہر جگہ بیداری کی لہر اٹھی ہے اگر حسد اور باہمی مناقشت آڑے نہ آئیں تو امید ہے انشاء اللہ حالات بہت بہتر ہو جائیں گے۔ 1993ء کے انتخاب میں مولانا ریاض الرحمان یزدانی نے قومی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لیا مگر محدود ذرائع' سیاسی ماحول اور حلقہ کی وسعت کے مقابلہ میں ورکروں کی کمی کی باعث کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکے جبکہ صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں چوہدری امتیاز احمد تاج اور محمد ارشد ناز پارٹی ٹکٹ نہ ملنے کے باعث حصہ نہ لے سکے۔

شیخوپورہ میں پہلے 1981ء میں انجمن قائم ہوئی تھی اس کے بعد شروع 1984ء میں شہر کو تین بلاکوں میں تقسیم کر کے تین ذیلی انجمنیں اور ان کی معاونت سے مرکزی انجمن منتخب کی گئی۔ اس عمل میں شہر کی پوری برادری نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ ڈاکٹر چوہدری محمد یوسف سرپرست اور چوہدری عطا محمد صدر کے ساتھ چوہدری عطاء اللہ' حکیم عطا محمد' چوہدری نور محمد' چوہدری محمد شفیع' حاجی قمر الزمان' چوہدری غلام محمد' چوہدری بشیر احمد اور دوسرے احباب نے پورا تعاون کیا۔ چوہدری عطا محمد تعلیمی' مذہبی' سیاسی' ادبی اور سماجی حلقوں کے روح رواں تھے۔ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری' ایوان اردو کے سرپرست' سیرت کمیٹی کے مہتمم' جوہر کالج کی تعلیمی کمیٹی کے مشیر غرض ہر شعبہ میں انہوں نے اپنی قابلیت کا جادو جگایا۔ ان کی دکان' چوہدری بوٹ ہاؤس' ہر شعبہ کے بزرگوں' دانشوروں اور ہر قسم کی محافل کا مرکز بنی رہتی تھی۔ انہوں نے قوم کی ترقی اور نوجوانوں میں تعلیم کی ترویج کے لئے بہت کام کیا سب سے بڑھ کر یہ کہ دوسری برادریوں کو کمبوہ برادری کی عظمت کا احساس دلایا۔ انجمن کا صدر

بننے کے چند ہی ماہ بعد یکم مئی 1984ء کو ان کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا وہ آج تک پر نہیں ہو سکا۔ اس طرح انجمن وہ کردار ادا نہ کر سکی جس کی امیدیں وابستہ کی گئی تھیں۔ چوہدری صاحب کے فرزندوں میں چوہدری سعید اقبال ڈپٹی ڈائریکٹر انٹی کرپشن' خالد رسول کالج لیکچرار اور محمد مسعود ایڈووکیٹ٭ وغیرہ اپنی مصروفیات کے باعث برادری کے کاموں میں دلچسپی نہیں لے رہے۔ ونگ کمانڈر محمد اسلم پرویز (پی اے ایف) آپ کے داماد ہیں۔

انجمن کے سرپرست ڈاکٹر محمد یوسف معروف معالج اور محب قوم ہیں۔ تعلق بوریوالہ کے ایک غیر معروف چک سے ہے' لاہور سے ایم بی بی ایس کیا۔ کچھ عرصہ ملازمت کرنے کے بعد انگلینڈ چلے گئے' لندن سے FRCS پاس کیا اور امپریل کالج آف سرجنز کے فیلو منتخب ہوئے۔ پانچ سال لیبیا میں بطور سرجن خدمات انجام دیں۔ 1971ء میں واپس آکر شیخوپورہ اور جھنگ میں ڈسٹرکٹ سرجن رہے۔ ملازمت سے مستعفی ہو کر شیخوپورہ میں جاوید/جناح جنرل ہسپتال قائم کر کے پریکٹس شروع کی ان کا بڑا بیٹا نیوجرسی (امریکہ) میں ڈاکٹر ہے۔ ڈاکٹر صاحب معترف ہیں کہ ہسپتال کی مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ برادری کے کاموں کے لئے وقت دینا ممکن نہیں۔ ایک دو مرتبہ انجمن کے احیا کی کوشش کی گئی مگر ایک تو کارکنوں کی اپنی معاشی مصروفیات' دوسرے برادری کی اکثریت کا ان پڑھ ہونا سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ شہر کے وکلا میں چوہدری محمد اسلم اور چوہدری محمد اشرف (کوٹ سوندھا) کافی معروف ہیں۔

معروف معالج ڈاکٹر محمد رفیق انجم (سکونت لاہور) نے فاروق آباد میں جنرل اینڈ سرجیکل ہسپتال قائم کر رکھا ہے۔ کمبوہ برادری تعداد اور تعلیم میں کم سہی مگر قومی جذبہ کے لحاظ سے فاروق آباد کے احباب قابل تحسین ہیں۔ کافی عرصہ پہلے تنظیم سازی کی گئی تھی' چوہدری غلام صادق اور بابو محمد اسماعیل انجمن کے سرگرم کارکن ہیں' لاہور کے اجتماعات میں اکثر شرکت کرتے رہے ہیں دونوں کا تعلق کوٹ سوندھا سے ہے اور کونسلر رہ چکے ہیں۔ چوہدری غلام صادق کمیشن ایجنٹ ہیں۔ (79) میجر (ریٹائرڈ)

---

(79) افسوس ستمبر 1999ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

٭ محمد مسعود ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت جاتے ہوئے حادثہ کا شکار ہو گئے۔ خدا مغفرت کرے۔

تنویر چوہدری کی تحریک اور مشورہ سے انہوں نے فاروق آباد میں چوہدری حاجی محمد اسحاق کونسلر، چوہدری بابو محمد اسماعیل، چوہدری محمد اعجاز، چوہدری محمد لطیف اور دوسرے رفیقان کار کے تعاون سے 6 ستمبر 1992ء کو یوم دفاع پاکستان کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جشن منعقد کرایا۔ جسے ہر لحاظ سے ایک کامیاب کل پنجاب کنونشن کہا جا سکتا ہے۔ میجر (ر) تنویر چوہدری فاروق آباد کی مشہور شخصیت چوہدری جمال دین کے صاحبزادے اور کرنل (ر) ڈاکٹر محمد بشیر کے داماد ہیں۔ سول انجینئرنگ میں بی ایس سی کرنے کے بعد فوج میں ملازمت کر لی۔ ریٹائرمنٹ لے کر "کمبوہ انجینئرنگ انٹرنیشنل" کے نام سے اپنا کاروبار شروع کیا۔ آپ کا خاص شعبہ پانی کا تحقیقاتی سروے اور اس سے متعلقہ تمام ذیلی کام (پانی کے نظام کی ماڈلنگ، ٹیوب ویل ڈیزائننگ، بورنگ، کوالٹی ٹیسٹنگ)، سطح زمین کی تحقیقات کی لیبارٹری، ذرائع آبپاشی کے مختلف استعمال (زراعت سے لے کر کھیل کے میدانوں اور باغیچوں تک) پلوں اور سرنگوں کی تعمیر، نیز سول اور بجلی کے تعمیراتی کام پر محیط ہے۔ قومی خدمت کا جذبہ وراثت میں ملا ہے آپ پاکستان انجینئرنگ کونسل، انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرز پاکستان اور امریکن سوسائٹی آف سول انجینئرز کے رکن ہیں۔

اوپر ہم نے کوٹ سوندھا کے تین معززین کا ذکر کیا ہے کوٹ سوندھا فاروق آباد سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں سے چوہدری محمد سلیم، چوہدری محمد منیر اور چوہدری محمد اسحاق کونسلر رہ چکے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ واجب الاحترام اور قابل فخر ہستی بریگیڈیر اللہ دتا چوہدری کی ہے وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی قسمت کے خود معمار ہوتے ہیں اور دوسروں کو ترقی کی راہ دکھا کر ایک مثال قائم کرتے ہیں۔ اگر ایک ہی ذات میں ایک طرف انکسار، سادگی اور تحمل مزاجی اور دوسری طرف نیک عزائم، بلند پروازی اور پیشہ سے انہماک کی عمدہ مثال کا مشاہدہ کرنا ہو تو وہ چوہدری صاحب کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

آپ کے آباؤ اجداد خالصہ کالج امرتسر کے قریب موضوع مانل کے رہنے والے تھے والد چوہدری سلامت دین نے زندگی کا آغاز بحیثیت پوسٹ مین کیا، کلرک ہوئے تو تبادلہ پٹھانکوٹ ہو گیا۔ قیام پاکستان سے تین روز بعد عیدالفطر کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کا

ایک قافلہ انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ خونی حالات سے گزرتے ہوئے تین دن کے صبر آزما سفر کے بعد جسڑ کے پل پر دریائے راوی عبور کر کے سرزمین پاکستان میں داخل ہوا۔ چوہدری سلامت دین کا خاندان جس میں پونے دو سال کا شیر خوار بچہ اللہ دتا بھی شامل تھا اس قافلہ میں شریک تھا۔ والد کی تعیناتی فیصل آباد میں ہوئی لیکن ستمبر 1948ء میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پونے تین سال کا یہ یتیم بچہ والدہ اور دوسرے افراد خانہ کے ساتھ کوٹ سوندھا میں منتقل ہو گیا۔ اللہ دتا بچپن سے ہی بہت ذہین تھا۔ 1963ء میں ایف اے پاس کرنے کے بعد پاک فضائیہ میں بطور اکاؤنٹس کلرک شمولیت کی۔ کوہاٹ میں 15 ماہ تربیت حاصل کرنے کے بعد پہلے ملیر اور پھر بدین میں ڈیوٹی دی۔ 19 مئی 1966ء کو پاکستان ملٹری اکیڈیمی کاکول میں بطور کیڈٹ داخل ہوئے اپریل 1968ء میں توپ خانہ میں کمیشن ملا تعلیمی لحاظ سے پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر نارمن گولڈ میڈل حاصل کیا۔

چوہدری اللہ دتا نے اپنے پیشہ ورانہ کورس اور امتحانات اکثر اعزازی پوزیشن سے پاس کئے۔ سول کے امتحان بی اے کے بعد فنون حرب میں ایم ایس سی اور آرمڈ فورسز وار کورس پاس کئے۔ 1978ء میں امریکہ سے فارن سٹاف کورس اور پھر 1987ء میں ڈیفنس آفیسرز مینجمنٹ کورس پاس کئے۔ پاکستان میں گنری سٹاف کورس پاس کیا۔ دوران ملازمت حساس پوزیشنوں پر کام کرنے کی وجہ سے دفاعی افواج میں آپ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ستمبر 1990ء میں بریگیڈیر کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔ آپ کو بہت سے بیرونی ممالک مثلاً کینیڈا' برطانیہ' سعودی عرب' بنگلہ دیش' ملائیشیا' انڈونیشیا' سنگاپور وغیرہ دیکھنے کا بھی موقعہ میسر آیا۔ اس درخشاں ریکارڈ نے بریگیڈیر صاحب کے ساتھ قوم کی نیک نامی میں بھی اضافہ کیا ہے۔ آپ کی دعا ہے کہ "بحیثیت کمبوہ قوم مستقبل میں ہماری شناخت مجموعی لگن' چاہت' عزم' خودداری اور قابلیت کا نشان بن سکے۔" آمین۔

ضلع شیخوپورہ کے تقریباً تمام قصبات اور بعض بڑے دیہات میں برادری کی انجمنیں قائم ہیں۔ معززین میں سے صرف چند کے نام پیش ہیں۔

انجمن کمبوہاں مریدکے : چوہدری محمد صدیق' چوہدری محمد اکرم' چوہدری محمد اقبال

ایڈووکیٹ' چوہدری خلیل احمد' حافظ محمد خلیل' چوہدری محمد فاروق۔

انجمن کمبوہاں علی پور ٹبہ : مولوی امام دین' چوہدری محمد حسین' چوہدری منیر احمد' چوہدری محمد احمد' چوہدری محمد یٰسین' چوہدری عبدالغفار' چوہدری بشیر احمد۔

انجمن کمبوہاں ٹپیالہ دوست محمد : چوہدری محمود احمد' چوہدری عبدالغفور' چوہدری نذیر احمد' چوہدری نذیر احمد (چیئرمین یونین کونسل)' چوہدری عبدالشکور' چوہدری محمد علی اسد' چوہدری محمد شعیب' چوہدری مقصود احمد' چوہدری خدا بخش' چوہدری خلیل احمد۔

انجمن کمبوہاں ننگل سلہداں : چوہدری محمد انور' چوہدری محمد عباس' چوہدری محمد یوسف۔

انجمن فلاح کمبوہاں بیرا ورکاں : چوہدری غلام سرور' چوہدری غلام حسین' چوہدری عبدالجید' چوہدری شوکت علی' چوہدری محمد یوسف' حاجی محمد شریف' چوہدری محمد ارشد۔

انجمن اتحاد کمبوہاں چک شاہ پور : (براستہ جنڈیالہ شیرخاں) چوہدری ابرار احمد' چوہدری امجد حسین' چوہدری ظفر اقبال' چوہدری بشیر احمد نمبروار نیز چوہدری محمد یوسف اور دوسرے کئی حضرات لاہور' کراچی و اندرون سندھ ملازمت کر رہے ہیں۔

کمبوہ ایسوسی ایشن بھوڑو چک 18 : چوہدری محمد حسین (ولد چوہدری مولا بخش)' چوہدری محمد حسین (ولد چوہدری کریم بخش) ڈاکٹر محمد رشید' ڈاکٹر محمد اسحاق' بابو رحمت علی' چوہدری محمد رشید ڈویژنل فاریسٹ آفیسر کا شمار محکمہ جنگلات کے قابل ترین افسروں میں ہوتا ہے۔ بی ایس سی کرنے کے بعد 1962ء میں پنجاب پبلک سروس کمیشن سے فاریسٹ سروس میں آئے۔ 1964ء میں فاریسٹ انسٹی ٹیوٹ پشاور سے بی ایس سی (فاریسٹری) کی ڈگری لی۔ مختلف اضلاع میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔

انجمن کمبوہاں کوٹ پنڈی داس : چوہدری منظور احمد (ممبر ڈسٹرکٹ کونسل) آپ تحصیل فیروزوالہ کی انجمن کے بھی صدر ہیں' چوہدری خوشی محمد' چوہدری محمد صدیق نمبروار' چوہدری محمد اسماعیل' چوہدری فاروق اعظم (چیئرمین یونین کونسل)' چوہدری محمد سلیم' چوہدری افتخار احمد' حاجی مہدی حسن' سیٹھ محمد امین' چوہدری محمد منیر۔

انجمن کمبوہاں پڑتھ (شاہدرہ) : چوہدری عبدالعزیز' چوہدری محمد احمد' چوہدری اللہ دتا' چوہدری مبارک علی' چوہدری محمد یونس۔

ان کے علاوہ بھی کئی دیہات میں انجمنیں قائم ہیں۔ بعض جگہ انجمن سازی کے بغیر گاؤں کے معززین برادری میں تعلیم کے فروغ' اپنے زیر انتظام مدارس اور مکاتب کے قیام اور دوسری سماجی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ مانانوالہ کے نواح میں بہت سے دیہات باڑہ امام دین (صدر چوہدری خلیل الرحمان)' دیوان والا' ہاتھیاں والا' گورائے والا' روڑی' ملیاں والا' کانواں والی' نودھا (چوہدری محمد حنیف' ایم پی اے کے انتخاب میں بھی حصہ لیا تھا) اور دوسرے کئی دیہات کمبوہ آبادی کے مراکز ہیں۔

نواں پنڈ' بھوچھ کلاں (چوہدری محمد امین)' چک کمبوہاں (چوہدری مقبول احمد)' شتاب گڑھ (چوہدری عبدالعزیز)' چھاپہ' ننکانہ صاحب (چوہدری محمد شفیع)' نارنگ منڈی (سیٹھ محمد ابراہیم)' چوہدری محمد لطیف (چیئرمین)' کٹھیالہ ورکاں (چوہدری محمد ابراہیم)' نظام پورہ چک 38' چک 80' چوہے جھاڑ 81' پھاہے والی' مولا سنگھ والا' دیوا سنگھ والا' کانیانوالہ' وغیرہ دیہات کی ایک طویل فہرست ہے۔ جہاں کافی کمبوہ آباد ہیں۔

ضلع اوکاڑہ : اس ضلع میں حویلی لکھا' دیپالپور' بصیر پور' رینالہ خورد اور گوگیرہ شامل ہیں۔ اوکاڑہ شہر میں انجمن تنظیم کمبوہاں قائم ہے۔ چوہدری خدا بخش سربراہ اور چوہدری فقیر محمد صدر ہیں دیگر اہم اراکین میں حاجی محمد شفیع' چوہدری غلام نبی' چوہدری محمد ابراہیم چوہدری فضل دین اور مولوی بشیر احمد نمایاں ہیں۔ محمد عارف چوہدری ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری معروف وکیل ہیں۔ گورنمنٹ کالج اوکاڑہ میں محترمہ شگفتہ پروین لیکچرار ہیں۔ کیپٹن ڈاکٹر محمد ارشاد کمبوہ اچھے معالج اور برادری کے کارکن ہیں۔ سردار غلام نبی آف رتیاں کا شمار حویلی لکھا کے بڑے زمینداروں میں ہوتا ہے حویلی لکھا کا نام وسلویالہ چوہدری وسلوا کمبوہ ذیلدار کے نام پر رکھا گیا۔ اس علاقہ میں وٹو راجپوتوں اور کمبوہ سکھ سرداروں میں ہمیشہ ٹھنی رہتی تھی اور کمبوہوں نے اپنی بالا دستی قائم رکھی ہوئی تھی۔ راقم کا ذاتی مشاہدہ (1939ء) ہے کہ منڈی ہیرا سنگھ' بصیر پور کے وٹو جاگیردار حویلی لکھا کے ذیلدار سردار لال سنگھ کمبوہ کے نام سے خائف رہتے

تھے۔ دیپالپور میں چوہدری محمد شفیع (مالک کمبوہ کلاتھ ہاؤس) سلجھے ہوئے ادیب' شاعر اور مجلسی جوان ہیں۔ حاجی عبدالستار (کمبوہ مارکیٹ) بھی ہمدرد قوم ہیں۔ کوٹ سلطانپور میں صرف کمبوہ آباد ہیں اور سب مالکان اراضی ہیں ان کا تعلق سلطانپور لودھی کپورتھلہ سے ہے اوکاڑہ انجمن کے صدر اور جنرل سیکرٹری یہاں بھی انجمن تنظیم کمبوہاں کے صدر اور جنرل سیکرٹری ہیں۔ ان کے معاونوں میں چوہدری محمد رفیق نمبردار' چوہدری مرید حسین' حافظ محمد یعقوب' چوہدری عبدالحق جاوید' چوہدری محمد سرور بی ایس سی (آنرز) نمایاں ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے الگ سکول قائم ہیں۔ دینی تعلیم اور حفظ قرآن کے لئے مدرسہ عربیہ خصوصیت کا حامل ہے۔ ریناله خورد کے چوہدری محمد اسلم ادیب' صحافی روزنامہ پاکستان لاہور کے نامہ نگار ہیں۔

ضلع قصور: اس میں کوٹ رادھا کشن' بھائی پھیرو (پھول نگر)' کھڈیاں' چونیاں' کنگن پور اور چتوکی وغیرہ شامل ہیں۔ بڑی کثیر کمبوہ آبادی کا ضلع ہے تعلیم کے لحاظ سے خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ برادری کے بزرگ رہنما ڈاکٹر خوشی محمد ایک خوش اخلاق اور نیک دل انسان تھے آپ کی اولاد بھی انہی اوصاف سے متصف ہے۔ آپ پہلے کل پنجاب کمبوہ کنونشن منعقدہ (1984ء) قصور کے مہمان خصوصی تھے اور اراکین انجمن کی اپنے مفید مشوروں سے رہنمائی کرتے رہتے تھے۔ آپ کے فرزند چوہدری منظور احمد ایڈووکیٹ بھی برادری کے بڑے محسن' غمگسار اور انجمن کمبوہاں کے چیئرمین تھے۔ 1987ء میں وفات پائی۔ آپ کے دوسرے فرزند ڈاکٹر ہمایوں مقصود (پیدائش 1941ء)' نے 1965ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس اور 1968ء میں ایڈنبرا سے ایم آر سی پی کیا۔ 1970ء سے 1976ء تک پاکستان کی مسلح افواج کے باقاعدہ میڈیکل سپیشلسٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اسی سال فاطمہ جناح میڈیکل کالج سے منسلک ہو گئے 1984ء میں ایڈنبرا سے FRCP کیا۔ 1986ء سے تا حال فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور میں پروفیسر آف میڈیسن ہیں۔ 1988ء تا 1989ء سرگنگارام ہسپتال میں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے فرائض بھی انجام دیئے۔ آپ کی ہمشیرہ ڈاکٹر پروین منور کمبوہ ایسوسی ایٹس کے بانی رکن چوہدری منور اقبال کی اہلیہ ہیں۔ آپ نے ایم بی بی ایس کا امتحان 1965ء میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج سے پاس کیا۔ ہاؤس جاب کے بعد

1968ء میں رجسٹرار مقرر ہوئیں۔ آپ نے جناح پوسٹ گریجوایٹ انسٹی ٹیوٹ کراچی سے FCPS کیا اور اپنے لئے شعبہ امراض چشم کا انتخاب کیا آپ کی تعلیم اور تحقیق کے نتیجہ میں آپ کو پنجاب یونیورسٹی سے DOMS کے امتحان میں گولڈ میڈل ملا۔ آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس قدر اعلیٰ قابلیت کی حامل پاکستان میں پہلی خاتون ماہر امراض چشم ہیں۔ آپ انگلستان میں کئی کانفرنسوں میں امراض چشم پر تحقیقی لیکچر دے چکی ہیں۔ آج کل فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور میں امراض چشم کی شریک پروفیسر ہیں۔

چوہدری محمد شریف: ابتدائی تعلیم قصور میں حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے' ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ سی ایس ایس میں کامیابی کے بعد 1970ء میں محکمہ انکم ٹیکس سے وابستہ ہو گئے۔ مختلف مدارج طے کرتے ہوئے آپ انکم ٹیکس کمشنر مقرر ہوئے اور اب ڈائریکٹر جنرل انکم ٹیکس (آڈٹ) ہیں۔ آپ کی اہلیہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں بائیو کیمسٹری کی پروفیسر ہیں۔ چوہدری صاحب کو تصنیف و تالیف کا بھی شوق ہے۔ انگریزی زبان میں آپ کی چند تصنیفات یہ ہیں۔

(1)- اسلام میں عورتوں کے حقوق'(2)- اسلام میں انسانی حقوق' (3)- قرآن کی تدریس کا نظام' (4)- قرآن کا منشور نیز ٹیکس کے اسلامی نظام کی روشنی میں موجودہ ٹیکس کے موضوع پر محاکمہ ایک عمدہ کتاب ہے۔

قصور کے دیگر حضرات میں کیپٹن (ر) چوہدری عبدالمجید نے قیام پاکستان سے قبل فوج میں ملازمت کی۔ ریٹائر ہو کر ایل ایل بی کیا اور صوبائی سول سروس میں منتخب ہو کر مختلف عہدوں پر کام کیا۔ ایڈمنسٹریٹر بلدیہ' ایڈیشنل کمشنر اوقاف اور ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد کچھ عرصہ وکالت کی۔ چوہدری محمد اسحاق ایک مخلص اور ہمدرد قوم بزرگ ہیں۔ میونسپل کمیٹی قصور کے وائس چیئرمین رہے ہیں۔

قصور کی انجمن کمبوہاں بہت فعال اور مخلص سرگرم کارکنوں پر مشتمل ہے۔ مرکزی انجمن کے عہدیداروں میں چوہدری شبیر احمد ایڈووکیٹ' چوہدری بشیر احمد' چوہدری نعمت علی کوکب (ایم اے' پی ایچ ڈی)' صوفی محمد دین چشتی' چوہدری محمد

رمضان' چوہدری خوشی محمد قادری انجمن کے صدر تھے۔ حال ہی میں وفات پا گئے ہیں۔
حاجی محمد اقبال' حاجی شیر محمد' چوہدری ایم یاسین فرخ' چوہدری محمد یاسین طارق' چوہدری محمد شریف' چوہدری معراج دین ' چوہدری محمد یاسین ناصر' چوہدری صفدر علی شاہد' چوہدری عبدالکریم' چوہدری محمد رمضان زاہد اور دوسرے بہت سے احباب شامل ہیں۔

چوہدری اے ڈی تاثیر ایڈووکیٹ وکلا برادری میں مقبول ہیں' کئی بار ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر رہ چکے ہیں چوہدری اختر عابد جنرل سیکرٹری اور چوہدری شبیر احمد نائب صدر منتخب ہو چکے ہیں۔ چوہدری زبیر طاہر ایڈووکیٹ معروف سیاسی شخصیت ہیں۔ 1993ء کے الیکشن میں صوبائی اسمبلی کی رکنیت کے لئے مضبوط امیدوار تھے مگر پارٹی ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے حصہ نہ لے سکے وہ میونسپل کمیٹی کے کونسلر تھے۔ چوہدری غلام محمد ساکن کچا پکا ڈسٹرکٹ کونسل کے ممبر تھے۔ ڈاکٹر عبدالناصر گوہر' سردار محمد حیات ' اور بابا غلام جیلانی دیگر معزز شخصیات ہیں۔

چوہدری عبدالمعید قمر رینجرز میں ڈی ایس پی تھے آپ کو اعلیٰ خدمات کے عوض تمغہ بسالت' تمغہ جرأت' تمغہ حرب' تمغہ دفاع کشمیر سے نوازا گیا۔ محکمہ پولیس میں چوہدری خوشی محمد انسپکٹر' چوہدری ظہور احمد انسپکٹر' چوہدری امانت علی انسپکٹر اور دوسرے کئی افسران ہیں۔

صوفی محمد الدین چشتی قادریؒ احکام شریعت کے پابند اور بحر طریقت کے شناور ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ حضرت بلھے شاہ کی ایک کافی کی تشریح میں 166 صفحات کی دل آویز کتاب 'بحر بلھا' ان کے تبحر علمی کا بہترین ثبوت ہے۔ مزاج میں انکساری اور دم گفتگو شیریں بیانی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ چوہدری محمد یاسین فرخ انجمن کمبوہاں کی اصل روح ہیں۔ آئینہ کمبوہاں کے نام سے کئی دیدہ زیب اور معیاری رسائل شائع کر چکے ہیں۔ ملک میں پہلے کمبوہ کنونشن کا انعقاد ان کی ہمت مردانہ کا آئینہ دار تھا۔ ریلوے کی یونائیٹڈ یونین کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔ غیر معمولی سماجی خدمات کے عوض ضلع کے اعلیٰ افسران اور عوامی تنظیموں کی طرف سے بے شمار ایوارڈ' شیلڈ' گولڈ میڈل اور اسناد حاصل کر چکے ہیں۔ چند سال پہلے بی اے کیا ایل ایل بی کے

امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے' اب وکالت کرتے ہیں۔ ان کے بقول کمبوہ ایسوسی ایشن لاہور ان کا پیر خانہ اور ان کی ہدایات پر عمل ان کے لئے باعث سعادت ہے۔ ان کے ایک بھائی ریلوے میں گارڈ اور ایک سٹیشن ماسٹر ہیں۔

علم دین اور علم معرفت ہر دو میں کمبوہ حضرات اہم مقام رکھتے ہیں ماضی کے کئی کمبوہ بزرگوں کا ذکر رسالہ نیرنگ خیال' (قصور) میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت حافظ قاری محمد شریف' حافظ محمد لطیف' حافظ محمد حسین' حافظ محمد رفیق جیسے علمائے دین مختلف مساجد میں خطیب کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے معززین میں چوہدری ظہور احمد اور چوہدری محمد عالم ایڈووکیٹ (تتوکی) چوہدری عبدالرحمان (ایڈووکیٹ)' چوہدری محمد اسلم منصوری (چونیاں' یہ وہ نوجوان ہے جس نے انتہائی ناداری اور بے کسی میں' مایوسی کے شکنجے سے نکل کر اپنا مقام بنایا ہے) چوہدری نذیر احمد' صدر انجمن کمبوہاں اور چوہدری غلام علی (بھائی پھیرو) چوہدری جاوید الحسن' ڈاکٹر بشیر احمد' چوہدری بشیر احمد پبلک سروس کمیشن (چک 13) عبدالمجید نمبردار کرانی والا شامل ہیں۔

چوہدری بشیر احمد نے قیام پاکستان سے قبل ایرفورس میں بطور ٹیکنیشن ملازمت کا آغاز کیا۔ 1949ء میں دفتر ڈپٹی کمشنر سے وابستہ ہوئے 1953ء میں پنجاب پبلک سروس میں ملازمت اختیار کی' رجسٹرار' ڈپٹی سیکرٹری اور آخر میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد اپریل 1986ء میں ریٹائر ہو گئے۔ انجمن کمبوہاں پاکستان کی تعلیمی کمیٹی کے انچارج ہیں۔ ڈھولن ہٹھار (نزد کھڈیاں ضلع قصور) کے ایک قریبی گاؤں کے چوہدری محمد رفیق بڑے خوش قسمت انسان ہیں کہ ان کے چھ کے چھ بیٹے اور دونوں بیٹیاں حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان کے فرزند حافظ خبیب احمد نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (لائبریری سائنس) اور ایم اے (اسلامیات) کے امتحان پاس کئے۔ پبلک سروس کمیشن میں منتخب ہونے کے بعد کافی عرصہ قائداعظم لائبریری جناح گارڈن سے وابستہ رہے آج کل اسلام آباد میں بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر نیشنل لائبریریز کام کر رہے ہیں۔ لاہور میں قیام کے دوران میں علوم قرآنی کی کتابیات' علوم حدیث کی توضیحی کتابیات اور تاریخ پاکستان (توضیحی کتابیات) مرتب کیں۔ جن میں متعلقہ کتابوں کے حوالے اور مختصر تعارف درج ہیں جو مطالعہ کے شوقین حضرات کے

لئے گائیڈ کا کام دیتے ہیں۔ ہمیں اپنی کتاب کی تالیف کے ضمن میں ریسرچ اور حوالہ جات کے لئے حافظ صاحب سے کافی مدد ملتی رہی ہے۔ اول کے قاری حافظ مشتاق احمد حسن قرأت میں کئی مواقع پر اول انعام حاصل کر چکے ہیں۔ آج کل طائف (سعودی عرب) میں مدرسہ تحفیظ القرآن میں مدرس ہیں۔

کوٹ رادھا کشن (عرف عام میں کچی کوٹھی) کے کمبوہ مجموعی طور پر خاصے تعلیم یافتہ اور سوشل ہیں۔ اکثر لوگ لاہور میں ریلوے اور دوسرے محکموں میں ملازمت کرتے، صبح آتے اور شام کو گھر واپس چلے جاتے ہیں کچھ عرصہ پہلے کمبوہ ایسوسی ایشن لاہور کے تعاون سے ایک شاندار تقریب منعقد کی گئی جس میں انجمن فلاح کمبوہاں کا قیام عمل میں آیا۔ چوہدری عبدالعزیز صدر منتخب ہوئے دوسرے عہدیداروں میں چوہدری محمد اسماعیل ادیب، مولوی محمد یوسف، چوہدری عبدالغنی، چوہدری صدر الدین، چوہدری محمد حنیف اور چوہدری محمد اقبال نمایاں تھے۔

مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر اعجاز احمد چوہدری ایم ایس سی، پی ایچ ڈی مرکزی حکومت اسلام آباد میں وزارت تعلیم میں مشیر اعلیٰ تھے۔ ایک اور ماہر تعلیم چوہدری عبدالحمید سابق ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ پائلٹ ہائی سکول وحدت کالونی، محکمہ تعلیم میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر بھی رہے۔ ان کے ایک بھائی ڈاکٹر محمد سعید طویل عرصہ امریکہ میں پریکٹس کرتے رہے ہیں۔ پاکستان آکر پہلے شالیمار ہسپتال میں اور اب سوشل سیکورٹی ہسپتال (ملتان روڈ لاہور) میں (ہیماٹالوجی) کے مشہور معالج ہیں۔ ان کے دوسرے بھائی چوہدری محمد سلیم سول انتظامیہ میں مختلف مناصب: مجسٹریٹ، ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر، ڈپٹی کمشنر، سیکرٹری لینڈ کمیشن (پنجاب)، چیف آفیسر لاہور کارپوریشن، وائس کمشنر سوشل سیکورٹی ڈیپارٹمنٹ کے طور پر خدمات انجام دینے کے بعد اب ڈائریکٹر لیبر ڈیپارٹمنٹ کے عہدہ پر فائز ہیں۔

راولپنڈی - اسلام آباد : یہ جڑواں شہر علیحدہ علیحدہ انتظامیہ کے ماتحت ہیں۔ راولپنڈی صوبہ پنجاب کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر اور اسلام آباد مملکت پاکستان کا صدر مقام ہے۔ راولپنڈی، شہر اور چھاؤنی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ شہر کے چند محلوں میں کمبوہ آباد ہیں۔ زیادہ آبادی امرپورہ میں ہے۔ ینگ کمبوہ ویلفیئر سوسائٹی نام سے نوجوانوں کی

تنظیم قائم ہے۔ سوسائٹی نے کمبوہ افراد میں تعلقات کے فروغ اور احساس کمتری ختم کرنے میں مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ محمد رفیق رضا اس کے چیئرمین ہیں۔ ذوالفقار مہر اور محمد جمیل سہیل (ساکن گوجرانوالہ) چیف انسٹرکٹر ای ایم ای سنٹرل (502) ورکشاپ جیسے پرجوش نوجوان ان کے معاون ہیں۔

کرنل (ریٹائرڈ) چوہدری عبدالحق ایک تجارتی ادارہ سے منسلک ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل عبدالخالق نوید نے نشتر میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ایم فل' ایف سی پی ایس اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آج کل آپ آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور شعبہ بائیوکیمسٹری کے سربراہ کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ خانیوال کے رہنے والے ہیں۔ میجر ڈاکٹر نسیم سعود احمد بھی اسی کالج میں متعین ہیں' ان کی اہلیہ امراض نسواں کی معروف ڈاکٹر ہیں۔ ریٹائرڈ کرنل ڈاکٹر محمد بشیر احمد فوجی فاؤنڈیشن ہسپتال بسال (ضلع اٹک) میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے فرزند آصف بشیر (ایم ایس سی کیمسٹری) کچھ عرصہ کالج میں لیکچرار رہے اب پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں کام کر رہے ہیں۔ ان کے بھائی سکواڈرن لیڈر عارف بشیر نے 1978ء میں پاک ایئرفورس میں ملازمت اختیار کی۔ جولائی 1979ء میں کمیشن ملا۔ ان دنوں بطور ڈائریکٹر لاجسٹک کامرہ Avionics اور 'راڈار فیکٹری کامرہ' متعین ہیں۔ ان کے دوسرے بھائی میجر زاہد بشیر اور میجر شاہد بشیر بھی فوج میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عزیز الحق زبیری جی ایچ کیو آرڈیننس ڈائریکٹوریٹ میں سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ وحید الدین احمد DW & CE (چیف انجینئر) ہیں۔ اسد احمد زبیری سعودی پاک انڈسٹریل ایگریکلچرل انوسٹ منٹ کمپنی میں چیف ایگزیکٹو ہیں۔ سلطان حسین زبیری' پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن میں ایڈمنسٹریشن اینڈ پرسانل کے کنٹرولر ہیں۔ میجر ڈاکٹر نوید عالم زبیری ملٹری ہسپتال میں متعین ہیں۔ مایہ ناز بزرگ ہستی انیس مرتضیٰ زبیری جو پیر مونس زبیری کے نام سے معروف ہیں۔ ایک وسیع حلقہ کی روحانی تربیت میں مصروف ہیں۔ ان کے علاو بھی بہت سے زبیری حضرات راولپنڈی میں مقیم ہیں۔

اب ہم جس عظیم ہستی کا ذکر کرنے لگے ہیں ان کی ذات ہمارے لئے سرمایۂ افتخا

ہے مگر وہ خود مجسم انکسار ہیں۔ ہماری مراد لیفٹیننٹ جنرل (ر) ڈاکٹر محمود احمد اختر سے ہے جو گریڈ 22 میں اس عہدۂ جلیلہ سے حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ جنرل صاحب کو قوم سے محبت اور خدمت خلق کا جذبہ اپنے والد مکرم پروفیسر کرنل (ر) ڈاکٹر نور احمد مرحوم سے ملا ہے۔ آپ زندگی کی ترسٹھ بہاریں دیکھ چکے ہیں اور اپنے خاندان ہی نہیں بلکہ برصغیر کی کمبوہ برادری میں پہلے شخص ہیں جن کو لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے تک پہنچنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔

آپ نے سول اور فوج دونوں کے اداروں میں تعلیم حاصل کی ہے۔ سول میں ایم بی بی ایس' بی ایس سی' ایم ڈی' ڈی پی ایچ (پنجاب) اور ایف سی پی ایس' جبکہ ملٹری میں میڈیسن اور کلینیکل فارماکولوجی کوالیفائڈ سپیشلسٹ کا کورس پاس کیا۔ نیز برطانیہ' امریکہ اور جرمنی میں کئی کورس پاس کئے۔ آپ پاک اکیڈیمی آف سائنسز کے فیلو ہونے کے علاوہ ایف سی سی پی (امریکہ) اور ایف آر سی پی (انگلینڈ) بھی ہیں۔ دنیا بھر کی طبی درس گاہوں کے دورے کئے اور تقریباً تمام ممالک کی طبی کانفرنسوں میں شرکت کی۔

آرمی سروس: آپ کو 28 ستمبر 1955ء کو (جو آپ کا یوم پیدائش بھی ہے) فوج میں کمیشن ملا۔ دو سال بعد کیپٹن' اس کے سات سال بعد میجر' 6 سال بعد لیفٹیننٹ کرنل اور اس کے سات سال بعد 1977ء میں بطور کرنل تقرر ہوا۔ 1982ء میں بریگیڈیئر' 1987ء میں میجر جنرل اور 1990ء میں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔

ملازمت کے دوران میں آپ نے فیلڈ میڈیکل سنٹرز اور فوجی ہسپتالوں میں کلاسیفائڈ ماہر امراض کے طور پر فرائض ادا کئے۔ 1962ء سے 1968ء تک نائیجیریا کی مسلح افواج میں ریگولر ماہر امراض کی خدمات انجام دیں۔ آپ جن عہدوں پر فائز رہے ان کی تفصیل اس طرح ہے:

1- سرجن جنرل آرمی۔
2- ڈائریکٹر جنرل میڈیکل سروسز (انٹر سروسز)۔
3- پرنسپل آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی۔
4- پروفیسر اور چیئرمین میڈیکل ڈویژن آرمی میڈیکل کالج۔

5- ڈین فیکلٹی آف میڈیسن قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد۔
6- ڈائریکٹر جنرل میڈیسن (چیف فزیشن) اور سربراہ میڈیکل ڈویژن آرمڈ فورسز پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل کالج۔
7- آنریری فزیشن صدر پاکستان۔
آپ ہلال امتیاز (ملٹری) حاصل کر چکے ہیں۔

تصنیفات: آپ کے 180 مقالات اور طب سے متعلق چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب پر نیشنل فاؤنڈیشن کی طرف سے ایوارڈ مل چکا ہے۔ مزید براں آپ نے Viral Hepatitis اور ادویہ کے فوائد و نقصانات پر بنیادی عملی تحقیق کی ہے۔ آپ آرمڈ فورسز میڈیکل جرنل کے ایڈیٹر اور JAMA (جرنل آف امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن پاکستان) کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن ہیں' دیگر اہم مصروفیات یہ ہیں۔

(1) وزیٹنگ پروفیسر' کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز پاکستان۔
(2) اسی کالج کی فیکلٹی آف میڈیسن اور کلینیکل فارماکالوجی کے رکن۔
(3) پاکستان میں "ادویہ کے معقولیت پسندانہ استعمال کے نیٹ ورک کے ادارہ" کے چیئرمین۔
(4) چیئرمین 'ڈرگ ایکسپرٹ کمیٹی' مرکزی وزارت صحت' حکومت پاکستان۔
(5) چیئرمین' قومی فارمولری کمیٹی۔
(6) ممتحن میڈیکل امتحانات : ایم بی بی ایس۔ ڈی پی ایچ' ایم ڈی' پی ایچ ڈی اور ایف سی پی ایس (پنجاب یونیورسٹی اور کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز پاکستان)

موجودہ عہدہ: (1) آرمی کالج اور آرمڈ فورسز میڈیکل کالج کے میڈیسن' کلینیکل فارماکولوجی اور تھیراپیوٹکس کے پروفیسر ایمراٹس (2) ملٹری ہسپتال اور سی ایم ایچ راولپنڈی کے میڈیسن اور گیسٹرو انٹرولوجی کے اعزازی مشیر۔

آپ کی اہلیہ محترمہ' ڈاکٹر خالدہ اختر ایم بی بی ایس' ایف آر سی ایس (ایڈنبرا)' ایف آر سی او جی (لندن)' راولپنڈی میڈیکل کالج میں گائنی کی پروفیسر رہ چکی ہیں۔ جنرل صاحب کے ایک بھائی پروفیسر ڈاکٹر فہیم پرویز اختر DLO ڈپلومیٹ بورڈ' سروسز

ہسپتال لاہور اور پوسٹ گریجویٹ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ کے شعبہ امراض ناک کان اور گلا کے سربراہ ہیں دو بھائی ڈاکٹر مقصود احمد اختر (صدر کمبوہ ایسوسی ایٹس) انچارج سمن آباد کلینک اور ڈاکٹر اسد جاوید اختر جناح ہسپتال لاہور میں متعین ہیں۔

اسلام آباد: اکثر افراد بسلسلہ ملازمت دارالحکومت میں سکونت پذیر ہیں لیکن اب کچھ اصحاب مستقل طور پر بھی آباد ہو گئے ہیں۔ چوہدری محمد جمیل ایم اے (احمد پور شرقیہ) مرکزی حکومت کی وزارت اقتصادیات میں اسسٹنٹ ایڈوائزر ہیں۔ امریکہ سے دو سال کا تربیتی کورس کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر سعید احمد (سکھر) ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز متعین ہیں آپ بابو مولا بخش مرحوم آف مالیر کوٹلہ کے پوتے اور چوہدری ایزد بخش کے فرزند ہیں۔ چوہدری ایزد بخش پاکستان آ کر نائب تحصیلدار مقرر ہوئے مگر خرابی صحت کی بناء پر سکھر جا کر اپنا کاروبار شروع کیا اب اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ اعزاز حسن اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں جوائنٹ سیکرٹری اور ڈاکٹر امتزاج حسین وزارت خوراک و زراعت میں ڈائریکٹر جنرل ہیں۔ انیس رحمان زبیری وزارت اطلاعات و نشریات میں ڈپٹی سیکرٹری (پریس) ہیں۔ فرہاد علی زبیری پلاننگ ڈویژن کے منی اینڈ کریڈیٹ سیکشن میں اسسٹنٹ چیف ہیں۔ محترمہ رضیہ زبیری مین پاور ڈویژن میں ریسرچ آفیسر' محترمہ شہناز زبیری فیڈرل ایمپلائز B & GI فنڈ کے بورڈ آف ٹرسٹیز کی رکن ہیں اور محترمہ جمل پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ میں پرائیویٹ سیکرٹری ہیں۔ چوہدری محمود احمد بی اے' ایل ایل بی' بی ٹیک OGDC میں ڈپٹی الیکٹرونکس آفیسر ہیں۔ ایم عبدالرؤف چوہدری قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں کنٹرولر امتحانات تھے۔ اب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے ممبر ہیں۔ چوہدری عبدالرحمان شاد سول سیکرٹریٹ میں اور چوہدری مشکور حسین لاء ڈویژن (وزارت قانون) میں سیکشن آفیسر ہیں۔

مزید تحریر سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ معلومات کچھ عرصہ قبل حاصل کی گئی تھیں۔ سرکاری ملازمت میں ترقی' ریٹائرمنٹ' تبادلہ معمول کا حصہ ہے اس لئے مذکورہ اصحاب کے عہدوں کو حتمی اور مستقل نہ سمجھا جائے۔ اس کے لئے موزوں طریقہ مناسب وقفوں سے ڈائریکٹری کی اشاعت ہے۔

چوہدری محمد امین: چوہدری غلام رسول کے بھائی اور چوہدری اختر رسول کے چچا

ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم ایس سی کرنے کے بعد پنجاب پبلک سروس کمیشن سے کامیابی حاصل کی اور انسپکٹر کی حیثیت سے پولیس سروس سے وابستہ ہو گئے۔ چار سال بعد ڈی ایس پی اور اس کے چھ سال بعد 1971ء میں سپرنٹنڈنٹ پولیس مقرر ہوئے۔ 1976ء میں ڈی آئی جی کے عہدہ پر ترقی پائی۔ بطور ڈی آئی جی لاہور' گوجرانوالہ' راولپنڈی' ڈیرہ غازی خان اور کرائمز برانچ میں متعین رہے۔ آج کل وزیر اعظم معائنہ ٹیم کے رکن ہیں۔

ڈاکٹر فیض اختر: انجمن کمبوہان پنجاب کے جنرل سیکرٹری اور مشہور پراپرٹی ڈیلر میاں فیض محمد خاں کمبوہ ایم اے کے فرزند ہیں 1955ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد کئی جگہ (بطور اسسٹنٹ سرجن) ملازمت کی' 1963ء میں ایف آر سی ایس (ایڈنبرا) میں کامیابی حاصل کی' 1968ء میں پبلک سروس کمیشن میں کامیاب ہو کر دس سال تک ریلوے میں ڈویژنل میڈیکل آفیسر کے طور پر کام کیا اس عرصہ میں آرتھوپیڈک سرجری کے بہت سے کامیاب اپریشن کئے جس سے ان کی نیک نامی میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کے بعد بوسٹن (امریکہ) میں فیلو شپ اور لندن میں ریفریشر کورس کئے واپسی پر ریلوے ہسپتال راولپنڈی کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے اور آرتھوپیڈک سرجن کا اضافی چارج بھی ان کے پاس رہا۔ 1983ء میں پاکستان ریلوے کا چیف میڈیکل آفیسر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے ملازمت کے دوران میں کئی نادر اور محیرالعقول اپریشن کئے اخبارات اور ٹی وی پر ان کی نمایاں کوریج سے ان آپریشنوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ امریکہ اور بہت سے یورپی ممالک میں پاکستان کی بھرپور نمائندگی کی' میڈیکل کانفرنسوں میں آپ کے ریسرچ پیپرز کو بہت اہمیت دی گئی۔ گریڈ 21 میں ترقی پانے کے بعد ریلوے سے ریٹائر ہو گئے ہیں اور اسلام آباد میں پرائیویٹ پریکٹس شروع کر دی ہے۔ آپ ریلوے کے کئی رفاہی اداروں کے سربراہ اور صدر رہے ہیں۔

صوبہ سرحد: صوبہ سرحد اور اس کے شمالی قبائلی علاقہ کو کمبوہ قوم کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔ نا مکمل معلومات کے باوجود ہمیں کامل یقین ہے کہ سرحد کے بہت سے قبائل کا آبائی تعلق کمبوہ قوم سے ہے۔ اس کا مفصل ذکر ہم شروع کے ابواب میں



محمد امین کمبوہ آف نواں پنڈ



ڈاکٹر ناصر عزیز



چوہدری محمد یوسف حسن PIDC کے زیر اہتمام بزنس ایڈمنسٹریشن سیمینار کے موقع۔



اب چوہدری اور کرنل احسان الحق اراکین انجمن فلاح کمبوہ برادری کے ہمراہ



خالد محمود چوہدری (سعودی عرب)



حافظ ڈاکٹر عبدالغفور قدیم سندھی



حافظ عبدالحفیظ قدیم سندھی



ملٹی نیشنل ادارے بروک بانڈ گروپ کے چیئرمین مسٹر جان بروک اور کمپنی کے پاکستان میں
چیئرمین مسٹر جے ڈی لیویلنٹ کی چوہدری محمد یوسف حسن کے دفتر میں آمد



چوہدری اختر رسول' حاجی معراج دین اور محمد یوسف حسن

کر آئے ہیں۔ گلگت' چترال' باجوڑ' دیر' بونیر وغیرہ علاقوں میں محققین اور دانشوروں کے لئے ذاتی روابط کے ذریعے نئے خطوط پر حقائق دریافت کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ پیر بابا (بونیر) کے نواح میں قبیلہ کمبوہ خیل کے متعلق راقم کی تحقیقات سے کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تھا مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔ بنظر ظاہر اور بحالات موجودہ صوبہ بھر میں کوئی علاقہ یا گاؤں ایسا نہیں جسے کمبوہ آبادی کہا جا سکے البتہ پشاور کا کمبوہ محلہ ایک استثنا ہے۔ اس محلہ کا ذکر نوائے کمبوہ کی فروری 1990ء کی اشاعت میں کیا گیا ہے۔ تقریباً ایک ہزار نفوس پر مشتمل رتن پال گوت کے ان ملتانی کمبوہوں کے آباؤ اجداد سات آٹھ پشت قبل تلاش معاش میں پشاور آئے شہر کے ارد گرد کی اراضی حاصل کر کے اسے قابل کاشت بنایا اور زراعت شروع کر دی وقت کے ساتھ ساتھ ان کی زبان' لباس اور ناموں پر بھی ماحول کا رنگ غالب آ گیا ہے۔ یہاں کے کمبوہ صاحب حیثیت اور کافی بار سوخ ہیں۔ ایک کمبوہ بھائی نے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں حصہ لینے کے لئے کافی تگ و دو کی تھی مگر الیکشن سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت حاجی ملک مہول بڑے زمیندار اور معزز شخصیت ہیں۔ ملک زیارت گل جی ٹی روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ کے مالک ہیں۔ زرعی زمین کی کمیابی کے باعث بہت کم لوگ کاشتکاری کرتے ہیں۔ جہاں زیب' حاجی محمد جاوید' عبدالرزاق بڑے کلاتھ مرچنٹ ہیں۔ کئی جوان فوج اور سول میں ملازمت کرتے ہیں۔

پروفیسر اطہر حسین زبیری گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج مردان میں پرنسپل تھے۔ پریمئر شوگر ملز مردان کے پہلے جنرل مینجر اور شوگر کین انسپکٹر بھی کمبوہ تھے۔ میجر ڈاکٹر ظفر خورشید پشاور میں تعینات ہیں۔ چوہدری محمد اسلم کمبوہ پہلے مانسہرہ میں اسسٹنٹ کمشنر تھے آج کل باجوڑ (ہیڈ کوارٹر تیمر گرہ) میں اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ہیں۔ کوہاٹ میں حکیم بشیر حسن ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز تھے۔ آصف کریم کوہاٹ کے پرانے تجربہ کار وکیل ہیں۔ صوبہ بلوچستان میں کمبوہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ کوئٹہ میں دو آڑھتی صاحبان سکھر سے آ کر آباد ہوئے ہیں۔ محمد رفیق کمبوہ ٹیلی ویژن کے مشہور اداکار تھے مگر ایک سانحہ کے بعد :: سکرین سے غائب ہو گئے ہیں۔ میجر ڈاکٹر عبدالحفیظ (ایف آر سی پی) کوئٹہ میں متعین تھے۔ حب ضلع لس بیلا میں الیاس کمبوہ اور ان کے بھائیوں کا پہلے ذکر

چکا ہے۔
اور اب آخر میں کمبوہ آبادی کے اہم ترین مرکز' پنجاب کے دارالحکومت' ضلع لاہور کے برادران' بزرگوں اور عمائدین کا مختصر ذکر پیش ہے۔ لاہور میں مقیم بعض احباب کا ذکر ان کے آبائی ضلع میں کیا جا چکا ہے اگر کوئی نام رہ جائے تو ہم معذرت خواہ ہیں۔ تذکرہ میں تقدیم و تاخیر بھی قابل معافی سمجھی جائے۔
لاہور میں کمبوہ آبادی کے بڑے مراکز اچھرہ' گڑھی شاہو' سلطانپورہ' چاہ میراں' سانده' نواں کوٹ اور اندرون شہر (یکی گیٹ' دہلی گیٹ' اکبری گیٹ' محلہ چابک سواراں ' رنگ محل' لوہاری گیٹ وغیرہ) ہیں۔ لاہور میں ہر شعبہ سے متعلق کمبوہ موجود ہیں۔ ترتیب میں یہی نکتہ ملحوظ رکھا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر آف فلاسفی: سب سے پہلے لاہور سے متعلق پی ایچ ڈی حضرات جن میں اساتذہ بھی شامل ہیں کا تعارف پیش ہے۔

ڈاکٹر غلام علی: 1923ء میں مجیٹھہ (ضلع امرتسر) کے ایک تعلیم یافتہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ 1945ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے (انگریزی) پاس کیا۔ اسلامیہ کالج' دیال سنگھ کالج اور ایم اے او کالج میں لیکچرار رہے۔ 1962ء میں انگریزی ادبیات میں ڈاکٹریٹ حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر اور صدر شعبہ انگریزی مقرر ہوئے۔ 1972ء میں ریٹائر ہونے کے بعد سعودی حکومت کی دعوت پر یونیورسٹی میں تدریس پر مامور ہوئے۔ آج کل لاہور میں ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔
آپ اعلیٰ پایہ کے ادیب' ڈرامہ نگار' محقق اور افسانہ نویس بھی ہیں۔ آپ کی اردو تصانیف میں ریگ رواں' مشعل' شفق' صحیفہ وغیرہ کو نمایاں شہرت حاصل ہوئی۔ انگریزی زبان میں ڈکنز' کارلائل' ہوتھورن اور تحقیقی کتاب' ایلزبتھ کے عہد کا ڈرامہ' انگریزی ادب میں شاہکار تسلیم کئے گئے ہیں۔
آپ نے تحریک پاکستان میں عملی حصہ لیا۔ 1948ء میں پنجاب مسلم لیگ کے آرگنائزنگ آفیسر اور صوبائی مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے سرگرم کوشش کی۔ بعد میں ملازمت کی پابندیوں کے باعث سیاست کو خیرباد کہنا پڑا۔

ڈاکٹر محمود الحسن عارف: واہگہ کے نزدیکی گاؤں اچوگل سے تعلق ہے سوا سال کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ درس نظامی کی تکمیل سندھ اور پنجاب کی معروف د. سگاہوں سے کی اور دورہ حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سے اول پوزیشن میں مکمل کیا۔ 1973ء میں شہادۃ العالیہ (مساوی ایم اے عربی و اسلامیات)' 1979ء میں ایم اے عربی ' (یونیورسٹی میں سوم)' 1982ء میں ایم اے اسلامیات (یونیورسٹی میں دوم) اور ایم او ایل کے امتحان پاس کئے۔ 1987ء میں تفسیر مظہری کے مؤلف قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی کے احوال و آثار کا تذکرہ لکھ کر پیش کیا جس پر آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا ہوئی یہ تذکرہ ادارہ ثقافت اسلامیہ نے 1995ء میں شائع کیا ہے اس کے علاوہ آپ کی گیارہ تصنیفات' تالیفات اور تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

آپ اپریل 1980ء سے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی ادارت سے منسلک ہیں۔ یکم دسمبر1992ء کو گریڈ 19 ملا اور مئی 1994ء سے اس شعبہ میں سینئر مدیر اور اب قائمقام سربراہ ہیں۔ اس بین الاقوامی کتاب میں آپ کے متعدد علمی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ ملک کے معروف علمی' دینی اور تحقیقی رسائل و جرائد میں آپ کے مضامین اور مقالات بہت اشتیاق سے پڑھے جاتے ہیں۔ کئی دینی اداروں کے رکن ہیں۔ رابطہ ادب اسلامی عالیہ (صدر دفتر) لکھنؤ کے ممبر' وفاقی شرعی عدالت کے مشیر فقہ' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی ایم فل اور اسلامیات کی کلاسز کے ٹیوٹر' ادارہ علوم اسلامیہ اسلام آباد کی نصاب کمیٹی اور جامعہ محمدیہ فیصل آباد کی مجلس انتظامیہ کے رکن ہیں۔

پرنسپل ڈاکٹر عذرا امتیاز: پیدائش اور ابتدائی تعلیم امروہہ (یوپی) میں ہوئی۔ پاکستان قائم ہوا تو خاندان نقل مکانی کر آیا۔ ایم ایس سی (کیمسٹری) کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے اعلیٰ نمبروں پر پاس کیا۔ پانچ سال گورنمنٹ کالج ملتان میں تدریسی فرائض کی ادائیگی کے بعد 1968ء میں لاہور کالج فار ویمن میں تبادلہ ہو گیا۔ اس دوران میں ملازمت کی مصروفیات کے باوجود آپ نے تحقیقی کام جاری رکھا اور "بنزوویک ایسڈ کے مرکبات کی پانی اور پانی میں غیر حل پذیر نامیاتی محلل کی تقسیم کا عمل" کے دقیق موضوع پر

تحقیقی مقالہ لکھا جس پر آپ کو 1985ء میں فزیکل کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کا اعزاز ملا۔ آپ پہلی مسلمان خاتون ہیں جن کو اس مضمون میں ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ 1986ء میں پبلک سروس کمیشن نے پرنسپل کے عہدہ کے لئے نامزد کیا۔ آپ پہلے گورنمنٹ کالج باغبانپورہ کی پرنسپل رہیں۔ اور اب شروع 1992ء سے گورنمنٹ اپوا کالج کی پرنسپل ہیں آپ ایک ہر دلعزیز معلمہ اور بہترین منتظمہ ہیں۔

آپ نے بہت سی غیر ملکی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی ہے جہاں آپ کے تحقیقی مقالات کو بہت سراہا گیا ہے آپ 1985ء میں پاکستان سائنس کانفرنس (شعبہ کیمسٹری) کی صدر منتخب ہوئیں۔ اس کے علاوہ پاکستان ایسوسی ایشن برائے ترقی سائنس کی ایسوسی ایٹ جنرل سیکرٹری بھی رہ چکی ہیں۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین: آپ کا تعلق لاہور کے محلہ چاہ میراں سے ہے۔ آپ نے ایم ایس سی کرنے کے بعد کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور اب پنجاب یونیورسٹی کی انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل ٹیکنالوجی میں پروفیسر ہیں۔ ڈاکٹر محمد سلیمان بھی ایم ایس سی پی ایچ ڈی ہیں اور پنجاب یونیورسٹی میں سالڈ سٹیٹ فزکس کے پروفیسر ہیں۔ آپ کی اہلیہ ڈاکٹر نسرین ایم بی بی ایس' علامہ اقبال میڈیکل کالج سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر محمد حنیف ایم ایس سی (پنجاب) پی ایچ ڈی (پراگ) پوسٹ ڈاکٹریٹ' سینئر ریسرچ فیلو اے۔ ایچ فاؤنڈیشن (جرمنی) گزشتہ تیس بتیس سال سے پی سی ایس آئی آر لیبارٹریز لاہور میں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ چیکوسلواکیا' جرمنی' ملائیشیا میں کورس پاس کئے اور بے شمار ملکی اور غیر ملکی سائنس کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ پاکستان انجینئرنگ کونسل' پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف کیمیکل انجینئرز' پاکستان سوسائٹی برائے کینسر کے رکن ہیں اور آجکل اسلام آباد میں وزارت برائے تحفظ ماحولیات میں مشیر ہیں۔

ڈاکٹر عبدالقدیر: آبائی تعلق اچھرہ سے ہے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کیمسٹری کرنے کے بعد انگلینڈ میں فوڈ ٹیکنالوجی میں تربیت لے کر لندن سے مائیکروبیالوجی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پی سی ایس آئی آر میں سینئر ریسرچ

آفیسر، پرنسپل سائنٹفک آفیسر اور چیف سائنٹیفک آفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ زرعی شعبے میں کئی مفید ایجادات کا سہرا آپ کے سر ہے۔ مائیکرو ٹیکنالوجی آپ کا خاص شعبہ ہے۔ ملک اور بیرون ملک آپ کے ایجاد کردہ فارمولوں سے استفادہ کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر محبوب عالم : 1942ء میں گڑھی شاہو میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے 1964ء میں ایم ایس سی (کیمسٹری) کرنے کے بعد 1967ء میں ویلز یونیورسٹی انگلینڈ سے آرگینک کیمسٹری میں پی ایچ ڈی اور ایک سال بعد ساؤتھمپٹن یونیورسٹی سے پوسٹ ڈاکٹرل ریسرچ فیلو شپ حاصل کی۔ تقریباً" پانچ سال نیو ویلز اور ریڈنگ میں ملازمت کے بعد پاکستان واپس آگئے نومبر 74ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارمیسی سے منسلک ہو کر فارمیسوٹیکل کیمسٹری میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ بتدریج ترقی کر کے 1989ء سے پروفیسر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ تقریباً اسی تحقیقی مقالات کے مصنف اور Patents کے خالق ہیں۔ درج ذیل اداروں کے رکن یا فیلو ہیں :

1- معاون رکن رائل انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری (لندن) 2- فیلو کیمیکل سوسائٹی لندن 3- فیلو پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹس 4- رکن پاکستان ایسوسی ایشن برائے ترقی سائنس 5- رکن پاکستان سوسائٹی آف بائیو کیمسٹس۔ نیز فارمیسوٹیکل اور کیمیکل انڈسٹری کے کئی اداروں کو آپ کا فنی تعاون حاصل ہے۔

ڈاکٹر حیدر علی : اندرون شہر سے تعلق ہے آپ کے والد برادری کے معزز رکن اور گورنمنٹ کنٹریکٹر تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کرنے کے بعد بلجیم سے بائیو کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، بعد میں امریکہ سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کی۔ پاکستان آ کر پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارمیسی سے منسلک ہوئے۔ آپ کا خاص شعبہ ادویات کا خاص فنی باریک بینی سے تجزیہ کرنا اور نئی ادویات کی دریافت ہے۔ آج کل گریڈ 20 میں پروفیسر ہیں۔ آپ کی اہلیہ مسز شمیم حیدر کا تعلق کوٹ رادھا کشن کی مشہور کمبوہ فیملی سے ہے۔ گورنمنٹ اپوا کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

ڈاکٹر محمد جمشید : ایم ایس سی کرنے کے بعد امریکہ چلے گئے وہاں سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارمیسی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ آپ

تعلق خانیوال سے ہے۔

ڈاکٹر محمد حفیظ خاں: تعلق لاہور سے ہے بی ایس سی کے بعد بی فارمیسی کا امتحان پاس کیا اور امریکہ جا کر مختلف اداروں میں فارمیسی کی عملی تعلیم اور تربیت حاصل کی اس کے علاوہ انڈسٹریل فارمیسی کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ پاکستان میں مشہور دوا ساز اداروں 'ایبٹ' اور 'لیڈر لے' میں ملازمت کی۔ 1978ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارمیسی میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہو گئے۔ 1988ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی کانووکیشن کے موقعہ پر صدر پاکستان غلام اسحٰق خاں نے پنجاب یونیورسٹی سے یہ اعزاز حاصل کرنے والے پہلے فارما سسٹ محمد حفیظ خاں کو یہ ڈگری بدست خود عطا کی۔ آج کل آپ شعبہ فارمیسی میں پروفیسر ہیں۔

شعبہ تعلیم: اوپر پی ایچ ڈی (Ph. D) حضرات کے ضمن میں نو اساتذہ کرام کا ذکر آ چکا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ تعلیم و تدریس کے ذریعے قوم و ملک کی خدمت میں مصروف ہیں۔ ان میں رانا محمد سعید الزمان (ایم ایس رانا) گڑھی شاہو کے رہنے والے ہیں' کئی چوٹی کے وکیل ان کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ پروفیسری کے علاوہ لاء کالج ملتان اور لاء کالج لاہور کے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ کمبوہ طلبہ کی بڑی خوش دلی سے ہر قسم کی اخلاقی مدد کرتے رہے ہیں۔

محمد ممتاز الحسن زبیری: گورنمنٹ کالج راولپنڈی اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایف ایس سی کی تعلیم حاصل کی۔ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور سے 1964ء میں بی ایس سی (میکینیکل) کرنے کے بعد یہیں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ بعد میں ایم ایس سی (انجینئرنگ) کا امتحان پاس کیا۔ تقریباً شروع سے ہی میکینیکل پروڈکشن میں ہیں۔ کافی عرصہ سے اس شعبہ کے سربراہ اور پروفیسر (گریڈ 20) کے طور پر کام کر رہے ہیں انجینئرنگ یونیورسٹی کے کمبوہ طلبہ کی تنظیم "کمبوہ انجینئرز" کی بنیاد رکھی اور اسے مضبوط بنیاد فراہم کی۔ ان کی ایک بیٹی بی ایس سی (الیکٹریکل) اور بیٹا فیصل ممتاز بی ایس سی (سول انجینئر) ہے۔

اعجاز احمد چوہدری: ایم ایس سی (میکینیکل) خانیوال کے رہنے والے اور انجینئرنگ

یونیورسٹی لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ لاہور کے دیگر اساتذہ کی تفصیل یوں ہے۔

پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ نے ایم اے (عربی) اور ایم اے (اسلامیات) پنجاب یونیورسٹی سے اور عربی کی مزید تعلیم ریاض یونیورسٹی سے حاصل کی۔ چھ سال اسلامیہ کالج خانیوال میں لیکچرار رہے۔ 1970ء میں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں آئے۔ 1987ء سے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز کے چیئرمین اور یونیورسٹی کی جامع مسجد میں خطیب کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

چوہدری مقصود ایم اے (سنٹرل ٹریننگ کالج)' چوہدری محمد اسلم (ایف سی کالج)' پروفیسر محمد امین شعبہ فزکس اور چوہدری محمد شریف شعبہ اسلامیات (گورنمنٹ سائنس کالج) چوہدری کرم الٰہی شعبہ کیمسٹری اور چوہدری نور اقبال شعبہ کامرس (ایم اے او کالج)' چوہدری رشید اعجاز (گورنمنٹ اسلامیہ کالج آف کامرس)' چوہدری زاہد محمود (گورنمنٹ کالج راوی روڈ شاہدرہ)' (ان کی ایف اے اور بی اے کے طلبہ کے لئے دو درجن کے قریب کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ایک مرتبہ رسالہ نوائے کمبوہ کی ادارت بھی کی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں کرکٹ اور فٹ بال کے بہترین کھلاڑی رہے ہیں)' پروفیسر ایم شریف چوہدری (ایچی سن کالج) چوہدری قمرالزمان (پروفیسر گورنمنٹ کالج سانگلہل) اور ٹیکنیکل کالجوں کے اساتذہ میں چوہدری محمد علی توکلی' چوہدری محمد خالد توکلی' چوہدری محمد منیر' چوہدری غلام رسول' چوہدری صفدر اقبال کے نام نمایاں ہیں (صفدر اقبال کی اہلیہ انگریزی ادبیات کی لیکچرار ہیں)۔ خواتین میں مسز طاہرہ اختر لیکچرار (گورنمنٹ اپوا کالج) مسز خالدہ ظفر (ہیڈ مسٹریس)' مسز امت اللہ رفیق (ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ترقی و تحقیق تعلیم) بھی اسی شعبہ سے متعلق ہیں۔

ریٹائرڈ ماہرین تعلیم میں چوہدری نذیر احمد ہیڈ ماسٹر سنٹرل ماڈل سکول و پرنسپل نیا علی گڑھ سکول مانگا منڈی (برادر کرنل ڈاکٹر نور احمد) اور چوہدری غلام محمد (ہیڈ ماسٹر ریلوے سکول) شامل ہیں۔

صحافت اور ادب : ادیب اور محقق ضیاء لاہوری کی کئی تصانیف مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ آپ نے جس عرق ریزی' محنت اور جانفشانی سے رویت ہلال کے مسئلہ پر تحقیق کے علاوہ سالہاسال صرف کر کے تقویم مرتب کی وہ "جوہر تقویم" کے نام سے

شائع ہو چکی ہے حقیقت میں یہ عالم اسلام پر بہت بڑا احسان ہے۔ پاکستان کے تمام مؤقر اردو انگریزی رسائل و جرائد اس نادر تحقیق پر تبصرے شائع کر چکے ہیں۔ رسالہ طلوع اسلام نے لکھا ہے "یہ کام مسلسل خارا شگافی اور کوہ کنی کا متقاضی تھا کسی ادارہ کے کرنے کا تھا لیکن یہ دیکھ کر ہمیں حیرت اور اس کے ساتھ بے حد مسرت ہوئی کہ ایک فرد نے تنہا سرانجام دے دیا ہے جو ایک نادر اور منفرد کوشش ہے۔ ہم محترم "قیس کوہ کن" کو اس جوئے شیر پر مستحق صد تبریک و تہنیت سمجھتے ہیں ان کی یہ محنت مؤرخین اور محققین کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہو گی۔

سیف نیاز پیشہ کے لحاظ سے وکیل تھے مگر ادیب اور شاعر بھی تھے۔ کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کا کلام اخبارات و رسائل میں بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ ساجدہ انجم زبیری ایم اے (ابلاغیات) سابق ڈائریکٹر (ایڈمن) چائلڈ ہیلتھ فاؤنڈیشن لاہور۔ آج کل پی ایچ ڈی کے لئے مولانا محمد علی جوہر کی صحافتی زندگی پر تحقیق میں مصروف ہیں۔

بشیر احمد موجد وہ عظیم فن کار ہے جس پر قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ موجد نے اپنے فن کا آغاز بورڈ نویسی سے کیا اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آخر میں چغتائی اور استاد اللہ بخش جیسے کامل فن اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔

موجد کے مداحوں میں احمد ندیم قاسمی' احسان دانش' ڈاکٹر وزیر آغا' حکیم جمل سویدا' مرزا ادیب' حنیف رامے' محمد طفیل نقوش جیسے بیسیوں فن شناس ادیب اور شاعر شامل ہیں۔ محمد طفیل مرحوم نے کہا "ان کی مصوری آمیز خطاطی' وہ بھی ایسی جیسے اس پر الوہیت کی چھاؤں اور چھاپ ہو متبرک ہی متبرک' مقدس ہی مقدس" مرزا ادیب کا بیان ہے۔ "وہ بہت ہمدرد' دوست نواز اور انسان دوست آدمی ہیں۔ دنیائے فن میں ان کی ذات قابل صد فخر ہے تو دنیائے انسانیت میں بھی قابل صد احترام و محبت ہیں" احمد ندیم قاسمی کے خیال میں دور جدید کے چند گنتی کے مصوروں میں موجد کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ سابق وزیراعلیٰ اور موجودہ سپیکر پنجاب اسمبلی حنیف رامے لکھتے ہیں "خطاطی اور مصوری کا وہ امتزاج جس کے با معنی اور خوبصورت اظہار کے لئے خود میں نے برسوں جتن کیا ہے۔ موجد صاحب نے اس اظہار میں جو جدت' تازگی' معنویت اور وزن پیدا کیا ہے اس نے مجھے خوشی بھی دی ہے اور حیران بھی کیا

ہے اور حیران وہی کام کیا کرتا ہے جس میں زندگی کی توانائی ہو" حفیظ جالندھری نے کہا "ان کے تصویری نقوش موجودہ دور کی مصوری کے بہترین مظہر ہیں۔"

چوہدری محمد شفیع کنبوہ۔ صریح بے انصافی ہوگی اگر ہم گڑھی شاہو میں مقیم برادری کے اس ہمہ تن خادم قوم بزرگ رہنما کا ذکر نہ کریں جو اپنے اجڑے مسکن خیالستان میں عزلت اور کس مپرسی کی حالت میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ وہی خیالستان جہاں کبھی علمائے کرام کی مجلس بپا ہوتی کبھی محفل مشاعرہ کی رنگینی اور کبھی سیاسی اجتماع کی گہما گہمی کا رنگ جمتا۔ جہاں کبھی ملک کی بے شمار نامور ہستیوں مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد' سید سلیمان ندوی' احسان دانش' سر تیج بہادر سپرد' نواب سر محمد یامین خاں وغیرہ نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔ آج اس کے در و دیوار سے حسرت و یاس ٹپکتی ہے۔ برادری کی محبت ان کے رگ و ریشہ میں رچی ہوئی تھی۔ 1932ء سے 1947ء تک برادری کی تنظیموں کے روح رواں رہے۔

افواج پاکستان: کمبوہ پاکستان کی تینوں افواج میں بھرتی ہو کر ملک کی خدمت کر رہے ہیں۔ نیوی میں کئی نوجوان ملازم ہیں لاہور گورونانک نگر کے لیفٹیننٹ سجاد احمد 1971ء کی جنگ میں جان کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ وہ مشہور آبدوز "غازی" کے غازی اور شہید تھے۔ ایئر فورس میں ونگ کمانڈر محمد نواز ایک لائق افسر ہیں۔ راقم کے عزیز دوست عزیز کمبوہ مرحوم کے فرزند اور ڈاکٹر ناصر عزیز کے بھائی سکواڈرن لیڈر فرخ عزیز ایک ہونہار ہوا باز اور بہترین صلاحیتوں کے مالک تھے۔ الیکٹریکل انجینئرنگ (بی ایس سی) کا پہلا سال تھا کہ پی اے ایف میں بھرتی ہو گئے 1974ء میں کمیشن مل گیا۔ فلائٹ لیفٹیننٹ تھے کہ ایف 16 کی تربیت کے لئے امریکہ بھیجا گیا۔ اس رینک کے ہوا باز کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ امریکہ میں پاکستانی ہوا بازوں نے ایف سولہ کی تربیت کا دو سالہ کورس ڈیڑھ سال میں پوری مہارت سے مکمل کر کے امریکی ایئر فورس کے افسروں کو حیرت زدہ کر دیا۔ فرخ نے وہاں کمپیوٹر کی تربیت بھی حاصل کی 1986ء میں سکواڈرن لیڈر بنا دیا گیا۔ اکتوبر 1988ء میں سعودی عرب ایئر فورس نے آپ کی خدمات حاصل کر کے تبوک ایئر بیس پر متعین کر دیا۔ 4 مئی 1989ء (29 رمضان المبارک 1409ھ) کو مدینہ شریف سے تبوک جاتے ہوئے کار کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔ وفات کے بعد مسجد نبوی میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں دفن کیے

گیا۔ سعودی چیف آف ایئر سٹاف' مرحوم کی تعریف میں خصوصیت سے رطب اللسان تھے۔ آرمی میں بھی لاہور کے کئی جوان اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

بریگیڈئر (ر) مختار الحق 14 اپریل 1939ء کو ایران کے شہر اہواز میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد چوہدری محمد علی (سکونتی سلطانپور لودھی۔ کپور تھلہ) اینگلو ایرانین آئل کمپنی میں الیکٹریکل انجینئر تھے۔ تعلیم مکمل ہونے سے قبل ہی فوج میں بھرتی ہو گئے ملٹری اکیڈمی کاکول کی ٹریننگ کے بعد 1962ء میں کمیشن مل گیا۔ 1965ء کی جنگ میں 15 بلوچ رجمنٹ کے ساتھ برکی سیکٹر میں دشمن کا زبردست مقابلہ کیا۔ اس کے بعد مجاہدین آزادی میں شامل ہو کر مقبوضہ کشمیر کی وادی میں سری نگر اور پونچھ کی پہاڑیوں میں غاصب دشمن سے نبرد آزما ہوئے۔

1971ء کی جنگ میں بہاولنگر اور سلیمانکی محاذ پر حصہ لیا۔ 1975ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدہ پر ترقی پائی اور 6 بلوچ کے کمانڈنگ آفیسر مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی وزیر اعظم ہاؤس میں ذوالفقار علی بھٹو کے سیکورٹی سٹاف کے انچارج بنا دیئے گئے اور 2 سال تک وزیر اعظم بھٹو کے ساتھ یورپ' امریکہ' چین' سعودی عرب غرض بہت سے ممالک میں جانے کا موقع ملا۔ جولائی 1977ء میں اپریشن فیر پلے کی نگرانی بھی آپ نے کی۔ 1982ء میں بریگیڈئر کے عہدہ پر ترقی ملی اور 1992ء میں پورے اعزاز کے ساتھ ریٹائر ہو گئے۔

ملازمت کے دوران میں آرمی کے بہت سے کورسز کے علاوہ سٹریٹیجک سٹڈیز میں ایم ایس سی کیا اور سول کے امتحانات ایل ایل بی' ایم اے (اسلامیات) اعلیٰ پوزیشن میں پاس کئے۔ چینی اسلحہ کے سسٹم پر آپ کا کتابچہ فوجی کتب میں قابل قدر اضافہ ہے' آپ کے چار بیٹوں میں سے دو ڈاکٹر ایک انجینئر اور ایک زیر تعلیم ہے۔

سول افسران: یہ اچھی خاصی طویل فہرست ہے۔ بہ امر مجبوری ہم اختصار کے ساتھ ان محترم شخصیات کا ذکر کریں گے۔

چوہدری عنایت اللہ: 1918ء میں مجیٹھہ کے ایک قریبی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بی اے کرنے کے بعد مقابلہ کا امتحان پاس کیا اور گورنمنٹ آف انڈیا سول سیکرٹریٹ

میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1956ء میں پاکستان الیکشن کمیشن سے وابستہ ہوئے اور پنجاب سندھ الیکشن کمیشن کے جائنٹ سیکرٹری کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ ایک عرصہ تک بحیثیت الیکشن کمشنر پنجاب خدمات انجام دیں اس دوران میں الیکشن کمشنر سندھ کی اضافی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد رہی۔ 1977ء کے انتخابات کے موقع پر بیماری کے باعث چھٹی پر تھے۔ کہتے ہیں "یہ بیماری میرے لئے زحمت نہیں رحمت ثابت ہوئی کیونکہ اس طرح میری پیشانی انتخابی نتائج میں دھاندلی کے سیاہ داغ سے محفوظ رہی ہے۔"

آپ کی ملازمت میں توسیع ہوئی تو خدمات الیکشن کمیشن پنجاب کے سپرد ہوئیں جہاں فروری 1992ء تک بحیثیت سیکرٹری خدمات انجام دیں۔ ملازمت کے دوران میں آپ نے بہت سے مفید انتخابی قوانین مرتب کئے اور مروجہ طریقہ کار میں کئی تبدیلیاں کرائیں۔ آپ کمبوہ ایسوسی ایٹس اور انجمن کمبوہان پاکستان کے سرپرست ہیں۔

کیپٹن سی اے سعید 1921ء میں کمتر ضلع فیروز پور کے ایک معزز زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے 1941ء میں RSD (رام سکھ داس) کالج سے بی اے کیا اور اگلے سال فوج میں ملازمت کر لی۔ دوسری جنگ عظیم جاری تھی آپ نے ہندوستان کے مشرقی محاذوں پر حصہ لیکر عمدہ کارکردگی کے کئی سٹار اور میڈل حاصل کئے۔ قیام پاکستان پر پاک فوج میں منتقل ہو گئے۔ 1949ء میں استعفیٰ دیکر پی سی ایس میں کامیابی کے بعد مختلف مقامات پر بطور مجسٹریٹ اور ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خدمات انجام دیں۔ صدر ایوب کی بنیادی جمہورتیوں کے ڈائریکٹر رہے۔ ڈپٹی کمشنر گجرات متعین ہوئے کئی جگہ خدمات کی انجام دہی کے بعد ایڈیشنل کمشنر مقرر ہوئے۔ 1972ء میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی 'نظر کرم' کا نشانہ بننے والے تیرہ سو سرکاری افسران کے ساتھ آپ کو بھی فارغ کر دیا گیا۔ آپ نے ایل ایل بی پاس کر کے وکالت شروع کر دی۔ آپ کمبوہ ایسوسی ایٹس کے بانی ارکان میں بہت سرگرم تھے۔ اسی دوران میں معطلی کے خلاف آپ کی اپیل منظور ہو گئی اور سات سال کے بقایا جات کی وصولی کے علاوہ آپ ڈپٹی ہوم سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ایڈیشنل ہوم سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائرمنٹ کے بعد اب دوبارہ وکالت کر رہے ہیں۔

چوہدری محمد شریف: سول سروس میں بہت نیک نام افسر رہے ہیں۔ مختلف عہدوں

پر کام کیا۔ سیکرٹری اوقاف کے بعد بہاولپور ڈویژن کے کمشنر مقرر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کسان بورڈ کے صدر رہے۔ زیادہ وقت اپنے زرعی فارم پر گزارتے ہیں۔

چوہدری نذر محمد: بہاولپور سے ایف ایس سی کے بعد انجینئرنگ کالج لاہور سے بی ایس سی (سول) کا امتحان پاس کیا اور 1950ء میں بحیثیت اسسٹنٹ انجینئر محکمہ انہار ملازمت کا آغاز کیا۔ 1955ء میں ایگزیکٹو انجینئر مقرر ہوئے 1963ء میں ان کی خدمات زرعی ترقیاتی کارپوریشن کے سپرد کی گئیں جہاں یہ ڈائریکٹر آبپاشی رہے۔ 1970ء سے 1984ء تک مختلف اضلاع میں سپرنٹنڈنگ انجینئر" 1985ء میں سرگودھا زون کے چیف انجینئر اور جون 1988 تک دو سال سیکرٹری آبپاشی کی حیثیت سے کام کیا" آجکل ورلڈ بنک کے ایڈوائزر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انجینئرنگ یونیورسٹی کے کمبوہ طلبہ کی تنظیم کمبوہ انجینئرز ایسوسی ایشن اور انجمن کمبوہان پاکستان کے سرپرست ہیں آپکے صاحبزادے منظر محمود محکمہ انہار میں XEN ہیں۔

سردار خالد محمود: سکونت گڑھی شاہو۔ لاہور کے ممتاز وکلا میں شمار ہوتا ہے۔ پبلک سروس کمیشن سے منتخب ہو کر مختلف مقامات پر بطور مجسٹریٹ' ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر اور سپیشل جج انٹی کرپشن خدمات انجام دیں۔ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر رہ چکے ہیں۔ آپ کا خیال ہے آپ کے اجداد سکھ سے مسلمان ہوئے تھے۔

چوہدری محمد اقبال: سکونت ماڈل ٹاؤن' آپ نے سٹیٹ بنک میں مختلف عہدوں پر کام کرتے ہوئے ڈپٹی چیف مینجر سٹیٹ بنک لاہور کے عہدے پر ترقی پائی اور سٹیٹ بنک آف پاکستان فیصل آباد کے چیف مینجر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ آج کل ایک بڑے پرائیویٹ ادارے میں اہم پوزیشن پر متعین ہیں۔ آپ کی سرپرستی میں کئی کمبوہ ملازمین مثلاً چوہدری محمد اشرف طاہر' گلزار محمد اور محمد سلیمان جیسے ہو نہار اسسٹنٹ سٹیٹ بنک میں کام کرتے رہے ہیں۔

چوہدری عبداللطیف: امرتسر کے نامور وکیل چوہدری حمید اللہ کے فرزند اور ڈاکٹر محمد رشید ایم ڈی (ملتان) کے بھائی ہیں علامہ اقبال ٹاؤن میں رہائش رکھتے ہیں۔ 1965ء میں پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں کامیابی حاصل کی اور مختلف مقامات پر مجسٹریٹ

اور سپیشل مجسٹریٹ رہے بعد میں لاہور میں سٹی مجسٹریٹ کے طور پر تعیناتی ہوئی۔ 1978ء سے 1983ء تک سنٹرل لینڈ اتھارٹی کے ممبر رہے آپ کی رہنمائی میں آپ کے ایک فرزند نے سر سید کالج کے نام سے بزنس ایڈمنسٹریشن کا ایک ادارہ جاری کیا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سے کمبوہ سرکاری ملازمتوں پر فائز ہیں۔ چند اصحاب کے نام ذیل میں درج ہیں چوہدری محمد طفیل ڈویژنل الیکشن کمشنر کوہاٹ' چوہدری تاج دین اور چوہدری محمد یعقوب قادری (اسسٹنٹ الیکشن کمشنر)' چوہدری محمد سلیم ڈائریکٹر (پیرول) جیل خانہ جات' چوہدری عبدالرشید سینئر میکینیکل انجینئر جنرل' ریلوے' چوہدری عبدالعزیز انڈر سیکرٹری فنانس (پنجاب)' چوہدری محمد رشید پرائیویٹ سیکرٹری ٹو ایڈیشنل چیف سیکرٹری' چوہدری محمد صدیق پرائیویٹ سیکرٹری وزیر اوقاف' پروفیسر محمد اسلم کمبوہ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر نیشنلائزڈ کالجز' چوہدری محمد سعید (ایم ایس سی) پی اے ٹو ریجنل ڈائریکٹر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' چوہدری محمد اسماعیل اسسٹنٹ ڈائریکٹر فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف فرٹیلائزرز (امپورٹس)' چوہدری اے آر قمر ڈپٹی ڈائریکٹر ڈیزائن اینڈ ریسرچ واپڈا' چوہدری خلیل الرحمٰن جائنٹ ڈائریکٹر ایگریکلچرل بنک آف پاکستان' چوہدری محمد علی لینڈ ایکوئزیشن کلکٹر (واپڈا)' چوہدری عبدالرشید اسسٹنٹ ڈائریکٹر وٹرنری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ' چوہدری محمد اصغر جاوید جائنٹ ڈائریکٹر سمال انڈسٹریز کارپوریشن' چوہدری محمد یوسف کمبوہ سپرنٹنڈنٹ زرعی اعداد شماری' چوہدری عبدالرشید ایم کام مینجر انشورنس این ایف سی' چوہدری محمد شفیق الرحمٰن ایم ایس سی (آنرز) ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ زراعت' چوہدری محمد جمیل اسسٹنٹ رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی' چوہدری محمد الیاس اے جی آفس' سہیل انور پی سی ایس حال سیکشن آفیسر سول سیکرٹریٹ (چوہدری محمد جمیل DAO حال ہی میں ریٹائر ہو گئے ہیں) اور کئی اصحاب جن کے کوائف سردست دستیاب نہیں۔

عدلیہ میں لاہور کے کئی حضرات موجود ہیں۔ عنقریب عدلیہ اور انتظامیہ الگ الگ ہو جائیں گے۔ عدلیہ میں بھیرہ کے ملک خضر حیات ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج اور ان کا صاحبزادہ شوکت اقبال سول جج' چوہدری امتیاز احمد جوڈیشل مجسٹریٹ اور مرحوم چوہدری محمد رفیق مجیٹھیہ (ADSJ) کے نام لئے جا سکتے ہیں۔

پولیس : محکمہ پولیس میں مختلف مدارج کے متعدد ملازمین اور افسران خدمات انجام دے رہے ہیں ۔ گڑھی شاہو کے چوہدری محمد امین پی ڈی ایس پی ریٹائر ہو چکے ہیں اور اب وکالت کر رہے ہیں۔

چوہدری ریاض احمد نے اے ایس آئی سے ملازمت کا آغاز کیا۔ کرائمز برانچ میں انسپکٹر رہے آجکل ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ چوہدری ضمیر احمد 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران میں بھارتی قید میں رہے۔ کمبوہ ایسوسی ایٹس کے قیام کے سلسلہ میں اساسی اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے۔ اضلاع گوجرانوالہ' گجرات اور شیخوپورہ کے تھانوں میں تعینات رہے۔ آجکل لاہور کرائمز برانچ میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ قومی اجتماعات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ چوہدری صداقت علی والی بال کے مشہور کھلاڑی' کوچ اور ریفری چوہدری خوشی محمد آف سلطانپور لودھی کے فرزند ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ کالج کی والی بال ٹیم کے کپتان رہے۔ 1970ء میں آپ کو قومی والی بال ٹیم میں لے لیا گیا اور 1984ء تک قومی ٹیم میں شامل رہے۔ تہران' بنکاک اور چین کے کئی شہروں میں قومی ٹیم کی نمائندگی کی۔ پولیس کی ملازمت میں زیادہ عرصہ ٹریفک پولیس میں گزارا' آجکل اسسٹنٹ ڈپٹی انسپکٹر جنرل (A.D.I.G.) کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

میڈیکل پریکٹیشنرز عرف عام میں ڈاکٹر کہلاتے ہیں لاہور میں کم و بیش پچاس کمبوہ ڈاکٹر ہیں۔ بعض دوسرے اصحاب کا ذکر ان کے آبائی اضلاع میں آ چکا ہے۔ جس طرح ملتان کے ڈاکٹرز کے سلسلہ میں ڈاکٹر نور محمد مرحوم کا ذکر ضروری تھا اسی طرح لاہور کے حوالہ سے کرنل (ر) ڈاکٹر نور احمد مرحوم کا ذکر ناگزیر ہے۔

ڈاکٹر نور احمد کے والد اور دادا موضع دھیرومنگیرہ (ناروال) کے ایک معزز علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ میڈیکل سکول امرتسر سے ایل ایس ایم ایف کا امتحان اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا۔ پتھالوجی کی تربیت بنگلور ہسپتال میں حاصل کی۔ اسی اثنا میں دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی اور آپ کو فوج میں کمیشن مل گیا۔ جنگ کے دوران میں آپ کو مشرق وسطیٰ کے ممالک عراق' شارجہ وغیرہ کے ہسپتالوں میں کام کرنے کا

موقعہ ملا۔ واپسی پر ہندوستان کی کئی فوجی چھاؤنیوں میں تعیناتی ہوئی۔ قیام پاکستان پر راولپنڈی میں تقرری عمل میں آئی تو آپ نے غیر مسلموں کی تباہ کردہ ریسرچ لیبارٹری کو محنت شاقہ سے از سر نو منظم کیا۔ بعد میں سی ایم ایچ لاہور میں پتھالوجسٹ اور سیکنڈ ان کمانڈ مقرر ہوئے۔

مزید تعلیم کے شوق میں آپ نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس اول پوزیشن میں پاس کیا۔ 1956ء میں پتھالوجی کی اعلیٰ تعلیم کے لئے حکومت کی طرف سے لندن گئے۔ آپ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ رائل کالج آف پتھالوجی کے واحد پاکستانی بانی رکن تھے بلکہ 1973ء میں ایف آر سی ایس کے امتحان میں آبزرور مقرر ہوئے۔ آپ نے آرمی میڈیکل کالج راولپنڈی اور آرمڈ فورسز انسٹی ٹیوٹ آف پتھالوجی میں تدریسی فرائض بھی انجام دئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ مدت کے لئے امریکن ریسرچ لیبارٹری میری لینڈ (اوہیو) میں معاون ڈائریکٹر رہے۔ آپ نے کئی گراں قدر تحقیقی مقالات لکھے۔ حشرات الارض میں ایک ریت کی مکھی (Sand Fly) آپ کے نام پر Phlebotomus Noori کے نام سے مشہور ہے۔ بلوچ ٹرسٹ ہسپتال کے قیام میں مدد دی اور فیصل ہسپتال گوجرانوالہ کے بنیادی رکن تھے۔

آپ شعائر اسلام کی پابندی کا سختی سے خیال رکھتے تھے۔ آپ کے جذبہ ایمانی کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ علامہ محمد صالح کمبوہ اسلامک اکیڈیمی کے صدر رہے اور مزار کی واگزاری کی جدوجہد میں حصہ لیا۔ آپ کمبوہ ایسوسی ایٹس کی سرگرمیوں کو تحسین کی نظر سے دیکھتے اور مفید مشورے دیتے رہتے تھے۔

4 مئی 1984ء کو بعارضہ قلب وفات پائی۔

ڈاکٹر چوہدری عبدالحمید خاں کا تعلق اندرون شہر سے ہے۔ 1940ء میں ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ 45-1942ء البرٹ وکٹر ہسپتال میں اور 1951ء تک میو ہسپتال اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے وابستہ رہے۔ فارماکالوجی آپ کا خاص شعبہ ہے۔ 1954ء میں ایڈنبرا سے فارماکالوجی میں ڈاکٹریٹ اور بعد میں مانٹریال (کینیڈا) سے پوسٹ ڈاکٹرل فیلو شپ حاصل کی۔ اس دوران میں 1957ء سے 1972ء تک کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں پروفیسر اور 1975ء تک نشتر میڈیکل کالج ملتان میں پرنسپل رہے۔

1973ء میں FCPS کی ڈگری حاصل کی۔ ملتان سے واپسی پر کے ای میڈیکل کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ 1977ء میں ریٹائر ہوئے اور 1986ء تک دس سال جدہ یونیورسٹی سعودی عرب میں فارماکالوجی کے پروفیسر کی حیثیت سے طلبہ کو مستفید کیا۔ اس کے بعد شیخ زید ہسپتال لاہور کے پوسٹ گریجوایٹ میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں فارماکالوجی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ آپ متعدد غیر ملکی میڈیکل کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ پاکستان میڈیکل کونسل' پاکستان سوسائٹی برائے فارماکالوجی اینڈ تھیراپیوٹکس اور ڈرگ ایڈوائزری بورڈ کے رکن ہیں۔ آپ کا ایک بیٹا البرٹ وکٹر ہسپتال میں اور ایک بیٹی جدہ میں ڈاکٹر ہے اور دوسری ایم بی اے ہے۔

ڈاکٹر عبدالمجید خان کا آبائی تعلق بھیرہ سے ہے لیکن اب عرصہ دراز سے ماڈل ٹاؤن میں مقیم ہیں۔ کے ای میڈیکل کالج میں پتھالوجی کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔

ڈاکٹر ناصر عزیز چوہدری عبدالعزیز کمبوہ کے مایہ ناز فرزند اور فرخ عزیز مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ 1976ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد دو تین سال بیرون ملک ملازمت کی۔ 1980ء میں ایم سی پی ایس اور 1985ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم فل کی ڈگری لی۔ امراض جلد میں آپکی مہارت مسلمہ ہے لیکن آپ کا خاص شعبہ اناٹومی ہے پنجاب پبلک سروس کمیشن میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پنجاب یونیورسٹی کے ممتحن ہیں۔ چند سال قبل کمبوہ ڈاکٹرز کی تنظیم کمبوہ میڈیکل فورم کی بنیاد رکھی۔

ڈاکٹر تنویر الحسن زبیری: ایف سی کالج سے ایف ایس سی کرنے کے بعد علامہ اقبال میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ ادب' سپورٹس اور تقریر و تحریر کے میدان میں نمایاں رہے' قائدانہ صلاحیتوں کو جمعیت طلبہ نے نکھارا' اپنے دور طالب علمی میں جمعیت کے ناظم لاہور رہے 1983 کے طلبہ یونین انتخابات میں جمعیت کی فقید المثال کامیابی میں انکی کوششوں کا دخل رہا۔

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ UNESCAP کے زیر انتظام ہانگ کانگ میں منعقدہ کنونشن اور نوجوانوں کے بین الاقوامی سال کے موقع پر انٹرنیشنل یوتھ ریلی منعقدہ بنکاک میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ عالمی ادارہ صحت (WHO) عالمی ادارہ محنت (ILO)'

یونیسیف اور کامن ویلتھ کے تعاون سے 29 اگست تا 5 ستمبر 1981ء ہانگ کانگ میں بحرالکاہل اور ایشیائی ممالک کے طلبہ کی نمائندہ تنظیم (ایشین سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن) کی بین الاقوامی کانفرنس میں پاکستانی وفد کی قیادت کی' سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی میں پہلی مرتبہ افغانستان میں روسی جارحیت کے خلاف قرارداد پیش کی جو منظور کر لی گئی۔ اس کانفرنس میں ایک اہم اجلاس کی صدارت کی۔ ورلڈ سٹوڈنٹس یونین میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ ان کے علاوہ ہانگ کانگ' تھائی لینڈ' نیپال' بنگلہ دیش اور فلپائن میں ہونے والی مختلف کانفرنسوں میں پاکستانی نوجوانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔

1984ء کے آغاز میں مارشل لا حکومت نے طلبہ تنظیموں پر پابندی عائد کر دی۔ جمعیت کے تمام قابل ذکر رہنماؤں کو گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا تنویر الحسن 104 یوم پس دیوار زنداں رہے۔

تنویر الحسن نے 1983ء میں ایم بی بی ایس کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ 1986ء میں PGMI اور میو ہسپتال سے ریڈیالوجی اور الٹراساؤنڈ میں پوسٹ گریجوایٹ کورس (DMRD) پاس کیا۔ پنجاب پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی اور 1987ء سے سروسز ہسپتال میں بطور کنسلٹنٹ ریڈیالوجسٹ اور الٹراساؤنڈ سپیشلسٹ فرائض انجام دے رہے ہیں۔ الٹراساؤنڈ اور سی ٹی سکین ان کا خاص شعبہ ہے۔ بیرون ملک بھی تربیتی کورس میں شرکت کی ہے۔ پی ایم اے پنجاب کے دو سال تک جائنٹ سیکرٹری اور پنجاب سپیشلسٹ ڈاکٹرز ایسوسی ایشن کے چار سال تک جنرل سیکرٹری رہے ہیں ڈاکٹر برادری کی شرائط ملازمت میں بہتر اور قابل قبول سروس سٹرکچر کی تیاری اور حکومت سے منظوری حاصل کرنے کے لئے ڈاکٹر تنویر الحسن کی مسلسل جدوجہد کے تمام حلقے معترف ہیں۔ اس وقت وہ پنجاب پبلک ہیلتھ سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری' پاکستان فٹ بال فیڈریشن کی میڈیکل سروسز کے اعزازی ڈائریکٹر اور سپورٹس میڈیسن فاؤنڈیشن کے صدر ہیں (ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ متعدد عالمی مقابلوں میں قومی ٹیموں کے طبی مشیر رہے) - پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن (PMA) اور پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے جرائد کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔گذشتہ چند سال سے جہاد کشمیر کی طبی ضروریات کے لئے قائم کشمیر میڈیکل ریلیف کمیٹی کے سیکرٹری ہیں' یہ

کمیٹی اب تک لگ بھگ 30 لاکھ روپے کی امدادی رقم جماو کی ضروریات کے لئے بھجوا چکی ہے

ڈاکٹر عبدالکریم انبالہ میں پیدا ہوئے۔ 1908ء میں ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کر کے فوج میں ملازمت کر لی۔ 1913ء تک مختلف چھاؤنیوں میں خدمات انجام دینے کے بعد آپ کی خدمات حکومت پنجاب کے سپرد کر دی گئیں۔ اعلیٰ کارکردگی پر حکومت نے 'خان صاحب' کے خطاب سے نوازا۔ 1984ء میں بعمر 98 سال وفات پائی آپ کے بڑے بیٹے خورشید انور (ہومیو) اور ڈاکٹر عبدالشکور ایم بی بی ایس پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ لاہور کے کچھ ڈاکٹر مثلاً ڈاکٹر خالد محمود' Chest سپیشلسٹ (سعودی عرب)' ڈاکٹر ریاض احمد (لیبیا)' ڈاکٹر نواز احمد (نیویارک) وغیرہ بیرون ملک مقیم ہیں۔ لاہور کے معروف ڈاکٹروں میں ڈاکٹر فاروق رسول (ڈی ایم آر ڈی)' ڈاکٹر محمد شفیق (سروسز ہسپتال) ڈاکٹر محمد نعیم (ای این ٹی سپیشلسٹ)' ڈاکٹر اعجاز امان جیسے حضرات شامل ہیں۔

خواتین ڈاکٹروں میں ڈاکٹر ثریا سلیم' ڈاکٹر نجمہ' ڈاکٹر مسز نسیم شریف' ڈاکٹر مسز نسرین سلیمان' ڈاکٹر عصمت بشیر' ڈاکٹر طاہرہ رفیق' ڈاکٹر عارفہ رحمٰن (سعودی عرب)' ڈاکٹر راشدہ عزیز' ڈاکٹر طاہرہ ایوب (جناح ہسپتال) ڈاکٹر شازیہ راحت (ایچی سن کالج)' ڈاکٹر رفعت خورشید (راولپنڈی)' اور دوسری لیڈی ڈاکٹرز شامل ہیں۔ ڈاکٹر سعید چوہدری ساکن شارجہ کی تین بیٹیاں ڈاکٹری کے پیشہ سے منسلک ہیں۔

انجینئرز: اس وقت سندھ کے علاوہ صرف پنجاب میں ڈیڑھ سو سے زیادہ انجینئر موجود ہیں۔ بعض مقتدر انجینئر صاحبان کا ذکر متعلقہ اضلاع اور دیگر شعبہ جات میں کیا جا چکا ہے۔ دوسرے خاص انجینئر حضرات میں چوہدری نوردین ساکن گڑھی شاہو بی ایس سی انجینئرنگ کرنے کے بعد واپڈا میں ملازم ہو گئے۔ ایگزیکٹو انجینئر کے عہدہ سے ریٹائر ہونے کے بعد وکالت کر رہے ہیں۔ سیاسی اور سماجی کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

انجینئر امتیاز احمد ایم ایس سی (آنرز) مشہور ادارہ پٹاک میں سینئر انجینئر ہیں۔ آپ کا تعلق نواب وقار الملک کے خاندان سے ہے۔ مشہور ماہر تعلیم پرنسپل عذرا امتیاز کے شوہر

ہیں۔ چوہدری محمد حسین (ڈائریکٹر واسا) انجینئر محمد عارف (میکینیکل) پاکستان اٹامک انرجی کمیشن چوہدری محمد اکمل بی ایس سی میکینیکل (ملازم غیر ملکی فرم) چوہدری ریاض احمد سینئر انجینئر اٹامک انرجی کمیشن (حال کہوٹہ) اطہر زبیری (اسسٹنٹ مینجر میکینیکل ملت ٹریکٹرز) امجد علی چوہدری XEN محکمہ تعلیم (آپ کے والد چوہدری محمد لطیف آف اچھرہ ٹھیکیدار ہیں)، چوہدری محمود الحسن ڈپٹی ڈائریکٹر واپڈا، چوہدری اشفاق نور کیمیکل انجینئر (ڈپٹی مینجر ڈیزائن ڈسکان انجینئرنگ)، انجینئر محمد ایوب XEN واپڈا اور دیگر کئی حضرات اس محکمہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں مرحوم چوہدری محمد شریف کوریشن انجینئر سوئی گیس ایک دیانتدار، ملنسار اور اسم بامسمیٰ شخص تھے۔

خواتین بھی اب اس شعبہ میں دلچسپی لینے لگی ہیں۔ چوہدری رحمٰن بخش کی صاحبزادی آصفہ رحمٰن نے انجینئرنگ یونیورسٹی سے آرکیٹیکچر میں ڈگری حاصل کی ہے اور چیف آرکیٹیکٹ پنجاب کے دفتر میں بطور ڈپٹی ڈائریکٹر کام کر رہی ہیں۔ انیلہ زبیری میکینیکل میں بی ایس سی انجینئرنگ ہیں۔ لبنیٰ ممتاز بی ایس سی الیکٹریکل اور رخسانہ زبیری B.Sc (میکینیکل) انجینئرنگ کونسل آف پاکستان کی رکن ہیں۔

صنعتکار، زمیندار، تاجر، ٹھیکیدار: گو کمبوہ حضرات نے پہلے صنعت کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی لیکن اب اس شعبہ میں بھی خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ اس سلسلہ میں چوہدری برادرز سب سے نمایاں ہیں۔ چوہدری سراج دین اور چوہدری تاج دین نے کاروبار کا آغاز نشتر روڈ (برانڈرتھ روڈ) پر ایس ٹی چوہدری کے نام سے کیا جو مشین ٹولز کی درآمد اور فروخت کا کام کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ چوہدری سراج دین کے فرزندان چوہدری محمد اکرم، چوہدری محمد اسلم مرحوم، چوہدری محمد اعظم اور چوہدری محمد قاسم نے مینوفیکچرنگ کے شعبہ پر توجہ دی اور سب سے پہلے جی ٹی روڈ پر چوہدری وائر روپ انڈسٹریز لمیٹڈ کے نام سے فیکٹری قائم کی اس وقت اس گروپ کے زیر انتظام مذکورہ فرم کے علاوہ چوہدری کیبلز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، چوہدری الیکٹروڈ انڈسٹریز لمیٹڈ، شمع کیبلز انڈسٹریز لمیٹڈ وغیرہ ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان کی مصنوعات برآمد بھی ہوتی ہیں جس سے کثیر زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔ ادارے کے سربراہ چوہدری محمد اکرم انجمن کمبوہان پاکستان کے صدر ہیں بڑے وسیع القلب، مخیر اور قومی ہمدردی کے جذبہ سے سرشار

ہیں۔ حال ہی میں میو ہسپتال میں ایک کروڑ روپے سے زیادہ کے مصرف سے مریضوں کے لئے نیا وارڈ تعمیر کرایا ہے۔ امور انجمن کی انجام دہی کے لئے فراخ دلی سے خرچ کرتے ہیں۔ مذکورہ صنعتی اداروں کی کامیابی میں آپ کی حکمت عملی کو پورا دخل ہے۔ سکونت شاہ جمال کالونی میں ہے۔ آپ کے والد چوہدری سراج دین 1970ء سے وسط 1973ء تک انجمن کمبوہان پاکستان کے فنانس سیکرٹری رہے اس کے بعد بعض مفاد پرست عناصر کے بھرے میں آ کر انجمن کے صدر نامزد ہو گئے جس کا ان کو عمر بھر افسوس رہا۔ لیکن ان کی فراخدلی کا یہ عالم تھا کہ کمبوہ ایسوسی ایٹس کے تمام جلسوں میں شوق سے شرکت کرتے تھے۔ تاریخ کمبوہاں مؤلفہ چوہدری وہاب الدین (تیسرا ایڈیشن) کی اشاعت میں سرگرم حصہ لیا۔ 30 جون 1985ء کو وفات پائی۔ قوم ان کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

ملک کی ٹیکسٹائل انڈسٹری اس وقت سخت بحران کا شکار ہے۔ 120 سے زیادہ ملیں بند ہو چکی ہیں۔ لیکن ان حالات میں بھی ریشم ٹیکسٹائل انڈسٹریز لمیٹڈ ایک کامیاب اور مستحکم صنعتی ادارہ کے طور پر رواں دواں ہے۔ اس میں دیگر عوامل کے علاوہ چوہدری محمد خورشید کی صلاحیت اور بہتر منصوبہ بندی زیادہ کارفرما ہے۔ چوہدری محمد خورشید کے جد امجد چوہدری مراد بخش ایک سالم گاؤں مراد ماجرا (ریاست پٹیالہ) کے واحد مالک تھے ان کے بڑے بھائی حاجی محمد رمضان ذیلدار بہت با رسوخ تھے دونوں بھائیوں کا شمار علاقہ کے بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا۔ چوہدری خورشید کے والد چوہدری حاجی محمد صدیق سرکاری ملازم اور پٹیالہ کی معزز شخصیت تھے۔

چوہدری محمد خورشید موضع مسکن (پٹیالہ) میں پیدا ہوئے۔ مہندرا کالج پٹیالہ سے بی اے کرنے کے بعد کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور سے سول انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کی اکتوبر 1951ء میں بطور اسسٹنٹ انجینئر حکومت پنجاب کے محکمہ تعمیرات و مواصلات سے منسلک ہو گئے۔ اکتوبر 1959ء میں محکمہ پی اینڈ آر میں XEN اور یکم اگست 1974ء کو محکمہ تعمیرات میں ایس ای مقرر ہوئے۔ یکم دسمبر 1984ء کو گریڈ 20 میں Move Over ملی اور 6 اپریل 1988ء کو چیف انجینئر کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

آپ پاکستان انجینئرنگ کانگریس اور انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرنگ پاکستان کے لائف

ممبر ہیں۔ ان دونوں اداروں میں گذشتہ 35-30 سال مختلف عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد دوسرے بہن بھائیوں کے اشتراک سے حبیب آباد تحصیل چونیاں میں سپننگ یونٹ قائم کیا ہے جس کے آپ چیف ایگزیکٹو ہیں۔ چھوٹا بیٹا چوہدری اظہر خورشید بطور ڈائریکٹر کام کرتا ہے۔

بابو مولا بخش کے سب سے چھوٹے فرزند چوہدری رحمٰن بخش ریشم ٹیکسٹائل انڈسٹریز لمیٹڈ میں ڈائریکٹر ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ایس سی کے بعد ایل ایل بی کیا اور دس سال تک گوجرانوالہ میں وکالت کرتے رہے۔ اس کے بعد ایک بڑے صنعتی ادارہ میں لاء آفیسر مقرر ہوئے۔ ریٹائر ہو کر ریشم ٹیکسٹائل سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کے ایک داماد سعودی عرب میں الیکٹریکل انجینئر ہیں اور دوسرے چوہدری محمد اسلم (ساکن احمد پور شرقیہ) لاہور میں ایک ٹیکسٹائل ملز میں فنانس مینجر ہیں۔ آپ کے بیٹے طارق رحمٰن نے بی ایس سی (کیمیکل) انجینئرنگ کے بعد ایک معروف دوا ساز ادارہ میں ملازمت کی مگر ماحولیاتی حالات موافق نہ پا کر LUMS سے ایم بی اے کا کورس مکمل کر کے ایک بنک میں ملازم ہو گئے۔ مسز طارق رحمٰن ریاضی میں ایم اے ہیں۔

چوہدری محمد بشیر پہلے حکم ٹیکسٹائل ملز میں فنانس مینجر تھے اب اپنے ادارہ سی ٹیکسٹائلز (پرائیویٹ) لمیٹڈ کے سربراہ ہیں۔ آپ چوہدری محمد اسحٰق آف بھلوال کے چھوٹے بھائی ہیں۔ چوہدری ضیاء اللہ ہالہ ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ (صدر دفتر لاہور) میں فنانس مینجر ہیں۔ تعلق سرگودھا سے ہے۔

بجلی اور گیس کے روم کولر' روم ہیٹر' واٹر کولر اور واٹر ہیٹر وغیرہ مصنوعات میں ایمبیسڈر ایک مشہور نام ہے۔ چوہدری حاجی معراج دین کے فرزندان حاجی افتخار احمد' چوہدری فضل محمود' حاجی اشفاق احمد اور حاجی مشتاق احمد اس ادارہ کے ڈائریکٹر اور مالک ہیں۔ ایم ایس سٹیل کارپوریشن کے مالک چوہدری محمد سعید بھی بجلی اور گیس کی یہی مصنوعات تیار کرتے ہیں۔ ملک بھر میں پچاس سے زیادہ ڈیلران کی مصنوعات فروخت کرتے ہیں۔ چوہدری غلام علی الیکٹرک موٹرز مینوفیکچررز کے طور پر اچھی شہرت کے مالک ہیں۔ قالین بافی کی صنعت سے بہت سے کمبوہ وابستہ ہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا اور موقر ترین نام گڑھی شاہو کے سیٹھ رحیم بخش مرحوم کا ہے۔ جو متحدہ

ہندوستان میں اس صنعت میں سرخیل تھے۔ سیٹھ رحیم بخش نے کابل اینڈ کشمیر سٹورز کو بہت وسیع پیمانے پر ترقی دی۔ قلیل عرصہ میں انہوں نے لاہور کے علاوہ سرینگر' پشاور' کابل' ڈیرہ دون' نینی تال' بمبئی اور لندن میں اپنے تجارتی دفاتر کھول کر اس تجارت پر اپنا اثر مستحکم کر لیا۔ ان کے دوسرے اداروں ایشیاٹک فر اینڈ کارپٹ کمپنی انڈیا (صدر دفتر بمبئی) اور ایس رحیم بخش اینڈ سنز بمبئی (فورٹ) کی شاخیں لندن میں بھی قائم کی گئیں۔ سیٹھ صاحب مخیر اور علم دوست شخص تھے۔ آپ تا حیات گریٹ برٹن مسلم سوسائٹی لندن کے پریذیڈنٹ رہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹوں سیٹھ علی احمد اور سیٹھ محمد یوسف نے کاروبار کو مزید ترقی دی۔ قائداعظم کی خواہش کے مطابق سیٹھ علی احمد نے بمبئی میں' کار سازی' کا کارخانہ لگانے کا منصوبہ تیار کیا مگر کلکتہ کے سیٹھوں کی مخالفت اور ملکی تقسیم کی وجہ سے یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ 1948ء میں بھارتی حکومت نے سیٹھ علی احمد پر حکومت پاکستان کو سات کروڑ روپے ناجائز طور پر منتقل کرنے کے الزام میں مقدمہ قائم کر دیا۔ علی احمد انگلینڈ چلے گئے تو انڈین گورنمنٹ نے انٹر پول سے رابطہ کیا پاکستانی اخبارات نے احتجاجی مضامین اور اداریے لکھے مگر حکومت پاکستان نے قطعاً" کوئی توجہ نہ دی سیٹھ علی احمد گرفتار ہو کر بمبئی لائے گئے اور گرانقدر رقم ناجائز طور پر پاکستان کو منتقل کرنے کے جرم میں سات سال قید کی سزا سنائی گئی۔

قالین سازی میں مرحوم چوہدری محمد یعقوب کے فرزندان چوہدری محمد یوسف علی محمد حاجی محمد سلیم کی فرم اے اینڈ ایس کارپٹس' چوہدری حاجی محمد امجد' اکبر اورینٹل رگز کے مالک چوہدری محمد اکبر' چوہدری معراج دین اینڈ برادرز' چوہدری محمد حیات اور دوسرے کئی اصحاب شامل ہیں۔

بسوں ٹرکوں کی باڈی بنانے میں ایشین باڈی بلڈنگ ورکس نے ماسٹر محمد صدیق کی زیر نگرانی بہت ترقی کی تھی۔ ان کے بھائی چوہدری محمد ابراہیم اچھرہ کی معروف سماجی شخصیت تھے۔ لوہے کے کاروبار سے کئی اصحاب مثلاً چوہدری محمد حسین' اور نوید سٹیل انٹرپرائزز وغیرہ منسلک ہیں۔ پرنٹنگ کے سلسلہ میں حاجی محمد طفیل نے نثار آرٹ پریس کو بام عروج پر پہنچایا مگر اب وہ اس ادارہ سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ان کے فرزند نے

اپنا پریس لگایا ہے۔ فضل بلڈنگ میکلوڈ روڈ والے چوہدری فضل حسین مرحوم کے بعد اب ان کا فرزند محمد افضل چوہدری اپنا پریس چلا رہا ہے۔ صوفی غلام مصطفیٰ اور ان کے فرزند محمود ربانی معروف سٹیشنرز اور پرنٹنگ پریس کے مالک ہیں۔ اردو بازار کے تاجران کتب میں چوہدری ظفر حسن امجد اقبال' پاکستان بکڈپو کے حافظ خالد اقبال' چوہدری محمد اشرف' فہد پرنٹرز پبلشرز جبکہ سٹیشنری ڈیلرز میں خلیفہ لیاقت علی' احسان علی برادران خلیفہ ارجمند مرحوم اور ربانی برادران مشہور ہیں۔

پہلے والی زمینداریاں اب بتدریج ختم ہو رہی ہیں۔ زمینداروں میں چوہدری نبی بخش (چوہدری محمد اکرم صدر انجمن کمبوہان پاکستان کے داوا)' چوہدری ظہور احمد مرحوم سابق صدر و بانی انجمن کمبوہاں پاکستان' میاں عبدالرحیم مرحوم' چوہدری عبدالحکیم نمبردار چاہ میراں' چوہدری محمد یوسف (لوہاری گیٹ) اور چند دوسرے حضرات شامل ہیں۔

صنعتکار اور تاجر حضرات کے ساتھ ان شعبوں سے متعلق اقتصادی ماہرین کا ذکر ناگزیر ہے۔ چوہدری انوار احمد ایک بڑے صنعتی گروپ میں بزنس ایگزیکٹو (ڈائریکٹر فنانس) ہیں۔ آپ چوہدری رحمٰن بخش کے بڑے بھائی مرحوم چوہدری یزدان بخش کے فرزند اور ایک شریف النفس مذہبی اقدار کے پابند شخص ہیں۔ ریلوے روڈ کے چوہدری تنویر بھی ایک ٹیکسٹائل ملز میں اعلیٰ عہدہ پر کام کر رہے ہیں۔ چوہدری محمد عمر لارنس ٹیکسٹائل ملز میں فنانس مینجر ہیں۔ چوہدری محمد طفیل انکم ٹیکس ایڈوائزر' چوہدری طارق سعید اور چودہری عبدالعزیز رستم سہراب سائیکل فیکٹری میں کلیدی عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔

تعمیرات کے شعبہ میں اچھرہ کے حضرات کو فوقیت حاصل ہے۔ حاجی معراج دین کا نام سرفہرست ہے مرحوم ایک مخیر اور ہمدرد قوم بزرگ تھے۔ برادری کے ہر اجتماع میں ان کی حاضری یقینی ہوتی تھی۔ انجمن کمبوہان پاکستان اور بزم بابائے عطارؒ کے سرپرست اور اچھرہ کی خوبصورت ترین مسجد چراغ روشن مینار کے بانی اور مہتمم تھے۔ 29 مئی 1993ء کو وفات پائی۔ چوہدری عبدالحمید محکمہ تعمیرات کے ٹھیکیدار ہیں۔ لاہور کی بہت سی عمارتیں اور 75 فی صد واٹر ریزروائر ان کی مہارت فن کا ثبوت ہیں۔ تحریک پاکستان کے بے لوث اور جاں نثار کارکن کی حیثیت سے ان کی خدمات ہمیشہ یاد

رہیں گی۔ چوہدری نوردین مرحوم اچھرہ کی مقبول شخصیت تھے آپ نے اسلامیہ ہائی سکول قائم کیا جو گورنمنٹ این ڈی اسلامیہ ہائی سکول کے نام سے نونہالان قوم میں علم کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہے۔ آپ انجمن حمایت اسلام کی وقف جائیداد کمیٹی کے تاحیات صدر تھے۔ آپ کے فرزندوں چوہدری عبدالرشید' چوہدری عبدالحفیظ نے خاندان کا نام روشن رکھا۔ مینیبو لمیٹڈ کے چیف ایگزیکٹو ایم اے عزیز خاں' نیو گارڈن ٹاؤن کے چوہدری محمد شریف' اچھرہ کے چوہدری تاج دین اور برادران بھی اس پیشہ سے وابستہ ہیں۔ چوہدری محبوب علی سرکی انجمن تاجران فیروزپور روڈ کے صدر ہیں۔ کمبوہ برادرز کے حاجی نثار احمد سبزی منڈی کے مشہور آڑھتی ہیں۔

انشورنس: اس شعبہ کا ذکر آتے ہی ذہن میں فوری طور پر پاکستان کے مایہ ناز بیمہ کار اور عالمی شہرت کے حامل چودھری محمد صادق کا نام ابھرتا ہے۔ آپ کا آبائی تعلق ضلع گورداس پور سے ہے۔ 1943ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے (آنرز) اول ڈویژن میں کر کے ریلوے کے محکمہ اکاؤنٹس میں ملازم ہو گئے۔ چار سال بعد فیڈرل سروس آف انڈیا کا امتحان پاس کیا اور وزارت تجارت میں تعیناتی ہو گئی۔ 1952ء میں Institute of Actuary سے پارٹ ون اور پھر پارٹ ٹو پاس کئے۔ اسی دوران میں پاکستان انشورنس کارپوریشن کی تنظیم نو کی ذمہ داری سونپی گئی جسے آپ نے احسن طریق پر انجام دیا اور کارپوریشن کے پہلے مینجر مقرر ہوئے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں یورپ کی بہترین بیمہ کمپنیوں میں ری انشورنس کی تربیت حاصل کی۔ آپ تخلیقی ذہن کے مالک ہیں چنانچہ پاکستان کی برآمدات کے فروغ کے لئے ایکسپورٹ کریڈٹ گارنٹی سکیم نافذ کرنے کے لئے کارپوریشن میں خصوصی شعبہ قائم کیا۔ 1965ء کی جنگ کے متاثرین کی بہبود کے لئے وار رسک انشورنس پر عمل درآمد کی نگرانی کی۔ ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج میں بھی کورس کی تکمیل کی۔ فضائی اور بحری انشورنس' کریڈٹ اور ری انشورنس جیسے موضوعات پر بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی مؤثر نمائندگی کی۔ 1966ء میں جنیوا میں منعقدہ کانفرنس میں انشورنس ماہرین کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ بیرونی ممالک کے دوروں سے استفادہ کرتے ہوئے پاکستان میں بیمہ سکیم کو جدید ترین خطوط پر متعارف کرایا آٹھ سال تک پاکستان انشورنس کمپنی

کے ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر رہے۔ اس کے بعد پاکستان ترکی اور ایران (آر سی ڈی) کی مشترکہ انشورنس کمپنی کے چیئرمین کے فرائض انجام دیئے۔

اقوام متحدہ کے مشیر کی حیثیت سے آپ نے نیشنل ری انشورنس کارپوریشن آف سوڈان (خرطوم) میں خدمات انجام دیں۔ عمدہ کارکردگی کے باعث دوسرے کئی ممالک میں اقوام متحدہ کے مشیر انشورنس رہے۔ اسلامی ممالک نے اسلامائزیشن آف انشورنس کا ادارہ قائم کیا تو آپ کو خاص پراجیکٹ تفویض کیا گیا جس کے تحت آپ نے ترکی، مصر، سعودی عرب، سوڈان، تیونس وغیرہ کے انشورنس قوانین کا مطالعہ کر کے ان کے تعاون سے بیمہ کی صنعت سے غیر اسلامی شرائط ختم کیں اور اسلامی اصولوں کے مطابق متبادل نظام متعارف کرایا۔ اس نظام کی تائید میں تمام عالم اسلام خصوصاً علما اور مشائخ نے فتوے جاری کئے۔ اس نظام کے تحت سوڈان میں قائم ہونے والی اسلامک انشورنس کمپنی کے پہلے آرگنائزر اور جنرل مینجر منتخب ہوئے۔ 1986ء میں اسلامی ترقیاتی بنک جدہ کے مشیر مقرر ہوئے۔ یہاں آپ نے اسلامی کارپوریشن کے لئے "برآمدی قرضہ جات اور سرمایہ کاری کی گارنٹی" کی سکیم مرتب کی۔ اسلامی کانفرنس نے ایک قرار داد کے ذریعے اس کی منظوری دی۔ قرآن و سنت کی روشنی میں تیار کردہ نظام کے تحت کئی اسلامی ممالک میں اسلامی انشورنس کمپنیاں منظم کیں۔

بین الاقوامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے فرزند چوہدری راحت صادق کی معاونت سے اپنی ذاتی کمپنی "سلور سٹار انشورنس کمپنی" قائم کی۔ آپ اس کے چیئرمین اور چوہدری راحت صادق، بی کام، بی بی اے (امریکہ) مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ دوسرے تین بیٹوں میں سے شاہد صادق فرگوسن کمپنی کے حصہ دار اور طاہر صادق بنک آف ہانگ کانگ میں کریڈٹ مینجر ہیں۔ ظاہر صادق امریکہ میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

چوہدری محمد صادق کی رہنمائی میں کئی کمبوہ انشورنس سے وابستہ ہوئے۔ کمبوہ ایسوسی ایٹس کے بنیادی اراکین میں سے چوہدری منور اقبال جدہ میں انشورنس کمپنی میں ملازم ہیں اور چوہدری محمد خضر ایم اے سٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن میں اعلیٰ انتظامی عہدہ پر اور سلطان احمد شیخ شعبہ جائداد لاہور کے سربراہ اور کارپوریشن کی آفیسرز

ایسوسی ایشن کے بانی اور اہم عہدیدار ہیں۔ چوہدری عبدالمجید خیبر انشورنس کمپنی کے چیف مینجر' چوہدری محمد امین کریسنٹ سٹار انشورنس کے مینجر اور شاہ محمد عظیم سٹینڈرڈ انشورنس کمپنی کے زونل مینجر ہیں۔

سیاستدان : اپنے قابل رشک ماضی اور موجودہ عددی اہمیت کے برعکس لاہور میں کوئی نمایاں سیاستدان منظر پر نہیں آیا۔ چوہدری عنایت اللہ (گڑھی شاہو) شریف النفس' نرم گفتار' ہر دلعزیز اور ممتاز سماجی کارکن تھے مگر بنیادی اور ذہنی طور پر سیاستدان نہ تھے۔ میاں ممتاز دولتانہ کے جمال کی ہم نشینی کا اثران کو سیاست کی وادئی خار زار میں گھسیٹ لایا اور یہ ایک عرصہ تک پنجاب اور مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن (ایم ایل اے) رہے۔ ایوبی مارشل لاء کے دور میں ترغیبات کے باوجود مسلم لیگ کا ساتھ نہ چھوڑا اور عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ برادری کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ 1970ء میں انجمن کمبوہان پاکستان کے نائب صدر منتخب ہوئے۔

چوہدری محمد صادق (گڑھی شاہو) سینئر وکیل اور مخلص رہنما ہیں۔ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ مسلم لیگ سے پراعتماد وابستگی ہے۔ پنجاب مسلم لیگ کے مختلف عہدوں (نائب صدر وغیرہ) پر سرفراز رہے ہیں۔ پہلے برادری کے عدم تعاون کی وجہ سے صوبائی اسمبلی کی رکنیت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ 1993ء کے انتخاب میں یقینی کامیابی کا موقعہ آیا تو عین وقت پر مسلم لیگ ہائی کمان نے ٹکٹ دوسرے شخص کو دیدیا۔ حال ہی میں سینیٹر کے انتخاب میں مسلم لیگ کے امیدوار تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ انجمن کمبوہان پاکستان کے لیگل ایڈوائزر ہیں۔ سردار ظفر اقبال کے والد چوہدری غلام محمد گڑھی شاہو کے معزز زمیندار اور انجمن کمبوہان پاکستان (1970ء) کی مجلس معتمدین کے رکن تھے۔ ظفر اقبال نے ایل ایل بی کرنے کے بعد پانچ سال وکالت کی اس کے بعد صدر ایوب کی بنیادی جمہوریت میں حصہ لینے کی غرض سے سیاست میں قدم رکھا۔ ممبر منتخب ہو کر اپنے حلقہ کے چیئرمین چن لئے گئے۔ اس کے بعد دس سال تک لاہور کارپوریشن کے کونسلر رہے۔ اس دوران میں ریلوے ایڈوائزری بورڈ لاہور کے رکن نامزد کئے گئے۔ 1969ء میں مسلم لیگ کے سیکرٹری اطلاعات مقرر ہوئے مگر اگلے سال پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے۔ 1988ء میں پنجاب

اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پارٹی میں مختلف عہدوں (نائب صدر ضلع کمیٹی، سیکرٹری اطلاعات پنجاب وغیرہ) پر فائز رہے۔ پارٹی کے وفادار اراکین میں شمار ہوتے ہیں۔ بہت سے سماجی اداروں میں رہبرانہ کردار ادا کر رہے ہیں۔

چوہدری اختر رسول کا تعلق اگرچہ فیصل آباد سے ہے مگر اب طویل عرصہ سے لاہور میں سکونت پذیر ہیں اور پنجاب اسمبلی میں لاہور کے ایک حلقہ کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ ہاکی کے کھیل سے ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں آ گئے اور پہلی بار 1985ء کے غیر جماعتی انتخاب میں واضح اکثریت سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ مارچ 1986ء میں محکمہ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے وزیر مقرر ہوئے۔ 1988ء میں اسلامی جمہوری محاذ کے ٹکٹ پر اسی حلقہ (پی پی 128 اچھرہ) سے کامیاب ہوئے اور سپورٹس کی وزارت پر فائز ہوئے۔ 1990ء میں تیسری بار اسلامی جمہوری اتحاد (IJI) کے ٹکٹ پر بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ چوتھی مرتبہ اسی حلقہ سے 1993ء کے انتخاب میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہو کر ایم پی اے بنے۔ سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے مخلص جاں نثاروں میں ہیں ۔مسلم لیگ کے عہدیدار ہونے کے علاوہ سپورٹس بورڈ، پنجاب ہاکی ایسوسی ایشن اور پنجاب ایتھلیٹکس ایسوسی ایشن کے صدر اور پاکستان ہاکی فیڈریشن کے نائب صدر ہیں۔ ہاکی کے کھیل میں آپ کی کارگزاری کا ذکر الگ کیا جائیگا۔

میدان سیاست میں بتدریج مگر ٹھوس اور مستحکم پیش قدمی کرتے ہوئے صوبائی بلکہ قومی سطح پر اپنے آپ کو متعارف کرانے کی طرف رواں جس اولوالعزم نوجوان اعجاز احمد چوہدری کا ہم تعارف کرانے لگے ہیں اس سے قبل اس قابل قدر ہستی کا ذکر ضروری ہے جس نے لاہور میں پہلی مرتبہ مقامی سیاست کے کوہ گراں سے ٹکر لیکر کمبوہ قوم کو اپنے ووٹ کی اہمیت اور قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ ہماری مراد میاں عبدالرحیم سے ہے آپ نے آج سے 50-60 سال پہلے لاہور میونسپل کمیٹی کے پریذیڈنٹ، مشہور سیاست دان اور اہل الرائے اصحاب کی نظر میں ناقابل تسخیر میاں عبدالعزیز مالواڈہ کو میونسپل کمشنر کے انتخاب میں واضح اکثریت سے شکست دی تھی۔

طویل خاموشی کے بعد کمبوہ حضرات نے صدر ایوب کی بنیادی جمہوریت میں حصہ

لینے سے ابتدا کی۔ بعد میں جب میونسپلٹی کو کارپوریشن کا درجہ ملا تو ہر دفعہ پانچ سات کونسلر کامیاب ہوتے رہے۔ دسمبر 1991ء کے بلدیاتی انتخابات میں لاہور سے ذیل کے کونسلر صاحبان منتخب ہوئے تھے۔

1- چوہدری عبدالحمید (لوہاری گیٹ)' 2- حاجی آصف اقبال (چاہ میراں)' 3- چودھری محمد افضل (گڑھی شاہو) ڈپٹی میئر رہ چکے ہیں' 4- اعجاز احمد چوہدری (شاہ جمال شادمان)' بلا مقابلہ ڈپٹی میئر منتخب ہوئے' 5- چودھری محمد یونس (اچھرہ نیو سمن آباد)' 6- چوہدری محمد تسلیم (مرحوم) (محمد پورہ اچھرہ)' 7- چودھری محمد عبداللہ (بی بی پاکدامن) اور 8- چوہدری غلام محی الدین (اکبری منڈی)۔ ان میں نمبر 2 اور 4 کے علاوہ باقی صاحبان پہلے بھی کونسلر تھے۔

اعجاز احمد چوہدری: چوہدری مختار احمد (ریٹائرڈ) ایس ڈی او (واپڈا) کے فرزند ہیں۔ کیڈٹ کالج کوہاٹ سے ایف ایس سی کے بعد انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے بی ایس سی (سول) کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ ملازمت بھی کی مگر آزاد طبیعت کو راس نہ آئی اور اپنا کاروبار شروع کر لیا'اب وہ کمپیوٹرز کے ملکی سطح کے معروف درآمدکنندگان میں شمار ہوتے ہیں۔

قیادت بعض لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔ اعجاز احمد کے مذہبی ذہن نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ سے تعلق قائم کیا۔ پہلے انجینئرنگ یونیورسٹی کی جمعیت کے ناظم منتخب ہوئے اس کے بعد ناظم لاہور' ناظم پنجاب' جنرل سیکرٹری اور ناظم اعلیٰ پاکستان کی حیثیت سے طلبہ کی رہنمائی کے فرائض انجام دیئے۔ اس دوران میں قید و بند اور پولیس تشدد کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اس تشدد کے نتیجہ میں علاج کی خاطر انگلینڈ جانا پڑا۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو جماعت اسلامی نے انکو شعبہ خدمت اسلامی لاہور کے صدر کی ذمہ داری سونپ دی۔ اس شعبہ کے تحت کلینک اور ڈسپنسریاں' بلڈ بنک' ایمبولینس' بیوگان اور آفت زدگان کی امداد جیسے بہت سے رفاہی ادارے احسن طریق پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس شعبہ کو بہت جلد مستحکم کر دیا۔ آخر میں انہوں نے دو سو بستروں پر مشتمل جدید ثریا عظیم ہسپتال کی تکمیل کا عظیم منصوبہ ہاتھ میں لیا۔ اب جماعت نے آپ کو اسسٹنٹ

سیکرٹری جنرل مقرر کیا ہے۔ اس طرح آپ کلی طور پر جماعت کی مرکزی سطح کی تنظیم سے وابستہ ہو گئے ہیں۔

بلدیاتی الیکشن میں آپ نے اپنے حریف کو بہت بڑے فرق سے شکست دی تھی مگر صوبائی الیکشن میں عوام کا رجحان پیپلز پارٹی کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی طرف تھا اس لئے آپ کامیاب نہ ہو سکے۔ اہل لاہور کے سیاسی رجحان کے پیش نظر آپ نئی ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں یہ وقت ہی بتائیگا۔ بہرکیف ہمیں اپنے نوجوانوں سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

لاہور کی کمبوہ برادری کا ذکر مکمل نہ ہو گا اگر قوم کے ان معززین کا تذکرہ شامل نہ کیا جائے جنہوں نے وقتاً" فوقتاً" قوم کی خدمت کی' الفامیاں کے میاں منظور احمد' انجمن کمبوہان پاکستان کے مخلص کارکن چوہدری نذیر احمد خاں اور میاں نیاز احمد ایم اے' سیٹھ محمد امین (گڑھی شاہو) چوہدری انور علی' شیخ محمد دین قالین والے' حافظ فضل الٰہی' چوہدری محمد شفیع (آف خیالستان)' صوفی غلام مصطفیٰ' چوہدری حاجی محمد یوسف (لوہاری گیٹ)' چوہدری غلام علی (آف کمبوہ ہاؤس) اور ان کے فرزند چودہری فیاض احمدؒ چوہدری بشیر احمد کمبوہ (محلّہ نمدگراں) چند نمایاں اصحاب ہیں۔ حکیم نذیر احمد کے والد اور چوہدری ضمیر احمد ڈی ایس پی کے دادا حافظ فتح محمد المعروف بابا عطارؒ نے اچھرہ کے مکینوں میں دینی تعلیم کی ترویج کے لئے نمایاں کام کیا وہ شریعت کے پابند اور نیک خصلت ہمدرد قوم تھے۔ درس بابا عطار اور چوک بابا عطار ہمیشہ آپ کی یاد دلاتے رہیں گے' لاہور ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے سابق نائب صدر اور جنرل سیکرٹری اور مشہور قومی کارکن اور وکیل چوہدری محمد اعجاز کے دادا بابا اعظم بھی اپنے وقت کی مشہور شخصیت تھے۔ اچھرہ کا مشہور چوک انہی بابا اعظم کے نام سے موسوم ہے۔

ایڈووکیٹ : اس وقت ہمارے سامنے لاہور کے تراسی ایڈووکیٹ صاحبان کی فہرست ہے۔ ان حضرات نے کمبوہ وکلا محاذ کے نام سے تنظیم قائم کی ہوئی ہے جس کا زیادہ تر مقصد اپنے پیشہ ورانہ مفادات کا تحفظ اور بار ایسوسی ایشن کے انتخابات میں ایک مؤثر گروپ کا کردار ادا کرنا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ان میں سے دس بیس وکیل بھی قومی ترقی کا کوئی مفید منصوبہ بنا کر پختہ ارادہ سے کام کریں تو چند سال میں قوم کی کایا

پلٹ سکتی ہے کیونکہ یہ صاحبان حقیقت میں پروفیسرز' ڈاکٹرز' انجینئرز کی طرح' بلکہ عوام سے بہتر تعلقات کے باعث ان سے بڑھ کر Cream of the Community ہوتے ہیں۔ بعض حضرات کا ذکر مختلف عنوانات کے تحت کیا جا چکا ہے۔ یہاں صرف بیس بائیس نام پیش ہیں یہ نام بلحاظ ابجد ترتیب دیئے گئے ہیں۔

چوہدری محمد اقبال موہنی روڈ اچھی پیشہ ورانہ شہرت کے حامل ہیں۔ چوہدری محمد اقبال کمبوہ ایسوسی ایٹس کے رکن اور گڑھی شاہو میں تنظیم کے نمائندہ ہیں۔ چوہدری محمد ادریس ایک تعلیم یافتہ خاندان کے فرد اور مخلص کارکن ہیں۔ شیخ محمد ایوب غالباً آج کل وکالت نہیں کرتے۔ ان کے والد گرامی شیخ محبوب الٰہی سالہاسال انجمن کمبوہان پنجاب اور انجمن کمبوہان پاکستان کے صدر رہے۔ امریکہ میں قانون سے متعلق کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ چوٹی کے وکلاء میں شمار تھا۔ احسان شیخ (ساکن گلشن راوی) مراکہ کے زمیندار اور قابل وکیل ہیں۔

بشیر احمد ایم اے ایڈووکیٹ گڑھی شاہو کمبوہ ایسوسی ایٹس کے نائب صدر اور انجمن کمبوہاں پاکستان کے ممتاز رکن رہے ہیں۔ چوہدری بشیر احمد ساکن ممتاز سٹریٹ گڑھی شاہو انجمن کمبوہان پاکستان کے سرگرم رکن تھے۔ میاں بشیر ظفر وکالت کے علاوہ سیاست میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ حال ہی میں ان کو حکومت کی طرف سے سنٹرل انکم ٹیکس ٹربیونل کا ممبر نامزد کیا گیا تھا مگر انہوں نے بعض وجوہ سے یہ پیشکش قبول نہیں کی۔ بزرگ وکلا میں چودہری برکت علی ساکن اچھرہ اور نوجوانوں میں چوہدری جاوید اقبال سابق سیکرٹری ڈسٹرکٹ بارایسوسی ایشن ساکن گڑھی شاہواور چوہدری عاطر محمود' سابق فنانس سیکرٹری ہائیکورٹ بار کے نام قابل ذکر ہیں۔

چوہدری محمد حنیف ساکن ماڈل ٹاؤن اپنے وسیع تعلقات اور ہر مجلس اور ہر دائرہ میں تطبیق کے لئے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ صوبائی الیکشن میں بھی حصہ لے چکے ہیں مگر ان کا حلقہ انتخاب ان کے لئے موزوں نہ تھا انکے صاحبزادے امجد حنیف ایڈووکیٹ ان کے رفیق کار ہیں۔ ٹاؤن شپ کے چوہدری محمد حنیف بھی معروف وکلا میں شمار ہوتے ہیں۔ کراچی سے لاہور منتقل ہونے والے ڈاکٹر حمید احمد ایاز (سکونت اسلامیہ پارک) اپنے لئے مقام بنا رہے ہیں۔ چوہدری محمد رفیق اقبال (ٹاؤن شپ) کا تعلق بہاولنگر سے

ہے۔ اچھے تعلیم یافتہ قانون دان ہیں۔ چوہدری سردار علی 73 سالہ تجربہ کار بزرگ ہیں۔ چوہدری محمد سلیم زیروی (سکونت ڈیفنس سوسائٹی) پہلے گڑھی شاہو میں رہتے تھے۔ اصلاحی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ چودہری شوکت ہارون انجمن کمبوہان پاکستان کے جنرل سیکرٹری (73-1970) رہ چکے ہیں۔ برادری کے حلقوں میں بہت معروف ہیں۔ ان کے بھائی چوہدری آصف فاروق بھی ان کے ساتھ وکالت کرتے ہیں۔ چوہدری ظفرپاشا (سکونت ماڈل ٹاؤن) لاہور کے چوٹی کے وکیل ہیں۔ آج کل حکومت پاکستان کے ڈپٹی اٹارنی جنرل ہیں۔ وحدت کالونی کے حاجی عبدالمنان اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ اٹارنی ہیں۔ ملک غلام مصطفیٰ (سمن آباد) لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی میں ڈپٹی ڈائریکٹر (لیگل) رہ چکے ہیں۔ چوہدری نثار احمد کوثر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے سینئر وائس پریذیڈنٹ تھے۔ مستعد اور با صلاحیت نوجوان ہیں۔ چوہدری عبدالرزاق کا ذکر کمبوہ ایسوسی ایٹس کے ضمن میں آئیگا۔ وہ ڈسٹرکٹ بارایسوسی ایشن کے نائب صدر، کمبوہ وکلا محاذ اور مسلم لیگ وکلا محاذ کے صدر رہے ہیں۔

علمائے کرام: برادری کے بہت سے علما لاہور کی مساجد میں امام اور خطیب کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ نیز بیسیوں حافظ اور قاری مدارس میں حفظ و قرأت کی تعلیم پر مقرر ہیں۔ بعض دینی ادارے بھی ان کے زیر اہتمام چل رہے ہیں۔ قاری فضل الرحمٰن (ولد مولوی رئیس الدین زبیری) مدرسہ قاسم العلوم سانده خورد کے مہتمم، مولانا عبدالخالق شمس خطیب و مہتمم مدرسہ شمس العلوم فیض باغ اور مولانا خوشی محمد اعجاز جامعہ صدیقیہ تعلیم القرآن راوی ریان ملز کالا شاہ کاکو کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ مولانا عبدالغفار اثر شاہی مسجد کے شعبہ تبلیغ سے منسلک ہیں۔ مولانا جمیل احمد خطیب جامعہ مسجد ابدالیٰ اسلام نگر، مولانا قاری محمد رمضان خطیب مسجد پولیس تھانہ گوالمنڈی، مولانا محمد رمضان جامع مسجد ریلوے روڈ (نزد تاج کمپنی)، مولانا قاری میاں محمد اشرف خطیب جامع مسجد ابوبکر کریم پارک، الحاج مولانا معراج دین خطیب جامع مسجد انجمن مسافر خانہ (گڑھی شاہو)، مولانا محمد دین خطیب مدنی مسجد چاہ میراں اور بعض دیگر مساجد میں کمبوہ علما دین کی خدمت کر رہے ہیں۔

امید ہے یہ حضرات اپنے اپنے دائرہ اثر میں برادری کے افراد خاص کر نوجوانوں

میں دینی شعور اور علمی بیداری پیدا کر کے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

مزدور حلقوں میں بھی کمبوہ غیر معروف نہیں۔ چوہدری محمد حنیف ناظم ٹیکجز لمیٹڈ یونین کے سرکردہ رہنما تھے۔ چوہدری عبدالرزاق ملت ٹریکٹرز یونین کے صدر ہیں اور چوہدری عبدالرشید ایل ڈی اے ایمپلائز یونین (CBA) کے صدر ہیں۔

گیمز: کھیل کے میدان میں بھی کمبوہ پیچھے نہیں رہے۔ ہاکی پاکستان کا قومی کھیل ہے۔ سابق اولمپک چیمپئن ڈاکٹر غلام رسول کے فرزند چوہدری اختر رسول کا نام ہاکی کے ساتھ ہمیشہ یادگار رہے گا۔ چوہدری غلام رسول کی ماہرانہ رہنمائی نے اختر رسول میں مہارت اور کھیل کے رموز سے واقفیت کے ساتھ خود اعتمادی پیدا کی۔ جس نے اسے سپرشار بنا دیا۔ انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ کالج کی ہاکی ٹیم کے کپتان رہے۔ کالج کلر اور رول آف آنر کا اعزاز حاصل کیا۔

آپ نے انٹرنیشنل میچوں میں نہایت عمدہ کھیل کا مظاہرہ کیا جس پر آپ کو قومی ٹیم کا کپتان نامزد کیا گیا۔ 1982ء میں ورلڈ کپ کے فائنل میں بھارت کو شکست دیکر آپ نے بمبئی سٹیڈیم میں پاکستان کا پرچم بلند کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

عالمی چیمپئن کا اعزاز حاصل کرنے کے بعد وہ ریٹائر ہو گئے۔ کمبوہ ایسوسی ایٹس کی طرف سے ان کے اعزاز میں کمبوہ ہال میں ایک شاندار تقریب منعقد کی گئی جس میں چوہدری اختر رسول کو گولڈ میڈل اور کپ دیا گیا۔

ہماری فٹ بال اور والی بال کی ٹیمیں ابھی تک عالمی سطح پر کوئی خاص مقام حاصل نہیں کر سکیں تاہم اس وقت تک کی کارکردگی کے پیش نظر بہتری کی امیدیں وابستہ ہیں۔ فیصل آباد کے محمد آصف بشیر ابھرتے ہوئے فٹ بالر ہیں پنجاب فٹ بال ٹیم کی طرف سے کھیلتے ہوئے بین الصوبائی مقابلوں میں اچھی شہرت اور سلور میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ مشہور کھلاڑی چوہدری نذیر احمد ریلوے فٹ بال ٹیم کے کوچ ہیں۔ چوہدری محمد رفیق والی بال کے انٹرنیشنل کھلاڑی، کوچ اور ریفری ہیں، مرحوم چوہدری خوشی محمد قومی والی بال ٹیم کے کوچ اور ریفری تھے۔

چوہدری اعجاز احمد پاکستان کسٹمز کی روئنگ ٹیم کے کپتان ہیں۔ بہترین کارکردگی کے کئی انعام اور تمغے حاصل کر چکے ہیں۔ جاپان سے جوڈو اور کراٹے دونوں میں بلیک

بیلٹ حاصل کرنے والے انجینئر محمد جہانگیر پہلے پاکستانی ہیں جنہوں نے جنوبی ایشیائی جوڈو چیمپئن شپ میں سونے کا تمغہ حاصل کیا وہ 1977ء سے اب تک کئی گولڈ اور سلور میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ چیمپئن شپ میں متواتر تین گولڈ میڈل جیت کر' ٹرپل کراؤن' بھی حاصل کیا ہے۔

چودہری شاہ محمد ایڈووکیٹ سکاؤٹنگ' وزن اٹھانے' تن سازی اور فٹ بال وغیرہ کئی کھیلوں میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ ایم اے او کالج کی فٹ بال ٹیم میں کھیلتے ہوئے کالج کلر اور اسلامیہ کالج کی کوہ پیما کلب کا امتیازی کلر حاصل کیا۔ یوتھ تحریک میں حصہ لیتے ہوئے 1976ء میں نیروبی میں ورلڈ اسمبلی میں شرکت کی۔

ہائیکنگ' کوہ پیمائی اور میدانی و صحرائی مہم جوئی کا ابتدائی مگر بہت دشوار مرحلہ ہے تربیت کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ کمبوہ برادری کے جوشیلے' باہمت اور پر عزم نوجوانوں نے کمبوہ برادرز ہائیکنگ کلب قائم کر کے ایک قابل تحسین قدم اٹھایا ہے۔

وہ کئی مہمات میں حصہ لے چکے ہیں۔ ان میں سے ایک مہم میں کلب کے صدر چوہدری عبدالجبار کی زیر قیادت آٹھ نوجوانوں کا ایک دستہ فیصل مسجد اسلام آباد سے مینار پاکستان تک کے لئے 300 کلومیٹر کے پیدل سفر پر 7 اگست کو بعد نماز جمعہ روانہ ہوا اور 14 اگست کو منزل مقصود یعنی مینار پاکستان پر پہنچ گیا۔ انہوں نے بینرز اور قومی پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ راستہ بھر لاکھوں عوام نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ایک اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے علاوہ اس سفر سے بڑی مؤثر پبلسٹی بھی ہو گئی۔

عہد حاضر کی قومی تصنیفات: تواریخ و رسائل۔ آج تک ہندوستان اور پاکستان میں قوم کی تاریخ یا ابتدا کے متعلق لکھی گئی ان کتابوں کی تفصیل جو ہمارے علم میں آ چکی ہیں اس طرح سے ہے:

1- رسالہ مبارک (اردو) نواب مبارک علی خاں کمبو آف میرٹھ نے 1849ء میں اپنا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ملانے کی خاطر 21 صفحات کا یہ رسالہ تحریر کیا۔ اچھرہ لاہور سے اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ فرضی اور من گھڑت بیانات کی وجہ سے اس کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں۔

2- سفینۂ مالیری (اردو) قابلِ فخر محقق منشی عبداللہ کمبو (ساکن مالیر کوٹلہ) نے کئی

سال تک پر صعوبت سفر طے کر کے اہم معلومات فراہم کیں اور 1902ء میں 36 صفحات کی پہلی قومی تاریخ مرتب کر کے آئندہ لکھنے والوں کے لئے ایک واضح راہ متعین کر دی۔ 20-25 سال کی تلاش بسیار کے بعد بھارت میں دستیاب شدہ ایک نسخہ کی فوٹو کاپی سے راقم نے 1992ء میں دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے۔

3- تواریخ شب جانکی (اردو) سنام ضلع سنگرور کے لالہ شب چند کمبو نے (جانکی دیوی ان کی دھرم پتنی کا نام تھا) 1911ء میں بڑی محنت سے 143 صفحات کی یہ کتاب مرتب کی جو ان کی محدود قابلیت اور مخصوص زاویہ نگاہ کے باوجود اچھی کاوش ہے۔ اس میں زیادہ تر منشی عبداللہ مالیری کے اسلامی عقائد کو ہدف تنقید بنا کر سناتن دھرم کی فوقیت ثابت کی گئی ہے۔ کمبوڈیا کو کمبوہوں کا آبائی وطن ظاہر کیا گیا ہے۔ بعض واقعات تاریخی لحاظ سے یکسر غلط ہیں۔

4- تاریخ کمبوہاں (اردو) چوہدری وہاب الدین امرتسری (ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس) نے 1917ء میں قوم کی ایک جامع اور پراز معلومات تاریخ لکھ کر جو احسان عظیم کیا ہے قوم اسے کسی صورت فراموش نہیں کر سکتی۔ آج سے 80 سال قبل اس قدر ضخیم' اعلیٰ پایہ کا تاریخی اور مقبول عام کارنامہ جذبۂ صادق کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اگرچہ جدید تحقیقات کی رُو سے اس تالیف کا ایک بنیادی نظریہ فرسودہ اور مسترد قرار پا چکا ہے۔ تاہم عصر جدید کے مصنفین بھی مرحوم چوہدری صاحب کی دیقہ رسی' وسیع مطالعہ' عالمانہ انداز بیان اور حالات کی مناسبت سے بہت حد تک اعلیٰ پایہ کے تحقیقی کارنامہ کے معترف ہیں۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1917ء دوسرا 1938ء اور تیسرا ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد 1972ء میں شائع ہوا۔ اب یہ بھی مارکیٹ میں دستیاب نہیں۔

5- آئینہ کھیم کرن (اردو) یہ کتاب (سن اشاعت 1925ء) ہمارے پاس نا مکمل صورت میں موجود ہے۔ 200 صفحات میں سردار پرتاب سنگھ نبر نے بھارت ورش کی قدیم کتابوں خاص کر مہا بھارت کے حوالہ سے کمبوہ قوم کی تاریخ پر اجمالاً روشنی ڈالتے ہوئے مہاراجہ سود کشن کو قوم کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ کتاب کے زیادہ حصہ میں رائے بدھی چند کے فرزندان رائے دلپت رائے۔ رائے کھیم

کرن' ان کے خاندان اور کمبوہ قوم کے معززین کے سماجی اور نجی حالات وغیرہ درج ہیں۔ خطاب بہ نونہالان قوم مؤلف کے دردمند دل کی آواز ہے۔

6- خاندان زبیری کنبوی (اردو) حسین احمد زبیری نے 1951ء میں رسالہ مبارک کے مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے اور تاریخ کمبوہاں (چوہدری وہاب الدین) اور تحقیق الانساب (محمود احمد عباسی) پر سخت تنقید کرتے ہوئے اپنا مؤقف بیان کیا ہے مگر سوائے دشنام طرازی کے ایک ہزار صفحات میں کوئی ٹھوس اور قابل یقین بات نہیں کہی۔ ہمارے نزدیک اسے تاریخ کے زمرہ میں شمار کرنا ہی مناسب نہیں۔

7- کامبوج تواریخ (گورمکھی) موضع مٹھیانڈہ (پٹیالہ) کے وید سندر سنگھ جی نے 1952ء میں سلجھے ہوئے انداز میں ابتدا سے جدید دور تک اور

8- کمبوج اتہاس (گورمکھی) ماسٹر ہربنس سنگھ تھند (راجستھان) نے 1973ء میں کامبوج تواریخ کی طرز پر ہی مزید تحقیق کر کے یہ نادر تحفہ پیش کیا ہے۔ دیس اور دھرم کی خاطر جانیں نثار کرنے والے کمبوہ بہادروں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

9- ایہہ کمبوج لوک (گورمکھی) شاعر' ادیب' ناول نگار' مفکر اور قومی رہنما سردار کرپال سنگھ وردی (جالندھر) نے سالہاسال کی تحقیق اور عرق ریزی کے بعد ساڑھے تین سو صفحات کا یہ بیش بہا تحفہ جنوری 1979ء میں پیش کیا ہے۔ پنجابی حلقوں میں اس کتاب کو بڑی وقعت حاصل ہے۔

10- کمبوج پرکاش (گورمکھی) سردار بشن سنگھ تھند ساکن پٹیالہ کافی عرصہ سے کمبوہ قوم کی تاریخ پر تحقیقی کام میں مصروف تھے۔ آخر 1980ء میں ان کی محنت اور کاوش کا نتیجہ 375 صفحات کی ضخیم کتاب کی صورت میں منظر عام پر آیا جو ہمارے قومی لٹریچر میں نہایت قیمتی اضافہ ہے۔ تاریخی واقعات کے علاوہ کمبوہوں کی ثقافت خاص کر موسیقی' فائن آرٹ اور مجسمہ سازی وغیرہ فنون کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ افریقہ اور یورپ میں کمبوہ ان کی خاص دریافت ہے۔

11- پراچین کمبوج' جن اور جن پد (ہندی) قدیم کمبوج' قوم اور آبائی وطن کے موضوع پر ڈاکٹر جیالال کامبوج ایم اے' پی ایچ ڈی' ڈی لٹ کی کامیاب ترین کوشش ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے دل میں قوم کی محبت کا سچا اور اتھاہ جذبہ موجزن

ہے' سات آٹھ زبانوں کی سینکڑوں تاریخی' علمی اور تحقیقی کتب اور جرائد کا بنظر عمیق مطالعہ کر کے ریسرچ کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ ہندو عہد کی کمبوہ تاریخ پر اس سے بہتر متوازن اور مستند تحقیقی جائزہ آج تک پیش نہیں کیا گیا۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف سے کافی استفادہ کیا ہے۔

12- کمبوج اتہاس (گورمکھی) جگن ناتھ سندھے (ایم اے' ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر) سنام ضلع سنگرور نے یہ سرسبز و دل آویز گلدستہ چمنستان کمبوج کے پر بہار قطعات کی پنیدہ چیدہ کیاریوں سے خوشنما پھول لیکر سجایا ہے۔ اس کے 28 ابواب میں سے نو باب ڈاکٹر جیالال' سات کرپال سنگھ دردی' چار ہربنس سنگھ تھند ایک مسٹر ابٹسن کی تالیفات سے ماخوذ ہیں اور بقیہ سات زیادہ تر ان کے ذہن کی کلوش کا نتیجہ ہیں۔ 225 صفحات کی یہ کتاب 1987ء میں شائع ہوئی۔

13- کمبوج سیوک (گورمکھی) مؤلفہ ہنس راج خادم 1981ء میں شائع ہوئی۔ تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ کمبوج اکابرین کا دلکش انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔

14- تاریخ کمبوہاں (اردو) تقریباً تین سو صفحات کی کتاب کے مؤلف میاں عبدالرشید ایم اے ایل ایل بی' ایڈووکیٹ کراچی نے تاریخ کمبوہاں (چوہدری وہاب الدین) کی نایابی کی تلافی کے لئے ان کے اکثر و بیشتر مضامین اپنے الفاظ میں ڈھال کر یہ تحفہ پیش کیا ہے جو 240 صفحات پر محیط ہیں اس کے بعد موجودہ سرگرمیوں کا ذکر ہے جو زیادہ تر صدائے کمبوہ اور نوائے کمبوہ وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ بہر حال میاں صاحب کی مساعی مستحسن ہیں۔

15- تاریخ کمبوہاں (اردو) اس کے مصنف محمد محسن اقبال کمبوہ ایم اے ہسٹری ہیں۔ ہم محو حیرت ہیں اس کتاب (سال تصنیف 1995ء) کا تعارف کن الفاظ میں کرائیں جس کے پونے دو سو صفحات پر کتابت کی کم و بیش ایک ہزار اغلاط سلیہ قلن ہیں۔ ستر فی صد حصہ پر چیدہ چیدہ عمائدین اور اکابرین قوم براجمان ہیں باقی تیس فی صد (تقریباً 50 صفحات) میں (1) دیباچہ' (2) حسب نسب کی اہمیت پر طویل بحث' (3) قدیم ایرانی حکومتوں کی تاریخ' (4) بھارت' (5) کمبوڈیا اور (حقائق سے اخفا کے ساتھ) (6) انجمن کمبوہاں کی تاریخ' اس کے مقاصد' منشور اور فہرست

اراکین وغیرہ کے علاوہ جو چند صفحات بچے ان میں (7) کمبوہ قوم کی گھسی پٹی تاریخ بیان کی گئی ہے جس کے متعلق مصنف خود تضاد کا شکار ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ جس ہستی کو قوم کے مورث اعلیٰ کی گدی پر بٹھا رہے ہیں اس کے خاندان کے صحیح نام سے بھی آگاہ نہیں۔

حاشا و کلا ہمارا مقصد ان نو وارد بساط تاریخ کی دل شکنی نہیں بلکہ قوم کے اس قیمتی سرمایہ کی اصلاح مطلوب ہے تاکہ وہ اصل موضوع کو پیش نظر رکھ کر اس کی مبادیات و اصول سے لیکر جزئیات و فروع تک تمام امور سے کامل آگاہی حاصل کرنے کے بعد ہی قلم اٹھائیں تاکہ ان کی محنت' ٹیلنٹ اور توانائیاں اضحوکہ احباب و اغیار نہ بنیں ورنہ موجودہ حالت میں تو

ع ... ناطقہ سر بگر یباں ہے کہ کیا کہئے ؟

نوٹ : مدت ہوئی انیسویں صدی کی تالیفات سلسلہ عالیہ (فارسی از حکیم عنایت حسین) اور المشاہیر (اردو مؤلفہ منشی فیض احمد) نظر سے گزری تھیں ان میں زیادہ تر برادری کے اکابرین کے تذکرے درج تھے۔ ضمناً" قوم کی ابتدا کے بارے میں مبہم سا ذکر تھا ہم ان کتابوں کو تاریخ کے زمرے میں نہیں لائے کیونکہ یہ شخصیات نامے (Biographies) ہیں۔

جرائد و رسائل : بدقسمتی سے پاکستان میں ہفتہ وار یا ماہانہ تو کجا کوئی سہ ماہی یا شش ماہی رسالہ بھی آجتک شائع نہیں ہو سکا۔ اس کی اہم وجہ تعلیمی پس ماندگی کے علاوہ تعلیم یافتہ طبقہ اور صاحب ثروت اصحاب کی بے حسی ہے۔ پاکستان میں ہندوستان کے مقابلہ میں ڈھائی تین گنا زیادہ کمبوہ آباد ہیں۔ ڈیڑھ دو ہزار مستقل گاہکوں اور چند مخیر حضرات کی معاونت سے باقاعدگی کے ساتھ کم از کم ایک سہ ماہی رسالہ بڑی باقاعدگی سے شائع ہو سکتا ہے۔

آج تک جو رسائل شائع ہوئے ہیں۔ ان میں گوجرانوالہ سے ترجمان کمبوہاں مرتبہ گلزار احمد گلزار ایم اے (ایک اشاعت) سرگودھا سے کمبوہ میگزین کی دو اشاعتیں شہداد کوٹ سے "الکمبوۃ" کی چھ اشاعتیں' قصور سے آئینہ کمبوہاں کی سات اشاعتیں اور

عروس البلاد کراچی سے صدائے کمبوہ کی سات اشاعتیں قابل ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر کا آخری شمارہ نمبر 7 انگریزی اردو اور پنجابی (176 صفحات) انجمن فلاح کمبوہ برادری کے زیر اہتمام اور خانوادہ چوہدری وہاب الدین کے لائق فرزند چوہدری ریاض الدین کی زیر ادارت تقریباً چھ سال قبل شائع ہوا تھا۔ کراچی میں امن و امان کی دگرگوں حالت اور بعض دیگر مسائل کی وجہ سے اس قدر شاندار رسالہ کی تعویق ناقابل تلافی نقصان ہے۔ راقم یوسف حسن کی زیر ادارت چوہدری عبدالرزاق کی معاونت سے نوائے کمبوہ کی سترہ اشاعتیں قوم کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ ایک شمارہ پروفیسر زاہد محمود کی ادارت میں شائع ہوا۔ ان تمام رسائل نے قوم میں بیداری اور یک جہتی کا جو جذبہ پیدا کیا اس کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہمارے خیال میں یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

اس کے برعکس ہندوستان میں صورت حال کافی بہتر ہے۔ کمبوج گزٹ (ماہانہ) 1914ء میں شورام داس نے امرتسر سے جاری کیا۔ 1919ء میں سردار ہمت سنگھ تمند اسے سہارنپور لے گئے۔ 1949ء میں اردو ایڈیشن بھی نکلنا شروع ہوا۔ تقریباً ستر سال جاری رہنے کے بعد بند ہو چکا ہے۔ 1953ء میں سردار ہربھجن سنگھ نے گورمکھی میں کمبوج سندیش شروع کیا یہ بھی بند ہو چکا ہے۔ کل ہند کمبوج مہاسبھا کی سرپرستی میں کمبوج سماچار گورمکھی میں جاری ہوا۔ سردار آتما سنگھ اس کے سرپرست اعلیٰ تھے کافی مقبول ہو گیا تھا مگر بعد میں بند ہو گیا۔ ماہ نامہ جے کمبوج' دسمبر 1967ء سے فیروزپور سے ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔ کافی اشاعت تھی مگر ایڈیٹر دولت رام کے قلم سے حضور پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کی وجہ سے مسلمان اور بہت سے سکھ کمبوہوں نے اس کا بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ کمبوج ہتیشی ہندی زبان میں 1976ء سے زیر سرپرستی کل ہند کمبوج مہا سبھا ہر ماہ شائع ہو رہا ہے ہندی میں نیا رسالہ وشال کمبوج بلند ارادوں سے منظر عام پر آیا ہے۔ امید ہے کامیاب ہو گا۔

تنظیمی سرگرمیاں: مسلم کمبوہان امرتسر نے 1910ء میں اپنی انجمن قائم کر لی تھی مگر لاہور کی برادری میں کافی عرصہ تک کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ بعض بزرگوں سے شنید کے مطابق 1926 یا 1928ء میں انجمن قائم ہوئی تھی مگر بعض ناگفتنی وجوہ کی بناء

یہ زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ 1932ء میں میاں عبدالرحیم کی زیر صدارت انجمن کا احیاء ہوا۔ ان کی وفات کے بعد شیخ محبوب الٰہی ایڈووکیٹ صدر منتخب ہوئے۔ میاں فیض محمد خاں ایم۔ اے جنرل سیکرٹری تھے جبکہ ان کے والد حاجی علی محمد' چوہدری سراج دین اور ان کے والد چوہدری نبی بخش' گڑھی شاہو سے چوہدری علی محمد' چوہدری غلام محمد' چوہدری محمد شفیع (خیالستان) اور دوسرے سرکردہ اصحاب اس کے رکن چنے گئے۔

1935ء میں دہلی گیٹ کے نوجوانوں نے ینگ مین کمبوہ ایسوسی ایشن (YMKA) کی بنیاد رکھی۔ اس تنظیم کو خوب پذیرائی ملی اور قلیل مدت میں یکی گیٹ' اکبری گیٹ' موچی گیٹ' رنگ محل وغیرہ کے نوجوان اس میں شامل ہو گئے۔ چوہدری عبدالعزیز کمبوہ کے بعد 1936ء میں راقم اس ایسوسی ایشن کا جنرل سیکرٹری منتخب ہوا اور چار سال یہ خدمت انجام دی۔ 1940ء میں انجمن کمبوہان پنجاب کے ساتھ ایک مشترکہ اجلاس میں بزرگوں کی تجویز پر YMKA کو انجمن میں مدغم کر دیا گیا۔ ایسوسی ایشن کے بعض رکن ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں لاہور سے باہر چلے گئے۔ انجمن بھی روایتی تساہل سے دو چار رہی۔ 25 دسمبر 1945ء کو انجمن کے زیر اہتمام منٹو (موجودہ اقبال) پارک میں یوم اطفال منایا گیا۔ اگلے روز سلطان پور لودھی (کپورتھلہ)' زیرہ (فیروز پور)' امرتسر اور دوسرے شہروں کے مندوبین کے ہمراہ عمائدین کا اجلاس ہوا۔ مالیرکوٹلہ سے راقم اور چوہدری یزدان بخش نے نمائندگی کی۔ گڑھی شاہو کے معززین نے اس دو روزہ تقریب کا مقاطعہ کیا تھا۔ ہم لوگوں (مندوبین) کے ایک وفد نے گڑھی شاہو جا کر فریقین کا موقف سنا اور صلح کرا دی۔ اس کے بعد 25 سال تک انجمنیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں مگر کوئی خاطر خواہ تنظیمی کام نہ ہوا تاآں کہ جون 1970ء میں انجمن کمبوہان پاکستان قائم ہوئی۔ 21 ممبران مجلس منتظمہ سمیت 44 ممبران مجلس معتمدین منتخب ہوئے۔ چوہدری ظہور احمد (احمد پارک) صدر' شیخ محمد دین (اچھرہ) سینئر نائب صدر' چوہدری عنایت اللہ (سابق ایم پی اے) نائب صدر' چوہدری شوکت ہارون جنرل سیکرٹری' الحاج چوہدری سراج دین (شاہ جمال) فنانس سیکرٹری' چوہدری محمود حسین (گجر پورہ) اسسٹنٹ سیکرٹری مقرر کئے گئے۔ چوہدری ظہور احمد کی رہنمائی میں اجلاس باقاعدگی سے ہونے لگے اور انجمن کو عامتہ الناس میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ انجمن نے تاریخ کمبوہاں کے

تیسرے ایڈیشن کی اشاعت کا بھی اہتمام کیا۔
چوہدری ظہور احمد کی خواہش تھی کہ قوم کو اس قدر متحد اور منظم کر دیا جائے کہ ہر فرد' قوم کی قسمت کا ستارہ بن کر چمکے۔ اسی خیال سے انہوں نے انجمن کی صدارت کے لئے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک مقتدر شخص سے معاملہ طے کر لیا تھا جو تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بالخصوص وکلا' اساتذہ' ڈاکٹرز' انجینئرز' طلبہ وغیرہ کی مدد سے انقلابی تبدیلی لا سکتا تھا مگر ایک مخصوص محدود گروہ نے سازش کا ایسا جال بنا جس سے چوہدری ظہور احمد دل برداشتہ ہو گئے اور استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیئے گئے۔ جو انتخاب دو ماہ بعد 120 معززین شہر کی رائے سے کیا جانا تھا اسے نظر انداز کر کے سات افراد نے ایک نیک دل اور صلح کل شخصیت کو شیشہ میں اتار کر صدر نامزد کر دیا۔ اس سے شہر بھر میں بالخصوص تعلیم یافتہ طبقہ میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ بلکہ ایک دو احتجاجی مظاہرے بھی ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ انجمن ایک ماہ سے زیادہ نہ چل سکی۔
اکثر احباب کا اصرار تھا کہ ہمیں الگ تنظیم بنا لینی چاہئے۔ راقم کے دفتر میں معززین شہر کے تقریباً بیس اجلاس ہوئے ادھر ایک سال تک انجمن کمبوہاں کا ایک بھی اجلاس منعقد نہ ہوا تو ڈاکٹر چوہدری غلام رسول' مسٹر کے اے مبین (فنانشل ایڈوائزر ریلوے)' چودہری محمد رفیق مجیٹھیہ' سی اے سعید' چوہدری محمد یوسف عاصم' ڈاکٹر مقصود احمد اختر جیسے حضرات کی تجویز پر ستمبر1974ء میں کمبوہ ایسوسی ایٹس کی بنیاد رکھی گئی۔ ایک کنوینر کمیٹی کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ ممبر شپ مکمل کر کے انتخاب کرائے۔ 23 مئی 1975ء کو آئین منظور کیا گیا جس کے تحت گیارہ عہدیداران اور پندرہ اراکین مجلس عاملہ عارضی طور پر منتخب کئے گئے۔ 13 جون 1976ء کو بہت بڑے سالانہ اجلاس میں تین سال کے لئے عہدیداران اور اراکین مجلس منتظمہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ جس کی رُو سے (کیپٹن) ڈاکٹر مقصود احمد اختر صدر' چوہدری محمد رفیق مجیٹھیہ سینئر نائب صدر' چوہدری بشیر احمد ایم اے اور چوہدری محمد شریف کمبوہ نائب صدر' محمد یوسف حسن جنرل سیکرٹری' چوہدری عبدالرزاق اور چوہدری محمد قاسم جائنٹ سیکرٹری' چوہدری محمد اعجاز ایڈووکیٹ اور چوہدری رحمت علی نشر و اشاعت کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ مجلس منتظمہ کے چودہ میں سے ذیل کے اراکین بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ چوہدری غلام قادر

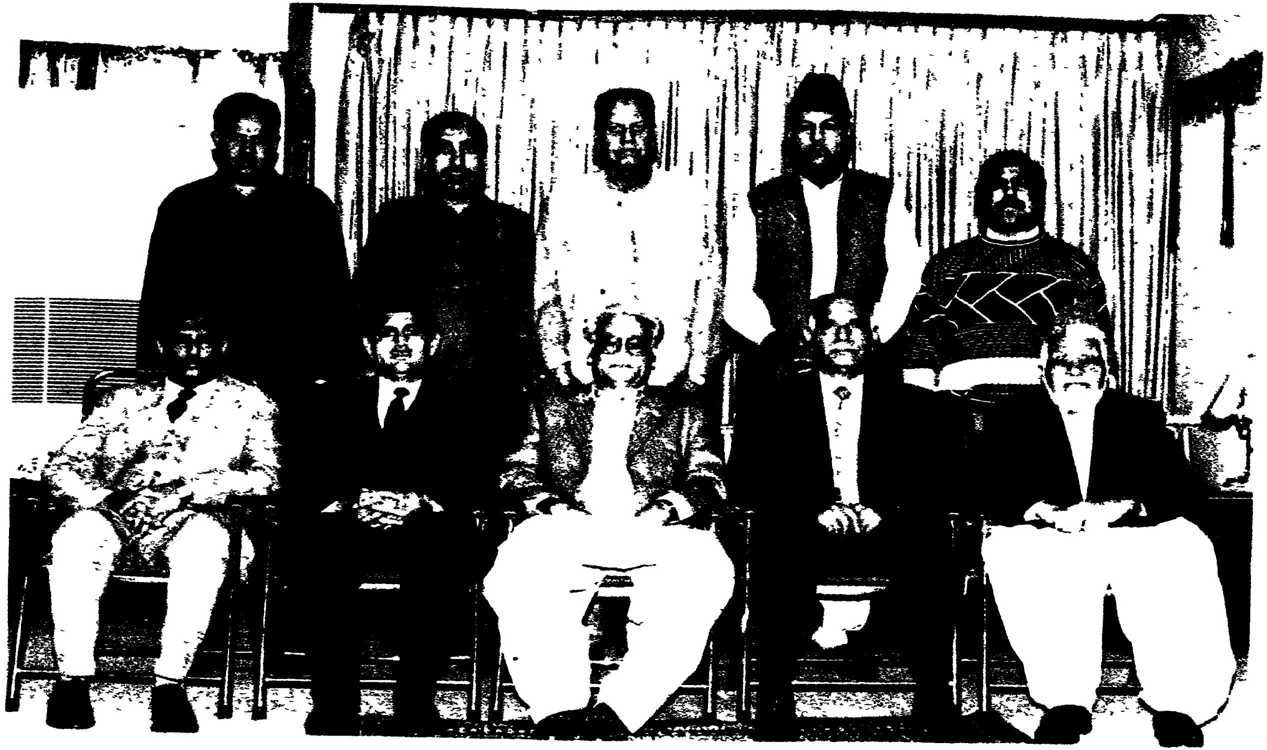
کمبوہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن، زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد، 84-1983ء



کرسیوں پر: ناصر وحید، ظہیر الدین [illegible] (صدر)، عبدالرحمن طاہر (لیکچرار)، محمد یونس مظفر (لیکچرار)، تجمل اقبال کمبوہ، حاجی رفیق احمد اور چوہدری محمد یوسف حسن (مہمانِ خصوصی)، ڈاکٹر شجاع الدین، سلیم محمود، ڈاکٹر خالد محمود، محمد سرور (جنرل سیکرٹری)۔

ایستادہ: محمد شفیق، خالد محمود، [illegible] (فنانس سیکرٹری)، خالد پرویز، احمد عظیم، معین وحید، فرزند علی، وقار احمد، محمد [illegible]، ارشد عظیم، وحید الزماں، محمد محمود، غلام نبی، خالد محمود۔

انجمن کمبوہاں لاہور کے چند معززین



کرسیوں پر چوہدری محمد یوسف حسن' چوہدری نذر محمد' چوہدری محمد اکرم (صدر) چوہدری عبدالرزاق' چوہدری محمد اعجاز-
کھڑے ہوئے چوہدری محمد سعید' چوہدری ضمیر احمد' چوہدری محمد شریف (مرحوم) چوہدری محمد شریف اور چوہدری محمد اشرف

(اچھرہ)، ظفر پاشا چوہدری (ماڈل ٹاؤن موجودہ ڈپٹی اٹارنی جنرل پاکستان)، چوہدری منور اقبال (سمن آباد)، چوہدری سرفراز اقبال اور چوہدری محمد حسین (گڑھی شاہو) مشہور سیاسی اور سماجی کارکن محمود حسین (گوجر پورہ)، چوہدری فلک شیر (علامہ اقبال ٹاؤن) ڈاکٹر محمد ایوب (پنجاب یونیورسٹی)، چوہدری محمد حنیف (چاہ میراں) پروفیسر پرویز چوہدری (سمن آباد) بشیر احمد (کوٹ خواجہ سعید) وغیرہ

ڈاکٹر مقصود احمد اختر کا سمن آباد کلینک، ایسوسی ایٹس کا صدر دفتر اور چوہدری غلام قادر کے نو تعمیر مکان کا ایک کمرہ ذیلی دفتر قرار پایا۔ اس کے بعد 1988ء تک ہر تین سال بعد باقاعدگی سے انتخاب ہوتے رہے۔ 1974ء سے 1988ء تک کمبوہ ایسوسی ایٹس نے ملک بھر میں جو بیداری پیدا کی اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے پوری قوم آگاہ اور نوائے کمبوہ (لاہور)، صدائے کمبوہ (کراچی)، "الکمبوہ" (شہداد کوٹ)، آئینہ کمبوہاں (قصور) وغیرہ کے فائل گواہ ہیں۔ ہمیں اس تمام صراحت کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حال ہی میں لاہور سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں نہ صرف انجمن کمبوہان پاکستان کے متعلق غلط بیانی سے کام لیا گیا بلکہ کمبوہ ایسوسی ایٹس، اس کے تمام اراکین، برادری کے مذکورہ تمام رسالوں اور ملک کی مقتدر قومی انجمنوں کا مکمل بلیک آؤٹ کیا گیا۔ یہ لاعلمی کی بنا پر ہوا یا دانستہ کیا گیا۔ بہر حال قابل افسوس ہے کمبوہ ایسوسی ایٹس کی خدمات قومی تاریخ کا روشن باب ہیں ان کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ستمبر 1985ء میں گڑھی شاہو کے معززین نے صوبائی الیکشن میں چوہدری محمد صادق ایڈووکیٹ جیسے ماہر قانون دان اور موزوں ترین امیدوار کی ناکامی کے پیش نظر کمبوہ ایسوسی ایٹس کے تعاون سے انجمن کمبوہان لاہور کی تشکیل کی تجویز پیش کر کے اسے عملی صورت دی جو ستمبر 89 میں انجمن کمبوہان پاکستان کے احیاء پر منتج ہوئی جس کے پانچ سرپرست : (1) چوہدری عنایت اللہ ممبر الیکشن اتھارٹی، (2) چوہدری نذر محمد، (3) چوہدری غلام رسول (4) چوہدری معراج دین اور (5) چوہدری غلام علی صدر : الحاج چوہدری محمد اکرم نائب صدور : حاجی بشیر احمد (پبلک سروس کمیشن)، حاجی محمد یوسف (لوہاری گیٹ) اور حاجی محمد حفیظ (اچھرہ)، جنرل سیکرٹری چوہدری محمد اشرف ایڈووکیٹ،

پروپیگنڈہ سیکرٹری چوہدری محمود حسین (گجر پورہ) فنانس سیکرٹری سیٹھ محمد امین' قانونی مشیران میں ظفر پاشا چوہدری' چوہدری عبدالرزاق اور چار دوسرے معزز ایڈووکیٹ منتخب ہوئے۔ سابق ڈپٹی میئر چوہدری محمد افضل (گڑھی شاہو) کو شعبہ سیاسی اور رابطہ سیل کے فرائض کمبوہ ایسوسی ایٹس کو تفویض کئے گئے۔ اس انجمن نے لاہور کے مختلف محلوں میں رابطہ مہم کے دوران میں کافی سرگرمی سے کام کیا اور 22 مارچ 1990ء کو کل پاکستان کمبوہ کنونشن منعقد کر کے کراچی سے پشاور تک قومی یک جہتی کا پروگرام مرتب کیا۔

پہلا کمبوہ کنونشن : پاکستان میں کنونشن منعقد کرنے کی اولیت کا سہرا اہالیان قصور کے سر ہے۔ 19 اکتوبر 1984ء کو قصور میں میلے کا سا سماں تھا۔ لاہور کے علاوہ پتوکی' چونیاں' کوٹ رادھا کشن' اوکاڑہ' ساہیوال' رحیم یار خاں' شہدادکوٹ (لاڑکانہ) محراپور' گوجرانوالہ' شیخوپورہ' فاروق آباد' مریدکے' ننگل ساہداں' فیصل آباد' بھلوال' عثمان والا' اور اسلام آباد وغیرہ کے وفود نے شرکت کی۔ ڈاکٹر خوشی محمد مہمان خصوصی اور چوہدری خوشی محمد قادری صدر کے ساتھ سٹیج پر چوہدری محمد صادق ایڈووکیٹ' چوہدری محمد یوسف حسن' ڈاکٹر مقصود احمد اختر اور الیاس کمبوہ تشریف فرما تھے۔ مقررین کی طویل فہرست میں چوہدری محمد یاسین فرخ' چوہدری غلام جیلانی' چوہدری الیاس کمبوہ' چوہدری ظفر پاشا ایڈووکیٹ' چوہدری محمود حسین' چوہدری محمد صادق' چوہدری ضمیر احمد' چوہدی محمد اسحاق (بھلوال) چوہدری محمد انور اور گلزار احمد گلزار (گوجرانوالہ)' چوہدری محمد اقبال (ڈپٹی چیف مینجر سٹیٹ بنک) چوہدری محمد یوسف حسن' چوہدری قیوم چشتی وغیرہ شامل تھے۔ دوسرے سیشن کی صدارت چوہدری نور دین XEN نے کی۔ اس کنونشن کی کامیابی میں اہالیان قصور کے علاوہ چوہدری عبدالستار ڈسٹرکٹ انفارمیشن آفیسر نے اہم کردار ادا کیا۔ (نوائے کمبوہ فروری 1985ء صفحہ 13 تا 21)

کل سندھ کمبوہ کنونشن شہداد کوٹ : 18 اکتوبر 1985ء صوبہ سندھ کی کمبوہ برادری کی تاریخ میں یادگار دن شمار کیا جاتا ہے جب کراچی اور اندرون سندھ کے علاوہ پنجاب سے لاہور' قصور' شیخوپورہ' خانیوال وغیرہ کے وفود نے اسے کل پاکستان کنونشن کی

شکل دے دی۔ سابق الیکشن کمشنر صوبہ پنجاب و سندھ اور سابقہ ممبر پنجاب الیکشن اتھارٹی چوہدری عنایت اللہ مہمان خصوصی تھے۔ صدارت کے فرائض چوہدری محمد یوسف حسن (نائب صدر کمبوہ ایسوسی ایٹس لاہور) نے انجام دیئے۔ مقررین میں: چوہدری یاسین فرخ (قصور)' چوہدری احمد حسن (جھڈو)' محمد ادریس شاہد (محرابپور) چوہدری عنایت اللہ (لاہور)' ڈاکٹر حافظ عبدالغفور (قدیم سندھی)' محمد یاسین (ٹنڈوالہ یار)' چوہدری عبدالرزاق (لاہور)' چوہدری ذوالفقار شاہد (کراچی)' چوہدری عباس احمد (خانیوال) نمایاں تھے۔ صاحب صدر نے تمام تقاریر پر اجمالاً" تبصرہ کرنے کے بعد ایک جامع مقالہ پیش کیا اور صحافی حضرات کے سوالات کے جواب دیئے مہمانوں کے قیام و طعام کا بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ (اجلاس کی کارروائی نوائے کمبوہ فروری 1986ء صفحہ 18 تا 22 اور صدارتی مقالہ نوائے کمبوہ جولائی 1986ء صفحہ 16 تا 23)

ضلعی کمبوہ کنونشن' خانیوال: 3 مئی 1986ء کا یہ اجتماع عام کہنے کو تو ضلعی کنونشن تھا مگر فی الحقیقت کل پاکستان کمبوہ کنونشن میں تبدیل ہو گیا تھا اس میں گوجرانوالہ' شیخوپورہ' لاہور' قصور' اوکاڑہ' ساہیوال' فیصل آباد' سرگودھا' ملتان' مظفر گڑھ' وہاڑی' بہاولپور' رحیم یارخان' احمد پور شرقیہ' صادق آباد اور سندھ سے سکھر' شہداد کوٹ' محرابپور' حیدر آباد' کراچی وغیرہ سے کثیر تعداد میں مندوبین اور انجمنوں کے نمائندگان نے شرکت کی۔ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کی کمبوہ سٹوڈنٹس یونین اور انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے کمبوہ انجینئرز کے نمائندے بھی شامل تھے۔ ضلع خانیوال کے دیہات اور قصبات سے عوام جوق در جوق شریک ہوئے' مہمانوں کا استقبال شاندار جلوس کی صورت میں کیا گیا۔ چوہدری الیاس کمبوہ نے تمام مقررین کو سندھی اجرک پہنا کر سندھی پنجابی بھائی بھائی کے نعرہ کو عملی صورت میں بدل دیا۔ صدارت کے فرائض میاں ممتاز احمد نے ادا کئے۔ چوہدری اختر رسول (وزیر ایکسائز و ٹیکسیشن پنجاب) اور چوہدری صدیق سالار (پارلیمانی سیکرٹری برائے خوراک) مہمان خصوصی تھے۔

اہم مقررین میں (مرحوم) چوہدری غلام رسول آزاد' چوہدری عبدالقادر' پروفیسر محمد رفیق' ڈاکٹر سعید احمد جاوید' چوہدری اختر رسول' چوہدری محمد صدیق سالار نمایاں تھے۔ محترمہ شاہین عتیق الرحمٰن صوبائی وزیر برائے سماجی بہبود کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا

گیا تھا مہمانوں کے لئے پر تکلف قیام و طعام کا انتظام' وفود کے استقبال کا پر شکوہ والہانہ انداز' وسیع و عریض پنڈال کی عمدہ تزئین' باوقار سٹیج کی آرائش' نشستوں کا بہترین بندوبست غرض ہر چیز منتظمین کے اعلیٰ ذوق کی غماز تھی۔ (نوائے کمبوہ بابت جولائی 1986ء صفحہ 31 تا 40)

کل پاکستان کمبوہ کنونشن' محراب پور (سندھ): گزشتہ تین کنونشن جس طرح بہترین کامیابی سے ہم کنار ہوتے رہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے 23 مارچ 1988ء کو سندھ کے قصبہ محراپور کے زندہ دل اور پرجوش نوجوانوں نے بشیر احمد دلشاد کی رہنمائی میں ایک عمدہ مثال قائم کی۔ اندرون سندھ اور پنجاب کے بعض مقامات سے وفود 22 مارچ کی دوپہر سے آنا شروع ہوگئے تھے اور یہ سلسلہ رات بھر جاری رہا۔ مہمانوں کے استقبال اور پر آسائش قیام کا بہترین انتظام کیا گیا۔ شیخوپورہ اور قصور سے معقول تعداد میں وفود کے علاوہ لاہور کا 28 رکنی وفد بھی صبح محراپور پہنچ گیا۔ آراستہ و پیراستہ جلسہ گاہ میں وسیع سٹیج پر صوفے اور قالین بچھا کر تقریباً پچیس عمائدین کی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پنڈال میں آخر تک کرسیاں بچھائی گئی تھیں۔

پہلے اجلاس کی صدارت کے فرائض چوہدری محمد یوسف حسن نائب صدر کمبوہ ایسوسی ایٹس نے انجام دیئے۔ پاکستان ملت پارٹی کے کنوینر سیاسی رہنما' جناب نواب چوہدری مہمان خصوصی تھے۔ تلاوت کے بعد چوہدری ضمیر احمد (D.S.P) نے ہدیہ نعت پیش کیا۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن خانیوال کے صدر چوہدری عباس احمد نے اہل پنجاب کی طرف سے اظہار اخوت کے طور پر بشیر احمد دلشاد (میزبان)' چوہدری احمد حسن (صدر کل سندھ کمبوہ تنظیم) اور محمد الیاس کمبوہ (شہداد کوٹ) کو پگڑیاں پہنائیں۔ چوہدری اختر رسول کی طرف سے چھ بزرگوں نے چھ بہترین کارکنوں کو شیلڈ کے تحفے پیش کئے۔ دیگر مقررین کے علاوہ الیاس کمبوہ اور ڈاکٹر محمد جمیل (شہداد کوٹ) چوہدری عباس احمد خانیوال) چوہدری یاسین فرخ (قصور) چوہدری بشیر احمد ایڈووکیٹ اور چوہدری ضمیر احمد (لاہور) نے حاضرین سے خطاب کیا۔ محترم نواب چوہدری نے برادری کی فلاح اور ترقی کے لئے بہت سی مفید عملی تجاویز پیش کیں۔ آخر میں چوہدری محمد یوسف حسن نے خطبہ صدارت پیش کیا اور تمام تقاریر پر سیر حاصل تبصرہ آرائی کرکے حسن عمل کی

طرف توجہ دلائی۔

نماز ظہر کے بعد دوسرا اجلاس شروع ہوا۔ چوہدری محمد افضل صدر انجمن فلاح کمبوہ برادری کراچی نے صدارت کی چوہدری عباس احمد مہمان خصوصی تھے۔ چوہدری معراج دین انجم (قصور)' ڈاکٹر چوہدری علی جان (سکھر) چوہدری ذوالفقار علی شاہد (کراچی) اور محمد ابراہیم گوٹھ نبی بخش نے خطاب کیا۔ چوہدری باقر علی (شہداد کوٹ) نے سرمایہ کی فراہمی پر زور دیا اور مبلغ پانصد روپے پیش کئے۔ اس پر شہداد کوٹ کے چوہدری حبیب احمد کے کمسن فرزند کمبوہ خاں نے ایک ہزار روپے انجمن کو چندہ دیا۔ اس بچے کے ایثار سے متاثر ہو کر نواب چوہدری نے اس نوخیز برخوردار کو جیب خاص سے ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا جو اس بچے نے اسی لمحے تنظیم نوجوانان کمبوہ محرابپور کو پیش کر دیا۔ بعد میں لاہور سے محمد اعجاز چوہدری' چوہدری عبدالرزاق اور چوہدری محمد اکرم اور مہمان خصوصی چوہدری عباس احمد نے پر اثر تقاریر کیں۔ چوہدری محمد افضل کے خطبہ صدارت کے بعد اجلاس بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔ (نوائے کمبوہ ستمبر 1988ء صفحہ 13 تا 51)

22 مارچ 1990ء کو لاہور میں منعقدہ کنونشن کے ذکر سے پہلے ایک مضمون "25 اگست 1989ء کا ایک یادگار اجلاس" (نوائے کمبوہ فروری 1990 صفحہ 61 تا 70) کے چند اقتباسات اور خلاصہ پیش کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ (مؤلف کتاب ہذا شدت مرض کے باعث مارچ تا اکتوبر 1989ء بستر سے ہل بھی نہ سکتا تھا اس لئے اس اجلاس میں شرکت نہ کر سکا تھا) چوہدری عبدالرزاق نے مضمون کی ابتدا ان الفاظ سے کی "کمبوہ ایسوسی ایٹس کے فراخ دل اور جیالے اراکین ہمیشہ اس کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں کہ برادری کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے جو بھی اقدام ضروری ہو ذاتیات سے بالاتر ہو کر اسے عملی شکل دی جائے۔ کچھ عرصہ سے برادری کے امور میں جو جمود طاری ہو گیا تھا ایسوسی ایٹس اسے تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے چنانچہ (کمبوہ ایسوسی ایٹس کے زیر اہتمام) 25 اگست کو معززین شہر کا ایک یادگار اجلاس منعقد کیا گیا جو ممکن ہے مستقبل میں ایک تاریخ ساز دن کہلائے۔"

اجلاس کی صدارت چوہدری نذر محمد سابق سیکرٹری محکمہ آبپاشی (حکومت پنجاب)

نے انجام دی۔ چوہدری عبدالرزاق (جنرل سیکرٹری کمبوہ ایسوسی ایٹس) نے افتتاحی تقریر میں برادری کے عظیم رہنماؤں خاص کر چوہدری ظہور احمد اور چوہدری سراج دین کو خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد کمبوہ ایسوسی ایٹس کی پندرہ سالہ شاندار خدمات کا ذکر کیا اور بتایا کہ ان کی رابطہ عوام مہم اور نوائے کمبوہ کی پیہم اشاعت کے باعث آج ملک کے کونہ کونہ میں ضلعی، تحصیل وار اور دیہات کی سطح پر انجمنیں بن چکی ہیں۔ انہوں نے تمام مخلص اور ہمدرد اصحاب کو قوم کی فلاح کے لئے آگے بڑھ کر کام کرنے کی دعوت دی۔

چوہدری ضمیر احمد نے برادری کا زیادہ فعال مرکزی ادارہ قائم کرنے کی ضرورت بیان کی، میاں نیاز احمد فنانس سیکرٹری انجمن کمبوہان پاکستان نے بتایا "انجمن گذشتہ 15 سال سے جمود اور غیر فعالیت کا شکار ہے انجمن کا فنڈ تقریباً بارہ ہزار روپیہ ان کی تحویل میں ہے۔ نمائندہ انجمن کے قیام کے بعد یہ فنڈ نئی انجمن کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔"

چوہدری عبدالعزیز کمبوہ نے چوہدری ظہور احمد کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا انجمن کو دوبارہ زندہ کیا جائے (چوہدری ظہور احمد صدارت سے مستعفی ہونے کے بعد پانچ سال زندہ رہے) چوہدری محمد اشرف ایڈووکیٹ نے فرمایا "مرکزی انجمن کا قیام عمل میں لایا جائے جس کا مرکزی دفتر لاہور میں ہو۔" اس ضرورت کے تحت سولہ سال بعد انجمن کمبوہان پاکستان کا احیاء عمل میں آیا۔

کل پاکستان کمبوہ کنونشن لاہور: 22 مارچ 1990ء کا یہ کنونشن ہر اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل تھا۔ پنجاب اور سندھ کے تمام اہم علاقوں سے کثیر تعداد میں فدایان قوم کی شمولیت نے اسے فقید المثال بنا دیا۔ مثال کے طور پر کراچی سے ۳۳ معززین کا نمائندہ وفد اور شہداد کوٹ (سندھ) سے انجمن کے تمام عہدیداران اپنے دوستوں سمیت شریک اجلاس تھے۔ منتظمین نے ایرپورٹ، ریلوے سٹیشن اور راوی پل پر وفود کے استقبال کا انتظام کیا ہوا تھا۔ شدید بارش نے کمبوہ ہال سے متصل وسیع گراؤنڈ میں آراستہ پنڈال اور سٹیج کا انتظام درہم برہم کر دیا تھا مگر مستعد اور جواں ہمت کارکنوں نے چھ ہی گھنٹے میں بہترین متبادل جلسہ گاہ تیار کر دی۔ خواتین کے لئے ٹی وی کلوز سرکٹ کے ذریعے نشریات دیکھنے کا انتظام کیا گیا۔ کنونشن کے دو اجلاس

منعقد ہوئے۔ صدارت کے فرائض انجمن کے صدر چوہدری محمد اکرم نے انجام دیئے۔ شرکائے جلسہ میں حسب ذیل اصحاب نمایاں تھے۔

ڈاکٹر چوہدری غلام رسول' چوہدری اختر رسول' بریگیڈیر چوہدری مختارالحق' چوہدری نذر محمد' چوہدری عنایت اللہ' پرنسپل ڈاکٹر عذرا امتیاز' اعجاز احمد چوہدری ڈپٹی میئر لاہور' ڈاکٹر علی جان (سکھر) چوہدری محمد افضل (کراچی) چوہدری محمد الیاس کمبوہ (حب بلوچستان)' سٹیج سیکرٹری کے فرائض چوہدری ضمیر احمد نے اپنے مخصوص انداز میں ادا کئے اس لئے وقت کی کمی کے باعث مقررین کو خطاب مختصر کرنا پڑا۔ درج ذیل قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں۔

1- شادی اور ولیمہ میں صرف ایک سالن پکایا جائے گا۔

2- جہیز کی نمائش نہ کی جائے گی۔ دلہن اور دولہا کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو قیمتی تحائف نہیں دیئے جائیں گے۔

3- مہندی کی رسم اسلامی اقدار کے مطابق گھر کی چار دیواری میں منائی جائے گی۔ موجودہ طریقہ ہندوآنہ ہے اور اس میں حیا سوز پہلو بھی ہے اسے ترک کر دیا جائے گا۔

4- جنم پرچی پر نام کے ساتھ ہی کمبوہ لکھوا دیا جائے تاکہ وہ ہمیشہ کے لئے نام کا حصہ بن جائے۔

اچھرہ' گڑھی شاہو اور دوسرے علاقوں کے نوجوانوں نے چوہدری ضمیر احمد' چوہدری محمد اشرف' چوہدری عبدالرزاق' چوہدری غلام قادر' چوہدری محمود حسین اور چوہدری بشیر احمد کی رہنمائی میں جس عزم و ہمت کا مظاہرہ کیا اس کے لئے ان کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے۔

یوم دفاع پاکستان فاروق آباد: 6 ستمبر1992ء کو اہالیان فاروق آباد (ضلع شیخوپورہ) نے یوم دفاع پاکستان کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا جو حاضری کے لحاظ سے کسی بھی کنونشن سے کم نہ تھا ضلع شیخوپورہ کے چھوٹے بڑے دیہات اور قصبات سے عوام بسوں' ویگنوں' ٹریکٹر ٹرالیوں' موٹر سائیکلوں وغیرہ پر فاخرہ لباس پہنے' نعرے لگاتے اور بعض زندہ دل نوجوان بھنگڑا ڈالتے صبح سے ہی عازم فاروق آباد ہو گئے تھے۔ اضلاع لاہور' قصور' گوجرانوالہ' گجرات اور فیصل آباد سے بھی کافی لوگ اجلاس

میں شریک ہوئے شرکائے اجلاس کی تعداد منتظمین کے اندازہ سے کہیں زیادہ تھی تاہم جلسہ کی کارروائی پوری متانت اور وقار سے عمل میں آئی۔ بیماری کے باوجود راقم نے بھی دو گھنٹے کے لئے شرکت کی اور حاضرین سے خطاب کیا۔

انجمن کمبوہان پاکستان کے صدر چوہدری محمد اکرم نے صدارت کی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض مشہور صحافی' مجاہد قوم' اختر سدیدی نے انجام دیئے۔ شرکائے اجلاس میں چوہدری اختر رسول' چوہدری نذر محمد' چوہدری محمد اسحٰق (بھلوال)' چوہدری محمد رفیق ڈپٹی میئر فیصل آباد اور دوسرے کئی صاحبان شامل تھے۔

مقررین نے قوم کو اتحاد و یک جہتی' حصول تعلیم' بے ہودہ رسوم سے اجتناب اور وطن سے محبت کی اہمیت پر زور دیا۔ آخر میں ملک کے استحکام کے لئے دعا پر اجلاس ختم ہوا۔ شرکائے جلسہ کے لئے کھانے کا بھی معقول انتظام تھا۔

برادری کے اجتماعات کا ذکر کافی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ یہ تاریخ کا حصہ ہیں اور ان سے صرف نظر کرنا مناسب نہ تھا۔

اس وقت ملکی حالات بڑے اجتماعات کے انعقاد کی راہ میں حائل ہیں۔ تاہم ضلعی انجمنوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ میں بیداری کی شمع روشن رکھیں۔ اب زمانہ صرف Survival of the fittest کا ہے۔ زندہ رہنا ہے تو زندگی کا ثبوت دینا ہو گا۔ ان الفاظ اور قوم کی ہمہ گیر ترقی کی دعا کے ساتھ قارئین سے مرخص ہوتا ہوں۔

والسلام

کمبوہ قوم زندہ باد

کتابیات

ابوالامان امرتسری	سکھ مسلم تاریخ (حقیقت کے آئینے میں) لاہور 1958ء
ابوالفضل	آئین اکبری (اردو ترجمہ فدا علی طالب) لاہور
"	آئین اکبری (انگریزی ترجمہ ایچ بلاکمین)
"	اکبر نامہ۔ لاہور
ابوالکلام آزاد	تذکرہ۔ لاہور' 1960ء
ابوظفر ندوی	تاریخ سندھ۔ کراچی 1989ء
احمد یادگار	تاریخ شاہی' ترجمہ نذیر نیازی' لاہور' 1985ء
امیں چند (سردار بہادر)	تاریخ کھشتریاں' لاہور
بشن سنگھ کمبوج	کمبوج پرکاش پٹیالہ' 1980ء
بشیر احمد سعدی	گنج بخش (حضرت علی ہجویریؒ) لاہور' 1969ء
بینرجی۔ آرڈی	بانگلار اتہاس (ہندی)
پربودھ چندر مجمدار	بھارتیہ سینا کا اتہاس (ہندی) لکھنؤ' 1964ء
پرتاپ سنگھ نبر	آئینہ کھیم کرن۔ لاہور' 1925ء
پیارے لال آشوب	رسوم ہند' لاہور' (مجلس ترقی ادب)
تنویر احمد علوی	صحیفہ ابرار۔ دہلی' 1973ء
جگن ناتھ سندھے	کمبوج اتہاس (گورمکھی) سنام' 1987ء
جیالال کمبوج	پراچین کمبوج' جن اور جن پد (ہندی)' دہلی' 1981ء
حامد بن فضل اللہ جمالی	سیر العارفین' (ترجمہ محمد ایوب قادری)' لاہور' 1989ء
حسن علی چوہان	تاریخ گرجر' جلد سوم' چہارم' پنجم' کراچی
حسین احمد زبیری	خاندان زبیری کنبوی' میرٹھ
حمید الدین ڈاکٹر	تاریخ اسلام' لاہور 1987ء
رئیس بدایونی	حضرت بہاؤالدین زکریاؒ' (فیروز سنز) لاہور
سید عبداللطیف	تاریخ پنجاب' لاہور

سندر سنگھ (راج وید)	کامبوج تواریخ (گورمکھی) پٹیالہ 1952ء
شاہ نواز خاں	مآثر الامراء (ترجمہ محمد ایوب قادری)' لاہور' 1968ء
شب چند سنامی	تاریخ شب جاتی' پٹیالہ' 1968 ب (فوٹوکاپی)
شبلی نعمانی	سیرۃ النبی جلد اول' لاہور 1988ء
شہادت علی کچھی	تاریخ قوم راجپوت' لاہور 1983ء
ضیاء الدین برنی	تاریخ فیروز شاہی (ترجمہ سید معین الحق) لاہور 1983ء
ضیاء الدین لاہوری	جوہر تقویم' 1986ء
عباد اللہ گیانی	سکھ اسلامی عہد میں' لاہور 1948ء
عبداللہ مالیری	سفینہ عبداللہ مالیری' لاہور 1902ء (دوسرا ایڈیشن 1992ء)
عبدالحق محدث دہلوی	اخبار الاخیار۔
عثمان حسن	بلوچستان' کراچی 1986ء
فرشتہ (محمد قاسم)	تاریخ فرشتہ مکمل (ترجمہ خواجہ عبدالحی) شیخ غلام علی لاہور۔
کرپال سنگھ دردی	ایمہ کمبوج لوک (گورمکھی) جالندھر' 1979ء
"	ماسٹر سندر سنگھ لائلپوری لدھیانہ 1991ء
کنہیا لال	تاریخ پنجاب لاہور 1989ء -
"	تاریخ لاہور' لاہور 1977ء -
گوربخش سنگھ (ڈاکٹر)	سردار اودھم سنگھ (گورمکھی) جالندھر دہلی' 1976ء
مبارک علی خان	رسالہ مبارک (تیسرا ایڈیشن) لاہور' 1986ء
محمد احسان اللہ	پشتون قبائل' لاہور' 1984ء
محمد اکرام (شیخ)	آب کوثر' لاہور' 1968ء
"	پنجاب مغلوں کے عہد میں' لاہور 1986ء
"	موج کوثر' لاہور' 1992ء
محمد حسین آزاد	دربار اکبری' لاہور۔
محمد صالح کمبوہ	شاہ جہاں نامہ (عمل صالح) ترجمہ ناظر حسن زیدی لاہور 1971ء
محمد حیات خاں	حیات افغانی' پشاور

محمد علی چراغ	تاریخ پاکستان' لاہور 1993ء
محمد یوسف حسن (ایڈیٹر)	رسالہ نوائے کمبوہ' 1976ء تا 1990ء
' ، احمد عباسی	حقیقت قوم کمبوہ' امروہہ 1953ء
محمود دانشور (ایرانی)	کافرستان' لاہور 1993ء
منشی گلاب سنگھ (ناشر)	تاریخ پنجاب' لاہور
ناز (ایم ایس ڈاکٹر)	تاریخ کشمیر' لاہور' 1993ء
ناصر نجمی آقائے	ایران قدیم (فارسی)' تہران' 1984ء
نظام الدین اولیاؒ	فوائد الفواد (ترجمہ خواجہ حسن نظامی ثانی) لاہور 1991ء
نعمت اللہ ہروی	تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی' لاہور' 1986ء
ودیا لنکار ستیہ کیتو	موریہ سامراجیہ کا اِتہاس (ہندی) الہ آباد' 1985 (ب)
ودیالنکار جے چندر	بھارتیہ اِتہاس کی روپ ریکھا (ہندی) الہ آباد 1961 (ب)
"	بھارتیہ اِتہاس کی میمانسا (ہندی) الہ آباد 1969ء
"	بھارت بھومی اور اس کے نواسی (ہندی) الہ آباد 1987 (ب)
وہاب الدین چوہدری	تاریخ کمبوہاں' لاہور' 1972ء (تیسرا ایڈیشن) (پہلا 1917ء اور دوسرا 1938ء)
ہربنس سنگھ تھند	کمبوج اِتہاس' (گورمکھی) شری گنگا نگر' 1973ء
ہیرا لال کپور	تاریخ کھتریاں (کھتری ساچار پریس) لاہور
یحییٰ بن احمد سرہندی	تاریخ مبارک شاہی' (اردو ترجمہ ڈاکٹر آفتاب اصغر) لاہور' 1986ء



۔۔۔ ی سی کی کمیٹی انتظامیہ

نشست: حاجی محمد شریف، محمد یوسف حسن، خالد مقصود احمد اختر، صدر، محمد رفیق مجسٹریٹ، محمد اکبر

ایڈووکیٹ، غلام قادر

ایستادہ: چوہدری عبدالرزاق، پرویز چوہدری، معراج دین، چوہدری فلک شیر، محمد اقبال، رحمت علی

عبدالحمید، عبدالرزاق (چاہ میراں)



کل پاکستان کمبوہ کنونشن محرابپور کے سامعین



سندھ کمبوہ کنونشن شہداد کوٹ (لاڑکانہ)
محمد یوسف حسن (صدر) چوہدری عبدالغنی،
چوہدری عبدالرزاق اور محمد ادریس شاہد (محراب پور)



محراب پور کنونشن (سندھ) میں چوہدری محمد یوسف حسن کا صدارتی خطاب
سٹیج پر نواب چوہدری' چوہدری محمد افضل اور ذوالفقار علی شاہد بیٹھے ہیں



کمبوہ ایسوسی ایشن کی طرف سے فاتح ہاکی ٹیم کے کپتان کو کپ پیش کیا گیا۔

محمد رفیق مجیٹھیہ، چوہدری محمد حنیف چاہ میراں، چوہدری غلام قادر، ڈاکٹر مقصود احمد اختر (صدر)، محمد یوسف حسن، محمد شریف معراج دین اور محمد قاسم نمایاں ہیں



ڈاکٹر تنویر الحسن عمران خان کو سپورٹس میڈیسن پر کتاب پیش کر رہے ہیں



کمو، کنونشن قصور کے سامعین

PERIODICALS.

Ancient Pakistan- Peshawar
Epigraphia Zeylanica
Epigraphia Indica
Icono-graphie Budhique
Indian Historical Quarterly (I H Q)
Journal Asiatique
Journal of Ancient Indian History (JAIH)
Journal of the Asiatic Society of Bengal (JASB)
Journal of the Ceylon Branch of the Royal Asiatic Society (JCBRAS)
Journal of Uttar Pardesh Historical Society (JUPHS)
Lahore Museum Bulletin
Puranas
District Gazetteers of U P Vol IV Meerut District- Ed H R Nevil Allahabad 1904

ABBREVIATIONS

CHI	*The Cultural Heritage of India*
CII	*Corpus Inscriptionum Indicarum*
CSGDEP	*A Critical study of the Geographical Data in the Early Puranas*
GDAMI	*The Geographical Dictionary of Ancient and Mediaeval India*
PSMAP	*Political and Social Movements in Ancient Punjab*
JRAS	*Journal of the Royal Asiatic Society*

Ibbetson, D Maclagon,E D , Rose , H A	*A Glossary of the Tribes and Castes of the Punjab and N W F P* - Vol II Lahore - 1911
Ibrahim Shah	*(Thesis) Ancient Pakistan*- Vol VIII , Peshawar,1993
//	Lahore Museum Bulletin - Vol VII Lahore 1994
James Todd (Lt Col)	*Rajasthan - Annals and Antiquities of*, London
Jayaswal K P	*Hindu Polity* - Bangalore, 1943
Joshi L M	*History of the Punjab* - Patiala, 1977
Kangle, R P	*The Kautalya Arthasatra* - Part I, II , 1960, 1963
Khanna, B R	*Indian History* - Lahore (Revised Dharmpal) 1946
Konow, Stien	*Corpus Inscriptionum Indicarum*- Vol II, Varanasi 1969
Kuhn, E	*First Series of Avesta - Pehalvi and Ancient Persian Studies*, Leipzig, 1904
Lakshaman Sarup	*Nirukta of Yaska*- Delhi, 1967
Latif S M	*History of the Punjab* - Lahore 1989 (Reprint)
Law, B C	*Some Ksatriya Tribes in Ancient India* - Calcutta, 1924
	Historical Geography of Ancient India- Paris, 1954
Longman	*History of India* - London, 1940
Macdonell A A	*A History of Sanskrit Literature* -
Macdonell & Keith	*Vedic India* - Delhi, 1967
Majumdar, R C	*Kamboja Desa* -Madras, 1944
//	*The History and Culture of Indian People* Bombay, 1962
Mc Crindle, J W	*Ancient India* - Calcutta, 1960
Mitra, R L	*Indo - Aryans* - Delhi 1969
Mitra, R L	*Indian Aryans* - Calcutta, 1981
Mookarjee R K	*Chandergupta Maurya and his Times* - Delhi, 1943
Muir, J	*Original Sanskrit Texts* - Part II, New Delhi, 1976 (Translated by A Ghafoor Sastri)
Mukerji, R K	*A History of Indian Civilisation - Asoka*,Delhi, 1955
Nehru-Jawaharlal	*Discovery of India*- Delhi, 1967
Nijjar-Bakhshish Singh	*Punjab under the Mughals* - Lahore, 1979
Nikam, N A	*The Edicts of Asoka* - Chicago

Olaf Caroe	*The Pathans - Karachi, 1976*
Om Parkash	*Food and Drinks in Ancient India* - Delhi, 1961
Pargiter, E	*Ancient India, Historical Traditions* - Delhi, 1962
------	*The People* - East Indian Co Publications Vol II London, 1886
Rangacharya,	*Vedic India* - Madras, 1937
Rapson, E J	*The Cambridge History of India* - Delhi, 1955
Ray H C	*History of Ceylon* - Colombo, 1959
Raychaudhri H C	*Political History of Ancient India* - Calcutta,H C 1953
Renon, L	*Religions of Ancient India* - New Delhi, 1972
Rhys Davids T W	*Budhist India* - Calcutta, 1955
Rose H A	*Punjab Castes* - Lahore, 1911
Sachau, Edward C	*Al-Beiruni's India*, Delhi, 1964
Sen, B C	*Some Historical Aspects of Inscriptions of Bengal*- Calcutta 1962
Sen, Sukumar	*Old Persian Inscriptions of the Achaemenian Emperors* - Calcutta, 1941
Shah, T L	*Ancient India*,Vol 1- Baroda, 1938
Singh, M R	*A Critical Study of the Geographical Data in the Early Puranas* - Calcutta, 1972
Sinha, B P	*The Comprehensive History of India* - Vol I, Patna , 1974
Sircar , D C	*Studies in the Society and Administration of Ancient and Mediaeval India*-Calcutta - 1967
//	*Studies in Geography of Ancient and Mediaeval India* Delhi, 1971
Smith, V A	*The Early History of India*, Oxford, 1957
Stanley Lane-Poole	*Mediaeval India* - Lahore 1991
Stein, M A	*Kalhan's Rajatrangini*
Thapar,Romila	*A History of India* - Baltimore, 1969
Waliullah-Khan	Kambohs -Lahore
Wilson, John	*Indian Castes* - Bombay, 1877

BIBLIOGRAPHY

Agrawala, V S — *India as Known to Panini* - Varanasi 1963

Aiyangar ,S K — *Ancient India* - Madras ,1911

Ali, K — *A History of Indo-Pakistan* - Lahore (4th Edition)

Ali, S M — *The Geography of the Puranas* - New Delhi, 1973

Bannerji, P N — *Public Administration in Ancient India*- Delhi 1961

Banerjee, A C — *Buddhism in India and Around* - Calcutta 1973

Benjamin Walker — *Hindu World* - Vol I ,1968

Bhandarkar, D R — *Asoka* - Calcutta, 1955

Bhattacharya B — *Yaska's Nirukta and the Science of Etymology* Calcutta 1958

Blochmann H — *Ain-e-Akbari-Abul Fazal (Translation)*

Budh Parkash — *Studies in Indian History and Civilisation* Agra,1962

// — *Political and Social Movements in Ancient Punjab* - Lahore, 1976 (PSMAP)

// — *India and the World* - Hoshiarpur, 1961

Chatterjee A S — *Ancient Indian Literary and Cultural Traditions*

Chattopadhyaya S — *Achaemenids and India* - Delhi 1974

Chattopadhyaya S. — *The Sakas in India* - Santi Niketana 1925

Cowel, E B — *The Cultural Heritage of India* - Calcutta, 1938

Crooke, W — *The Tribes and Castes of NWFP & Oudh*, Calcutta, 1896

Cunningham A — *The Ancient Geography of India* - Varanasi 1967

Dani A H — *A Short History of Pakistan* - Karachi, 1967

Dani A H — *Shahbazgarhi* - Peshawar, 1967

Dar (Dr) — *Taxila and the Western World* - Lahore 1984

Dey, Nandlal — *The Geographical Dictionary of Ancient and Mediaeval India* - Delhi , 1971

Eliot Charles — *Hinduism and Budhism* - Vol III, London 1968

Elliot, H M — *Supplemented Glossary*- London, 1869

Elphinston M — *An account of the Kingdom of Caubul* London,1815

Fauja Singh & L M Joshi — *History of the Punjab* -Patiala 1976

Gait E — ...1- Calcutta, 1967

Grierson (... *of India* - Vol X Calcutta , 1921